اِنعامُ الباری

دُروسِ بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر

صَحیح البُخاریُ: الجزء الثانی

کتاب المغازی (حصہ اوّل)

(۱) باب غزوة العشيرة أو العسيرة (۳٦) باب غزوة الحديبية

رقم الحديث: ۳۹۴۹-۴۱۹۱

جلد-۹

ضبط وترتیب تخریج ومراجعت

محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14

8/131, DOUBLE ROOM 'K' AREA 36-A, KORANGI, KARACHI.
PHONE 021-35046223, 35159291, CELL: 0092-300-3360816
E-MAIL: MAKTABAHERA@YAHOO.COM, & INFO@DEENEISLAM.COM
WEBSITE: WWW.DEENEISLAM.COM

مکتبۃ الحراء

نام کتاب	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۹
افادات	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت	محمد انور حسین (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
کمپوزنگ	حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 35046223 21 0092
باہتمام	محمد انور حسین عفی عنہ

ناشر: مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

website:www.deeneislam.com

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35046223, 35159291 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 32722401 021
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 3753255 042
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 6-35031565 021
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون 35032020 021
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 32631861 021

افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين وقائد الغر المحجلين ، وعلى آله وأصحابه اجمعين ، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا "**سحبان محمود**" صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرتؒ کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پرنور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاریؒ پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ جل جلالہ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک **مکتبة الحراء**، **فاضل ومتخصص** جامعہ دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے "**کتاب بدء الوحی**" سے "**کتاب النکاح**" آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ ﷻ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرماکر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔آمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷ / رجب المرجب ۱۴۳۹ھ
بمطابق ۴/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ

بندہ محمد تقی عثمانی
جامعہ دارالعلوم کراچی

عرضِ ناشر

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

أما بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان **محمود** صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (**کتاب بدء الوحی** سے **کتاب رد الجهمية علی التوحید**، ۹۷ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہے، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف تفقہ علمی و تشریحات، ائمہ اربعہ کے فقہی اختلافات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبانِ علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث و علومِ حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین. وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ بمطابق ۴/ اپریل ۲۰۱۸ء، بروز بدھ

خلاصة الفهارس

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی.

عرض مرتّب

اساتذۂ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں **فیض الباری ، فضل الباری ، أنوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفہم لصحیح مسلم ، کشف الباری** ،تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ،فقیہانہ بصیرت ،فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں ،درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث ونظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں ،خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ ،حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث ونظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں ، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل ودماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ تمنا تشنۂ تکمیل رہی ،لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے ، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی وعملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم وفن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث ،فقہ وتصوف اور تدین وتقوی کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دار العلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب ''علوم القرآن'' ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت بچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ:

> یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:
>
> پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق وتنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مأخذوں کے حوالے بقید ابواب وصفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہوسکتا ہے۔
>
> اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کردی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة، وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجاب، في مدينة كراتشي من باكستان، متوجا بخدمة علمية ممتازة، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة الشيخ محمد تقي العثماني، نجل سماحة شيخنا المفتي الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالي في عافية وسرور.

فقام ذاك النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا الكتاب والتعليق عليه، بما يستكمل غاياته ومقاصده، ويتم فرائده و فوائده، في ذوق علمي رفيع، وتنسيق فني طباعي بديع، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة. تتجلى فيها خدمات المحقق اللوذعي تفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع: شكر طلبة العلم والعلماء.

کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملهم بشرح صحيح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ نے ذہین وذکی فرزند، محدث جلیل، فقیہ، ادیب واریب مولانا محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت وکوشش کو ابھارا کہ فتح الملهم شرح مسلم کی تکمیل کرے، کیونکہ آپ "حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی" کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس باکمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی "تكملة فتح الملهم" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله وإتمامه - إن شاء الله - لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض " هو الفقيه ابن الفقيه ،صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى العثمانى ،بن الفقيه العلامة المفتى مولانامحمدشفيع رحمه الله وأجزل مثوبته ،و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كثب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية ،ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى ، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر ، حين سعدت به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى بالبحرين ، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقية المطلع على المصادر،المتمكن من النظر والاستنباط،القادر على الاختيار والترجيح ،والواعى لما يدور حوله من أفكار و مشكلات — أنتجها

هذا العصرالحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح مسلم ، وبعبارة أخرى : فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح :حسن المحدث ، وملكة الفقيه ،وعقلية المعلم، وأناة القاضى،ورؤية العالم المعاصر،جنبا إلى جنب.

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه بذلك بعض أحبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى مقدمته.

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذى يتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذى لايحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلا.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقي هو أولاها بالتنويه، وأوفاها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثاني.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثا وتحقيقات حديثية، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراء ته لثقافة العصر، واطلاعه على كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ–

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر و مآخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر وفکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے اردگرد جو خیالات ونظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم وجدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب وثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذۂ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ پچیس (۲۵) سالوں سے ان دروس ومجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ لما اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادۂ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبا کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ ر ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثۂ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (**کتاب بدء الوحی سے کتاب رد الجهمية على التوحيد**، ۹۷ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ انہی لحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہوگئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشر یخطئ) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے" کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

أو ليس من نعمة الله عليک أن تحدث و أنا شاهد فإن اصبت فذاک و إن اخطأت علمتک.

(طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کروگے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی کروگے تو میں تم کو بتادوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا ''درس بخاری'' کی یہ کتاب بنام ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی ونظری تکمیل وتحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمربستہ ہونا صرف فضل الٰہی، اپنے مشفق اساتذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاذ محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات ومشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون وتصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبحر وبرتری کا معاصر مشاہیر اہل علم وفن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب ومراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار وکٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت وکاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہوجاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم ومعارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ وعطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء وتشریحات، ائمۂ اربعہ کی موافقات ومخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم وتحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ''کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید'' تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ''۷۵۶۳'' اور ابواب ''۳۹۳۰'' پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع ومتکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے

ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگا دیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ معہ ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدیئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدة القاری** اور **تکملة فتح الملهم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکملہ فتح الملهم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت وسلامت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان وقلم سے اللہ ﷻ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر وتشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القرأ حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ بمطابق ۴ اپریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ

کتاب المغازی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
قال الشیخ الامام الحافظ الحجة أمیر المؤمنین فی الحدیث أبو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن المغیرة البخاری رحمہ اللہ تعالیٰ، آمین:

۶۴ ۔ کتاب المغازي

کچھ کتاب المغازی سے متعلق

امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری جلد کتاب المغازی کی شروع کی ہے، یہ کہنا تو مشکل ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو جلدیں شروع کی تھیں، البتہ ہماری اس ترتیب کے اندر جو دوسری جلد بن رہی ہے، وہ **کتاب المغازی** سے شروع ہو رہی ہے۔

مغازی: لغةً واصطلاحاً

"مغازی": **"مغزی"** کی جمع ہے، یہ **"غزا یغزو غزواً"** سے مصدر میمی ہے، اس کے معنی "لڑنا، جنگ کرنا" کے آتے ہیں اور اسی کا مصدر میمی **"مغزی"** ہے اور اس کی جمع **"مغازی"** ہے۔ [۱]

اس سے مراد نبی ﷺ کی حیات طیبہ میں جو جنگیں پیش آئیں ان کا بیان ہے، البتہ مغازی کا ذکر کرتے ہوئے اگرچہ اصل مقصود ان جنگوں کا بیان ہوتا ہے جو حضور ﷺ نے لڑیں یا آپ ﷺ نے کسی سریہ کے ذریعہ لڑوائیں، لیکن طبعاً وضمناً اس میں لڑائی اور جنگ کے علاوہ نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے بعض حالات بھی آجاتے ہیں۔

"مغازی" اور "سیر" میں فرق

امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب المغازی میں جہاں جنگوں کا بیان ہے وہاں حضور ﷺ کی سیرت سے متعلق

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۰۴، دار إحیاء التراث العربی.

احادیث بھی آگئی ہیں، جن میں جنگ کا بیان نہیں لیکن آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا کچھ حصہ ہے، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کی وفات کی تفصیل بھی بیان فرمائی، اس بات کو بعض اوقات سیر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

چنانچہ بعض جگہ اس کو **"کتاب المغازی"** کے بجائے **"کتاب السیر"** سے تعبیر کرتے ہیں۔

"سیر" سیرت کی جمع ہے اور اس میں معاملہ مغازی کے برعکس ہے، یعنی وہاں اصل مقصود سیرت طیبہ کا بیان ہوتا ہے، آپ کے حالات زندگی کا بیان ہوتا ہے، لیکن حالات زندگی کے اندر مغازی بھی آجاتے ہیں۔

بعض لوگوں نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر کتابیں لکھی ہیں ان کا نام سیرت یا سیر رکھا، جیسا کہ **"سیر محمد ابن اسحاق"** اور اس کی تلخیص ابن ہشام رحمہ اللہ نے کی اور اس کی شرح علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے **"الروض الأنف"** کے نام سے لکھی ہے۔

بعض کتابیں سیرت کے نام سے بھی آتی ہیں اور بعض کتابیں مغازی کے نام سے لکھی گئیں ہیں، جیسے **"المغازی للواقدی"** چار جلدوں میں ہے، یا **"مغازی موسی ابن عقبة"** مغازی کے نام سے آئی۔

حاصل یہ کہ مغازی میں اصل مقصود جنگوں کا بیان ہے، طبعاً سیرت کے دوسرے حالات بھی آگئے ہیں اور سیرت میں اصل مقصود سیرت کا بیان ہے اس کے ضمن میں مغازی بھی آگئے ہیں، تو **"کتاب المغازی"** اس کتاب کا عنوان ہے۔

مغازی اور جہاد میں فرق

"صحیح البخاری۔ جلد اول" میں ایک کتاب **"کتاب الجهاد"** کے نام سے مستقلاً ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ مغازی میں وہ واقعات بیان کیے جاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں غزوات کس طرح پیش آئے تھے، ان کے اسباب کیا تھے اور ان کی تفصیلات کیا ہیں۔

اور **"کتاب الجهاد"** میں مقصود جہاد کے احکام بیان کرنا ہے کہ جہاد کس صورت میں فرض ہوتا ہے، اس کا طریقۂ کار کیا ہوتا ہے، اس میں کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے، مال غنیمت کیسے تقسیم ہوگا، کس بنیاد پر تقسیم ہوگا وغیرہ وغیرہ، یہ مباحث **"کتاب الجهاد"** میں آتے ہیں۔ [۲]

جہاد اور مغازی میں یہ فرق ہے۔

---

[۲] جہاد کی حقیقت، اس کی اقسام کا بیان اور جہاد پر عائد کئے جانے والے اعتراضات اور ان کے جوابات "کتاب الجهاد" میں گذر چکے ہیں۔ تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الجهاد والسیر، ج:۷، ص: ۳۶۱

باب غزوة العشيرة
او العسيرة

(۱) باب غزوة العشيرة أو العسيرة

جنگ عشیرہ یا عسیرہ کا بیان

قال ابن إسحاق: أول ما غزا النبی ﷺ الأبواء، ثم بواط، ثم العشيرة.

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے ابواء کا غزوہ کیا پھر بواط کا پھر عشیرہ کا۔

پہلا باب امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے "**غزوة العشيرة**" قائم کیا، اس کے اندر دو لغات ہیں: "**بالشين**" اور "**بالسين**" اس لئے دونوں لفظ ذکر کر دیئے۔

باب العشيرة: اس لئے ذکر کیا کہ یہ وہ پہلا غزوہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ کو اپنی شرط کے مطابق حدیث مل گئی، اگرچہ اس سے پہلے بھی غزوہ اور سرایا ہو چکے، لیکن کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ "**غزوة العشيرة**" پہلا غزوہ ہو، اس لئے تعلیقاً ابن اسحاق کا قول نقل کر دیا، "**وقال ابن اسحاق أول ما غزا النبی ﷺ، الابواء، ثم بواط، ثم العشيرة**".

محمد بن اسحاق کا مقام

یہ محمد بن اسحاق صاحب السیر ہیں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو نبی کریم ﷺ کی سیرت کے سب سے بڑے راوی ہیں۔

حدیث میں ان کے مقام کے بارے میں شدید اختلاف ہوا ہے اور شاید جتنا اختلاف ان کے بارے میں ہے کسی اور کے بارے میں نہ ہو، کیونکہ کہنے والوں نے انہیں امیر المؤمنین فی الحدیث بھی کہا اور دجال ابن الدجاجلہ بھی کہا۔[۱،۲]

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ دجال (جھوٹے) ہیں۔[۳]

دوسرے حضرات ان کو امیر المؤمنین فی الحدیث بھی کہتے ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی یہ منقول ہے

[۱،۲] وقال شعبة: محمد بن إسحاق أمير المؤمنين في الحديث، وقال عبد الله بن المبارك: محمد بن إسحاق ثقة ثقة ثقة. ارشيف ملتقى، ج: ۱۸، ص: ۲۹۲ وابو زرعة الرازي وجهوده في السنة النبوية، ج: ۲، ۵۸۸

[۳] وقال مالك: وذكره فقال: دجال من الدجاجلة. سير اعلاء النبلاء، ج: ۲، ص: ۴۹۵

کہ ابن اسحاق تابعی امام المغازی ہیں باقی حضرات عیال ہیں۔ [۴]

لیکن معتدل فیصلہ ان کے بارے میں یہ ہے کہ یہ ثقہ ہیں۔ [۵]

البتہ حافظہ میں تھوڑا سانقص ہے جس کی وجہ سے ان کی احادیث حسن ہیں۔

سیر اور مغازی میں معتبر

دوسری بات یہ ہے کہ یہ مدلس ہیں، تدلیس بکثرت کرتے ہیں، لہٰذا ان کا عنعنہ مشکوک ہے، لیکن جہاں یہ سماع کی تصریح کریں وہاں ان کی روایت معتبر ہے، خاص طور پر مغازی اور سیر میں ان کی روایتوں کو بحیثیت مجموعی معتبر مانا گیا ہے، الا یہ کہ ان سے زیادہ صحیح روایت معارض ہو، اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کے قول کو بطور استدلال ذکر فرمادیا۔

یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو جہاد کی اجازت مل گئی تھی، اس سے پہلے جہاد کی اجازت نہیں تھی اور اس کے مختلف مراحل میں کتاب الجہاد، تمہید و مقدمہ میں بھی پہلے گزر چکا ہے، اس میں یہ تھا کہ سب سے پہلے آیت آئی تھی کہ:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۝ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝﴾ [۶]

---

[۴] وروی حرملة عن الشافعي قال: من أراد أن يتبحر في المغازي فهو عيال على محمد بن إسحاق. سير اعلاء النبلاء، ج:۶، ص:۳۹۴ وقال يونس بن بكير: سمعت شعبة يقول: محمد بن إسحاق أمير المحدثين لحفظه. سير اعلاء النبلاء، ج:۶، ص:۳۹۷

[۵] اوائل المؤلفين في السيرة النبوية، ج:۱، ص: ۵۵

[۶] [الحج: ۳۹، ۴۰]

ترجمہ: جن لوگوں سے جنگ کی جارہی ہے، اُنہیں اجازت دی جاتی ہے (کہ وہ اپنے دفاع میں لڑیں) کیونکہ اُن پر ظلم کیا گیا ہے، اور یقین رکھو کہ اللہ ان کو فتح دلانے پر پوری طرح قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں صرف اتنی بات پر اپنے گھروں سے ناحق نکالا گیا ہے کہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کے ایک گروہ (کے شر) کو دوسرے کے ذریعے دفع نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں اور کلیسا اور عبادت گاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا کثرت سے ذکر کیا جاتا ہے سب مسمار کر دی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اُن لوگوں کی مدد کرے گا جو اُس (کے دین) کی مدد کریں گے۔ بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا، بڑے اقتدار والا ہے۔

جہاد کی اجازت

اس آیت میں جہاد کی اجازت دی گئی تھی فرضیت ابھی نہیں ہوئی تھی اور اجازت بھی ایک طرح کے دفاعی جہاد کی تھی۔

یعنی جب مدینہ "دارالاسلام" بن گیا اور مسلمانوں کی قلیل سی جمعیت ایک مستقل مرکز پر جمع ہوگئی تو مظلوم مسلمانوں کو جن سے کفار برابر لڑتے رہتے تھے اجازت ہوئی بلکہ حکم ہوا کہ ظالموں کے مقابلہ پر تلوار اٹھائیں اور اپنی جماعت اور مذہب کی حفاظت کریں۔ اس قسم کی کئی آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔

اب واقعات اس طرح پیش آئے ہیں کہ جو غزوات بدر سے پہلے ہوئے ہیں، وہ عام طور سے تین سریے اور تین غزوے ہیں۔

°

غزوہ اور سریہ کی تعریف

غزوہ: علمائے سیر کی اصطلاح میں جس جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی ہو اس کو غزوہ کہتے ہیں۔

سریہ: جس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی لشکر یا جماعت کو بھیجا ہو خود آپ اس میں شریک نہ ہوئے ہوں اس کو

سریہ اور بعث کہتے ہیں۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ جہاد کا آغاز کچھ سرایا سے ہوا ہے۔

ایک سریہ حضرت حمزہ ﷺ کا تھا، ایک سریہ حضرت عبیدہ بن حارث ﷺ کا تھا اور ایک سریہ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷺ کا تھا، یہ سرایا آپ نے سب سے پہلے بھیجے، اس کے بعد غزوات کا آغاز ہوا، سب سے پہلا غزوہ ابواء، دوسرا بواط، تیسرا عشیرہ ہے۔

سرایا اور غزوات کا مقصد

ان تینوں سرایا اور غزوات کا بنیادی مقصد جو سیر کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ قریش اپنے تجارتی قافلے شام بھیجا کرتے تھے اور شام کا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرتا تھا، آمد و رفت میں مدینہ منورہ کے آس پاس سے ان کو گزرنا ہوتا تھا، نبی کریم ﷺ کو جب اطلاع ملتی کہ کوئی قافلہ مدینہ منورہ سے شام جا رہا ہے اور مدینہ منورہ کے آس پاس ہے تو آپ ﷺ سریہ بھیج دیا کرتے تھے اور کبھی خود بنفس نفیس تشریف لے گئے۔

تین سرایا جن کا ذکر ہوا، ان کا بنیادی مقصد قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا تھا اور تین غزوات کا جن کا یہاں ذکر ہے۔

یعنی ابواء، بواط اور عشیرہ ان تینوں میں بھی یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا قافلہ جا رہا ہے، تو آپ ﷺ اس کے مقابلہ کے لئے تشریف لے گئے۔

ابواء، بواط اور عشیرہ کا اجمالی خاکہ

ابواء

یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آنحضرت ﷺ بہ نفس نفیس تشریف لے گئے اور غزوہ تبوک آخری غزوہ ہے۔

شروع صفر ۲ ھ میں ساٹھ مہاجرین کو جن میں کوئی انصاری نہ تھا اپنے ہمراہ لے کر قافلہ قریش اور بنوضمرہ پر حملہ کرنے کے لئے ابواء کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت سعد بن عبادہ ﷺ کو مدینہ میں اپنا جانشین مقرر فرمایا، اس غزوہ میں جھنڈا حضرت حمزہ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔

جب آپ ﷺ ابواء پہنچے تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا بنی ضمرہ کے سردار مخشی بن عمرو سے صلح کر کے واپس ہوئے شرائط صلح یہ تھیں کہ بنوضمرہ نہ مسلمانوں سے جنگ کرینگے اور نہ مسلمانوں کے کسی دشمن کی مدد کریں گے اور

نہ کبھی دھوکہ دینگے اور عند الضرورت مسلمانوں کی اعانت اور امداد کرنی ہوگی۔

اس غزوہ کو غزوہ ودان بھی کہتے ہیں۔ ابواء اور ودان دو مقام ہیں جو قریب قریب ہیں جن میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے۔ ۷

اس غزوہ سے آنحضرت ﷺ پندرہ روز کے بعد بلا قتال مدینہ منورہ واپس ہوگئے اس سفر میں قتال کی نوبت نہیں آئی۔ ۸

بواط

آپ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہوا کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ مکہ جارہا ہے اس لئے آپ ﷺ ماہ ربیع الاول ۲ ھ یا ربیع الثانی میں دوسو افراد لے کر قریش کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے بواط کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت سائب بن عثمان بن مظعون ﷺ کو، جو سابقین اولین اور مہاجرین حبشہ میں سے ہیں، مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا۔

قریش کے اس قافلہ میں ڈھائی ہزار اونٹ تھے اور امیہ بن خلف اور سو آدمی قریش کے تھے بواط پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ نکل چکا ہے اس لئے آپ ﷺ بلا جدال وقتال مدینہ منورہ واپس آگئے۔ ۹

---

۷ لأن الأبواء وودان مكانان متقاربان بينهما ستة أميال أو ثمانية، ولهذا وقع في حديث الصعب بن جثامة وهو بالأبواء أو بودان. فتح الباري، ج: ۷، ص: ۲۷۹

۸ هي أوّل غزوة غزاها رسول الله ﷺ بنفسه ويقال لها: غزوة ودان، وقال ابن إسحاق: خرج النبي ﷺ، غازيا في صفر على رأس اثني عشر شهرا من مقدمة المدينة، وقال ابن هشام: واستعمل على المدينة سعد بن عبادة، وقال ابن جرير: يريد قريشا وبني ضمرة بن بكر بن عبد مناة بن كنانة، فوادعته فيها بنو ضمرة ورجع رسول الله ﷺ، ولم يلق كيداً. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۰۵، وعيون الاثر، ج: ۱، ص: ۲۲۶

۹ وقال ابن اسحاق: غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر ربيع الاول، يعني: من السنة الثانية من الهجرة، يريد قريشا، قال ابن هشام: واستعمل على المدينة السائب بن عثمان بن مظعون، وقال الواقدي: استخلف عليها سعد بن معاذ، وكان رسول الله ﷺ في مائتي راكب، وكان لواؤه مع سعد بن أبي وقاص، وكان قصده أن يتعرض لعير قريش وكان فيه أمية بن خلف ومائة رجل وخمس مائة بعير، قال ابن اسحاق: حتى بلغ بواط من ناحية رضوى ثم رجع إلى المدينة ولم يلق فيها كيدا فلبث بها شهر ربيع الآخر وبعض جمادى. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۰۵، وكتاب المغازي للواقدي، ج: ۱، ص: ۱۲

عشیرہ

اثناء جمادی الاولیٰ ۲ ھ میں آپ ﷺ نے دوسو مہاجرین کو لے کر قریش کے قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے عشیرہ کی طرف خروج فرمایا جو ینبع کے قریب ہے اور مدینہ میں حضرت ابوسلمۃ بن عبد الاسد ﷺ کو اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور سواری کے لئے تیس اونٹ ہمراہ لئے۔ جس پر صحابہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے پہنچنے سے کئی روز پیشتر قافلہ نکل چکا تھا، آپ ﷺ بقیہ جمادی الاولیٰ اور چند راتیں جمادی الثانیہ تک وہیں قیام پذیر رہے اور بنی مدلج سے معاہدہ کر کے بلا جنگ کئے ہوئے مدینہ واپس ہوئے۔ [۱]

اہل مغرب کا الزام

میں جس پہلو کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ابتدائی واقعات جتنے بھی پیش آئے وہ تین چار سرایا، تین غزوات اور پھر چوتھا غزوۂ بدر کا واقعہ ہے۔ ان سب میں یہ بات مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے یا تو خود نکلے یا صحابۂ کرام ﷺ کو بھیجا اور اس سے قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا۔

جب غیر مسلم ان واقعات کا ذکر کرتے ہیں خاص طور سے اہل مغرب اور مستشرقین، تو وہ ان کی تصویر یہ بناتے ہیں کہ لوٹ مار کرنے گئے تھے، لیکن اتفاق سے کاروان ہاتھ نہ آیا اور بچ کر نکل گیا، کیونکہ باقاعدہ جنگ نہیں تھی کہ ان سے باقاعدہ اعلان جنگ کر کے جنگ کی گئی ہو، بلکہ تجارتی قافلہ جا رہا تھا جیسا کہ آج کل کہا جاتا ہے کہ یہ ایک پرامن تجارتی قافلہ تھا جو شام جا رہا تھا یا شام سے واپس آرہا تھا اور ان تجارتی قافلوں پر بار بار حملہ کرنے کے پروگرام بنائے گئے۔

---

[۱] وقال الواقدی: استخلف علیها سعد بن معاذ، وکان رسول اللّٰہ ﷺ فی مائتی راکب، وکان لواؤہ مع سعد بن أبی وقاص، وکان قصدہ أن یعترض لعیر قریش وکان فیه أمیة بن خلف ومائة رجل وخمسمائة بعیر. قوله: "ثم العشیرة" أی: ثم غزا العشیرة، قال ابن إسحاق: ثم غزا رسول اللّٰہ ﷺ قریشًا، قال ابن هشام: واستعمل علی المدینة أبا سلمة بن عبد الأسد، وقال الواقدی: وکان لواؤہ مع حمزة ﷺ، قال: وخرج رسول اللّٰہ ﷺ یعترض لعیر قریش ذاهبة إلی الشام حتی نزل العشیرة من بطن ینبع فأقام بها جمادی الأولی ولیالی من جمادی الآخرة، ووادع فیها بنی مدلج وحلفاء هم من بنی ضمرة ثم رجع إلی المدینة ولم یلق کیداً. قلت: ولم یکن فی هذہ الغزوات الثلاث حرب. کتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص: ۲، وعمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۰۵

یہ تو لوٹ مار ہے، یہ تو قتل و غارتگری ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں دہشت گردی کہتے ہیں۔
یہ اعتراض عام طور پر کیا جاتا ہے، خاص طور پر اہل مغرب کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کا جواب

آج کل ہمارے یہاں کچھ طبقے ایسے ہیں جو اہل مغرب کے ہر اعتراض کا جواب دینے کیلئے معذرت خواہانہ انداز میں اس طرح جواب دیتے ہیں کہ بھئی! آپ کو غلط فہمی ہوگئی ہے کہ ایسا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

ایسے لوگوں نے اس اعتراض کے جواب میں یہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا مقصود تھا، کہتے ہیں کہ جتنے بھی واقعات ہوں، چاہے سرایا ہوں یا غزوات ہوں یا غزوۂ بدر ہو، ان میں سے کسی میں بھی تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا مقصود نہیں تھا، علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی ﷺ میں یہی مؤقف اختیار کیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ابواء کے اندر بنو ضمرہ سے صلح کرنا مقصود تھا، اور عشیرہ میں بنو مدلج سے صلح کرنا مقصود تھا اور بواط کے اندر اگر چہ کسی سے صلح مذکور نہیں ہے لیکن یہ بات معلوم ہے کہ جہاں آپ ﷺ تشریف لے گئے تھے وہاں قبیلہ جہینہ آباد تھا تو وہاں شاید آپ ﷺ مذاکرات کے لئے تشریف لے گئے ہوں اور ممکن ہے وہ مذاکرات صلح کے لئے منتج نہ ہو سکے۔

جن قافلوں کا ذکر آیا ہے ان قافلوں پر حملہ کرنا مقصود نہیں تھا اور غزوۂ بدر میں بھی انہوں نے اسی قسم کی تاویل کی ہے کہ اصل میں آپ ﷺ قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے نہیں نکلے تھے بلکہ قریش نے پہلے ہی سے لشکر تیار کیا ہوا تھا اور وہ لشکر حملہ کرنے آرہا تھا تو آپ ﷺ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ [۱۱]

لیکن یہاں جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے جو مؤقف اختیار کیا ہے، اصل میں اس کا مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں کے اعتراض کا دفاع کیا جائے جو ان غزوات و سرایا کو — **معاذ اللہ** — لوٹ مار سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ اصل میں لوٹ مار نہیں تھی بلکہ اصل میں سیاسی سفر تھا جو لوگوں سے مصالحت کے لئے کیا گیا تھا۔

یہ مؤقف اسی لئے درست نہیں ہے کہ یہ ساری روایتوں سے آنکھیں بند کرنے کے مترادف ہے اور جو روایات سیر کی خاصی معتبر روایات ہیں وہ ایک بات بیان کر رہی ہیں تو اس بات کو کیسے بلا دلیل رد کیا جا سکتا ہے اور اس سے غیر مسلموں کا جواب بھی نہیں ہو سکتا۔

---

[۱۱] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ج:۱، ص:۳۰۲

کیونکہ وہ یہ کہیں گے کہ بھئی! آپ ہزار سال کے بعد اپنی طرف سے کہہ رہے ہو کہ صلح کرنے گئے تھے آپ کی کتابیں تو یہ کہہ رہی ہیں، آپ کی روایات یہ کہہ رہی ہیں کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے گئے تھے اور آپ چودہ سو سال کے بعد بیٹھ کر قیاس سے کہہ رہے ہو کہ جب ہم نے اعتراض کیا کہ بناوٹی اور مصنوعی بات ہے اس سے کوئی آدمی مطمئن نہیں ہوتا، اس لئے حقیقت حال سمجھنے کی ضرورت ہے۔

صحیح پس منظر اور اہل مغرب کے الزام کا تحقیقی جواب

(۱)...... سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تیرہ سال حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مکہ مکرمہ میں اس طرح گزرے کہ ہر آن اذیتوں کا کوئی عنوان ایسا نہیں ہے جو اختیار نہ کیا جا رہا ہو، کھانا بند، روٹی بند یہاں تک کے بیع وشراء بھی بند، چمڑا کھا کھا کر لوگ گزارہ کر رہے ہیں، توحید کا کلمہ پڑھنے والوں پر کوڑے برسائے جا رہے ہیں، تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جا رہا ہے، پتھروں کو ان کے سینے پر مارا جا رہا ہے اور کیا کیا ظلم کے عنوان ہیں جو ان کے اوپر توڑے نہیں جا رہے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں تیرہ سال اس طرح گزرے ہیں اور جب ان مظالم سے نکل کر ہجرت کا موقع آیا تو سروں کی قیمت لگا دی گئی کہ جو زندہ یا مردہ گرفتار کر کے لائے گا تو سو اونٹ انعام میں پائے گا، خون کے پیاسے تو پہلے ہی سے بنے ہوئے ہیں، چلئے اس سے نجات پا کر مدینہ منورہ میں آگئے۔ ابھی مدینہ منورہ میں قیام کے دوران ایک مأمن میسر آیا تھا کہ جہاں رہ کر لوگوں کو اسلام کی تعلیمات آرام سے دے سکیں اور لوگوں کی سیرت اور کردار کی تعمیر کر سکیں۔

لیکن جوں ہی سرکار دو عالم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں سے کفار مکہ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کو خط لکھا (جو سنن ابوداؤد میں مذکور ہے) کہ آپ نے ہمارے دشمن کو پناہ دی ہے، تو ہم اس بات کو گوارہ نہیں کر سکتے، لہٰذا یا تو ان کو یہاں سے نکال کر ہمارے پاس واپس بھیجو ورنہ ہم آپ کے اوپر حملہ کریں گے، بلکہ پورے مدینہ منورہ پر حملہ کریں گے، کفار مکہ نے یہودیوں کو یہ خط اس لئے لکھا تا کہ وہ مسلمانوں کی جڑیں کاٹنے بیٹھ جائیں اور دھمکی دی کہ مدینہ منورہ پر حملہ کیا جائے گا۔ [۱۲]

(۲)...... اسی میں اگلا واقعہ یہ پیش آیا جو آگے حدیث ۳۹۵۰ میں آرہا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

---

[۱۲] سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارة والفئی: باب فی خبر النضیر، رقم: ۳۰۰۴، ناشر: المکتبة العصریة، صیدا، بیروت.

جو مشہور انصاری صحابی اور سردار ہیں ان کی دوستی امیہ بن خلف سے تھی، جو کہ مکہ مکرمہ کے مشہور سردار تھے جب وہ مدینہ آتا تو ان کے ہاں ٹھہرتا اور جب یہ جاتے تو وہ ان کے ہاں ٹھہرتے تھے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ مکہ گئے تو اس کے ہاں ٹھہرے اور اس سے کہا کہ بھئی! ایسا وقت بتاؤ کہ جس وقت لوگوں کی بھیڑ بھاڑ نہ ہو، تا کہ میں طواف کرلوں، امیہ بن خلف نے کہا کہ دوپہر کے وقت ہجوم کم ہوتا ہے۔

چنانچہ دوپہر کے وقت طواف کے لئے چلے گئے، وہاں ابوجہل مل گیا، تو اس نے امیہ سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ بن خلف نے کہا کہ یہ سعد بن معاذ ہیں۔ ابوجہل نے کہا اچھا! سعد بن معاذ یہاں ہے؟ تم نے محمد اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہوئی ہے اور عمرہ کرنے کے لئے یہاں آئے ہو اور اگر تم امیہ بن خلف کے ساتھ نہ ہوتے تو میں تمہیں ہرگز اجازت نہ دیتا کہ سلامت واپس جاؤ۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جب دھمکی کے یہ الفاظ سنے تو اس سے زیادہ بلند آواز میں ابوجہل سے کہا کہ اگر تم ہمیں عمرہ کرنے یا طواف کرنے سے روکو گے تو ہم تمہیں اس سے زیادہ نقصان پہنچائیں گے کہ تمہارے تجارتی قافلوں کو روکیں گے، جو تم ملک شام بھیجتے ہو، یاد رکھو! سارا راستہ ہمارے پاس سے گزرتا ہے تو کوئی قافلہ مأمون نہیں رہے گا، اگر تم نے ہمیں روکا تو ہر قافلہ کے اوپر ہم حملہ کیا کریں گے، امیہ بن خلف نے کہا، جو ان کا میزبان تھا، کہ ابوالحکم کے آگے اپنی آواز بلند نہ کرو، جو وادی کا سردار ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا دوٹوک اعلان

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف سے کہا کہ تم خاموش رہو میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم عنقریب قتل ہونے والے ہو، یہ سن کر اس کو ڈر لگ گیا، لیکن اس واقعہ سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ انہوں نے اب تک باوجودیکہ مسلمان وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے، کفار مکہ کے دلوں میں یہ لاوا پک رہا تھا کہ کسی وقت مدینہ منورہ کو تاخت وتاراج کرنا ہے، وہاں سے آنے والوں کو عمرہ کرنے سے روکنا ہے۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے پوری جرأت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ جب تمہارا یہ رویہ ہے تو آئندہ ہم بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی کریں گے، "**تلک بتلک**" اور جنگ ہونے کے نتیجہ میں ہم تمہارے قافلے روکیں گے اور تمہارے قافلوں پر بھی حملہ کریں گے، اب قافلہ بھیجو تو سوچ سمجھ کر بھیجو، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دوٹوک اعلان کر دیا۔

اب جو تجارتی قافلوں پر حملے ہو رہے ہیں وہ کسی پر امن تجارتی قافلہ پر حملہ نہیں ہو رہا بلکہ اس تجارتی قافلہ پر حملہ ہو رہا ہے جو مسلمانوں کی عداوت پر پر تلے بیٹھی ہے جو نہ کسی کو اپنی طرف آنے دیتی ہے اور دوسروں کو

ان کے خلاف اکسارہی ہے اور ان کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہی ہے۔ اور یہ تجارتی قافلے معمولی قافلے نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ یہ تجارتی قافلے اس قسم کے ہوا کرتے تھے جس میں سارے اہل مکہ اور عرب کے لوگ پیسے ڈال کر سامان بھیجتے تھے اور ملک شام سے سامان منگواتے تھے، اس پر ان کی معیشت کا بڑا دارومدار تھا اور اس معیشت کے نفع سے درحقیقت یہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے کہ اسلحہ فراوانی کے ساتھ حاصل کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوں، ان واقعات کا یہ پس منظر ہے۔

لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ دو مصالح قوتیں، ہمسایہ ہیں اور ایک ساتھ رہ رہی ہیں بلکہ دو متحارب قوتیں ہیں، جن کا کھلم کھلا جنگ کا اعلان کیا ہوا ہے۔ جو زندہ یا مردہ ملے اسے سو اونٹ کا انعام ملے گا۔

(۳)...... تیسری بات یہ کہ کچھ صورت درمیان میں یہ بھی ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے جس سریہ کا میں نے ذکر کیا، اس میں ایک واقعہ پیش آ گیا تھا، وہ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی کسی مہم پر گئے تھے وہاں مقام نخلہ میں کفار سے مقابلہ ہو گیا تو مقابلے کے دوران یہ پہلی لڑائی ہوئی جس میں باقاعدہ جنگ ہوئی۔

اس لڑائی میں ایک شخص عمرو ابن حضرمی مارا گیا، یعنی قتل ہو گیا اور اتفاق سے ایسے دن قتل ہوا جو یوم الشک تھا، اس معنی میں کہ ۲۹ رجب گزر چکی تھی شعبان کا چاند ابھی پوری طرح نظر نہیں آیا تھا، یا اس کے برعکس تھا، ۲۹ جمادی الثانیہ گزر چکی تھی، تو ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات تھی یعنی یہ شک تھا کہ رجب گزر چکا ہے یا نہیں، رجب کا مہینہ اشہر حرم میں شمار ہوتا تھا۔

کافروں نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ انہوں نے اشہر حرم میں ہمارے آدمی کو قتل کیا، تو اعتراض یہ نہیں تھا کہ قتل کیا ہے کیونکہ جانتے تھے کہ حالت جنگ تو چل رہی ہے بلکہ اعتراض یہ کیا کہ اشہر حرم میں قتل کیا ہے اور اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ﴾ [۳۱]

ترجمہ: لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟ [۳۲]

---

[۳۱] [البقرة: ۲۱۷]

[۳۲] [حضرت فخر عالم ﷺ نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی انہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے۔ مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا، جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد ﷺ نے حرام مہینہ بھی حلال کر دیا اور اپنی لوگوں کو حرام مہینہ میں لوٹ مار کی اجازت دے دی...............

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾...............

تو اس آیت نے بتایا کہ تم جو اعتراض کر رہے ہو یہ تو بتاؤ کہ تم نے کیا کیا کرتوتیں کی ہوئی ہیں، تو اس واسطے وہ کہیں زیادہ بڑا جرم ہے اور یہ جو ہوا یہ جان بوجھ کر اشہر حرم کی حرمت پامال نہیں کی، بلکہ غلط فہمی کی بنیاد پر ہوئی ہے، اس کی وجہ سے یہ معذور ہے لیکن انہوں نے اتنا بڑا اس مسئلہ کو اٹھایا کہ پورے علاقے میں آگ لگادی کہ عمرو ابن حضرمی کو اشہر حرم میں قتل کیا ہے اور اس کا بدلہ لینا ہے، بدلہ لینے کی تیاری ہو رہی تھی۔

یہی ہے صحیح پس منظر اور یہ کہنا کہ تجارتی قافلے پر حملے نہیں کئے گئے یہ واقعات کے لحاظ سے غلط بھی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ تجارتی قافلوں پر حملے ہوئے لیکن اس پس منظر میں ہوئے جو میں نے بتایا۔

اعلان جنگ کا پس منظر

اس کو یوں سمجھنا چاہئے کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کے خلاف ایک طرح سے اعلان جنگ کیا ہوا تھا بلکہ تیرہ سال سے کر رکھا تھا، اب کوئی کسر انہوں نے نہیں چھوڑی تھی، تو انکے خلاف ایک طرح کی چھاپہ مار (گوریلا) جنگ تھی، کہ ان کے راستوں کو روکا جائے اور تجارت کو منجمد کیا جائے تاکہ وہ ہتھیار زیادہ جمع نہ کرسکیں اور مسلمانوں کے خلاف حملہ نہ کرسکیں۔

لہٰذا یہ صورتحال تھی نہ کہ وہ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی صاحب نے فرمائی ہے۔

۳۹۴۹ - حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا وهب: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق: كنت إلى جنب زيد بن أرقم، فقيل له: كم غزا النبي ﷺ من غزوة؟ قال: تسع عشرة، قيل: كم غزوت أنت معه؟ قال: سبع عشرة، قلت: فأيهم كانت أول؟ قال: العشير أو العسيرة، فذكرت لقتادة، فقال: العشيرة. [أنظر ۴۴۰۴، ۴۴۷۱] [۱۵]

ترجمہ: ابو اسحاق روایت کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی نے ان

........﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾........ مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپ سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے تب یہ آیت اتری۔ یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ کرام نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا شہر حرام یعنی رجب میں نہیں کیا اس لئے مستحق عفو ہیں ان پر الزام لگانا بے انصافی ہے۔ فائدہ نمبر: ۵، ۶، (البقرۃ: ۲۱۷ تفسیر عثمانی)]

[۱۵] صحيح مسلم، كتاب الحج، باب، رقم: ۲۱۹۸، وكتاب الجهاد والسير، باب، رقم ۳۳۸۱، وسنن الترمذي، كتاب الجهاد عن رسول الله، باب، رقم: ۱۵۹۹، ومسند احمد، أول مسند الكوفيين، باب، رقم: ۱۸۴۲۹، ۱۸۴۹۳، ۱۸۵۱۱، ۱۸۵۲۹، ۱۸۵۳۳

سے دریافت کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے کتنے غزوات کیے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا انیس، پھر پوچھا گیا آپ نے کتنی مرتبہ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شرکت کی ہے؟ جواب دیا سترہ۔ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ سب سے پہلے کون سا غزوہ واقع ہوا تھا؟ فرمایا عسیرہ یا عشیرہ، شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے یہی بات قتادہ سے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا عشیرہ۔

حضور ﷺ کے غزوات کی تعداد

یہ ابو اسحاق سبیعی رحمہ اللہ جو مشہور محدثین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ **"کنت الی جنب زید بن ارقم"** میں حضرت زید بن ارقم ﷺ کے برابر میں تھا۔ **"فقیل له"** ان سے پوچھا گیا کہ **"کم غزا النبی ﷺ من غزوۃ؟"** نبی کریم ﷺ نے کتنے غزوات لڑے ہیں؟ **"قال تسع عشرۃ"** زید بن ارقم ﷺ نے فرمایا کہ انیس غزوات لڑے ہیں۔

وجہ اختلاف

اب اس میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اکیس غزوات لڑے ہیں، بعض نے کہا چوبیس اور بعض نے کہا ستائیس، لیکن محققین محدثین نے ترجیح اس بات کو دی ہے کہ ستائیس غزوات لڑے ہیں۔ البتہ غزوات سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ جنگی مہمات میں روانہ ہوئے چاہے عملاً لڑائی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، وہ غزوہ ہے، تو یہ ستائیس غزوات تھے۔ [۲۱]

یہ عدد کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ جس کے علم میں جتنے غزوات آئے اس نے اتنا ہی عدد بیان کر دیا۔ بعض مرتبہ اختلاف اس وجہ سے بھی پیش آیا کہ ایک ہی سفر میں کئی جنگیں ہوئیں، کئی مہمات ہوئیں تو کسی نے اس کو ایک شمار کر لیا اور کسی نے اس کو کئی شمار کر لیا۔

---

[۲۱] فکانت مغازی النبی ﷺ التی غزا بنفسه سبعا وعشرین غزوۃ. وکان ما قاتل فیها تسعا: بدر القتال، واحد، والمریسیع، والخندق، وقریظة، وخیبر، والفتح، وحنین، والطائف. کتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص: ۷، وقد ذکر اصحاب والسیر اکثر من ذلک، فذکر محمد بن سعد عن جماعة من اهل السیر، منهم موسی بن عقبة وابن اسحاق وابو معشر وعبدالرحمن بن ابی الزناد فی آخرین، وقال: دخل حدیث بعضهم فی بعض، قالوا: عدد مغازی رسول اللہ ﷺ سبع وعشرون غزوۃ. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۱۰۲

ایک ہی سفر میں فتح مکہ بھی ہوا، حنین بھی ہوا، اوطاس بھی ہوا تو کسی نے ان کو تین شمار کرلیا اور کسی نے ایک شمار کرلیا، اور غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنو قریظہ ایک ہی تسلسل میں ہوئے، کسی نے ان کو دو سمجھ لیا اور کسی نے ایک سمجھ لیا، اس وجہ سے روایات میں اختلاف ہوا۔ [۷]

"قیل: کم غزوت انت معه؟ اُن سے پوچھا کہ آپ حضور ﷺ کے ساتھ کتنے غزوات میں شریک ہوئے؟ **"قال سبعة عشرة"** انہوں نے کہا کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شریک رہا ہوں۔

انہوں نے پوچھا ان میں سب سے پہلا کون سا تھا؟ **"قال: العشيرة الخ"** یہاں پر مراد یہ ہے کہ جس میں حضرت زید بن ارقم ؓ پہلے شریک رہا وہ عشیرہ یا عسیرہ ہے نہ کہ حضور ﷺ، کیونکہ صحیح قول کے مطابق حضور ﷺ کا پہلا غزوہ ابواء ہے، پھر بواط پھر عشیرہ۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت قتادہ سے ذکر کی تو قتادہ نے کہا کہ صحیح قول عشیرہ ہے۔

---

[۷] فان عد من الصحابة ذكر أعظمها، أو كانت قبل أن يشتهر أمر الغزو بالنسبة الى ماعلمه. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۱۰۶

باب ذکر النبی ﷺ من یقتل ببدر

(۲) باب ذکر النبی ﷺ من يقتل ببدر

بدر کے مقتولین کے متعلق آنحضرت ﷺ کے فرمان کا بیان

مقصد: غزوہ شروع ہونے سے پہلے نبی کریم ﷺ نے فرمادیا تھا کہ بدر والے دن کون کون قتل ہونے والا ہے، یہ بیان کرنا مقصد ہے۔

۳۹۵۰ ۔ حدثني أحمد بن عثمان: حدثنا شريح بن مسلمة: حدثنا إبراهيم بن يوسف، عن أبيه، عن أبي اسحاق قال: حدثني عمرو بن ميمون: أنه سمع عبدالله بن مسعود رضي الله عنه حدث عن سعد بن معاذ أنه قال: كان صديقا لأمية بن خلف وكان أمية إذا مر بالمدينة نزل على سعد، وكان سعد إذا مر بمكة نزل على أمية. فلما قدم رسول الله ﷺ المدينة انطلق سعد معتمرا، فنزل على امية بمكة، فقال لأمية: أنظر لي ساعة خلوة لعلي أن أطوف بالبيت. فخرج به قريبا من نصف النهار فلقيهما ابو جهل فقال: يا أبا صفوان، من هذا معك؟ فقال: هذا سعد، فقال له أبو جهل: الا أراك تطوف بمكة آمنا وقد أويتم الصبلة وزعمتم أنكم تنصرونهم وتعينونهم؟ أما والله لو لا أنك مع أبي صفوان ما رجعت إلى أهلك سالما، فقال له سعد ورفع صوته عليه: أما والله لئن منعتني هذا لأمنعنك ما هو أشد عليك منه، طريقك على مدينة. فقال له أمية: لا ترفع صوتك يا سعد على أبي الحكم سيدأهل الوادي، فقال سعد: دعنا عنك يا أمية، فوالله لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إنهم قاتلوك)) قال: بمكة؟ قال: لا أدري. ففزع لذلك أمية فزعا شديدا، فلما رجع أمية إلى أهله قال: يا أم صفوان، ألم ترى ما قال لي سعد؟ قالت: وما قال لك؟ قال: زعم أن محمدا اخبرهم أنهم قاتلي، فقلت له: بمكة؟ قال: لا أدري، فقال أمية: والله لا اخرج من مكة. فلما كان يوم بدر استنفر أبوجهل الناس، قال: أدركوا عيركم. فكراى أمية أن يخرج، فأتاه ابوجهل فقال: يا أبا صفوان، إنك متى يراك الناس قد تخلفت وانت سيد أهل الوادي تخلفوا معك، فلم يزل به ابو جهل حتى قال: أما إذا غلبتني فوالله لأشترين اجود بعير بمكة، ثم قال أمية: يا أم صفوان جهزيني، فقالت له: يا أبا صفوان ولقد نسيت ما قال لك أخوك اليثربي؟ قال: لا، ما اريد أن أجوز معهم إلا قريبا. فلما

خرج أمية أخذ لا يترك منزلا إلا عقل بعيره، فلم يزل بذلك حتى قتله الله عزوجل ببدر. [راجع: ۳۶۳۲]

غزوۂ بدر کا پس منظر

عداوت جو چلی بدر میں منتج ہوئی

ترجمہ وتشریح

"انه سمع عبدالله بن مسعود ﷺ .... ألكم تنصرونهم وتعينونهم؟"

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے سعد ابن معاذ سے حدیث روایت کی کہ سعد بن معاذ ﷺ امیہ بن خلف کی جاہلیت کے زمانے سے دوست تھے، سعد بن معاذ ﷺ قبیلہ اوس کے سردار تھے، امیہ جب کبھی مدینہ سے گزرتا تو سعد بن معاذ ﷺ کے پاس ٹھہرتا اور سعد ﷺ جب مکہ سے گزرتے تو امیہ بن خلف کے ہاں ٹھہرتے۔

جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لے گئے تو سعد بن معاذ ﷺ عمرہ کے لئے چلے گئے، تو مکہ مکرمہ میں امیہ بن خلف کے ہاں جا کر ٹھہرے اور امیہ سے کہا کہ میرے لئے کوئی تنہائی کا وقت تلاش کرو، تاکہ میں بیت اللہ کا طواف کرسکوں۔

دیکھو خلوت کا جہاں تک ذکر ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کو یہ اندیشہ تھا کہ اگر ایسے وقت میں گیا کہ جس میں عام لوگ ہوں گے تو ہوسکتا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچائیں کہ تم نے نبی کریم ﷺ کو کیوں پناہ دی ہوئی ہے، تو امیہ بن خلف حضرت سعد بن معاذ ﷺ کو نصف النہار کے قریب لے کر گیا۔

راستہ میں ابو جہل ملا، تو ابو جہل نے کہا کہ اے ابو صفوان (یہ امیہ بن خلف کی کنیت ہے) یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ سعد بن معاذ ہیں، ابو جہل نے سعد بن معاذ ﷺ سے کہا کہ کیا میں یہ نہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم مکہ مکرمہ میں بالکل مأمون ہو کر آرام سے طواف کر رہے ہو، جبکہ تم نے صابیوں کو پناہ دی ہوئی ہے۔ اور تمہارا دعویٰ ہے کہ تم ان کی نصرت اور مدد کرو گے۔

"الصباۃ"۔ "صابی" کی جمع ہے، یہ ستارہ پرستوں کو کہا جاتا تھا، لیکن مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو خطاب "صابی" سے دیا تھا۔ [۱]

---

[۱] الصباة بضم الصاد جمع الصابی، عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۱۰۷

"اما واللہ لولا انک مع ابی صفوان .... سید أھل الوادی"

یاد رکھو! خدا کی قسم اگر تم ابوصفوان کے ساتھ نہ ہوتے تو اپنے اہل کی طرف واپس صحیح سلامت نہیں جاتے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے اوپر بلند آواز سے فرمایا، یاد رکھو! خدا کی قسم اگر تم مجھ کو طواف کرنے سے روکو گے تو میں تمہیں ضرور روک دوں گا جو تم پر زیادہ سخت ہوگی بنسبت اس طواف کرنے سے یعنی مدینہ منورہ سے تمہاری گزرگاہ بند کر دوں گا، نتیجہ یہ نکلے گا کہ ملکِ شام کے ساتھ تمہاری تجارت ختم ہو جائے گی۔ امیہ بن خلف نے کہا کہ اے سعد! اس ابوالحکم پر تم اپنی آواز بلند نہ کرو جو ساری اہل وادی کا سردار ہے۔

"فقال سعد: دعنا عنک .... إنهم قاتلوک"

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ چھوڑو اے امیہ! خدا کی قسم میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ تمہیں قتل کر دینگے۔

"قال: بمکة؟ .... قال أمیة: واللہ لا أخرج من مکة"

اس نے کہا کہ کیا مکہ آکر قتل کریں گے؟ تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں، تو امیہ بن خلف بہت بری طرح گھبرا گیا، جب وہ اپنے گھر پہنچا تو اپنے بیوی سے کہا کہ اے ام صفوان کیا تو نے دیکھا نہیں کہ سعد نے کیا کہا ہے؟ اس نے کہا ہے کہ محمد نے ان کو خبر دی ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کرنے والے ہیں، میں نے پوچھا کیا وہ مجھے مکہ میں قتل کریں گے؟ تو اس نے کہا مجھے پتہ نہیں، تو میں نے کہا کہ خدا کی قسم میں مکہ سے نہیں نکلوں گا۔

"فلما کان یوم بدر .... قال أمیة: یا أم صفوان جھزینی"

جب بدر کا دن آیا تو ابوجہل نے لوگوں کو باہر نکالنے کیلئے ابھارا اور کہا کہ جا کر اپنے قافلہ کی مدد کرو، امیہ نے نکلنا گوارہ نہ کیا تو ابوجہل نے آکر اس سے کہا کہ اے ابوصفوان! جب لوگ تمہیں دیکھیں گے کہ تم پیچھے رہ گئے ہو حالانکہ تم اہل وادی کے سردار ہو تو وہ لوگ بھی تمہارے پیچھے رہ جائیں گے، تو ابوجہل اس کو چمٹا رہا یہاں تک کہ امیہ نے کہا کہ جب تم مجھ پر غالب آ ہی گئے اور ہر حالت میں مجھے لے جانا چاہتے ہو تو خدا کی قسم مکہ میں جو سب سے بہترین اونٹ ہوگا خرید دوں گا تا کہ بھاگنے میں آسانی ہو، پھر امیہ نے بیوی سے کہا کہ میرا سامان تیار کر دو۔

فقالت لہ: یا أبا صفوان ولقد نسیت............ معھم إلا قریبا"

تو بیوی نے اس سے کہا کہ اے ابوصفوان! کیا تو وہ بھول گیا کہ جو تیرے یثربی بھائی نے کہا تھا یعنی سعد بن معاذ نے جو قتل کی بات کہی تھی، اس نے کہا کہ میں بھولا نہیں ہوں اور میرا ارادہ نہیں ہے کہ میں ان کے ساتھ گزرتا ہوا چلا جاؤں مگر تھوڑی دیر ساتھ دوں گا، پھر پیچھے ہو جاؤں گا۔

"فلما خرج أمیة أخذ لا یترک منزلا إلا عقل بعیرہ، فلم یزل بذلک"

جب امیہ ان کے ساتھ نکل گیا تو اس نے یہ شروع کیا کہ کسی منزل پر نہیں اترتا تھا، مگر اپنے اونٹ کو

باندھ دیتا تھا، یہ عمل مسلسل کرتا تھا مقصد یہ تھا کہ کسی بھی وقت یہاں سے بھاگ جاؤں لیکن تقدیر اس کو کھینچ کھینچ کر لے جارہی تھی اور اسی حال میں رہا۔

"حتی قتله الله عزوجل ببدر"

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بدر میں قتل کر دیا۔

امیہ بن خلف کا قتل

امیہ بن خلف، رسول اکرم ﷺ کے شدید ترین دشمنوں میں سے ایک تھا جس وقت جنگ بدر کا کوئی وہم وگمان بھی نہ تھا۔ اس وقت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی زبانی مکہ میں ہی اپنے قتل کی پیشین گوئی سن چکا تھا جیسا پیچھے حدیث میں گزرا ہے۔ اس کے قتل کا واقعہ بھی بخاری میں آجائے گا۔

اس نے دیکھا کہ بدر کے اندر معرکہ زبردست گرم ہے اور لوگ دھڑا دھڑ قتل ہو رہے ہیں اور بڑے بڑے سردار مارے جا رہے ہیں، تو یہ آکر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس لپٹ گیا کہ مجھے خدا کے لئے بچاؤ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اس پر ترس آ گیا، کیونکہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زمانہ جاہلیت سے امیہ کے دوست تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ امیہ قتل نہ ہو بلکہ گرفتار اور اسیر ہو جائے۔ شائد اللہ تعالیٰ اس بہانے سے اس کو ہدایت نصیب فرمائے کہ یہ مسلمان ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے عذاب سے نجات پا جائے۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ امیہ کو چھپ چھپا کر لے جانے لگے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ یہ اس کو چھپا کر لے جا رہے ہیں، جس نے ان کو بے حد ستایا تھا، مکہ میں گرم پتھروں پر لٹایا کرتا تھا، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں اس کو بچ کر جانے نہیں دوں گا اور وہ اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بڑی کوشش کی کہ اس کو بچالیں مگر وہ ان تک پہنچ گئے۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ تو نیچے لیٹ جا میں تیرے اوپر لیٹ جاتا ہوں تا کہ تیرا بچاؤ ہو جائے، تو وہ لیٹ گیا اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اس کے اوپر سوار ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سامنے سے حملہ کرنے کا موقع نہیں رہا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کوئی نقصان نہ پہنچے تو انہوں نے بازو سے اس کو زخمی کرنا شروع کیا یہاں تک کہ بڑی اذیت ناک طریقہ سے مرا اور اسی حالت میں اس کی روح پرواز کر گئی، یہی مطلب ہے **"حتی قتله الله عزوجل ببدر"** کا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا بلال پر رحم فرمائے کہ میری زرہیں بھی گئیں اور میرے

قیدی بھی ہاتھ سے گئے۔

یہ غزوۂ بدر کا پس منظر تھا جس میں ایک طرف تو یہ بتا دیا کہ بدر کے دن کون کون قتل ہوگا اور دوسری طرف یہ پس منظر بھی بتا دیا کہ دیکھو اس وقت سے یہ عداوت چلی آرہی تھی جو بالآخر غزوۂ بدر میں منتج ہوا۔ [۲]

(۳) باب قصة غزوة بدر

غزوہ بدر کا بیان

بدر کی احادیث متفرق طور پر آئی ہیں

اس باب میں غزوۂ بدر کا قصہ بیان کرنا مقصود ہے۔

یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ غزوۂ بدر سے متعلق متعدد احادیث لے کر آئے ہیں۔ لیکن چونکہ غزوۂ بدر کی مکمل تفصیلات جن روایتوں میں مروی ہیں ان میں سے بیشتر امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں تھیں اس واسطے انہوں نے غزوۂ بدر کا واقعہ اس تفسیر و تفصیل سے بیان نہیں کیا جو سیر اور مغازی کی کتابوں میں مذکور ہیں بلکہ متفرق احادیث لائے ہیں جو غزوۂ بدر کے کسی نہ کسی واقعہ پر مشتمل ہیں۔

لہٰذا میں پہلے غزوۂ بدر کا واقعہ تفصیل کے ساتھ عرض کردوں پھر جو احادیث آئیں گی وہ ان میں سے کسی نہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ کریں گی۔

آغاز قصہ غزوۂ بدر

غزوۂ بدر کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ عشیرہ میں ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کرنے کی غرض سے نکلے تھے، اس وقت ابوسفیان کا یہ قافلہ مکہ مکرمہ سے ملکِ شام جا رہا تھا، جب یہ چلا گیا تو اس کے بعد ایک واقعہ اور پیش آیا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی ایک چراگاہ پر کفار نے حملہ کیا اور اس حملہ کے نتیجہ میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کو غزوۂ بدر صغریٰ کہا جاتا ہے۔

اس سے پہلے وہ واقعہ بھی میں بیان کرچکا ہوں جو سریہ عبداللہ بن جحش ؓ تھا، اس میں ایک حضرمی کا

---

[۲] صحیح البخاری: کتاب الوکالة، رقم: ۲۳۰۱، و کتاب المناقب، رقم: ۳۶۳۲

قتل ہو چکا تھا اور کفار مکہ اس کی وجہ سے مشتعل تھے اور اس کا بدلہ لینے کی فکر میں تھے۔

ابو سفیان کا تجارتی قافلہ

جب ابو سفیان کا یہ قافلہ ملکِ شام سے واپس لوٹا یہ کوئی معمولی قافلہ نہیں تھا، روایات میں آتا ہے کہ یہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل قافلہ تھا، اور ہر اونٹ سامان سے لدا ہوا تھا، جب یہ قافلہ روانہ کیا گیا تھا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں کوئی قریشی مرد و عورت نہیں بچا تھا جس کے پاس ایک مثقال بھی ہو اور وہ اس نے قافلہ میں نہ بھیجا ہو، یعنی سارے اہلِ مکہ نے مل کر اپنا سارا اثاثہ لگا دیا تھا، ایک طرف تو یہ تجارتی قافلہ تھا اور یہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل عظیم الشان قافلہ تھا۔

آپ تصور کیجئے کہ ایک ہزار اونٹ ہوں اور وہ سب کے سب سامان سے لدے ہوئے ہوں، یہ کوئی غیر معمولی قافلہ نہیں تھا اگرچہ روایات میں اس کی صراحت تو نہیں ہے لیکن قرائن یہ ضرور بتاتے ہیں کہ یہ قافلہ محض ایک تجارتی مہم نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ پیشِ نظر تھا کہ وہ جو مسلمانوں کے خلاف دل میں آگ سلگ رہی تھی جس کا اظہار ابو جہل نے یہودیوں کو خط لکھ کر بھی کیا تھا اور حضرت سعد بن معاذ ﷛ سے کہہ کر بھی کیا تھا، اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ساز و سامان چاہئے تھا، اس لئے اگر یہ کسی جنگی مہم کا حصہ ہو تو کچھ بعید نہیں۔

جب یہ قافلہ واپس لوٹا تو حضور اقدس ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اب اس کے اوپر حملہ کیا جائے اگرچہ جاتے وقت نہ ہو سکا تھا اس کے لئے آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ﷡ کو جمع فرمایا اور پیشِ نظر اس وقت قافلہ پر حملہ کرنا تھا تو اس واسطے کوئی بڑی نفیرِ عام نہیں تھی کہ ہر ایک آدمی کو دعوت دی جائے کہ بھئی سب چلو، وقت پر جو لوگ میسر آگئے وہ روانہ ہوئے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور تین سو تیرہ میں بھی کُل ستر اونٹ تھے، دو گھوڑے تھے، ایک گھوڑا حضرت مقداد بن الاسود ﷛ کے پاس تھا اور دوسرا حضرت زبیر بن العوام ﷛ کے پاس تھا، باقی سب پیدل تھے، تین سو تیرہ کے پاس آٹھ تلواریں تھیں، باقی کسی نے لاٹھی اٹھا رکھی تھی کسی نے کچھ اور، اس طرح روانہ ہوئے چونکہ ستر اونٹ تھے اور تعداد تین سو تیرہ تھی، اس لئے ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کا رفیقِ مَرکب

یہاں تک کہ خود نبی کریم ﷺ بھی اپنی باری پر سواری فرماتے تھے، حضرت علی ﷛ اور حضرت ابو لبابہ ﷛ جب ان کی باری آتی تھی تو ان کو سوار کرتے تھے، اگرچہ دونوں کی پیشکش تھی کہ ہم اپنی باری آپ ﷺ کے لئے

چھوڑنے کے لئے تیار ہیں لیکن سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں تم سے زیادہ اجر سے بے نیاز نہیں ہوں، اس واسطے اسی حالت میں تشریف لے گئے۔

ایک مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے حضرات صحابہ میں سے دو افراد ایک حضرت بسبس بن عمرو جہنی ﷺ اور ایک عدی ابن ابی الزغباء جہنی ﷺ کو بھیجا کہ قریش کی خبر لے کر آئیں اور ساتھ میں حضرت ابولبابہ ﷺ کو واپس کر دیا کہ وہ آپ کی غیر موجودگی میں مدینہ منورہ کی امارت سنبھالیں۔

حضرت بسبس بن عمرو جہنی ﷺ اور عدی ابن ابی الزغباء جہنی ﷺ اس وقت ان کے ذہن میں یہ تھا کہ ابو سفیان کے قافلہ کی خبر لینی ہے یہ دونوں حضرات خبر لیتے لیتے بدر کے قریب تک پہنچ گئے، وہاں ایک چشمہ کے کنارے دو عورتیں آپس میں باتیں کر رہی تھیں، ایک عورت کا قرضہ دوسری کے ذمہ تھا تو وہ اپنا قرضہ مانگ رہی تھی کہ میرا قرضہ واپس دیدو، جو مقروض عورت تھی وہ کہہ رہی تھی کہ مجھے تھوڑی سی مہلت دیدو، ابھی کچھ دنوں میں قریش کا قافلہ آنے والا ہے وہ آکر یہاں ٹھہرے گا تو اس سے مجھے کچھ روزگار مل جائے گا، تو اس وقت میں تمہارا قرضہ ادا کردوں گی، یہ آپس میں باتیں ہو رہی تھیں۔

وہیں پر ایک اور شخص بھی کھڑا تھا جس کا نام مجدی تھا اس نے دونوں عورتوں کے درمیان بیچ بچاؤ کرایا اور تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ہاں ابوسفیان کا قافلہ آنے والا ہے اور یہاں ٹھہرے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابوسفیان جاتے ہوئے یہاں ٹھہر کر گیا ہوگا اور اس نے جاتے ہوئے کہا ہوگا کہ واپسی میں بھی یہاں قیام کریں گے تو اس نے اُس کی تصدیق کردی، اس طرح ان دونوں عورتوں میں بیچ بچاؤ ہوگیا، بسبس بن عمرو جہنی اور عدی ابن ابی الزغباء جہنی رضی اللہ عنہما کو یہ خبر لینی مقصود تھی کہ اس جگہ یہ قیام کریگا تو یہ خبر لے کر روانہ ہوگئے۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ ابوسفیان جو قافلہ لے کر آرہے تھے ان کو اندیشہ تھا کہ میں مدینہ سے گزرنے والا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ پر حملہ ہو جائے تو اسی حالت میں وہ اس جگہ پہنچے جہاں یہ دو عورتیں تھیں اور قیام کرنا چاہا، لیکن قیام کرنے سے پہلے پوچھا کہ بھئی! یہاں کوئی اور لوگ تو نہیں آئے تو ان عورتوں نے کہا کہ ہاں یہاں دو آدمی آئے تھے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزہ میں پانی بھرا اور چلے گئے، کیونکہ وہ اجنبی لوگ تھے جو یہاں کے رہنے والے نہیں تھے۔

ابوسفیان نے کہا مجھے دکھاؤ وہ کس جگہ گئے تھے، جب دکھایا تو وہاں اونٹوں کی کچھ مینگنیاں پڑی ہوئی تھیں، تو ابوسفیان نے اونٹ کی ایک مینگنی اٹھائی اور اس کو توڑا اس میں سے کھجور کی گٹھلی نکلی تو اس نے کہا کہ یہ گٹھلی یثرب کے کھجوروں کی گٹھلی ہے، لہٰذا یہاں ضرور یثرب کے لوگ آئے ہیں اور ان کا مقصد میرے قافلہ پر حملہ کرنا ہوگا، لہٰذا اس نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص ضمضم کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ کیا اور خود اس نے راستہ کاٹ کر سمندری ساحل کی طرف راستہ اختیار کر کے مکہ کی طرف روانہ ہوگیا۔

اب اس میں روایتوں میں تھوڑا سا فرق ہے کہ ضمضم کو اس مرحلہ میں روانہ کیا تھا یا پہلے ہی روانہ کر چکا تھا، اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے، بہر حال ضمضم بھاگتا دوڑتا ہوا جلد مکہ مکرمہ پہنچا اور مکہ مکرمہ جا کر لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا کہ دوڑو ابوسفیان کا قافلہ خطرہ میں ہے۔

عاتکہ کا خواب

اس سے پہلے مکہ میں یہ واقعہ پیش آچکا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبد المطلب نے خواب دیکھا تھا کہ کوئی کہنے والا یہ کہہ رہا ہے کہ اے غدارو! تین دن کے اندر تم اپنے مقتل میں جانے والے ہو، اور ساتھ میں یہ بھی دیکھا تھا کہ اس آدمی کے ساتھ ایک اونٹ ہے اور اونٹ پر حملہ کر کے زخمی کیا گیا جس کا خون مکہ کے تمام گھروں میں پھیل گیا۔ یہ خواب دیکھ کر انہوں نے حضرت عباس ﷺ کو بتایا، تو عباس ﷺ نے اور لوگوں کو بتانا شروع کر دیا جس سے لوگوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید اب مکہ مکرمہ والوں پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

جب ابوجہل کو یہ پتہ لگا تو اس نے بنو ہاشم کو جمع کر کے یہ کہا کہ تمہارے ہاں مردوں میں ایک نبی تو پہلے ہی پیدا ہو چکا ہے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت بھی نبی بننے والی ہے جو ایسا خواب دیکھ رہی ہے اور پیشن گوئی کر رہی ہے جس کے نتیجہ میں لوگوں میں سراسیمگی پھیل رہی ہے، ابوجہل ابھی یہ بات کر ہی رہا تھا کہ اتنے میں ضمضم پہنچ گیا اور اس نے کہا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ میں ہے، تو ابوجہل نے لوگوں کو تیار کرنا شروع کر دیا کہ یہ مسلمانوں پر حملہ کرنے اور بدلہ لینے کا بہترین موقع ہے، لہٰذا روانہ ہو جاؤ۔

بہت سے لوگ ہنسی خوشی روانہ ہوئے اور کچھ لوگ مجبوراً روانہ ہوئے جیسا کہ امیہ بن خلف کا واقعہ پہلے گزرا کہ وہ جانے کو تیار نہیں تھا، اور بھی کچھ لوگ تھے جو جانے کے لئے پوری طرح آمادہ نہیں تھے۔

ابولہب نے اپنی جگہ ایک کرایہ کا آدمی بھیج دیا، اس شخص کے ذمہ ابولہب کا قرضہ تھا وہ اس کو ادا نہیں کر سکا تھا، ابولہب نے اس سے کہا کہ اگر قرضہ معاف کرانا چاہتے ہو تو میری جگہ چلا جا، تو اس کو روانہ کر دیا، یہاں تک کہ ایک ہزار کا لشکر تیار کر کے روانہ کر دیا، راستہ میں جب پہنچے تو ابوسفیان سمندر کا راستہ کاٹ کر خطرہ کی حدود سے نکل چکا تھا، اس نے محسوس کیا کہ اب میں اتنا دور آ گیا ہوں کہ اب مدینہ کا لشکر مجھے نہیں پکڑ سکتا۔

ابوسفیان نے ابوجہل کے پاس دوسرا پیغام بھیجا اور کہا کہ اب میں خطرہ سے نکل گیا ہوں، اس لئے تمہیں فوج لے کر آنے کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا واپس چلے جاؤ، لیکن اس موقع پر قریش کے لشکر کی بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو اس بات پر آمادہ ہوئی کہ واپس چلیں اور جو لوگ پہلے سے ہی ڈر رہے تھے اس لئے ان کو اور زیادہ

خواہش ہوئی کہ واپس چلیں۔

اخنس بن شریق جو بنی زہرہ کا سردار تھا اس نے کہا کہ اب آگے جانے کی کوئی معقول وجہ نہیں، اس لئے میں تو واپس جاتا ہوں، چنانچہ بنو زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا۔

لیکن ابوجہل اپنی قوت کے نشہ میں تھا، اس لئے اس نے کہا کہ کچھ بھی ہو آگے چلنا ہے اگر اور کچھ بھی نہیں تو ہم اس جگہ پر جا کر تین دن تک ٹھہریں گے، جشن منائیں گے، کھانا کھائیں گے، اونٹ ذبح کریں گے، دیگیں چڑھائیں گے، گانا بجائیں گے اور پھر واپس آئیں گے، اگر جنگ نہ بھی ہوئی تو ہم رقص و سرور کر کے واپس آئیں گے۔ اس نے یہ اعلان کر دیا کیونکہ ابوجہل کا اثر ورسوخ زیادہ تھا۔

عتبہ اور شیبہ یہ دونوں بھی آگے جانے سے جی چرا رہے تھے تو ابوجہل نے عار دلائی کہ تم تو ایسے بزدل آدمی ہو، کیوں آگے نہیں جا رہے ہو، ابن حضرمی کو قتل کر دیا گیا اس کا قصاص اور بدلہ لینا چاہئے، اس طرح عار دلانے پر بالآخر یہ بھی چل پڑے۔

صحابہ کرام ﷺ کی جان نثاری

حضور اقدس ﷺ ادھر سے چل پڑے اور آپ کو اطلاع ملی کہ کفار قریش کا لشکر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گیا ہے، تو اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے مشورہ کیا کہ ہم تو قافلہ کی تلاش میں نکلے تھے اب پورا لشکر سامنے آ رہا ہے، آیا اب ہمیں آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہئے یا نہیں؟

حضرت صدیق اکبر ﷺ آگے بڑھے اور عرض کیا کہ اللہ کا نام لے کر قریش کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ پھر حضرت فاروق اعظم ﷺ نے بھی تائید فرمائی اور حضرت مقداد بن الاسود ﷺ (جن کی روایت آگے آنے والی ہے) وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ ہمیں موسیٰ ﷺ کی قوم کی طرح نہیں پائیں گے، انہوں نے یہ کہہ دیا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جائیں قتال کریں ہم یہاں بیٹھے، بلکہ ہم آخر دم تک آپ ﷺ کے ساتھ ہو کر لڑیں گے۔

آنحضرت ﷺ ان سے بہت مسرور ہوئے لیکن ساتھ یہ فرما دیا کہ کوئی اور بھی کھڑا ہو، اور ذہن میں یہ بات تھی کہ انصار میں سے کوئی کہے، کیونکہ انصار سے لیلۃ العقبہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس معاہدہ میں یہ تھا کہ اگر کوئی مدینہ میں آ کر چڑھائی کرے تو یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مل کر دفاع کریں گے، لیکن یہ طے نہیں ہوا تھا کہ باہر نکل کر بھی کسی پر حملہ کریں گے، اس واسطے آپ ﷺ چاہ رہے تھے کہ ان میں سے کوئی کھڑا ہو۔

حضرت سعد بن معاذ ﷺ سمجھ گئے اور وہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ **"ایانا ترید یا رسول اللہ"**

کیا آپ ہم سے کچھ کہلوانا چاہتے ہیں؟ اور پھر انہوں نے جو تقریر کی وہ صحیح مسلم میں آئی ہے، بہت جانبازانہ تقریر فرمائی، اور عرض کیا کہ ہم نے آپ ﷺ کے معجزات کو دیکھا ہے، آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لائے ہیں تو اب ہمیں اس بات کی پرواہ نہیں کہ کس بات پر ہم سے معاہدہ کیا تھا اور کس بات پر معاہدہ نہیں کیا تھا، ہم تو آپ ﷺ کے تابع فرمان ہیں، اگر آپ ﷺ ہمیں حکم دیں تو ہم اپنے ان گھوڑوں کو سمندر میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور ہم میں سے کوئی شخص بھی آپ ﷺ کے حکم سے روگردانی واعراض نہیں کرے گا۔

اس تقریر سے آپ ﷺ کو اطمینان بھی ہوا اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اس موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ دونوں طائفوں میں سے ایک طائفہ ضرور عطا فرمائیں گے، یعنی یا تو لشکرِ ابو جہل یا قافلۂ ابوسفیان۔

اس کے باوجود ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام ﷺ قافلۂ ابوسفیان کے لئے نکلے تھے تو طبیعت میں خواہش تھی کہ جس کام کے لئے نکلے تھے پہلے وہ تو ہو جائے پھر ابوجہل کی مرمت کرنی ہوگی تو وہ بعد میں سہی لیکن پہلے یہ کام ہو جائے، ایک تو یہ کہ نسبتاً وہ آسان بھی تھا اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کو فقر و فاقہ کی وجہ سے اس کے ذریعہ سے کچھ مالِ غنیمت بھی ہاتھ آسکتا تھا اور اس لحاظ سے مسلمانوں کے لئے اس میں فوائد زیادہ نظر آرہے تھے، تو اسی کو قرآن کریم میں فرمایا کہ:

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ﴾ [۲۲]

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے۔ [۲۳]

---

[۲۲] [سورۃ الانفال: ۷]

[۲۳] [مسلمان چاہتے تھے کہ "تجارتی قافلہ" پر حملہ ہو، کہ کانٹا نہ چبھے اور بہت سا سامان ہاتھ آجائے لیکن خدا کی مرضی یہ تھی کی اس چھوٹی سی بے سروسامان جماعت کو کثیر التعداد اور مرتب و پُر شوکت لشکر سے بھڑا کر اپنی باتوں سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کفارِ مکہ کی جڑ کاٹ ڈالے، تاکہ اس طرح اُس کے وعدوں کی سچائی حیرت انگیز طریقہ پر ظاہر ہو کر سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ہونا کفار کے علی الرغم صاف صاف آشکارا ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابوجہل بھی تھا اور ستر ہی قید ہوئے۔ اس طرح کفار کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں، فللّٰہ الحمد والمنۃ۔ فائدہ نمبر: ۳ (الانفال: ۷، تفسیر عثمانی)]

تمہارے دل میں خواہش تھی کہ جس میں کوئی تکلیف نہ ہو وہ تمہیں مل جائے، یعنی ابوسفیان، چنانچہ اسی خواہش کے تحت آگے بڑھتے رہے جہاں پر حضرت بسبس بن عمرو جہنی ﷺ اور عدی بن ابی الزغباء جہنی ﷺ ان دو عورتوں کو دیکھ کر آئے تھے جن کا یہ خیال تھا کہ ابوسفیان کا قافلہ یہاں آکر ٹھہرے گا۔

دو غلاموں کی گرفتاری اور تفتیش

وہاں پر دورانِ قیام اس تلاش میں رہے کہ ابوسفیان کی کوئی خبر ملے، اسی تلاش کے دوران دو آدمی پکڑے گئے جو غلام تھے، صحابہ کرام ﷺ ان غلاموں کو پکڑ کر لے آئے، اور پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم قریش کے آدمی ہیں اور قریش کے لشکر کے ساتھ آئے ہیں تو صحابہ کرام ﷺ نے ان کو مارنا شروع کیا کہ صحیح بات بتاؤ، صحابہ کرام ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اگر یہ قافلہ ابوسفیان کے آدمی ہیں تو بتادیں گے، جب مارا تو انہوں کہا کہ ہاں ہم تو ابوسفیان کے قافلے کے ہیں۔ جب مارنا چھوڑ کر ان سے پوچھا کہ اچھا بتاؤ ابوسفیان کہاں ہے؟ تو کہنے لگے کہ ہم تو لشکرِ قریش کے آدمی ہیں تو صحابہ کرام ﷺ نے پھر مارنا شروع کیا تو کہا کہ ہم تو قافلۂ ابو سفیان کے آدمی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، نماز سے فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے کہ جب سچ بولتا ہے تو مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ قافلۂ ابوسفیان کے نہیں ہیں بلکہ لشکرِ قریش کے آدمی ہیں جو مقابلہ کے لئے آچکا ہے۔

اس سے پوچھا گیا کہ اچھا بتاؤ کہ لشکر کتنے افراد پر مشتمل ہے، اس نے جواب دیا کہ ہمیں تعداد کا صحیح علم نہیں، آپ ﷺ نے پوچھا اچھا بتاؤ کتنے اونٹ روز ذبح کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ نوے اونٹ ذبح ہوتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نوسو سے لے کر ہزار تک افراد ہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون کون سے مشہور لوگ مکہ مکرمہ سے آئے ہیں، تو اس نے نام بتائے کہ ابوالحکم آیا ہے، یعنی ابوجہل اور امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ وغیرہ وغیرہ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے مشہور جملہ ارشاد فرمایا کہ **"قد لفظت مكة افلاذ كبدها"** مکہ نے سارے جگر گوشے تمہارے سامنے لا پھینکے ہیں۔

مقامِ بدر کا پس منظر

اس کے نتیجہ میں آنحضرت ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ وہاں قیام فرمائیں گے، لیکن ہوا یہ تھا کہ قریش چونکہ پہلے پہنچ چکے تھے تو انہوں نے جو بہتر جگہ تھی اس پر قبضہ کرلیا، پانی بھی ان کے تسلط میں تھا اور مسلمانوں کو جو جگہ ملی

وہ ریتیلی تھی، ان کے قدم جمتے نہ تھے تو اس واسطے تھوڑی سی پریشانی تھی لیکن اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کی برکت سے اس جگہ پر بارش برسائی اور بارش برسنے کے نتیجہ میں ایک طرف تو مٹی جم گئی اور دوسری طرف پانی کا انتظام ہوگیا اور اس سے آنحضرت ﷺ نے وہاں پر قیام فرمایا، جب رات کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے لئے ایک عریش (چھپر) بنایا گیا جو آج بھی چھپر کی شکل میں موجود ہے، یعنی بعینہ وہ چھپر تو نہیں بلکہ مسجد بنی ہوئی ہے جس کا نام مسجد عریش ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عریش کے اندر تھے اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ پہرہ دے رہے تھے، اسی حالت میں آپ ﷺ نے رات گزاری اور دعائیں فرمائیں اور اس دعا میں وہ مشہور فقرہ نبی کریم ﷺ کا کہ **"اللّٰھم ان تھلک عصابۃ لم تعبد بعد"** کہ اگر یہ چھوٹی سی جماعت ہلاک ہوگئی تو آپ کی کوئی پرستش کرنے والا نہ ہوگا، یہ دعا فرمائی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیچھے سے جا کر آپ ﷺ کے دست مبارک تھامے اور عرض کیا کہ بس کیجئے آپ کی دعا اتنی ہوگئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ کافی ہوگی۔

سب سے پہلا مقابلہ

اگلے دن مقابلہ ہوا اور عتبہ اور شیبہ سب سے پہلے مخالف جنگ تھے لیکن جب ابو جہل نے غیرت دلانے پر انہوں نے کہ کہا کہ سب سے پہلے ہم ہی نکلیں گے۔ عتبہ اور شیبہ دونوں بھائی اور ولید ان کا بیٹا یہ تین آدمی آگے بڑھے اور انہوں نے مبارز طلب کیا کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی آئے تو شروع میں تین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم مقابلہ پر گئے جن میں حضرت معوذ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اور تیسرے ایک اور بزرگ تھے ان سے کفار نے کہا کون ہو؟ ان تینوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ہم انصار ہیں، تو کفار نے کہا کہ ہمیں تمہاری حاجت نہیں، ہمیں تو ہمارے برابر کے لوگ یعنی قریش بھیجو تو سرکار دو عالم ﷺ نے پھر حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم کو بھیجا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ ولید سے ہوا اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کا مقابلہ شیبہ سے ہوا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں عتبہ مارا گیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں ولید مارا گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ولید سے لڑ رہے تھے اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ رہے تھے کہ اسی بے خبری کے عالم میں شیبہ نے ان کے اوپر وار کیا جس سے ان کے پاؤں کے اوپر ضرب لگی اور انہوں نے بھی مقابلہ میں اس پر وار کیا مگر ضرب کاری تھی، اس واسطے حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ مقابلہ نہ فرما سکے، تو حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اپنے دشمنوں سے فارغ ہو کر ان کی طرف آئے اور پھر شیبہ کو بھی قتل کیا۔

حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں کہنے لگے کہ ایسا لگتا ہے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے مجھے

حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک میں لے جائیں، چنانچہ آپ ﷺ کے قدم مبارک میں لے جایا گیا تو اس وقت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ! شعر تو ابو طالب نے کہا تھا لیکن آپ گواہ رہئے گا کہ اس کو پورا ہم کر رہے ہیں۔

کفار مکہ نے حضور اقدس ﷺ کو حوالہ کر دینے کا مطالبہ کیا تھا، تو ابو طالب نے یہ شعر کہا تھا:

کذبتم و بیت اللہ نبذی محمدا ولما نطاعن دونه ونناضل

ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن أبنائنا والحلائل

تم جھوٹ بولتے ہو، بیت اللہ کی قسم ہم کبھی بھی محمد کو تمہارے حوالہ نہیں کریں گے

ابھی تو ہم نے ان کا دفاع کرنے کے لئے تلوار اور نیزوں کے جوہر نہیں دکھائے

ہم ان کو حوالے نہیں کر سکتے جب تک کہ ان کے ارد گرد ہماری لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں

اور ہم ان کے دفاع میں اپنے بال بچوں سے غافل نہ ہو جائیں۔

ان تین مقابلوں کے بعد آپس میں دونوں لشکر جنگ مغلوبہ میں مبتلا ہوئے اور بالآخر گھمسان کا رن پڑا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس طرح فتح عطا فرمائی کہ نبی کریم ﷺ نے ہاتھ سے مٹی لی اور کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا "**شاهت الوجوه**" اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہزیمت سے ہمکنار کیا، ستر بڑے بڑے سردار جن کی قتل گاہیں حضور ﷺ نے بدر کی رات ہی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دکھا دی تھیں، وہ سب مارے گئے، ابو جہل بھی اسی میں معوذ اور معاذ کے واقعہ کے تحت مارا گیا اور بالآخر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جا کر گردن کاٹی جس کا واقعہ آگے آجائے گا اور پھر نبی کریم ﷺ نے اصحاب قلیب سے خطاب فرمایا وہ بھی آجائے گا۔

اس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوم الفرقان مسلمانوں کے حق میں ایک فتح عظیم سے تبدیل فرمایا، واقعہ غزوۂ بدر کا یہ خلاصہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی شرائط پر نہ ہونے کی وجہ سے تمام حدیثوں کو اور واقعات کی تمام تفصیلات و ترتیب کو نہیں لا سکے لیکن اسی واقعہ کے متفرق اجزاء ان شاء اللہ احادیث کی شکل میں آئیں گے۔ غزوۂ بدر کا باب قائم کرنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق قرآن کریم کی آیت نقل کر رہے ہیں جو اس غزوہ کے متعلق ہیں:

"**وقول اللہ تعالیٰ**" ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ

فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۞ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۞ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَائِبِيْنَ﴾ [۵]

ترجمہ: اللہ نے تو (جنگِ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔ لہذا (صرف) اللہ کا خوف دل میں رکھو، تاکہ تم شکرگزار بن سکو۔ جب (بدر کی جنگ میں) تم مؤمنین سے کہہ رہے تھے کہ: "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔" اللہ نے یہ انتظام صرف اس لئے کیا تھا تاکہ تمہیں خوشخبری ملے، اور اس سے تمہارے دلوں کو اطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک۔ (اور جنگِ بدر میں یہ مدد اللہ نے اس لئے کی) تاکہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے، یا ان کو ایسی ذلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔

وقال وحشي قتل حمزة طعيمة بن عدي بن الخيار يوم بدر

اور وحشی نے کہا کہ بدر کے دن حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو قتل کیا تھا۔

---

[۵] [آل عمران: ۱۲۳ - ۱۲۷]

وقولہ تعالیٰ:

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ﴾ [۹]

ترجمہ: اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے۔

"اعوذ باللہ الخ" پر دو اقوال

"قول اللہ تعالیٰ" کے بعد **"اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"** آجائے تو اس کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ جب **"قول اللہ تعالیٰ"** کہہ دیا گیا تو اب اس کے بعد **"اعوذ باللہ الخ"** نہیں پڑھنا چاہئے، کیونکہ اس سے اس بات کا ایہام ہوگا کہ اللہ تعالیٰ یوں فرما رہے ہیں کہ **"اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"**۔

دوسرا قول بعض حضرات نے اس کو جائز کہا ہے کہ **"قول اللہ تعالیٰ"** کہنے کے باوجود بھی **"اعوذ باللہ الخ"** پڑھ سکتے ہیں، گویا **"قول اللہ تعالیٰ"** کے مقولہ سے پہلے **"اعوذ باللہ الخ"** پڑھنے والے کی طرف سے جملہ معترضہ ہے۔

لیکن زیادہ تر حضرات علمائے محققین کا رجحان اسی طرف ہے کہ **"قول اللہ تعالیٰ"** یا **"قال اللہ تعالیٰ"** کے بعد آیت کریمہ آرہی ہو تو وہاں تعوذ نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ اس سے خلافِ مقصود کی طرف ایہام ہوتا ہے۔

اس واسطے عام گفتگو کے اندر جب بیچ میں آیت کریمہ آجائے تو عام گفتگو کے اندر ملتبس ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے تو **"اعوذ باللہ الخ"** پڑھ کر اس التباس کو زائل کرنا مقصود ہوتا ہے، جب وہ مقصد **"قال اللہ"** اور **"قول اللہ"** سے ختم ہو گیا تو اب تعوذ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی، یہی قول زیادہ قوی اور راجح ہے۔

---

[۹] [سورۃ الانفال: ۷]

منشاء امام بخاری رحمہ اللہ

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ .... الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾

وہ وقت یاد کرو جب آپ کہہ رہے تھے مؤمنوں سے کہ کیا یہ تمہارے لئے کافی نہیں ہے کہ کیا تمہارا پروردگار تمہیں کمک بھیجے، تین ہزار فرشتے جو اوپر سے بھیجے گئے ہوں۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ آیت کریمہ لا کر اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بدر سے متعلق ہے۔

بعض حضرات مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ اس کا تعلق غزوۂ اُحد سے ہے، کیونکہ پیچھے جو تذکرہ چل رہا ہے وہ غزوۂ اُحد کا ہے، بیچ میں غزوۂ بدر کا تذکرہ جملہ معترضہ کے طور پر آ گیا ہے، لیکن آگے پھر بیان اُحد کا ہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کو غزوۂ بدر کے اندر لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ ان کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس کا تعلق غزوۂ بدر سے ہے۔ [۷]

﴿بَلٰى إِنْ تَصْبِرُوْا .... الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾

اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ کافر تمہارے پاس اس گرما گرمی (جوش) میں آ جائیں تو تمہارا پروردگار تمہیں پانچ ہزار فرشتوں کا کمک بھیجے گا، جو نشان لگانے والے ہیں۔

اشکال و جواب

پہلے تین ہزار فرمایا تھا اور اب پانچ ہزار کا ذکر فرمایا ہے اور سورۃ الانفال میں ایک ہزار کا ذکر ہے تو کہا یہ جاتا ہے کہ وعدے مختلف کئے گئے ہیں، ایک مرتبہ تین ہزار کا، پھر پانچ ہزار کا اور پھر ایک ہزار کا، لیکن عملاً فرشتے جو نازل ہوئے وہ ایک ہزار تھے اور یہ ایک ہزار بھی ظاہر ہے محض تقویتِ قلب کے لئے اس کو آگے بیان فرمایا:

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ .... الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾

اگر اللہ تعالیٰ یوں چاہتے کہ ایک فرشتہ کے بغیر بھی نصرت عطا فرماتے یا ایک ہی فرشتہ کو بھیج دیتے اور اسی کو طاقت عطا فرماتے، کہ وہ سب کا منہ پھیر دیتا لیکن تقویت و اطمینانِ قلب کے لئے آپ نے یہ تعداد بھیجی۔ [۸]

---

[۷] والإمداد إعطاء الشيء بعد الشيء. قال المفضل: كل ما كان على جهة القوة والإعانة. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۰۹

[۸] ای: ماجعل الله هذا الوعد إلا بشارة لكم. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۰۹

﴿لِيَقْطَعَ طَرَفاً .... فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ﴾

یعنی ان کا استیصال کردے یا ان کو ذلیل کرے اور وہ نامراد ہو کر چلے جائیں۔

"وقال وحشي قتل حمزة طعيمة بن عدي بن الخيار يوم بدر"

وحشی، جس نے غزوۂ احد کے دن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس کا قول ہے کہ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عدی بن الخیار کو قتل کیا تھا۔

محققین نے کہا ہے کہ راوی کو یہاں وہم ہوگیا ہے، اصل نام طعیمہ بن نوفل ہے نہ کہ ابن خیار اور اس کا ذکر اس لئے کیا کہ وحشی نے یہ کہا کہ طعیمہ ابن عدی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن قتل کیا تھا، طعیمہ بن عدی کے ورثاء کے دل میں انتقام کی آگ بھڑکی ہوئی تھی وہ چاہتے تھے کہ کسی طرح حمزہ کو بری طرح مارا جائے، اس کے لئے انہوں نے وحشی کو کرایہ پر لیا تھا اور یہ سازش تیار کی تھی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا جائے اور اس کے نتیجہ میں وہ احد کے روز شہید ہوئے۔

یہاں وہ واقعہ بیان کرنا مقصود نہیں، یہاں صرف وحشی کے قول کا ذکر آگیا تھا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ کو قتل کیا تھا اس لئے اس کا یہاں ذکر آگیا ہے۔ [۹]

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ الخ﴾

اس آیتِ مبارک میں "الطائفتين" سے مراد ابوسفیان کا تجارتی قافلہ یا قریش کا لشکر ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔

۳۹۵۱ـ حدثني يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عبدالرحمٰن بن عبدالله بن كعب: أن عبدالله بن كعب قال: سمعت كعب بن مالك رضی اللہ عنہ يقول: لم أتخلف عن رسول الله ﷺ في غزوة غزاها إلا في غزوة تبوک، غير أني تخلفت عن غزوة بدر ولم يعاتب احد تخلف عنها، إنما خرج رسول الله ﷺ يريد عير قريش حتى جمع الله بينهم وبين عدوهم على غير ميعاد. [راجع: ۲۷۵۷]

ترجمہ: ابن شہاب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب اپنے والد حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ہر اُس لڑائی میں جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے، شریک تھا، سوائے جنگ تبوک کے میں کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا، رہ گئی جنگ بدر، تو وہ اتفاقیہ طور پر واقع ہوگئی تھی، لڑائی کرنے کی نیت نہیں تھی۔ چنانچہ جو لوگ پیچھے رہ گئے ان پر اللہ تعالیٰ نے عتاب نہیں فرمایا، اس وقت تو

---

[۹] وهذا التعليق رواه البخاري في غزوة أحد في: باب قتل حمزة رضی اللہ عنہ

رسول اکرم ﷺ صرف قریش کے قافلہ کے خیال سے نکلے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے قبل از وقت مسلمانوں کی ان کے دشمنوں سے مڈبھیڑ کردی۔

تشریح

یہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کا ذکر غزوۂ تبوک میں تفصیل سے آئے گا، لیکن یہاں پر اس کا پہلا حصہ بیان کرنا مقصود ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا **"لم أتخلف عن رسول اللہ ﷺ في غزوة غزاها إلا في غزوة تبوک"** میں رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی ایسے غزوہ میں پیچھے نہیں رہا جو آپ ﷺ نے کفار سے لڑا ہو سوائے غزوۂ تبوک کے، البتہ غزوۂ بدر سے پیچھے رہ گیا تھا اس وقت میں شامل نہیں تھا۔

غزوۂ تبوک کو باقاعدہ استثناء کیا، اس واسطے کہ غزوۂ تبوک کے اندر ہر ایک کے ذمہ تھا کہ وہ جائے کہ اس میں تخلف کرنا جرم تھا اس واسطے اس کو باقاعدہ استثناء سے ذکر کیا۔

"غیر أني" سے بسبیل تذکرہ ایک بات ذکر کی کہ وہ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن وہ کوئی ایسی بات نہیں تھی کیونکہ جو لوگ بدر میں رہ گئے تھے ان میں سے کسی پر بھی عتاب نہیں ہوا تھا۔

"إنما خرج رسول اللہ ﷺ یرید عیر قریش" آپ ﷺ تو صرف قریش کے قافلہ کا ارادہ کر کے نکلے تھے۔

یہ حدیث صریح ہے کہ نکلتے وقت پیش نظر قریش کا قافلہ تھا، لہٰذا علامہ شبلی نعمانی صاحب کی جو بات نقل کی تھی یہ حدیث صریح اس کی تردید کر رہی ہے۔

"حتی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اور ان کے دشمن کے درمیان بغیر کسی پہلے طے شدہ میعاد کے، پہلے سے کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ہم وہاں دونوں جماعتیں جمع ہونگی اور لڑیں گے، بلکہ اتفاقیہ تھا اسی کو قرآن کریم میں فرمایا:

﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ الخ﴾

پہلے سے طے کرتے تو ہو سکتا تھا کہ وہ بھاگ ہی جاتے یا میعاد میں فرق ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ایک کام کرانا تھا، اس لئے دونوں فریق آمنے سامنے ہو گئے تھے۔

(۴) باب قول اللہ تعالیٰ:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ○ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ○ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ○ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [۱۰]

باب: اللہ تعالیٰ کا فرمان

یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اُس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں جو لگا تار آئیں گے۔ اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کیا کہ وہ خوشخبری بنے، اور تا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔

یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا، اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تا کہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دُور کرے، تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اُس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے۔ وہ وقت جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رُعب طاری کردوں گا، پھر تم گردنوں کے اُوپر وار کرو، اور ان کی اُنگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔'' یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُسکے رسول سے

[۱۰] [الانفال: ۱۳-۹]

دشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

آثارِ شکست اور تائید ایزدی

یہ باب اس آیت کریمہ کے سلسلے میں قائم کیا کہ باری تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے موقع پر مدد فرمائی۔

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ الخ﴾

یاد کرو اس وقت کو جب تم اپنے پروردگار کو یاد کر رہے تھے، باری تعالیٰ نے جواب دیا کہ میں تمہیں کمک بھیجوں گا ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ۔

"مُمِدُّكُم" کمک بھیجنا یعنی ایک لشکر پہلے سے گیا ہوا ہو، اس کی مدد کے لئے کوئی دوسرا لشکر روانہ کرنا۔

"مُرْدِفِينَ" ایک دوسرے کے پیچھے لگے ہوئے تھے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

پہلا یہ کہ ہر مسلمان کے ساتھ ایک فرشتہ پیچھے لگا ہوا ہے۔

دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کو ردیف بنائے ہوئے ہیں کہ ایک کے بعد دوسرا فرشتہ آ رہا ہے بطور ردیف کے۔

﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام صرف خوشخبری دینے کے لئے کیا، تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کو کسی فرشتہ کی بھی ضرورت نہیں تھی۔

﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ﴾

اس وقت کو یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نیند کو تمہارے اوپر ڈھانپ رہا تھا، نیند بے خوفی طاری کرنے کے لئے بھیجی گئی تھی۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ مسلمان قافلہ کیلئے نکلے تھے اور ساز و سامان بھی قافلوں پر حملہ کرنے کے مناسب سے تھا، ہتھیار بھی کم، اسلحہ بھی کم، گھوڑے بھی کم اور اچانک اور بغیر کسی سابق اطلاع کے ایک ہزار کا لشکر آ گیا جو لوہے میں غرق تھا، تو طبعی طور پر مسلمانوں کے دلوں پر رعب طاری ہوا کہ بھئی! ہمارا مقابلہ اتنے بڑے دشمنوں سے ہونے والا ہے۔ جب آدمی رعب میں لڑتا ہے، تو خود اعتمادی برقرار نہیں رہتی، اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رعب کو زائل کرنے کے لئے ہلکی سی نیند مسلط فرما دی۔

دراصل نیند اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی چیز بنائی ہے کہ اس سے پریشانی وحیرانی سب زائل ہو جاتی

ہے۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے تمہیں بے خوف کرنے کے لئے تمہارے اوپر نیند مسلط کردی، ایک صحابی ؓ فرماتے ہیں کہ عین میدان قتال میں دشمن سامنے ہے، ہاتھ میں تلوار ہے اور ان کو نیند آرہی ہے، اس نیند مسلط کرنے کا مقصد دلوں کو مضبوط کرنا تھا۔ [۱]

﴿وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً الخ﴾

اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برسارہا تھا تاکہ اس سے تمہیں پاک کردیں اور تم سے شیطان کی تدبیریں یعنی شیطانی اغواء زائل کردیں، معلوم ہوا کہ اس بارش میں کچھ خصوصیت ایسی بھی تھی جو شیطانی اغواء کو زائل کرنے والی تھی تاکہ تمہارے دلوں کو باندھ دیں (دلوں میں جو تردد وغیرہ ہے وہ دور کردیں) اور اس پانی کے ذریعہ قدموں کو جمادیں (کیونکہ ریتیلی زمین پر قدم نہیں جمتے تھے) وہاں پانی پڑگیا تو مٹی دب گئی اور پاؤں کھڑے ہونے لگے، اب بھی اس جگہ ریت ہی ریت ہے۔ [۲]

تو مسلمان **"العدوة الدنیا"** میں تھے اور کافر **"لعدوة القصوی"** میں تھے۔

اب بھی جا کے یہ نظارہ نظر آجاتا ہے کہ **"العدوة الدنیا"** میں جب ہم جاتے ہیں تو وہاں ریتلا ہے پہاڑ کے دامن میں ریت ہی ریت ہے اور **"العدوة القصوی"** جس میں کفار تھے وہ پتھریلا پہاڑ ہے اور وہاں آدمی آرام سے کھڑا ہوسکتا ہے۔

"ویثبت الأقدام الخ" تم مسلمانوں کی مدد کرو، قدم جماؤ، میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، ان کی گردنوں پر مارو اور ان میں سے ہر ایک کی انگلیوں پر۔

انگلیوں پر مارنا عرب کے محاورہ میں شدت لڑائی پر دلالت کرتا ہے، بعض اوقات انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں تاکہ ہتھیار چلانے کی صلاحیت ہی نہ رہے۔

---

[۱] قال المفسرون: ذکرهم الله بماانعم به علیهم من إلقائه النعاس علیهم أماناً من خوفهم الذی حصل لهم من کثرة عدوهم وقلة عددهم، وقال ابو طلحة: کنت ممن أصابه النعاس یوم أحد، ولقد سقط السیف من یدی مراراً، ولقد نظرت إلیهم یمیدون وهم تحت الجحف، وقال سفیان الثوری: عن أبی عاصم عن ابی رزین عن عبدالله بن عباس، انه قال: النعاس فی القتال امنة من الله، وفی الصلاة وسوسة من الشیطان، وقال قتادة: النعاس فی الرأس والنوم فی القلب، وقال سهل بن عبدالله: هویحل فی الرأس مع حیاة القلب، والنوم یحل فی القلب بعد نزوله من الرأس. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۱۳

[۲] [بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لئے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سروسامان تھے، فوجی مقابلہ کے لئے تیار ہوکر نہ نکلے تھے، مقابلہ پر ان سے تگنی تعداد کا لشکر تھا۔ .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

حفیظ جالندھری اور واقعۂ بدر

ماضی قریب کے ایک شاعر ابوالاثر حفیظ جالندھری گزرے ہیں جنہوں نے ایک کتاب ''شاہنامہ اسلام'' لکھا ہے، اس میں سیرت طیبہ کو نظم کی صورت میں بیان کیا ہے۔

ایک جگہ انہوں نے غزوۂ بدر کا نقشہ بیان کرتے ہوئے بڑی اچھی شاعری کی ہے کہ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بدر کے مقام پر آکر رکی تو پانی نہیں تھا اور چاروں طرف ریت در ریت تھا، اس کا نقشہ انہوں نے اس طرح کھینچا ہے کہ:

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رک گئی آکر
دعا کی دامن صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر

کہ اے صحرا کو آتشناک چہرہ بخشنے والے
رخ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے

ازل کے دن سے ابتک بھاڑ میں بھنتا رہا ہوں میں
صدائے رعد و باراں دور سے سنتا رہا ہوں میں

ہوا ہوں جب میں پیدا جان پانی کو ترستی ہے
مرے سینے کے اوپر آگ کی بدلی برستی ہے

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... جو پورے ساز و سامان کے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا۔ مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابلِ ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفار نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ مسلمان نشیب میں تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔

یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔

اُس وقت حق تعالیٰ نے قدرتِ کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان میں ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لئے پانی کی افراط ہوگئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفار کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کیچڑ اور پھسلن سے چلنا پھرنا دشوار ہوگیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دُور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کردی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رات بھر ''عریش'' میں مشغول دعا رہے۔ اخیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خفیف سے غنودگی طاری ہوئی، جب اُس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبریل تمہاری مدد کو آرہے ہیں۔

عریش سے باہر تشریف لائے تو سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اُس بارانِ رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے وساوس سے پاک کردیا۔ اِدھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہوگئے۔ فائدہ نمبر: ۲ (الانفال: ۱۱، تفسیر عثمانی)]

میں سمجھتا تھا مقدر ہوچکی ہے دھوپ کی سختی — کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا
یا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا خبر کیا تھی — مرے دل کی کدورت خود بخود معدوم ہوجاتی
الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا — شہید آرام فرمائیں گے غازی آکر ٹھہریں گے
اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہوجاتی — مری قسمت میں لکھی جاچکی ہے سوختہ بختی
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکر ٹھہریں گے — لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا
خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو — بن جائے گا فرش عبادت میرے دامن کو
خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا — چھپا کر ایک گوشہ میں مصفّٰی حوض بھر رکھتا
وہ پانی ان مقدس مہمانوں کو پلا دیتا — میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرت سے بجھا لیتا
مرے سر پر سے گذرا نوح کے طوفان کا پانی — تاسف ہے کہ مجھ سے ہوگئی اس وقت نادانی
اگر رکھتا میں اس پانی کی تھوڑی سی خبرداری — تو ہوجاتا مری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری
یہ ستّر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہوجاتے — مجاہد بھی وضو کرتے، نہاتے، غسل فرماتے
حضورِ ساقیٔ کوثر مری کچھ لاج رہ جاتی — مری عزت مری شرم، عقیدت آج رہ جاتی
ترے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے — الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

پھر اس نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! مجھے شرم معلوم ہوتی ہے کہ یہ مقدس جماعت یہاں مقیم ہے اور میرے دامن سے گرمی اٹھتی رہے گی اور آگ بھی برستی رہے گی۔

مرے دامن سے اگر اب بھی ہوائے گرم آئے گی — تو مجھ کو رحمۃ للعالمین سے شرم آئے گی
جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر — عطا بہر رضوان کے لئے تھوڑا سا پانی کر
برائے چند ساعت ابرِ باراں بھیج دے یارب — بہاراں بھیج دے یارب بہاراں بھیج دے یارب

پھر کہتے ہیں کہ:

دعا صحرا نے مانگی دامنِ امید پھیلا کر — یکایک باراں آسماں پر چھا گیا آکر
انہی کی منتظر تھی غالباً شانِ الٰہی بھی — کہ پیاسے تھے محمد بھی، محمد کے سپاہی بھی [۳۱]

تو کہتے ہیں اس وقت صحراء نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔

یہ ہے تو شاعری لیکن حقیقت سے کیا بعید ہے کہ واقعی ان پتھروں نے دعا کی ہو اور اس دعا کو شرف قبولیت حاصل ہوگئی۔

۳۹۵۲ــ حدثنا أبو نعيم: حدثنا اسرائيل، عن مخارق، عن طارق بن شهاب قال:

---

[۳۱] شاہنامہ اسلام حصہ دوم، ص:۱۹

سمعت ابن مسعود يقا ل: شهدت من المقداد بن الأسود مشهدا لأن أكون صاحبه أحب إلى مما عدل به. أتى النبي ﷺ وهو يدعو على المشركين، فقال: لا نقول كما قال قوم موسى: ﴿ إِذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا ﴾ ولكنا نقاتل عن يمينك وعن شمالك وبين يديك وخلفك. فرأيت النبي ﷺ أشرق وجهه وسره، يعني قوله. [انظر: ۴۶۰۹] [۱۴، ۱۵]

ترجمہ: طارق بن شہاب سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی بات دیکھی ہے کہ اگر وہ مجھے حاصل ہوتی تو اس کے مقابلہ میں دنیا کی کسی نعمت کو محبوب نہ رکھتا، وہ بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کو کافروں سے لڑنے کی رغبت دلا رہے تھے، کہ اتنے میں مقداد آگئے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اس طرح نہیں کہیں گے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہہ دیا تھا کہ بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی یہ بات کہتے ہی رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک روشن ہو گیا اور اس گفتگو سے آپ ﷺ خوش ہو گئے۔

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی جانثارانہ تقریر

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ غزوۂ بدر سے متعلق متفرق احادیث لے کر آرہے ہیں، کوئی ترتیب مقصود نہیں۔

طارق ابن شہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "**شهدت من المقداد بن الاسود الخ**" حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی زندگی کا ایک منظر ایسا ہے کہ اگر وہ مجھے مل جائے اور اس کے بدلے جو کچھ بھی دینا پڑے تو میں دینے کو تیار ہوں اور اس منظر کا مجھے مل جانا ہر دوسرے معاوضہ کے بدلے میں زیادہ محبوب ہوگا۔

وہ غزوۂ بدر کا منظر ہے کہ جب حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا کہ اے اللہ کے

---

۱۴ وروى احمد باسناده عن طارق بن شهاب: أن المقداد قال لرسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر: يارسول الله! انا لانقول لک کما قالت بنو اسرائیل لموسى عليه السلام: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَهُنَا قَاعِدُونَ﴾ [المائدة: ۲۴]. ولكن اذهب انت وربک فقاتلا انا معکم مقاتلون. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۱۱۵

۱۵ وفى مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۵۱۵، ۳۸۶۳، ۴۱۲۵

رسول! ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں جیسے نہیں ہونگے، جب انہوں نے کہا تھا کہ

﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا﴾ [۱۶]

ترجمہ: (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا رب چلے جاؤ، اور ان سے لڑو۔

بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آگے اور پیچھے سے لڑیں گے، ہم تو آپ ﷺ کے ہر سمت سے لڑیں گے۔

یہ فقرہ جب حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا تھا تو آپ کا چہرۂ مبارک مسرت سے چمک اٹھا، یہ اتنی بڑی سعادت ہے کہ ساری دنیا دے کر بھی یہ فضیلت حاصل ہو جائے تو مجھے زیادہ محبوب ہے۔

یہی مطلب ہے "أحب الی مما عدل به" یعنی وہ منظر حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے بجائے مجھے حاصل ہو جائے یعنی میری طرف منسوب ہو جائے، یہ مجھے زیادہ محبوب ہے ہر اس چیز سے جو اس کے برابر قرار دی جائے۔

۳۹۵۳۔ حدثنی محمد بن عبد اللہ بن حوشب: حدثنا عبدالوهاب: حدثنا خالد، عن عکرمة، عن ابن عباس قال: قال النبی ﷺ یوم بدر: ((اللّٰھم إنی أنشدک عھدک ووعدک، اللّٰھم إن شئت لم تعبد)). فأخذ أبوبکر بیدہ، فقال: حسبک، فخرج وھو یقول: ﴿سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [راجع: ۲۹۱۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بدر کے دن فرمایا اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو نے اپنا وعدہ اور اقرار پورا فرمایا، اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے کہ ہم پر کافر غالب ہو جائیں تو پھر زمین میں تیری عبادت نہیں ہوگی۔ ابھی آپ نے اتنا ہی فرمایا تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ مبارک پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجئے، اس کے بعد آپ یہ کہتے ہوئے تشریف لائے عنقریب کافر شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

حضورِ اقدس ﷺ کی فتح کی دُعا

عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن یہ دعاء فرمائی کہ **"اللّٰھم انی أنشدک عھدک ووعدک، اللّٰھم إن شئت لم تعبد"۔**

---

[۱۶] [المائدہ: ۲۴]

"نشد ۔ ینشد" کا لفظی معنی ہے پکارنا، آواز دینا، محاورہ میں یاد دلانے کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح واسطہ دے کر کوئی چیز مانگنے کا معنی بھی ہوتا ہے کہ میں فلاں چیز کا واسطہ دے کر یہ چیز مانگتا ہوں کہ اے اللہ میں آپ سے آپ کے عہد کا، وعدہ کا واسطہ دے کر مانگتا ہوں کہ آپ یہ وعدہ پورا فرمادیں کہ کفار مغلوب ہونگے۔

شبہ کی بنیاد پر ایک سوال و جواب

نبی کریم ﷺ سے جب وعدہ نصرت کیا گیا تھا تو اس طرح رونے اور پریشانی کی کیا وجہ تھی حالانکہ اس پر یقین کامل بھی ہے؟

بعض حضرات نے یہ جواب تحریر فرمایا ہے کہ دعا وعدہ پر یقین کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس کے پورا ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں، لیکن ایک نبی کی معرفتِ الٰہی اس بات کو بھی جانتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی وعدہ فرمایا ہے تو اس کا کوئی وقت یا اس کا کوئی مقام متعین تو نہیں کیا کہ کب اور کہاں ہوگا، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ اس وعدہ کا اطلاق آئندہ کے واقعات پر ہو، اور اس وقت خطرات کا سامنا ہو، یہ احتمال باقی ہے۔

خشیت و بندگی

مجھے ایک اور بات دل کو لگتی ہے کہ بظاہر یہ بات تو نہیں تھی کہ آپ ﷺ کو یہ خیال ہو کہ کسی اور وقت کی نصرت کا وعدہ کیا ہو جب کہ ﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الخ﴾ کہہ دیا تھا کہ ان دو طائفوں میں سے ایک طائفہ ملے گا، لیکن دراصل بات یہ ہوتی ہے — واللہ اعلم — (اللہ اور رسول ﷺ کے بارے میں قیاس آرائی ڈر اور خطرہ کی بات ہے) کہ نبی کی معرفتِ الٰہی یہ بات بھی جانتی ہے کہ بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا ہے لیکن کیا خبر کہ یہ نصرت ہمارے کسی عمل سے مشروط ہو جو ہم انجام نہ دیں سکیں اور ہم سے کوئی عمل سرزد ہو جائے جس کے نتیجہ میں یہ فتح و نصرت ہم سے سلب کرلیا جائے۔

کیونکہ دیکھو "من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ" وعدہ ہے تو کیا آدمی مطمئن ہو جائے کہ عمل نہ کرے، ایسا نہیں ہرگز نہیں بلکہ ہم سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے جس کے نتیجہ میں ہم اسکے مصداق نہ بن سکیں، تو کسی بات کا وعدہ ہونا یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ آدمی اس چیز کے لئے دعا کرے، کہ اے اللہ وعدہ تو کرلیا لیکن اس میں ہماری طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو جو آپ کے ایفائے وعدہ کے لئے مانع اور رکاوٹ بن جائے۔

جو جتنا اللہ کے قریب ہوتا ہے اتنی ہی اس کی خشیت زیادہ ہوتی ہے، تو خشیت یہ ہے کہ اس جنگ کے

اندر کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے کوئی ایسا عمل سرزد ہو جائے جس سے نقشہ ہی پلٹ جائے، اس وجہ سے دعا کر رہے ہیں، یہ باتیں بندگی اور عشق کی ہیں جو منطق وفلسفہ سے سمجھ میں نہیں آتیں، کیونکہ عشق وبندگی ادب سکھا دیتی ہے۔

دیکھو حضرت عمرؓ نے سن لیا تھا کہ **"عمر فی الجنة"** اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کیونکہ حضور ﷺ سے سنا تھا کہ میں نے جنت میں تمہارا محل دیکھا ہے، پھر بھی حضرت حذیفہ بن یمان ؓ سے فرما رہے ہیں کہ تمہارے پاس جو منافقوں کے نام ہیں ان میں میرا نام تو نہیں ہے، حالانکہ پورے وثوق سے حضور اقدس ﷺ سے سن چکے تھے پھر بھی شبہ ہو رہا ہے کہ کہیں میرا نام منافقوں میں نہ ہو، یہی خشیت اور بندگی ہے، کیونکہ وعدہ تو ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ میرے کسی کرتوت کی وجہ سے اس میں رکاوٹ پیدا ہو، کیونکہ۔

حسنات الابرار سیئات المقربین

مقرباں را بیشتر بود حیرانی

ان (مقربین) کو زیادہ حیرانی ہوتی ہے کہ یہ تو ہم جیسے کمزوروں کے لئے ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ بشارت کا کوئی جملہ آجائے تو مطمئن ہو کر بیٹھ جائیں کہ بس ہو گیا، کام کرنے کی ضرورت نہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ بشارت انہی کو دیتے ہیں جن کے پاس ظرف ہو۔

دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

جس کا جتنا ظرف ہوتا ہے اتنا ہی عطا کیا جاتا ہے، یہ انبیاء علیہم السلام کا مقام ہے کہ وعدہ کے بعد بھی اللہ کے آگے رو رہے ہیں، گڑگڑا رہے ہیں، عبادت میں مصروف ہیں، اسی لئے اسریٰ کے مقام میں بھی عبدیت کو ذکر کیا ہے:

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ [۱۷]

اس واقعہ یعنی اسریٰ ومعراج کے کمالات کو اللہ رب العالمین نے **"بعبدہ"** کہہ کر بندگی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

صدیق اور عاشق کا مقام

"فاخذ ابو بکر بیدہ، فقال : حسبک"

یہ صدیق اور عاشق کا مقام ہے کہ دیکھا ہے یہاں پر حضور ﷺ دعا کر کر کے ہلکان ہو گئے تو حضرت ابو بکر

---

[۱۷] [الاسراء: ۱]

صدیق ﷺ سے یہ دیکھا نہ گیا کہ آنحضرت ﷺ اتنی دیر سے مشقت اٹھا رہے ہیں، ہلکان ہو رہے ہیں، جبکہ دشمن سامنے ہے تو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کافی ہوگیا اب بس کیجئے کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ نے جتنی دعائیں کی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو متوجہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اب یہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ ہی کا مقام و مرتبہ ہے کہ اس طرح سے آپ ﷺ کو کہہ دیں اور فیصلہ کرلیں کہ کافی ہوگیا، یہ کسی اور کے بس کی بات نہیں کہ وہ فیصلہ کرلے کہ کام ہوگیا، چنانچہ ابوبکر صدیق ﷺ کے مقولہ پر حضور ﷺ یوں فرماتے ہوئے اٹھ گئے کہ

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [۱۸]

ترجمہ: (حقیقت تو یہ ہے کہ) اس جمعیت کو عنقریب شکست ہوجائے گی، اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔

(۵) باب

اس باب میں کوئی عنوان نہیں ہے۔

۳۹۵۴ ـ حدثنی إبراهیم بن موسی: أخبرنا هشام: أن ابن جریج أخبرهم قال: أخبرنی عبدالکریم أنه سمع مقسما مولی عبدالله بن الحارث یحدث عن ابن عباس أنه سمعه یقول: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عن بدر والخارجون الی بدر. [أنظر: ۴۵۹۵] [۱۹]

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ اس آیت ﴿لَا يَسْتَوِي

---

[۱۸] وقال الخطابی لا یتوهم أن أبا بکر ﷺ کان أوثق بوعد ربه من النبی ﷺ، فی تلک الحالة، لأنه لایجوز ذلک قطعاً، بل کان الحامل للنبی ﷺ، علی ذلک الشفقة علی أصحابه وتقویتهم، اذ کان ذلک أول مشهد شهدوه من لقاء العدو، فابتهل فی الدعاء لیسکنهم اذ کانوا یعلمون أن وسیلته مقبولة ودعاءه مستجاب، فلما قال له أبوبکر ﷺ مقالته کف عن الدعاء أذ علم الله أستجیب دعاؤه بما وجده أبوبکر ﷺ فی نفسه من القوة والطمانینة حتی قال له ذلک القول، ولهذا قال بعده: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [القمر: ۴۵] عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۱۵

[۱۹] وفی سنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة النساء، رقم: ۲۹۵۸

﴿الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور گھروں میں بیٹھے رہنے والے مرتبہ میں برابر نہیں ہوسکتے۔

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ کا شان نزول

یہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، عبداللہ بن حارث کے مولیٰ، مقسم ان سے روایت کررہے ہیں کہ حضرت مقسم نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [۲۰]

یعنی جو گھر میں بیٹھے ہیں اور جو جہاد میں چلے گئے دونوں برابر نہیں بلکہ جہاد میں جانے والے بدرجہا فضیلت رکھتے ہیں۔

یہاں پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے تفسیر کی ہے کہ "اَلْقَاعِدُوْن" سے مراد وہ لوگ ہیں جو بدر سے رہ گئے یعنی بدر کی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، اور "اَلْمُجَاهِدُوْن" سے مراد ہے "وَالْخَارِجُوْنَ إِلٰى بَدْر" یعنی بدر کی طرف نکلنے والے اور غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے، گویا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق یہ آیت کریمہ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔

اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، تو نابینا صحابی حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کیا کہ ہمارے لئے کوئی رخصت ہے؟ آپ ﷺ نے توقف فرمایا تو بیچ میں آیت نازل ہوئی ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ تو اس کو استثناء کردیا۔

بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ آیت تبوک کے موقع پر نازل ہوئی اور بعض نے فرمایا کہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اور حدیثِ باب اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر دلالت کررہی ہے کہ یہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔ [۲۱]

جو لوگ کہتے ہیں کہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اصل میں تبوک کے موقع پر نازل ہوئی تھی لیکن اصحاب بدر پر بھی منطبق ہے، یہ نہیں ہے کہ اس موقع پر نازل ہوئی۔

---

[۲۰] [النساء: ۹۵]

[۲۱] عن ابن عباس رضی اللہ عنہما اخبرہ ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ عن بدرٍ والخارجون الی بدر. صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ رقم: ۴۵۹۵.

لیکن صحیح بات محققین نے یہی قرار دی ہے کہ یہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی تھی اور اس کی دلیل حدیثِ ترمذی ہے اس میں صراحت ہے کہ عبداللہ ابن ام مکتوم اور عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہما یہ دونوں نابینا تھے اور بدر کے موقع پر آئے تھے۔ اس سے یہ تائید ہوتی ہے کہ یہ آیت بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ [۲۲]

(۶) باب عدة أصحاب بدر

اصحابِ بدر کی تعداد کا بیان

۳۹۵۵ ـ حدثنا مسلم: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن البراء قال: استصغرت أنا وابن عمر. [أنظر: ۳۹۵۶] [۲۳]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور ابن عمر چھوٹے خیال کئے گئے۔

۳۹۵۶ ـ حدثني محمود: حدثنا وهب، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن البراء قال: استصغرت أنا و ابن عمر يوم بدر. وكان المهاجرون يوم بدر نيفا على ستين والأنصار نيف وأربعين ومائتين. [راجع: ۳۹۵۵]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور ابن عمر بدر کی لڑائی میں چھوٹے خیال کئے گئے (یعنی لڑائی میں شامل نہیں کئے گئے) اور اس لڑائی میں مہاجرین کی تعداد ساٹھ سے کچھ اوپر تھی، اور دو سو چالیس سے کچھ اوپر انصار تھے۔

تشریح

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایات نقل کی ہیں۔

---

[۲۲] والحديث أخرجه البخاري أيضاً في التفسير عن ابراهيم بن موسى وعن اسحاق عن عبدالرزاق، وأخرجه الترمذي في التفسير عن الحسن بن محمد الزعفراني، وقال: حسن غريب. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۱۶

[۲۳] وفي سنن الترمذي، أبواب السير، باب ماجاء في عدة اصحاب أهل بدر. رقم: ۱۵۹۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب السرايا. رقم: ۲۸۲۸، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، حديث البراء بن عازب. رقم: ۱۸۵۵۵، ۱۸۳۶۳

پہلی سند میں "استصغرت أنا وابن عمر" کہ مجھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کم سن قرار دیا گیا۔

دوسری سند میں پورا لفظ استعمال کیا گیا کہ "استصغرت أنا وابن عمر یوم بدر" مجھے اور ابن عمر کو چھوٹا قرار دیئے جانے کی وجہ سے ہمیں جہاد میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔

کم سن صحابہ

یہ چار کم سن صحابۂ کرام ﷺ تھے جن کے ساتھ یہ معاملہ ہوا، عبد اللہ بن عمر، براء بن عازب، جابر بن عبد اللہ اور انس بن مالک، ان حضرات ﷺ کو چھوٹا قرار دے کر جہاد میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی۔

مردم شماری: اصحاب بدر کی تعداد

"وکان المهاجرون یوم بدر نیفا علی ستین" بدر کی لڑائی میں مہاجرین صحابہ کی تعداد ساٹھ سے کچھ اوپر تھی، "والأنصار نیف وأربعین ومائتین" اور دو سو چالیس سے کچھ اوپر انصار صحابہ تھے۔

"نَیِّف" اور "نَیْف" دونوں لغتیں ہیں جو بضع کے معنی میں آتا ہے کہ مہاجرین بدر کے دن ساٹھ سے کچھ اوپر تھے اور انصار دو سو چالیس سے کچھ اوپر تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مہاجرین چھیاسٹھ تھے اور انصار دو سو سنتالیس تھے، تو دونوں کو ملا کر تین سو تیرہ عدد بن جاتا ہے، بعض روایتوں میں تین سو چودہ، تین سو پندرہ، بعض میں تین سو انیس کی تعداد بھی آتی ہے۔

تطبیق

اس میں تطبیق یہ ہے کہ تین سو تیرہ حضور اقدس ﷺ کے علاوہ ہے، بشمول آپ ﷺ کے تین سو چودہ ہے، ایک صحابی ﷺ مردم شماری کے وقت دور سے تشریف لا رہے تھے اگر انہیں شامل کرلیں تو تین سو پندرہ ہے اور جن چار صحابۂ کرام ﷺ کو شامل ہونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اگر انہیں بھی شامل کرلیں تو تعداد تین سو انیس بنتی ہے۔ [۲۳]

۳۹۵۷ - حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهیر: حدثنا أبو إسحاق قال: سمعت البراء ﷺ یقول: حدثني أصحاب محمد ﷺ ممن شهد بدرا أنهم کانوا عدة أصحاب طالوت

---

[۲۳] عمدة القاري، ج:۱۷، ص: ۱۱۷ وفتح الباري، ج:۷، ص: ۲۹۲-۲۹۱

الذين أجازوا معه النهر بضعة عشر وثلاثمائة، قال البراء : لا والله، ما جاوز معه النهر إلا مؤمن. [انظر: ۳۹۵۸، ۳۹۵۹] ۲۵

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے بیان کیا کہ جنگ بدر میں حاضر ہونے والے ان اصحاب طالوت کے برابر تھے جو نہر سے پار اتر گئے تھے، اور وہ تین سو دس آدمیوں سے کچھ زیادہ تھے، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ کی قسم! طالوت کے ساتھیوں میں وہی لوگ نہر پار کر سکے جو ایماندار تھے۔

۳۹۵۸- حدثني عبد الله بن رجاء: حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء قال: كنا أصحاب محمد ﷺ نتحدث أن عدة أصحاب بدر على عدة أصحاب طالوت الذين جاوزوا معه إلا مؤمن بضعة عشر وثلاثمائة. [راجع: ۳۹۵۷]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سب اصحاب محمد ﷺ آپس میں کہا کرتے تھے کہ بدری تین سو دس آدمیوں سے کچھ زیادہ تھے اور تقریباً اصحاب طالوت کے برابر تھے، اور جو اس کے ساتھ نہر کے پار اتر گئے تھے وہ سب ایمان والے تھے۔

تشریح

"كنا أصحاب محمد ﷺ نتحدث أن عدة أصحاب بدر" ہم سب اصحاب محمد ﷺ آپس میں کہا کرتے تھے کہ بدری تین سو دس آدمیوں سے کچھ زیادہ تھے اور تقریباً اصحاب طالوت کے برابر تھے، اور جو اس کے ساتھ نہر کے پار اُتر گئے تھے اور وہ سب ایمان والے تھے۔

"حدثني أصحاب محمد ﷺ ممن شهد بدرا" حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا جو بدر میں شامل تھے کہ ان کی تعداد اصحابِ طالوت کے برابر تھی اور اصحابِ طالوت جنہوں نے طالوت کے ساتھ نہر عبور کی تھی یہ تین سو دس سے کچھ اوپر تھے۔

درج بالا روایات سے معلوم ہوا کہ اصحابِ بدر کی تعداد بھی تین سو دس سے اوپر تھی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے ساتھ نہر عبور نہیں کی تھی مگر مؤمن نے یعنی جو بھی نہر عبور کر کے گیا تھا مؤمن تھا۔

---

۲۵ وفي سنن الترمذي، كتاب السير عن رسول الله، باب ما جاء في عدة أصحاب البدر، رقم: ۱۵۲۴، وسنن ابن ماجة، كتاب الجهاد، باب السرايا، رقم: ۲۸۱۸، ومسند أحمد، اول مسند الكوفيين، باب حديث البراء بن عازب، رقم: ۱۷۸۲۰، ۱۷۸۹۰

دریائے اردن

جو نہر اصحاب طالوت نے عبور کی وہ روایات کے مطابق دریائے اردن تھا۔ یہ دریائے اُردن بڑا قدیم ہے، یہ لمبائی میں ۳۱۹ کیلومیٹر کے علاقے میں پھیلا ہوا ہے، اس کا کچھ حصہ کنعان اور کچھ فلسطین اور سوریا میں ہے، اس کا تذکرہ قدیم ترین کتابوں میں پڑھتے آئے تھے، بائبل کے بہت سے صحیفوں میں جا بجا اس دریا اور اس کے کنارے پیش آنے والے واقعات کا ذکر ملتا ہے۔

قرآن کریم میں بھی کم از کم دو مقامات پر اس دریا کا نام لئے بغیر تذکرہ کیا گیا ہے۔ پہلا ذکر سورۂ بقرہ میں ہے، جہاں حضرت طالوت کے عمالقہ کے ساتھ جہاد کا واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت طالوت نے اپنے رُفقاء سے کہا تھا کہ

﴿إِنَّ اللهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ﴾ [۲۶]

ترجمہ: اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جو شخص اس دریا سے پانی پیئے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اِلا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھرلے (تو کوئی حرج نہیں)۔

مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد دریائے اُردن ہے۔

قرآن کریم نے دوسری بار دریائے اُردن کی طرف سورۂ روم میں اشارہ فرمایا ہے، یعنی اس جگہ جہاں ایرانی لشکر کے ہاتھوں رومیوں کی شکست کا تذکرہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿الم ٥ غُلِبَتِ الرُّومُ ٥ فِي أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُم مِّن بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ﴾ [۲۷]

ترجمہ: الم، رومی لوگ قریب کی سرزمین میں مغلوب ہوگئے

---

[۲۶] [البقرة: ۲۴۹]

[۲۷] [الروم: ۳-۱]

ہیں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں
غالب آجائیں گے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں "قریب کی سرزمین" سے مراد دریائے اُردن کی وادی ہے، کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں ایران کے بادشاہ خسرو پرویز کے لشکر نے روم کے لشکر کو شکستِ فاش دی تھی۔ [۲۸]

دریائے اُردن کی وادی مختلف اقوام اور تہذیبوں کا گہوارہ رہی ہے۔ اسی کے کناروں پر سینکڑوں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اور تاریخ کے جانے کتنے ابواب لکھے گئے۔ اس کے مغربی کنارے سے فلسطین کا علاقہ شروع ہوجاتا ہے جسے قرآن کریم نے ارضِ مقدسہ، ارضِ مبارکہ وغیرہ کے ناموں سے تعبیر فرمایا ہے۔ [۲۹]

۳۹۵۹ – حدثني عبدالله بن أبي شيبة: حدثنا يحيى، عن سفيان، عن أبي اسحاق، عن البراء ح. [راجع: ۳۹۵۷]

وحدثنا محمد بن كثير: حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن البراء ﷺ قال: كنا نتحدث أن أصحاب بدر ثلاثمائة وبضعة عشر بعدة أصحاب طالوت الذين جاوزوا معه النهر، وما جاوز معه إلا مؤمن.

ترجمہ: ابو اسحاق حضرت براء بن عازب ﷺ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ شرکاء بدر کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی گویا جتنے لوگ طالوت کے ساتھ نہر پار ہوگئے تھے، اور نہر پار وہی ہوئے تھے جو ایماندار تھے۔

تشریح

"**کنا اصحاب محمد ﷺ الخ**" یہ لفظ "**اصحاب**" منصوب علی سبیل الاختصاص ہے۔

"**انانحن معاشرا لعرب، انانحن معاشرا لمسلمين**" یہ بھی منصوب علی سبیل الاختصاص ہے۔

"**نتحدث أن عدة أصحاب بدر الخ**" ہم لوگ آپس میں اصحابِ بدر کے بارے میں باتیں کیا کرتے تھے کہ وہ اصحابِ طالوت کے برابر تھے۔ [۳۰]

---

۲۸ مزید افادات کیلئے مراجعت فرمائیں: تفسیر عثمانی، سورۃ الروم، آیۃ: ۱تا۳، فائدہ نمبر: ۶،۷ وسورۃ الروم کا تعارف، آسان ترجمہ قرآن۔

۲۹ جہان دیدہ، ص: ۲۴۴،۲۴۵۔

۳۰ مزید تشریح کے لئے مراجعت فرمائیں: سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۴۹،۲۵۰، فائدہ نمبر: ۱،۲، تفسیر عثمانی۔

(۷) باب دعاء النبی ﷺ علی کفار قریش: شیبة وعتبة والولید وأبی جهل بن هشام وهلاکهم

آنحضرت ﷺ کی کفارِ قریش: شیبہ، عتبہ، ولید بن عتبہ اور ابوجہل بن ہشام کی ہلاکت کے لئے بددعا

اس باب میں نبی کریم ﷺ نے کفارِ قریش پر جو بددعا فرمائی تھی اس کا ذکر ہے، جن لوگوں کیلئے خاص طور پر ہلاکت کی بددعا فرمائی وہ شیبہ، عتبہ، ولید اور ابوجہل دیگر سردارانِ قریش تھے۔

یہ سارے مکہ کے بڑے بڑے سردار تھے اور سارے ہی بدر میں قتل ہوئے، عتبہ کو حضرت عبیدہ بن حارث ﷺ نے، شیبہ کو حضرت حمزہ ﷺ نے، ولید کو حضرت علی ﷺ نے قتل کیا، ابوجہل کو معاذ بن عمرو اور معوذ بن عفراء نے شدید زخمی کیا اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے اس کا سر کاٹ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔

۳۹۶۰ ــ حدثنی عمرو بن خالد : حدثنا زهیر : حدثنا أبو إسحاق، عن عمرو بن میمون، عن عبدالله بن مسعود قال: استقبل النبی ﷺ الکعبة فدعا علی نفر من قریش، علی شیبة بن ربیعة، وعتبة بن ربیعة، والولید بن عتبة، وأبی جهل بن هشام، فأشهد بالله لقد رأیتهم صرعی قد غیرتهم الشمس، وکان یوما حارا. [راجع : ۲۴۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کیا اور قریش کے کئی کافروں کے لئے بددعا کی یعنی شیبہ، عتبہ، ولید اور ابوجہل بن ہشام کے لئے۔ حضرت ابن مسعود ﷺ فرماتے ہیں خدا گواہ ہے میں نے ان سب کو بدر کے میدان میں پڑا ہوا دیکھا کہ دھوپ کی شدت سے ان کی لاشیں بدبودار ہوگئیں اور اس دن سخت گرمی تھی۔

تشریح

حضرت عبداللہ ابن مسعود ﷺ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **"استقبل النبی ﷺ الکعبة فدعا الخ"** نبی کریم ﷺ نے کعبہ کا استقبال فرمایا اور قریش کے کچھ لوگوں پر بددعا کی جس میں شیبہ، عتبہ، ولید اور ابوجہل

سرداران قریش تھے۔

اور دعا کے الفاظ یہ تھے "**اللّٰھم علیک بشیبة بن ربیعة، اللّٰھم علیک بعتبة، اللّٰھم علیک بالولید، اللّٰھم علیک بابی جھل**" یہ واقعہ مکہ مکرمہ کا ہے، یعنی بدر کے وقت کا نہیں، مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ سجدہ فناء کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے جب سجدے میں گئے تو آپ ﷺ کی پشت مبارک پر عقبہ بن ابی معیط نے اوجڑی لاکر رکھ دی تھی۔

اس کو یہاں پر نقل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں "**فاشھد باللّٰہ**" میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے ان سب کو چاروں شانے چت دیکھا، "**صرعی**" بچھڑے ہوئے۔

"**قد غیر تھم الشمس**" دھوپ نے ان کا حلیہ بگاڑ دیا، ان کے رنگ بدل گئے تھے۔ "**وکان یوما حارا**" اور سخت گرمی کا دن تھا اور ان کی لاشیں پڑی ہوئیں تھیں کیونکہ دفن ہونے میں کافی وقت لگا۔

(۸) باب قتل أبی جھل
ابوجہل کے قتل کا بیان

۳۹۶۱۔ حدثنا ابن نمیر: حدثنا أبو اسامة: حدثنا إسماعیل: أخبرنا قیس، عن عبداللہ ؓ: أنه أتی أبا جھل وبه رمق یوم بدر، فقال أبو جھل: ھل أعمد من رجل قتلتموہ؟ [۱۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ وہ بدر کے دن ابوجہل کے پاس آئے جب کہ وہ دم توڑ رہا تھا، ابوجہل نے ابن مسعود ؓ سے کہا کیا ہی عجیب بات ہے کہ مجھ جیسے شخص کو قوم کے لوگوں نے مار ڈالا، بھلا مجھ سے بڑھ کر کون ہوگا جس کو تم نے مارا ہے۔

تشریح

اس باب میں حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ ابوجہل کے پاس اس حالت میں آئے کہ اس کے اندر رمق تھی یعنی زندگی کے آثار تھے، پہلا قتل عفراء کے دو بیٹیوں معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے کیا تھا، لیکن ابھی اس کی روح پرواز نہیں کی تھی کہ اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ تشریف لائے تو ابوجہل

---

[۱۳] انفرد به البخاری.

ان سے کہا کہ "ھل اعمد من رجل قتلتموہ"۔

لفظ "اعمد" کی تفصیل

اس جملہ کے کئی معنی ہو سکتے ہیں:

ایک معنی یہ کہ "اعمد" صیغہ واحد متکلم مضارع کا ہے، اس کے معنی ہیں تعجب کرنا، تو اس کا معنی یہ ہوا کہ کیا میں تعجب کروں ایسے شخص پر جس کو تم نے قتل کر دیا، مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے جب دیکھا کہ یہ ایسی حالت میں پڑا ہوا ہے کہ مرنے کے قریب ہے تو انہوں نے خوشی اور تعجب کا اظہار کیا ہوگا کہ اتنا بڑا آدمی مارا گیا، الحمدللہ، تو ابو جہل نے یہ جملہ کہا کہ تمہاری یہ زیادہ خوشی اور بڑائی کی بات نہیں ہے اور نہ میرے لئے کوئی تعجب کی بات ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوئی کہ ایک آدمی کو قتل کر دیا، جنگ میں تو یہ ہوتا ہی رہتا ہے، ابو جہل کے قتل کی وجہ سے عبداللہ بن مسعود ﷺ کے دل میں جو فخر پیدا ہو رہا تھا اس کو زائل کرنا مقصود ہے۔

دوسرا معنی بعض لوگوں نے اس کا معنی یہ بیان کیا کہ "اعمد" کا صیغہ اسم تفضیل کا ہے، اس کے معنی ہے زیادہ مستحکم زیادہ قابل اعتماد، یہ لفظ عماد سے نکلا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ زیادہ قابل اعتماد، زیادہ مستحکم اور زیادہ بڑا، تو کیا کوئی اور شخص زیادہ عالیشان ہے بنسبت اس شخص کے جس کو آج تم نے قتل کیا۔ ابو جہل یہ کہنا چاہ رہا ہے کہ میں زیادہ عالیشان آدمی ہوں، یعنی مجھ سے زیادہ عالیشان آدمی تم نے قتل نہیں کیا ہوگا۔ بعض روایتوں میں آتا ہے "ھل فوق رجل قتلتموہ" کیا کوئی مجھ سے زیادہ اونچا آدمی ہوگا جس کو تم نے قتل کیا۔ [۳۲]

"ھل فوق رجل قتلتموہ" بعض لوگوں نے اس جملہ کے معنی وہی بیان کئے ہیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں یعنی اس سے اوپر کوئی بات ہوئی کہ تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا، تو تمہارے لئے یہ کوئی فخر اور تعجب کا موقع نہیں ہے۔

۳۹۶۲ ۔ حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زھیر: حدثنا سلیمان التیمی أن أنسا حدثھم قال: قال النبی ﷺ ح. وحدثنی عمرو بن خالد: حدثنا زھیر، عن سلیمان التیمی،

---

[۳۲] ((ھل اعمد من رجل ؟)) ای: ھل اعجب من رجل قتلہ قومہ؟ یعنی: لیس قتلکم لی إلا قتل رجل قتلہ قومہ، لایزید علی ذلک ولا ھو فخر لکم ولا عار علی، یقال: انا اعمد من کذا، ای: اعجب منہ، وقیل: اعمد، بمعنی: اغضب، من قولھم: عمد علیہ إغضب، والحاصل انہ یھون علی نفسہ ما حل بہ من الھلاک وانہ لیس بعار علیہ ان یقتلہ قومہ. عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۲۱

عن أنس رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: ((من ينظر ما صنع أبو جهل؟)) فانطلق ابن مسعود رضي الله عنه فوجده ضربه ابنا عفراء حتى برد، قال: أأنت أبو جهل؟ قال: فأخذ بلحيته، قال: وهل فوق رجل قتلتموه أو رجل قتله قومه؟ قال أحمد بن يونس: أنت أبا جهل؟ [انظر: ۳۹۶۳، ۴۰۲۰] [۴۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو یہ معلوم کرے کہ ابو جہل کا کیا حال ہوا؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ گئے اور دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس قدر مارا ہے یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہوگیا، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی ڈاڑھی پکڑی اور کہا کیا تو ہی ابو جہل ہے؟ اس نے کہا کہ کیا یہ کوئی بڑی بات ہے کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کیا ہے یعنی اس شخص سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے جس کو برادری کے لوگوں نے قتل کیا ہو، گویا یہ کوئی بری بات نہیں۔

احمد بن یونس "أنت ابو جهل" کے الفاظ سے روایت کرتے ہیں۔

۳۹۶۳ـ حدثني محمد بن المثنى: حدثنا ابن أبي عدي، عن سليمان التيمي، عن أنس رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم بدر: ((من ينظر ما فعل أبو جهل؟)) فانطلق ابن مسعود فوجده قد ضربه ابنا عفراء حتى برد فأخذ بلحيته فقال: أنت، أبا جهل؟ قال: وهل فوق رجل قتله قومه، أو قال: قتلتموه؟. [راجع: ۳۹۶۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن فرمایا کہ ابو جہل کو دیکھ کر کون اس کی خبر لاتا ہے؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ سن کر گئے اور دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے ابو جہل کو مار مار کے بے دم کر دیا ہے، آپ نے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کیا تو ابو جہل ہے؟ اس نے جواب دیا مجھ سے بڑا آدمی کون ہوسکتا ہے جس کو اس کی قوم یا تم لوگوں نے ہلاک کیا ہو۔

تشریح

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "من ينظر وما صنع ابو جهل" کون ہے جو جا کر دیکھے کہ ابو جہل کا کیا بنا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم نہیں تھا کہ دوران جنگ ابو جہل کا کیا ہوا ہے)؟

---

[۴۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قتل أبي جهل، رقم: ۳۳۵۸، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۱۷۰۰، ۱۱۸۵۶، ۱۲۹۹۲

تو حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ دیکھنے کے لئے گئے تو انہوں نے اس حالت میں پایا کہ عفرا کے دو بیٹے اس کو تلواروں سے مار چکے تھے یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا تھا، مطلب یہ کہ قریب المرگ تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ نے اس کی داڑھی پکڑ کر فرمایا کہ **"أانت أبو جهل؟"** کیا تو ابو جہل ہے؟

تو اس نے جواب میں کہا **"وهل فوق رجل قتلتموه أو رجل قتله قومه؟"** اس کے وہی معنی ہیں جو پہلے بیان کیا، یا یہ کہا ہے کہ مجھے میری قوم نے ہی قتل کیا، یا تو اس کو یہ حسرت ہے کہ اسے اس کی ہی قوم نے مارا، یا اس کے سامنے اطمینان کا اظہار کر رہا ہے کہ اپنی قوم نے مارا، یعنی میرے قاتل میری ہی قوم ہے، کسی دوسری قوم نے مجھے نہیں مارا، یہ انصاری جو کہ بکریوں کے چرواہے ہیں ان کے ہاتھوں میں مرنا نہیں چاہتا، حالانکہ مارا گیا معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے جو کہ انصاری تھے۔

ایک روایت میں **"أانت أبو جهل"** آیا ہے اور دوسری روایت میں **"انت أبا جهل"** آیا ہے یعنی دونوں طرح کی روایت ہے۔

۳۹۶۴- حدثنا علي بن عبد الله قال: كتبت عن يوسف بن الماجشون، عن صالح بن إبراهيم عن أبيه عن جده في بدر، يعني حديث ابني عفراء. [راجع: ۳۱۴۱]

ترجمہ: ہم سے علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے یوسف بن ماجشون سے اس روایت کو لکھا اور انہوں نے صالح بن ابراہیم سے روایت کی، انہوں نے اپنے والد ابراہیم سے روایت کی، اور انہوں دادا سے یعنی صالح بن ابراہیم کے دادا حضرت عبد الرحمٰن بن عوف ﷺ سے بدر کے بارے میں یعنی عفرا کے بیٹوں کا واقعہ بیان کیا۔

تشریح

"الماجشون" دراصل یہ فارسی کا معرب ہے، اصل میں تھا 'ماہ گون' یہ پیدائشی خوب صورت تھے تو کسی نے کہا ماہ گون یعنی چاند کی طرح، اسی سے ان کا لقب ماہ گون ہو گیا، اسی سے معرب کیا گیا **"ماجشون"**، ان کے سب بیٹے محدثین تھے۔

۳۹۶۵- حدثني محمد بن عبد الله الرقاشي: حدثنا معتمر قال: سمعت أبي يقول: حدثنا أبو مجلز، عن قيس بن عباد، عن علي بن أبي طالب ﷺ أنه قال: أنا أول من يجثو بين يدي الرحمن للخصومة يوم القيامة. وقال قيس: وفيهم أنزلت ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ قال: هم الذين تبارزوا يوم بدر: علي، وحمزة، وعبيدة بن الحارث،

وشيبة بن ربيعة، وعتبة بن ربيعة، والوليد بن عتبة. [انظر: ۳۹۶۷، ۴۷۴۴] ۳۴

ترجمہ: علی بن ابی طالب ﷺ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے اپنے خدا کے سامنے جھگڑے کوختم کرانے کے لئے دوزانو بیٹھوں گا۔ قیس بن عباد کہتے ہیں کہ سورۂ حج کی یہ آیت اسی سلسلہ میں اُتری ﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ کہ یہ دوفریق ایک دوسرے کے دشمن ہیں، جو اپنے پروردگار کے مقدمہ میں جھگڑے، ان دونوں فریقوں سے مراد وہ لوگ ہیں جولڑنے کے لئے بدر کے دن نکلے تھے، یعنی ایک طرف حمزہ، علی اور عبیدہ یا ابوعبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم، دوسری طرف سے شیبہ اور عتبہ ربیعہ کے بیٹے اور ولید بن عتبہ فریق ثانی۔

تشریح

حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ "انا اول من یجثو بین یدی الرحمن للخصومة یوم القیامة" میں پہلا وہ شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خصومت (مقدمہ) کیلئے باری تعالیٰ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھوں گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت میں مخاصمت کروں گا کہ میرے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ لوگ میرے مقابلے میں آئے تھے۔ قیس ابن عباد کہتے ہیں کہ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ

﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾ ۳۵

ترجمہ: یہ دو خصم ہیں یعنی ایک دوسرے کے مدمقابل ہیں
جنہوں نے پروردگار کے بارے میں خصومت کی تھی۔

ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن مبارزت کی تھی، وہ حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ ابن حارث رضی اللہ عنہم ہیں، ان کا مقابلہ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ سے ہوا تھا۔

سببِ نزول

یہ آیت اس روایت میں بھی اور آنے والی تمام روایتوں میں بھی مبارزت کرنے والوں کے بارے میں نازل ہونا بتایا گیا ہے۔ اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں، اور یہ بات سمجھ لینا چاہئے کہ جہاں احادیث کی روایت

---

۳۴ انفرد به البخاری

۳۵ [الحج: ۱۹]

میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ "نزلت فی کذا" تو اس کے معنی لازماً یہ نہیں ہوتے کہ یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی یا یہ واقعہ اس کا سبب نزول اس معنی میں ہے کہ اسی وقت میں نازل ہوئی، بلکہ بعض اوقات اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بھی اس آیت کے مصداق میں شامل ہے اور یہ بات اصول تفسیر میں گذری ہے۔

لہٰذا یہ ضروری نہیں کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اسی موقع پر نازل ہوئی، یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اور موقع پر نازل ہوئی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چاہے نازل کسی اور موقع پر ہوئی ہو لیکن اس کے عموم اور مصداق میں یہ بھی داخل ہے۔ ۳۶

۳۹۶۶ - حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن أبي هاشم، عن أبي مجلز، عن قيس ابن عبادة، عن أبي ذر ﷺ قال: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ في ستة من قريش: علي، وحمزة، وعبيدة بن الحارث وشيبة بن ربيعة، وعتبة بن ربيعة، والوليد بن عتبة.
[انظر: ۳۹۶۸، ۳۹۶۹، ۴۷۴۳] ۳۷

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ آیت ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ دو فریق کے حق میں نازل ہوئی جو آخر تک ایک دوسرے کے دشمن تھے، اور چھ ہیں علی، حمزہ اور عبیدہ بن حارث ﷺ فریق اول، شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ فریق ثانی۔

۳۹۶۷ - حدثنا إسحاق بن إبراهيم الصواف: حدثنا يوسف بن يعقوب كان ينزل في بني ضبيعة، وهو مولى لبني سدوس، حدثنا سليمان التيمي، عن ابي مجلز، عن قيس ابن عباد قال: قال علي ﷺ: فينا نزلت هذه الآية ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾.
[راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی ہے **هذان خصمان الخ**۔ ۳۸

۳۹۶۸ - حدثنا يحيى بن جعفر: أخبرنا وكيع، عن سفيان، عن أبي هاشم، عن أبي مجلز، عن قيس بن عباد قال: سمعت أبا ذر ﷺ يقسم لنزلت هؤلاء الآيات في هؤلاء الرهط الستة يوم بدر، نحوه. [راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت قیس بن عبادہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری ﷺ کو قسم کھا کر فرماتے

---

۳۷ وفي صحيح مسلم، كتاب التفسير، باب في قوله تعالى: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾. رقم: ۳۰۳۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الجهاد، باب المبارزة والسلب، رقم: ۲۸۳۵

ہوئے سنا ہے کہ یہ آیتیں جواوپر گزریں، بدر کے دن چھ آدمیوں کے حق میں نازل ہوئیں جو بدر کے دن مقابل ہوئے تھے جن کے اوپر نام گزرے۔ ۳۹

۳۹۶۹۔ حدثنا یحیی بن إبراهیم: حدثنا هشیم: أخبرنا أبو هاشم، عن أبي مجلز، عن قیس قال: سمعت أبا ذر ﷺ یقسم قسما: أن هذه الآیة ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ نزلت في الذین برزوا یوم بدر: حمزة، وعلي، وعبیدة بن الحارث، وعتبة وشیبة ابني ربیعة، والولید بن عتبة. [راجع: ۳۹۶۶]

ترجمہ: حضرت قیس ﷺ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوذر ﷺ کو قسم کھا کر کہتے ہوئے سنا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری جو بدر کے روز لڑنے کے لئے اترے تھے حضرت حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث ﷺ مسلمانوں کی طرف سے اور عتبہ وشیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے اور ولید بن عتبہ یہ کافروں کی طرف سے تھے۔ ۴۰

۳۹۷۰۔ حدثني أحمد بن سعید أبو عبدالله: حدثنا إسحاق بن منصور السلولي: حدثنا إبراهیم بن یوسف، عن أبیه، عن أبي إسحاق: سأل رجل البراء وأنا أسمع قال: أشهد علي بدرا؟ قال: وبارز وظاهر. ۴۱

ترجمہ: اسحاق بن منصور السلولی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے پوچھا میں سن رہا تھا کہ کیا حضرت علی ﷺ بدر کے موقع پر حاضر تھے؟ حضرت براء ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے مبارزت کی اور بدر کے دن حق کی مدد کی۔

۳۹۷۱۔ حدثنا عبدالعزیز قال: حدثني یوسف بن الماجشون، عن صالح بن إبراهیم بن عبدالرحمن بن عوف، عن أبیه، عن جده عبدالرحمن قال: كاتبت أمیة ابن خلف فلما كان یوم بدر فذكر قتله وقتل ابنه، فقال بلال: لانجوت إن نجا أمیة. [راجع: ۲۳۰۱]

۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰ [ان آیتوں میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق وباطل پر ہونے کی حیثیت سے دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کی سب باتوں کو من وعن تسلیم کرتا اور اس کے احکام کے آگے سربسجود رہتا ہے۔ دوسرا کفار کا مجمع جس میں یہود، نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہم سب شامل ہیں، جو ربانی ہدایات کو قبول نہیں کرتے اور اس کی اطاعت کے لئے سر نہیں جھکاتے۔ یہ دونوں فریق دعاوی میں، بحث ومناظرہ میں اور جہاد وقتال کے مواقع میں بھی ایک دوسرے کے مقابل رہتے ہیں۔ جیسا کہ "بدر" کے میدان مبارزہ میں حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث ﷺ تین کافروں (عتبہ ابن ربیعہ، شیبہ ابن ربیعہ اور ولید بن عتبہ) کے مقابلے پر نکلے تھے، آگے دونوں فریق کا انجام بتلاتے ہیں۔ فائدہ نمبر: ۳ (الحج: ۱۹، تفسیر عثمانی)]

۴۱ انفرد به البخاري

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے اور امیہ بن خلف کے درمیان باہم نہ لڑنے کا ایک تحریری معاہدہ ہوگیا تھا، پھر انہوں نے بدر کے دن امیہ اور اس کے بیٹے کے قتل ہونے کا قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ بدر کے دن بلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ اگر امیہ بن خلف بچ گیا تو میں کوئی خوشی محسوس نہیں کروں گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیہ بن خلف سے تحریری معاہدہ کیا ہوا تھا جب بدر کا دن آیا تو انہوں نے امیہ اور اس کے بیٹے کے قتل ہونے کا واقعہ سنایا، امیہ بن خلف کو دیکھتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا **"لا نجوت الخ"** کہ میں کبھی نجات نہ پاؤں اگر امیہ بچ گیا۔

اس روایت کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بدر میں شامل تھے (تفصیل آگے آئے گی)۔ [۳۲]

۳۹۷۲ ـ حدثنا عبدان قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أبي اسحاق، عن الأسود، عن عبدالله رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قرأ ﴿وَالنَّجْمِ﴾ فسجد بها وسجد من معه غير ان شيخا أخذ كفا من تراب فرفعه الى جبهته فقال: يكفيني هذا، قال عبدالله: فلقد رأيته بعد قتل كافرا. [راجع: ۱۰۶۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے **سورۃ والنجم** کو پڑھا اور اس میں سجدہ کیا، آپ کے ہمراہ جو لوگ تھے سب نے سجدہ کیا۔ مگر ایک امیہ بن خلف نے سجدہ نہیں کیا، بلکہ تھوڑی سی مٹی زمین سے اٹھا کر پیشانی پر لگائی اور کہا بس میرے لئے یہی کافی ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اس کو بدر کے دن حالت کفر میں مقتول پایا۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی اور آیت سجدہ کے موقع پر سجدہ فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب لوگوں نے سجدہ کیا اور جتنے بھی کفار تھے انہوں نے بھی اپنے ان بتوں کے نام پر سجدہ کیا جو اس آیت کریمہ **"أفرأيتم الخ"** میں مذکور ہے۔

---

[۳۲] هذا الحديث بهذا الاسناد والمتن قد مر في كتاب الوكالة في: باب اذا وكل مسلم حربيا، بأتم منه وأطول. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۲۷

بعض روایات میں اس طرح ہے کہ حضور ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری ہو گئے کہ "تلک الغرانیق العلی" ہے تو اس وجہ سے مشرکین نے سجدہ کیا، اس طرح کی روایات معتبر نہیں ہیں، معلول ہے، اگر چہ اس کے بعض اسانید کے رجال بھی ثقات ہیں لیکن روایات معلول ہیں، لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ مشرکین نے سجدہ کیا تھا یہ اس لئے کیا تھا کہ ان کے بتوں کے نام اس میں آئے تھے تو جو بھی آپ کے پاس تھے سب نے سجدہ کیا۔ [۴۳]

"غیر ان شیخا" البتہ ایک بوڑھے نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اپنی پیشانی پر لگائی اور کہا کہ میرے لئے یہ کافی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس بوڑھے کو بعد میں دیکھا کہ وہ حالتِ کفر میں قتل کیا گیا اور یہ امیہ بن خلف تھا۔

اس حدیث کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جنگ بدر میں شریک تھے۔

۳۹۷۳ - أخبرني إبراهيم بن موسى: حدثنا هشام بن يوسف عن معمر، عن هشام، عن عروة قال: كان في الزبير ثلاث ضربات بالسيف، إحداهن في عاتقه، قال: إن كنت لأدخل أصابعي فيها، قال: ضرب ثنتين يوم بدر، وواحدة يوم اليرموك، قال عروة: قال لي عبدالملك بن مروان حين قتل عبدالله بن الزبير: يا عروة، هل تعرف سيف الزبير؟ قلت: نعم، قال: فما فيه؟ قلت: فيه فلة فلها يوم بدر. قال: صدقت، بهن فلول من قراع الكتائب. ثم رده على عروة، قال هشام: فأقمناه بيننا ثلاثة آلاف وأخذه بعضنا ولوددت أني كنت أخذته. [راجع: ۳۷۲۱]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت زبیر ؓ کے جسم پر تلوار کے تین گہرے زخم تھے، ان میں ایک کندھے پر موجود تھا، میں اپنی انگلی اس میں ڈالا کرتا تھا، عروہ کہتے ہیں کہ ان میں دو زخم تو بدر کے دن لگے تھے، اور تیسرا جنگ یرموک میں آیا تھا، عروہ ؓ کہتے ہیں جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے تو عبدالملک نے پوچھا عروہ تم اپنے والد زبیر کی تلوار پہچان سکتے ہو؟ میں نے کہا ہاں! اس نے پوچھا کوئی علامت بتاؤ، میں نے کہا بدر کی جنگ میں اس کی دھار ایک جگہ سے ٹوٹ گئی تھی، اس نے کہا واقعی تم سچے ہو، اس کے بعد یہ مصرعہ (ترجمہ) لڑتے لڑتے ان کی دھاریں ٹوٹ گئی ہیں۔ اس کے بعد عبدالملک نے عروہ کو وہ تلوار واپس کر دی، ہشام کہتے ہیں کہ جب ہم نے اس کی قیمت کے متعلق مشورہ کیا تو تین ہزار درہم کا اندازہ

---

[۴۳] عمدة القاری، ج:۷، ص: ۴۲،۴۱، ۴۳، کتاب سجود القرآن، ابواب سجود القرآن، رقم: ۱۰۶۷، وانعام الباری، ج:۴، ص: ۳۵۰، رقم: ۱۰۶۷

لگایا، ہم سے ایک شخص نے یہ تلوار تین ہزار درہم میں خرید لی، مگر میری یہ تمنا رہ گئی کہ کاش میں اسے لیتا۔

تشریح

حضرت ہشام رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے جسم میں تلوار کی تین چوٹیں تھیں، ان میں سے ایک ان کے شانے پر تھی، اور فرماتے ہیں کہ میں اس چوٹ کے نشان میں اپنی انگلیاں داخل کرتا تھا اور فرمایا کہ ان میں سے دو ضربیں بدر کے دن لگی تھیں اور ایک ضرب جنگ یرموک میں لگی، اس میں یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ یوں کہہ رہے ہیں کہ تین ضرب تھیں ایک کندھے پر اور دو کہیں اور جگہ پر تھیں۔

جنگ یرموک خلیفۂ ثانی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی بڑی زبردست جنگ ہوئی تھی۔

"قال عروۃ .... بن الزبیر"

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عبدالملک بن مروان نے مجھ سے کہا کہ اے عروہ! کیا تم زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں، تو پوچھا کہ اس تلوار میں کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس تلوار میں ایک دندانہ ہے جو بدر کے دن پڑ گیا تھا۔

یہ اصل میں ایسا لگتا ہے کہ عبدالملک بن مروان، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف تھا اور حجاج بن یوسف نے جو مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر لشکر کشی کی وہ اسی کے دور حکومت میں واقعہ پیش آیا تھا، اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ایسا لگتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کا یہ سوال طنزاً تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے والد کی تلوار کیسی ہے؟ گویا طنز کرتا تھا کہ اس میں دندانہ پڑا ہوا ہے۔

عبدالملک بن مروان نے جس چیز کو قابل طعن سمجھا تھا اس کو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے قابل تعریف بنا کر پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں اس میں دندانہ پڑا ہوا ہے جو بدر کے دن پڑا تھا، وہ برکت والا ہے۔ اس سے صاحبِ سیف کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ بدر کے دن اتنی بے جگری سے کفار سے مقابلہ کیا تھا کہ اس میں دندانہ پڑ گیا۔

"فیہ فلۃ فلھا" اس میں لفظ **"فلۃ"** اسم کے طور پر استعمال ہوا ہے اور **" فُلھا"** مجہول ہے، **"فلھا"** کا مفعول اول ہے ضمیر نائب فاعل اور **"ھا"** مفعول ثانی ہے۔

"قال صدقت" یہ کہہ کر شاید ان کو تنبہ ہوا اور شعر پڑھا **"بھن فلول من قراع الکتائب"** کہ ان لوگوں میں کوئی اور عیب نہیں ہے سوائے اس کے کہ ان کی تلواروں میں لشکروں سے حرب و ضرب کے نتیجہ میں

دندانے پڑے ہوئے ہیں، تو یہ "مدح بما یشبه الذم" ہے، اصل میں تعریف کرنا مقصد ہے، کہتے ہیں کہ اس میں کوئی اور عیب نہیں سوائے اس کے کہ اس میں دندانہ پڑا ہوا ہے، تو اسی شعر سے تمثل کیا ہے اور کہا کہ **"قال صدقت، بهن فلول من قراع الکتائب"۔**

پھر عبد الملک بن مروان نے تلوار حضرت عروہ کی طرف لوٹا دی، ہم نے اس کی قیمت تین ہزار لگائی اور ہم میں سے کسی نے لے لی اور میری خواہش تھی کہ کاش میں نے لی ہوتی، اتنی بابرکت تلوار تھی جو بدر میں استعمال ہوئی تھی اور حضرت زبیر بن عوام ﷺ جو عشرہ مبشرہ میں سے تھے، کی تلوار تھی۔ [۴۴]

تبرک بآثار الصلحاء

معلوم ہوا کہ کسی مقدس شخصیت کی استعمال کردہ کوئی چیز جو کسی مقدس موقع پر استعمال ہوئی ہو، اگر بطور تبرک رکھی جائے تو یہ نہ کفر ہے، نہ شرک ہے، جیسا کہ ہمارے دور کے نجدی اور سلفی بھائیوں کا کہنا ہے، حدیث پاک صراحت سے کہہ رہی ہیں **"ولوددت انی کنت اخذته"**

تو دندانہ والی تلوار تین ہزار میں خرید کر رکھنا اس لئے ہرگز نہیں تھی کہ لڑائی کے لئے استعمال ہو، سوائے یادگار اور تبرک کے کوئی اور وجہ نہیں تھی، تو معلوم ہوا کہ ایسا تبرک رکھنا جائز ہے۔ [۴۵]

۳۹۷۴۔ حدثنی فروة: عن علی، عن هشام، عن أبیه قال: کان سیف الزبیر محلی بفضة. قال هشام وکان سیف عروة محلی بفضة. [۴۶]

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میرے والد حضرت زبیر ﷺ کی تلوار پر چاندی کا کام کیا گیا تھا۔ ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد عروہ کی تلوار بھی چاندی سے مزین کی ہوئی تھی شاید یہ زبیر ﷺ ہی کی تلوار ہوگی۔

حِلیہ کا حکم

حضرت زبیر ﷺ کی تلوار پر چاندی کا حِلیہ چڑھا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ اگر چاندی کا حِلیہ چڑھا ہوا ہو تو

---

[۴۴] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۱۲۹

[۴۵] تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج:۳، رقم الحدیث:۴۸۳، ص:۲۵۴تا۲۶۵

[۴۶] وفی سنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب الزبیر بن العوام، رقم: ۳۶۷۹

جائز ہے بشرطیکہ مقبض میں نہ ہو، ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے والد کی تلوار بھی ایسی ہی تھی۔ ۲۷

۳۹۷۵- حدثنا أحمد بن محمد: حدثنا عبدالله: أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه: أن أصحاب رسول الله ﷺ قالوا للزبير يوم اليرموك: ألا تشد فنشد معك؟ فقال: إني إن شددت كذبتم، فقالوا: لا نفعل، فحمل عليهم حتى شق صفوفهم فجاوزهم وما معه أحد، ثم رجع مقبلا فأخذوا بلجامه فضربوه ضربتين على عاتقه بينهما ضربة ضربها يوم بدر، قال عروة: كنت أدخل أصابعي في تلك الضربات ألعب وأنا صغير. قال عروة: وكان معه عبدالله بن الزبير يومئذ وهو ابن عشر سنين، فحمله على فرس ووكل به رجلا.
[راجع: ۳۷۲۱]

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ یرموک کے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے میرے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ چلو ہم مل کر کافروں پر حملہ کریں، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ تم میرا ساتھ نہیں دے سکو گے، انہوں نے کہا کہ ہم ضرور ساتھ دیں گے۔ آخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا اور کافروں کی صفیں چیرتے ہوئے پار نکل گئے اور ان کے ساتھ کوئی بھی قائم نہ رہ سکا، پھر وہ لوٹے تو کافروں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور زبیر رضی اللہ عنہ کے مونڈھے پر دو وار کئے، ان ضربوں کے درمیان وہ زخم بھی تھا جو بدر کے دن آپ کو پہنچا، عروہ کہتے ہیں کہ جب میں چھوٹا تھا تو ان زخموں کے غار میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا، عروہ کہتے ہیں کہ یرموک میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی تھے، حالانکہ ان کی عمر اس وقت دس (بارہ) برس کی تھی زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو گھوڑے پر سوار کر کے ایک شخص کی حفاظت میں دے دیا تھا۔

جنگِ یرموک

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یرموک کے دن رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جنگ یرموک فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں رومیوں کے ساتھ مسلمانوں کی معرکۃ الآراء جنگ تھی جس کے امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ عراق میں لڑ رہے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آخری دورِ خلافت میں حکم دیا کہ وہ جا کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے جا کر مل جائیں۔

---

۲۷ ولا يجوز للرجال التحلي بالذهب والفضة إلا بالخاتم والمنطقة وحلية السيف وقدجاء في إباحة ذلك الآثار انتهى. الدراية في تخريج احاديث الهداية، كتاب الكراهية، ص: ۲۵۷

تو حضرت خالد بن ولید اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہما دونوں جنگ یرموک کے موقع پر جمع ہو گئے تھے اور بڑی زبردست لڑائی ہوئی تھی، مسلمانوں کا لشکر صرف پچیس ہزار کا تھا اور رومیوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی، تین دن تک لڑائی ہوتی رہی۔

اس موقع پر یہ واقعہ پیش آیا تھا کہ اصحاب نبی کریم ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ **"الا تشد فنشد معک؟"** کیا آپ حملہ نہیں کرتے کہ ہم بھی آپ کے ساتھ حملہ کریں، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اگر حملہ کرونگا تو تم پیچھے رہ جاؤ گے، انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایسا نہیں کریں گے، اگر آپ حملہ کریں گے تو ہم بھی لڑیں گے، تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا یہاں تک کہ ان کی صفیں چیرتے ہوئے چلے گئے اور ان کے پار نکل گئے اور جب پیچھے دیکھا تو ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا، پھر وہاں سے واپس لوٹ کر آئے تو کفار نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور ان کے شانے پر دو ضربیں لگائیں اور ان دونوں ضربوں کے درمیان ایک ضرب تھی جو بدر کے دن لگی تھی۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں جب چھوٹا تھا انہی ضربات میں انگلیاں داخل کر کے کھیلا کرتا تھا۔

روایات میں تعارض

یہاں یوں معلوم ہو رہا ہے کہ دو ضربیں لگائیں جو شانوں پر تھیں اور ایک پہلے سے عاتق پر تھی جو بدر کے دن کی تھی، تو یہاں دو ضربیں ذکر ہیں یرموک کے دن کی لگی ہوئی اور ایک بدر میں لگی ہوئی۔

اور پچھلی روایت سے معلوم ہوا کہ بدر میں دو ضربیں لگیں اور یرموک میں ایک ضرب لگی، ان میں سے ایک عاتق پر تھی اور دو غیر عاتق پر تھیں، جبکہ یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ تینوں عاتق پر تھیں جو کہ دو یرموک کے موقع پر لگی تھیں اور ایک بدر کے دن لگی تھی، اس طرح دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔

توجیہات

اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے بہت سے شراح حدیث نے توجیہات اختیار کی ہیں، ان میں سے ایک توجیہ یہ ہے کہ اصل میں یوں ہے کہ کل ضربیں پانچ ہیں، جن میں سے دو ضربیں بدر میں اور تین یرموک میں لگی تھیں، اور بدر میں جو دو ضربیں لگی تھیں ان میں سے ایک عاتق پر اور دوسری غیر عاتق پر لگی، اور یرموک میں جو تین ضربیں لگیں ان میں سے دو عاتق پر اور ایک غیر عاتق پر لگی تھی، لہذا عاتق پر تین ہوئیں اور غیر عاتق پر دو، جو عاتق پر تین تھیں ان میں دو یرموک کی اور ایک بدر کی تھی، اور جو غیر عاتق پر ہیں ان میں سے ایک بدر کی اور ایک یرموک کی ہے۔

ان پانچ ضربوں میں سے تین تلواروں کی تھیں اور دو نیزے کی تھیں، تین تلواروں کی جو عاتق پر لگیں ان میں سے درمیان والی بدر کی تھی اور بقیہ دو غیر عاتق پر تھیں، اور جو دو یرموک میں عاتق پر لگیں وہ نیزوں کی تھیں، تو اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے، یہ توجیہ بعض حضرات نے فرمائی، لیکن اس توجیہ کی چنداں حاجت نہیں، کیونکہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ تطبیق حدیث کی وہاں ضرورت پڑتی ہے جہاں پر روایتِ حدیث کا مخرج مختلف ہو، راوی الگ الگ ہوں، یعنی ایک راوی نے ایک قصہ بیان کیا اور دوسرے راوی نے دوسرا قصہ بیان کیا ہو، ایسے موقع پر تطبیق کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن جہاں روایت ایک ہی ہو اور راوی ایک ہی ہے اور حدیث کا مخرج بھی ایک ہی ہے اور اختلاف بعد کے راویوں کے بیان میں پیدا ہوا تو پھر وہاں پر تطبیق کی حاجت نہیں ہوتی، یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ دونوں حدیثیں عروہ بن زبیر سے مروی ہیں۔

روایات میں وجہِ تعارض اور اس کا حل

اختلاف معمر اور عبداللہ بن مبارک رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان پیدا ہوا کہ معمر نے ہشام سے ایک طرح روایت کیا اور عبداللہ بن مبارک نے دوسری طرح روایت کیا، تو راویوں کے اختلاف سے اختلاف پیدا ہو رہا ہے، ایسے موقع پر تطبیق کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ ایک ہی راستہ ہے کہ کسی ایک روایت کو ترجیح دی جائے۔

اسی لئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ترجیح کا راستہ اختیار کیا ہے، چنانچہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت یہاں زیادہ راجح ہے، کیونکہ معمر جو روایت ہشام سے نقل کرتے ہیں وہ متکلم فیہ ہے اور عبداللہ بن مبارک اوثق ہیں۔ [۴۸]

ترجیح اُصولِ حدیث کی روشنی میں

یا یوں کہا جائے کہ ترجیح کے بجائے ایک اصول یوں سمجھ لینے کا ہے کہ راویانِ حدیث بعض اوقات ایسا کرتے ہیں کہ حدیث کا جو مرکزی واقعہ ہوتا ہے اس کو تو اچھی طرح یاد رکھتے ہیں اور تفصیلات یاد رکھنے کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے، اس کی وجہ سے تفصیلات میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

---

۴۸ وفی روایۃ ابن المبارک انہ ضرب یوم الیرموک ضربتین علی عاتقہ وبینھما ضربۃ ضربھا یوم بدر، فان کان اختلافا علی ھشام فروایۃ ابن المبارک اثبت لأن فی حدیث معمر عن ھشام مقالا، وإلا فیحتمل ان یکون فیہ فی غیر عاتقہ ضربتان ایضا فیجمع بذلک بین الخبرین. فتح الباری، ج:۷، ص: ۲۹۹ وعمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۱۲۹

ان میں سے کسی ایک راوی سے وہم یا غلطی ہو جاتی ہے، لیکن اس ایک وہم یا غلطی کی وجہ سے اصل روایت کو غیر صحیح یا قابل رد نہیں کہا جا سکتا، تو اصل مرکزی واقعہ دونوں نے بیان کیا ہے، ضربات کی تفصیلات میں تھوڑا سا اختلاف ہو گیا ہے، اس اختلاف کی وجہ سے اصل روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

"وکان معه عبد الله ابن الزبیر ﷺ یومئذ" اس وقت عبداللہ بن زبیر ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے، یعنی یرموک کی جنگ میں، اس وقت ان کی عمر دس سال تھی، آپ کو ایک گھوڑے پر بٹھا دیا تھا اور ایک آدمی کو موکل بنا دیا تھا کہ بھئی میں تو جہاد میں جا رہا ہوں آپ اس کو دیکھتے رہنا، آپ کی عمر دراصل ساڑھے بارہ سال تھی، الغاء کسر کر کے دس سال کہہ دیا۔

۳۹۷۶۔ حدثنی عبد الله بن محمد: سمع روح بن عبادة: حدثنا سعید بن أبی عروبة، عن قتادة قال: ذکر لنا أنس بن مالک، عن أبی طلحة أن نبی الله ﷺ أمر یوم بدر بأربعة وعشرین رجلا من صنادید قریش فقذفوا فی طوی من أطواء بدر خبیث مخبث، وکان إذا ظهر علی قوم أقام بالعرصة ثلاث لیال، فلما کان ببدر الیوم الثالث أمر براحلته فشد علیها ثم مشی وتبعه أصحابه وقالوا: ما نری ینطلق إلا لبعض حاجته حتی قام علی شفة الرکی فجعل ینادیهم بأسمائهم وأسماء آبائهم: ((یا فلان بن فلان، ویافلان بن وفلان، ایسرکم أنکم أطعتم الله ورسوله؟ فإنا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا، فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟)) قال: فقال عمر: یا رسول الله، ما تکلم من أجساد لا أرواح لها، فقال رسول الله ﷺ: ((والذی نفس محمد بیده ما أنتم بأسمع لما أقول منهم)).

قال قتادة: أحیاهم الله، حتی أسمعهم قوله توبیخا وتصغیرا ونقمة وحسرة وندما.

[راجع: ۳۰۶۵]

ترجمہ: حضرت قتادہ ﷺ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت انس ﷺ نے ابوطلحہ ﷺ سے روایت کی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن چوبیس سرداران مکہ کی لاشوں کو بدر کے ایک گندے کنوے میں پھینکنے کا حکم دیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب وہ کسی قوم پر غالب آتے تھے، تو تین راتیں اسی جگہ قیام فرماتے تھے، لہٰذا بدر میں بھی تین راتیں قیام فرمایا، تیسرے دن آپ کے حکم سے اونٹنی پر زین کسی گئی پھر آپ چلے۔ صحابہ کرام ﷺ نے خیال کیا کہ آپ کسی حاجت کے لئے جا رہے ہیں، اصحاب ساتھ ہولئے، آپ ﷺ چلتے چلتے اس کنویں کی منڈھیر پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر مقتولین قریش کو نام بنام آواز دینے لگے، اور اس طرح فرمانے لگے اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں اب تم کو یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مان لیتے ہم سے تو ہمارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پا لیا، تم سے

جس عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ تم نے بھی پایا یا نہیں؟ حضرت طلحہ ﷺ کہتے ہیں کہ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسی لاشوں سے خطاب فرما رہے ہیں جن میں کوئی جان نہیں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میں جو باتیں کر رہا ہوں تم ان کو ان سے زیادہ نہیں سن سکتے، قتادہ ﷺ نے کہا اللہ نے اس وقت ان کو زندہ فرما دیا تھا تا کہ ان کو اپنی ذلت و رسوائی اور اس سزا سے شرمندگی حاصل ہو۔

بدر میں کفار کی لاشوں کو کنویں میں ڈلوانا

یہ روایت حضرت ابوطلحہ ﷺ کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن چوبیس آدمیوں کے بارے میں حکم دیا جو قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ ان کو بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنوے میں پھینک دیا گیا **"فی طوی الخ"** ایک اندھے کنویں میں۔

ایسا کنواں جس میں پانی نہ ہو بعض جگہ **"قوی"** سے تعبیر کیا گیا ہے بعض جگہ **"قلیب"** سے تعبیر کیا گیا ہے اور بعض جگہ **"رقی"** سے کیا گیا ہے۔ تینوں کے معنی متقارب ہیں کہ ایسا کنواں جس میں پانی نہ ہو، اس میں ان کو پھینک دیا گیا۔

"خبیث" - **"خبیث"** یہ صفت ہے **"طوی"** کی، کہ وہ کنواں خود ناپاک تھا ناپاک چیزوں والا تھا، **"اخبث"** باب افعال میں جب چلا جاتا ہے تو معنی ہوئے **"صار ذا خبث"** تو خود بھی گندہ اور چیزیں بھی گندی۔

"وکان إذا ظهر علی قوم الخ" حضور اقدس ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی قوم پر غلبہ فرماتے یعنی فتح پاتے تو اس علاقہ میں آپ ﷺ تین راتیں قیام فرماتے تھے۔ یہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ایسے مواقع پر حضور ﷺ تین راتیں قیام فرماتے۔

اس کی وجہ بعض مرتبہ تو یہ ہوتی تھی کہ کوئی نیا علاقہ زیر تسلط آیا ہے تو اس کے انتظام و انصرام کیلئے کم از کم کچھ وقت چاہئے اور بعض مرتبہ اس کی وجہ یہ ہوتی تھی کہ صحابۂ کرام ﷺ جہاد میں مصروف رہے ہیں، محنت کی ہے اور تھکے ہوئے ہیں تو اب تین دن آرام کے مل جائیں اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے بھی متفرغ ہو جائیں، تو تین راتیں آپ ﷺ قیام فرماتے تھے، بدر میں بھی آپ ﷺ نے تین راتیں قیام فرمایا۔[۹۴]

---

[۹۴] وهذا اخرجه في كتاب الجهاد في: باب من غلب العدو فاقام عرصتهم ثلاثاً.

جب تیسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی راحلہ یعنی سواری کے بارے میں حکم دیا، اس پر کجاوا کس دیا گیا، اور پھر آپ ﷺ روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کے اصحاب بھی آپ ﷺ کے پیچھے چلے، اور صحابۂ کرام ﷺ نے عرض کیا کہ ہمارا گمان نہیں ہے کہ وہ جارہے ہیں مگر کسی ضرورت کیلئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ جا کر کھڑے ہو گئے اس کنویں کے کنارے پر۔

آپ ﷺ نے ان کے اور ان کے آباء کے ناموں سے پکارنا شروع کیا کہ اے فلاں ابن فلاں، اے فلاں ابن فلاں! کیا تمہیں اب یہ بات خوش کرے گی کہ تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے (کیونکہ دنیا میں ساری زندگی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے رہے) ہم نے تو پالیا جو ہمارے رب نے وعدہ فرمایا تھا وہ حق تھا، کیا تمہارے پروردگار نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کہ کفر کرو گے تو عذاب کا سامنا کرنا پڑیگا، تو کیا، کیا ہوا وعدہ حق پایا کہ نہیں پایا؟

حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کیا بات کر رہے ہیں ایسے جسموں سے جن میں روح نہیں؟ تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم زیادہ سننے والے نہیں ہو ان لوگوں کے مقابلے میں اس بات کو جو میں کہہ رہا ہوں۔

حضرت قتادہ ﷺ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا قول ان لوگوں کو سنا دیا تھا، ان کو ملامت کرنے کیلئے، چھوٹا دکھانے کے لئے، عذاب کے لئے اور ان کے دلوں میں حسرت اور ندامت پیدا کرنے کے لئے۔

حضور اقدس ﷺ کا مقصدِ اصلی یہ تھا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر کا اظہار ہو اور مسلمانوں کو یہ یاد دلایا جائے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کر کے آپ کے ایمان میں پختگی کا سامان کیا ہے اور ساتھ یہ بھی تھا کہ ان کافروں کو ذلیل کر کے اور ذلت کے ساتھ موت دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے پورے فرما دیئے۔

مسئلہ سماع موتیٰ

یہاں پر سماع موتیٰ کا مسئلہ پیدا ہو گیا، اس مسئلہ میں صحابۂ کرام ﷺ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا، حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اس بات کے قائل تھے کہ مردے سنتے ہیں، وہ سماع موتیٰ کو درست مانتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سماع موتیٰ کا انکار کرتی تھیں اور اس حدیث کے بارے میں یہ توجیہ فرماتی تھیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مُردے سنتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سماع کے معنی علم کے ہیں

کہ اب ان کے اوپر سب حقیقت منکشف ووا ضح ہوگئی اور حقیقت کے منکشف ہو جانے کے نتیجہ میں انہیں سب پتہ لگ گیا کہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا سب غلط تھا اور اب ان کے دلوں میں حسرت اور ندامت پیدا ہو رہی ہے، اور وہ ان آیات سے ستدلال فرماتی تھیں:

﴿انَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ ۵۰

ترجمہ: یادرکھو کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

﴿وما اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ ۵۱

ترجمہ: اور تم ان کو بات نہیں سنا سکتے جو قبروں میں پڑے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما استدلال فرماتے تھے آپ ﷺ کے اس قول سے کہ آپ نے صراحت سے فرمادیا تھا کہ **"ما أنتم بأسمع لما أقول منهم"**۔ اسی طرح حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی دلیل کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ قبرستان میں داخل ہوں تو سلام کرنے کا حکم دیا اور اس میں سلام اور خطاب دونوں ہیں، اسی طرح خفق نعال کی حدیث کہ جب مردوں کو چھوڑ کر جاتے ہیں تو مردہ ان کے پاؤں کی چاپ سنتا ہے وغیرہ وغیرہ، خلاصہ یہ کہ یہ مختلف مذاہب شروع سے چلے آرہے ہیں۔

تو یہ اختلاف حضرات صحابہ کرام ﷺ کے دور سے چلا آرہا ہے اور بعد میں بھی حضرات علماء کرام کے درمیان اختلاف چلا آرہا ہے، دونوں طرف دلائل ہیں۔

قول معتدل

اس بحث میں زیادہ پڑنے کی اس لئے بھی ضرورت نہیں کہ نہ تو اس کا تعلق بنیادی عقائد میں سے ہے کہ کمال ایمان کے لئے اس کی ضرورت ہو، نہ اس کا کسی عملی حکم سے تعلق ہے بلکہ ایک نظریاتی بات ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں، لہٰذا اس بحث میں زیادہ پڑنا **اشتغال بما لا یعنیه** میں داخل ہے، چونکہ اختلاف صحابۂ کرام ﷺ کے زمانہ سے چلا آرہا ہے اس واسطے یہ بات واضح ہے کہ گنجائش دونوں قولوں کی ہے، اگر گنجائش نہ ہوتی تو صحابۂ کرام ﷺ کے درمیان اختلاف نہ ہوتا، لہٰذا اس کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق اور ایک دوسرے کو اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دینا یہ سب غلو فی الدین ہے۔

---

۵۰ [النمل: ۸۰]

۵۱ [فاطر: ۲۲]

حضرت تھانوی صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ سے دین کی کوئی بھی ضرورت متعلق نہیں، لہٰذا اس میں کسی ایک قول کی ترجیح کی فکر کرنا **اشتغال بما لا یعنیہ** ہے، صرف اتنی بات ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث نے کہا ہے اسکا جو بھی مطلب ہے وہ برحق ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی کو سنانا چاہتے ہیں تو کوئی روکنے والا نہیں ہے، سنا دیتے ہیں اور جب کسی کو نہیں سنانا چاہتے تو کوئی سنا نہیں سکتا، اب اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اسکے افعال کے کنہ کی تحقیق میں پڑنا یہ فضول بات ہے، اس میں لگ کر وقت ضائع کرنے سے کچھ فائدہ حاصل نہیں۔ [۵۲]

لمحہ فکریہ

افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے مسائل میں بڑی دلچسپی لیتی ہے، جس کا تعلق نہ عملی زندگی سے ہے، نہ حشر ونشر میں سوال ہوگا، نہ منکر نکیر آکر سوال کریں گے کہ آپ سماع موتیٰ کے قائل تھے یا نہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ سوال ہوگا۔ خواہ مخواہ بلا وجہ اس پر مناظرہ، مجادلہ، مباحثہ، کتابیں اور تالیفات میں مشغول ہونا **اشتغال بما لا یعنیہ** ہے، اس قسم کی چیزوں سے میری طبیعت میں گھن یعنی کراہت آتی ہے، بس اللہ تعالیٰ پر چھوڑنا چاہئے، دونوں مسلکوں پر دلائل موجود ہیں، اس لئے دونوں کی گنجائش ہے۔

البتہ ہمارے علماء دیوبند نے جو معتدل مؤقف اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں اور جب نہیں چاہتے تو نہیں سناتے۔

۳۹۷۷ـ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا عمرو، عن عطاء، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ قال: ہم واللہ کفار قریش، قال عمرو: ہم قریش، ومحمد ﷺ نعمة اللہ ﴿وَاَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ قال: النار یوم بدر. [انظر: ۴۷۰۰] [۵۳]

ترجمہ: عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾

---

[۵۲] تفسیر بیان القرآن: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ النمل: ۸۰، امن خلق ...... اشرف المطابع تھانہ بھون، مظفر نگر، سہار نپور۔

[۵۳] انفرد بہ البخاری.

کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا، اس سے کفار قریش ہیں، اور نعمت سے مراد رسول پاک ﷺ ہیں، عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ اس آیت میں لوگوں سے مراد کفار اور نعمت سے مراد رسول پاک ﷺ کی ذات ہے اور دار البوار سے مراد وہ دوزخ ہے جس میں بدر کے دن داخل کئے گئے۔

﴿بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللهِ كُفْرًا﴾ سے مراد

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما تفسیر فرما رہے ہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

﴿اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا﴾ [۵۴]

ترجمہ: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو کفر سے بدل ڈالا۔

یعنی اللہ کی نعمت کو قبول کرنے کے بجائے کفر کو اختیار کیا، اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ لوگ کون ہیں جنہوں نے نعمت قبول کرنے کے بجائے کفر اختیار کیا؟ وہ لوگ کفار قریش ہیں۔

حضرت عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"الذین بدلوا"** سے مراد قریش ہیں اور **"نعمة اللّٰه"** سے مراد محمد ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اتنی عظیم نعمت عطا فرمائی تھی کہ ان کے درمیان اپنے افضل البشر، افضل الرسل اور سید الانبیاء کو بھیجا، اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو سکتی ہے، لیکن انہوں نے اس نعمت کو تبدیل کر دیا یعنی اس کو قبول کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے بجائے کفر کو ترجیح دی۔

﴿دَارَ الْبَوَارِ﴾ سے مراد

﴿وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ [۵۵]

ترجمہ: اور انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کی جگہ پر اتار دیا۔

یعنی خود بھی کفر اختیار کیا اور اپنی قوم کو بھی کفر پر برقرار رکھا اور قوم کے ایمان لانے کے راستہ میں رکاوٹ بنے تو انہوں نے اپنی قوم کو **"دار البوار"** میں اتار دیا۔

"بوار" کے معنی ہیں ہلاکت، اس کی تفسیر **"النار"** سے کردی، یعنی جہنم، **"النار یوم بدر"** جہنم میں بدر کے دن اُتارا کیونکہ بدر کے دن تک اللہ کی نعمتوں سے فیضیاب تھے یعنی کھانے پینے، سانس لینے اور بود و باش میں مصروف تھے، لیکن جب مارے گئے تو اس کے نتیجہ میں دنیا کی ساری نعمتیں تو ختم ہو گئیں۔

[۵۴، ۵۵] [ابراھیم: ۲۸]

اب اس کے بعد سوائے "دار البوار" کے اور کچھ نہیں، تو ﴿وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ ۵۲

۳۹۷۸ ـ حدثني عبيد بن اسماعيل: حدثنا أبو اسامة، عن هشام، عن أبيه قال: ذكر عند عائشة رضي الله عنها أن ابن عمر رفع إلى النبي ﷺ: ((إن الميت ليعذب في قبره ببكاء أهله))، فقالت: وهل، إنما قال رسول الله ﷺ: ((إنه ليعذب بخطيئته وذنبه وإن أهله ليبكون عليه الآن)). [راجع: ۱۲۸۸].

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا ذکر آیا کہ مردے پر اس کے عزیزوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کو رسول اکرم ﷺ تک پہنچی ہوئی بتاتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا ہے کہ مردے پر اپنی خطاؤں اور گناہوں کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے اور اس کے عزیز روتے ہی رہتے ہیں۔

۳۹۷۹ ـ قالت وذلک مثل قوله: إن رسول الله ﷺ قام على القليب وفيه قتلى بدر من المشركين، فقال لهم ما قال: ((إنهم ليسمعون ما أقول))، إنما قال: ((إنهم الآن ليعلمون أن ما كنت أقول لهم حق)) ثم قرأت ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾ يقول: حين تبوؤا مقاعدهم من النار. [راجع: ۱۳۷۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بالکل ایسا ہی مضمون ہے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مشرکین بدر کے لاشوں کے گڑھے پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ وہ میرا کہنا سن رہے ہیں حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کو اب معلوم ہوگیا کہ میں جو کچھ ان سے کہتا تھا، وہ سچ اور حق تھا، اس کے بعد حضرت عائشہ نے کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾، حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد اس آیت کے پڑھنے سے یہ تھی کہ جب ان کو دوزخ میں اپنا ٹھکانہ مل جائے گا۔

۳۹۸۰، ۳۹۸۱ ـ حدثني عثمان: حدثنا عبدة، عن هشام، عن أبيه، عن ابن عمر قال: وقف النبي ﷺ على قليب بدر، فقال: ((هل وجدتم ما وعد ربكم حقا؟)) ثم قال: ((إنهم الآن يسمعون ما أقول))، فذكر لعائشة، فقالت: إنما قال النبي ﷺ: ((إنهم الآن

---

۵۲ عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۳۳، ۱۳۲

لیعلمون ان الذی کنت أقول لهم هو الحق))، ثم قرأت ﴿إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾ حتی قرأت الآیة. [راجع: ۱۳۷۰، ۱۳۷۱]

ترجمہ: ہشام حضرت عروہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا؟ پھر فرمایا اے مشرکو! تمہارے رب نے تم سے جو وعدہ کیا تھا بے شک تم نے وہ پالیا، پھر فرمایا یہ لوگ اس وقت میرا کہنا سُن رہے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا تھا کہ اب معلوم ہو گیا جو میں ان سے کہتا تھا وہ سچ تھا، پھر انہوں نے (سورۂ نمل کی) یہ آیت پڑھی ﴿إِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی﴾۔

"انّ المیّت لیعذّب" کی تشریح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ **"ان المیت لیعذب فی قبرہ ببکاء اهله"** میت کو قبر میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے یعنی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ قول نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے جو بات فرمائی تھی وہ یہ نہیں تھی کہ ان کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہو رہا ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ مردے پر عذاب ہو رہا ہوتا ہے مردے کے اپنے گناہوں کی وجہ سے، جبکہ اس کے گھر والے اس کے بعد رو رہے ہوتے ہیں، تو گھر والوں کے رونے کا ذکر بطور جملہ حالیہ فرمایا تھا نہ کہ جملہ سببیہ، یعنی رونے کو عذاب کا سبب نہیں بنایا تھا بلکہ یہ فرمایا تھا کہ جس وقت عذاب ہو رہا ہوتا ہے اس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ یہ رو رہے ہوتے ہیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کی یہ توجیہ فرمائی۔

دوسری بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی طرف سے ذکر کی، میت کے عذاب کا مسئلہ تو کسی کہنے والے نے آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں تو آپ نے اس کی تردید فرمائی، لیکن یہ مسئلہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود بیان کیا کہ یہ مسئلہ ایسا ہی ہے کہ جیسے حضور ﷺ قلیب کے اوپر کھڑے ہوئے ہیں، جہاں بدر کے موقع پر مشرکین کے مقتولین پڑے ہوئے تھے، ان سے آپ ﷺ نے

یوں فرمایا کہ یہ صنادید قریش وہ بات جو میں کہہ رہا ہوں سن رہے ہیں، حضرت عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یونہی روایت کرتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ نے جو فرمایا تھا وہ یہ بات تھی **"الھم الآن لیعلمون ان ما کنت اقول لھم حق"** کہ اب ان لوگوں کو پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ میں کہتا تھا وہ حق ہے، آپ ﷺ کے فرمانے کا یہ مطلب تھا، نہ یہ کہ حقیقت میں سن رہے ہیں، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی کہ **﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾**۔

"یقول: حین تبوؤا مقاعدھم من النار" پچھلی حدیث (نمبر ۳۹۷۷) میں مذکور ہے کہ یہ حضرت عروہ ﷺ قیامت کے دن اپنے مقاعد میں پہنچ جائیں گے تو پھر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے وہ حق ہے۔

یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دو مختلف فیہ مسئلوں کا ذکر فرمایا:

ایک سماع موتی کا مسئلہ

اور

دوسرا مسئلہ یہ کہ کیا اہل میت کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے

حضرت عمر اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا تھا کہ اہل میت کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بخاری شریف میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت عمر ﷺ جب زخمی ہوئے تو حضرت صہیب ﷺ ان کی عیادت کیلئے گئے اور یوں لگ رہا تھا کہ حضرت عمر ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے تو حضرت صہیب ﷺ رو پڑے تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، اس لئے مت رو۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر ﷺ بھی اسی مسلک کے قائل تھے جو حضرت ابن عمر ﷺ کا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فرمان یہ ہے کہ میت پر عذاب اہل کے رونے کی بنا پر نہیں ہوتا ہے بلکہ جو عذاب ہوتا ہے وہ اس کے اپنے دنیاوی کرتوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے جو دنیا میں سرانجام دیئے تھے، اور

استدلال فرماتی ہیں کہ

﴿اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى﴾ ۵۷

ترجمہ: کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اور یہ کہ انسان کو خود اپنی کوشش کے سوا کسی اور چیز کا (بدلہ لینے کا) حق نہیں پہنچتا۔

یہ آیتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ ایک شخص کا عمل دوسرے کیلئے موجبِ عذاب نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مسلک دلائل کی روشنی میں زیادہ راجح ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت منقول ہے جس میں زیادہ تفصیل ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک یہودی کے جنازے سے گذرے تو اس یہودی کے اہل نوحہ کر رہے تھے، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ تو رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے تو گویا آپ ﷺ نے یہ بات ایک واقعہ کے طور پر ارشاد فرمائی تھی کہ ایک طرف تو یہ لوگ رو رہے ہیں اور دوسری طرف میت کو عذاب ہو رہا ہے، یہ مطلب نہیں تھا کہ ان کے رونے کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے بلکہ عذاب ان کے کفر کی وجہ سے ہو رہا ہے، تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سننے اور سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فرمانا یہی تھا کہ رونے کو عذاب کا سبب قرار نہیں دیا تھا، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی توجیہ ہے۔

محققین علماء کی توجیہ

دوسرے حضرات محققین علماء نے یہ فرمایا کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو غلط فہمی ہوئی لیکن دوسری روایتوں سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ غلط فہمی نہیں ہوئی، ہوسکتا ہے کہ ایک واقعہ ایسا بھی ہوا ہو جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں، لیکن ایک بات حضور اقدس ﷺ سے متعدد طریقوں سے منقول ہے کہ **"ان المیت لیعذب فی قبرہ ببکاء اھلہ"** لہٰذا دوسرے حضرات نے کہا کہ اس کی دوسری توجیہ ضروری ہے۔

اور وہ دوسری توجیہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اہل میت کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا

---

۵۷ [النجم: ۳۸،۳۹]

ہے، اس کا ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ بات آدمی کے لئے بڑی قابل فخر ہوا کرتی تھی کہ میرے لئے رونے والے بہت ہیں، میرے لئے ماتم کریں گے، گریبان چاک کریں گے، اسی لئے بسا اوقات وہ وصیت کر کے جاتے تھے کہ میرے بعد میرے لئے نوحہ خوانی ضرور کریں، جیسا کہ طرفہ بن عبد بکری نے کہا تھا جو سبعہ معلقہ میں مذکور ہے:

فإن متُّ فانعَيني بما أنا أهلُه، وَشُقّي عَلَيَّ الجيبَ يا ابنةَ مَعْبَدِ

ترجمہ: اگر میں مرجاؤں تو اے معبد کی بیٹی (میری بھتیجی) میری موت کی خبر اس طریقہ سے (لوگوں) کو سنانا جسکا میں مستحق ہوں اور میرے اوپر (سوگ میں) گریبان چاک کرنا۔ [۵۸]

یعنی جب میں مرجاؤں تو میرے مرنے کی خبر اس انداز میں نشر کرنا جس کا میں اہل ہوں کہ اتنا بڑا سردار، شجاع، فلاں فلاں مرگیا، تو ایسے انداز میں نوحہ کرنا کہ جس کا میں اہل ہوں، اور میرے اوپر گریبان چاک کرنا۔

یہ طرفہ کہہ رہا ہے، اور یہ پچیس سال کی عمر میں مرگیا تھا، اس قلیل عمر میں امرأالقیس کے بعد دوسرے نمبر پر شعرائے عرب میں اپنا نام ومقام پیدا کیا تھا، تو طرفہ بن عبد کا یہ کہنا زمانۂ جاہلیت کا ایک عام رواج تھا کہ لوگ وصیتیں کر کے جایا کرتے تھے، اب جب ایسا نوحہ کریں گے تو عذاب ہوگا، کیونکہ غلط کام کی وصیت تھی۔

بلکہ علماء کرام نے فرمایا ہے کہ اس میں وہ صورت بھی داخل ہے جبکہ کسی کو پتہ ہے کہ میرے علاقے میں یہ رواج ہے کہ ہر مرنے والے کے ساتھ یہ نوحہ کیا جاتا ہے اور اس نے اپنے گھر والوں کو اس سے منع نہیں کیا کہ یہ گناہ ہے، اب جو وہ نوحہ کریں گے تو عذاب ہوگا، تو گویا حدیث کی توجیہ یہ ہوئی کہ یہ اس صورت پر محمول ہے جب کہ مرنے والے نے نوحہ کی وصیت کی ہو، یا جانتے بوجھتے کہ نوحہ کر رہے ہیں پھر بھی منع نہ کیا ہو۔

دوسری توجیہ

بعض حضرات نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ اہل میت کے رونے سے میت پر جو عذاب ہوتا ہے اس کا مطلب کچھ اور ہے، مطلب یہ ہے کہ جب اہل عرب کسی مرنے والے پر نوحہ کرتے تھے تو ان کے الفاظ یہ ہوا کرتے تھے، "واہ سیداہ، واہ جبلاہ، واہ کریماہ" کہ ہائے کتنا بڑا سردار تھا، کتنا بڑا پہاڑ اور شریف تھا کہ چلا گیا، ان الفاظ کے ساتھ نوحہ کیا کرتے تھے۔

---

۵۸ السبع المعلقات، المعلقة الثانية لطرفة بن العبد البكرى

تو اس کو دفن کرنے کے بعد جب نوحہ کیا جاتا تھا تو فرشتے اس وقت اس میت کی مرمت کر رہے ہوتے تھے، جب ان الفاظ کے ساتھ نوحہ کیا جاتا ہے تو فرشتہ میت کو ایک کوڑا لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ "**انت سید**" کیا تو ہی وہ سید ہے جس کو یہ سید کہہ رہے ہیں اور تعریف کی جارہی ہے، تو عذاب تو اس کے اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے ہورہا ہے لیکن چونکہ اسی وقت میں اس کی تعریف کی جارہی ہوتی ہے، فرشتے اسی تعریف کے حوالے سے اس کی پٹائی کیا کرتے ہیں تو ظاہر ہے اس کی حسرت میں اضافہ ہوتا ہے، ﴿**ان المیت لیعذب فی قبرہ ببکاء اھلہ**﴾ کی ایک توجیہ یہ ہے۔

بہر حال مسئلہ یونہی ہے کہ میت کے اوپر رونے سے براہ راست عذاب نہیں ہوتا سوائے ان حالات کے جن کا ابھی ذکر کیا۔ [59]

(۹) باب فضل من شهد بدرا
شرکاءِ اصحابِ بدر کی فضیلت کا بیان

۳۹۸۲ـ حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا معاوية بن عمرو: حدثنا أبو إسحاق، عن حميد قال: سمعت أنسا ﷺ يقول: أصيب حارثة يوم بدر وهو غلام، فجاء ت أمه إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله، قد عرفت منزلة حارثة مني، فإن تكن في الجنة أصبر واحتسب، وإن تكن الأخرى تر ما أصنع؟ فقال: ((ويحك أو هبلت أو جنة واحدة هي؟ إنها جنان كثيرة وإنه في جنة الفردوس)). [راجع: ۲۸۰۹]

ترجمہ: حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ﷺ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ حارث بن سراقہ ﷺ بدر کے دن شہید ہوئے وہ لڑکے تھے اُن کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ حارثہ سے مجھ کو کیسی محبت تھی، اب اگر وہ بہشت میں ہے تو میں صبر کروں اور ثواب کی اُمید رکھوں، اور اگر کسی بُرے حال میں ہے تو آپ دیکھتے ہیں کہ میں کیسا ہی رو رہی ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ افسوس! کیا تو دیوانی ہوگئی ہے کہ اللہ کی ایک ہی بہشت سمجھی ہے؟ بہشتیں بہت سی ہیں اور تیرا بیٹا حارثہ تو جنت الفردوس میں ہے۔

---

[59] فتح الباری، ج:۷، ص: ۳۰۳ وعمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۳۴، ۱۳۳، وفیض الباری، ج: ۴، ص: ۹۰

تشریح

حضرت انس بن مالک ﷛ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت حارثہ بن سراقہ ﷛ بدر کے دن شہید ہوئے، یہ حضرت انس ﷛ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ حضرت حارثہ ﷛ غزوۂ بدر میں حوض سے پانی پی رہے تھے کہ حبان بن العرقہ نے تیر مارا اور یہ شہید ہوگئے جب کہ وہ نوجوان اور کم عمر تھے۔ [۶۰]

ان کی والدہ حضور ﷺ کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میرے نزدیک حارثہ کا مرتبہ یعنی حارثہ سے میری محبت اور تعلق ہے وہ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں گی اور اللہ تعالیٰ سے نیکی اور ثواب کی امید رکھوں گی، اور اگر کچھ اور معاملہ ہے تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا معاملہ کروں گی یعنی خوب روؤں گی اور خوب پیٹوں گی۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر کیا تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ کیا تم دیوانی ہوگئی ہو، کیا وہاں ایک ہی جنت ہے، وہاں تو بہت ساری جنتیں ہیں اور تمہارا بیٹا تو جنت الفردوس میں ہے، تو مقصد یہ ہے کہ جنگ بدر میں شہید ہونے والا تمہارا نوجوان بیٹا جنت میں نہ ہو یہ شبہ بڑی نادانی کی بات ہے کیونکہ سارے اہل بدر کی اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمادی ہے، لہٰذا وہ جنت میں ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ویحک" کلمہ ترحم کیلئے ہوتا ہے یہاں پر بھی دراصل ترحم مقصد ہے۔ "ھبلت" "نادانی" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ شبہ کررہی تھیں کہ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی اور بصورت دیگر میں روؤں گی اور نوحہ کروں گی، حالانکہ نوحہ کرنے کا تعلق ان کے جنت میں جانے نہ جانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جنت میں جانے کا سبب خود ان کا اپنا عمل ہے۔ ہر آدمی کو یہ سوچنا چاہیے کہ میں وہ عمل کروں جو بالآخر جنت میں لے جانے والا ہو اور اللہ کی ناراضگی سے بچانے والا ہو، اور یہ کہنا کہ وہ جنت میں جاتا ہے تو صبر کروں گی ورنہ ماتم داری کروں گی، یہ کہنا نادانی کی بات تھی اس لئے "ھبلت" کہہ دیا۔ [۶۱]

---

[۶۰] عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۹۳

[۶۱] قوله " ويحک" هي كلمة رحمة ، وزعم الداودى أنها للتوبيخ، قوله "هبلت" بضم الهاء بعدها موحدة مكسورة اى ثكلت وهو بوزنه، وقد تفتح الهاء يقال هبلته أمه تهبله بتحريک الهاء اى ثكلته، وقد يرد بمعنى المدح والإعجاب، قالوا أصله إذا مات الولد فى اهبل هو موضع الولد من الرحم فكان أمه وجع هبلها بموت الولد فيه. وزعم الداودى أن المعنى اجهلت، ولم يقع عند أحد من أهل اللغة أن هبلت بمعنى جهلت. فتح البارى، ج:۷، ص: ۳۰۵

۳۹۸۳ـ حدثني اسحاق بن إبراهيم: أخبرنا عبد الله بن إدريس قال: سمعت حصين بن عبدالرحمٰن، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمٰن السلمي، عن علي ﷺ قال: بعثني رسول الله ﷺ وأبا مرثد والزبير وكلنا فارس، قال: انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ فإن بها امرأة من المشركين معها كتاب من حاطب بن أبي بلتعة إلى المشركين. فأدركناها تسير على بعير لها حيث قال رسول الله ﷺ، فقلنا: الكتاب، فقالت: ما معنا كتاب، فأنخناها فالتمسنا فلم نر كتابا، فقلنا: ما كذب رسول الله ﷺ، لتخرجن الكتاب أو لنجردنك. فلما رأت الجد أهوت إلى حجزتها وهي محتجزة بكساء فأخرجته، فانطلقنا بها إلى رسول الله ﷺ فقال عمر: يا رسول الله، قد خان الله ورسوله والمؤمنين فدعني فلأضرب عنقه، فقال النبي ﷺ: ((ما حملك على ما صنعت؟)) قال حاطب: والله ما بي أن لا أكون مؤمنا بالله ورسوله ﷺ، أردت أن تكون لي عند القوم يد يدفع الله بها عن أهلي ومالي، وليس أحد من أصحابك إلا له هناك من عشيرته من يدفع الله به عن أهله وماله. فقال: ((صدق ولا تقولوا له إلا خيرا)). فقال عمر: إنه قد خان الله ورسوله والمؤمنين فدعني فلأضرب عنقه، فقال: ((أليس من أهل بدر)) فقال: ((لعل الله أطلع على أهل بدر؟ فقال: اعملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة، أو فقد غفرت لكم))، فدمعت عينا عمر وقال: الله ورسوله أعلم. [راجع: ۳۰۰۷]

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن سلمہ سے روایت ہے کہ حضرت علی ﷺ نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھے ابومرثد اور زبیر رضی اللہ عنہما کو روضہ خاخ کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ گھوڑے پر جاؤ وہاں تم کو ایک مشرکہ عورت ملے گی، اس کے پاس حاتب بن ابی بلتعہ ﷺ کا ایک خط ہے، جو اس نے مشرکین مکہ کیلئے بھیجا ہے، وہ لے آؤ، حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں جہاں آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا وہیں ہم نے اس عورت کو پکڑ لیا وہ اونٹ پر جا رہی تھی تو ہم نے خط مانگا۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اونٹ بٹھلا کر اس کی تلاشی لی تو کوئی خط نہیں ملا، آخر ہم نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانا کبھی غلط نہیں ہوسکتا، خط نکال دے ورنہ ہم تجھے برہنہ کر کے تلاشی لیں گے، جب اس نے ایسی سختی دیکھی تو اس نے اپنے نیفے سے ایک چادر کی تہہ میں سے خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم خط لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے، حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! حاطب نے اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی ہے، آپ اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ حضور ﷺ نے حاطب بن بلتعہ ﷺ کو بلا کر اس خط کے لکھنے کی وجہ پوچھی کہ یہ تم نے کیا کیا؟ حاطب ﷺ نے عرض کی اللہ کی قسم! میں دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں، اس خط سے میری غرض صرف یہ ہے کہ قریش پر میرا کوئی احسان

ہوجائے، تاکہ وہ اس لحاظ سے میری جائیداد، بال بچے وغیرہ برباد نہ کریں، اللہ ان کے ذریعے ان کو محفوظ رکھے، کیونکہ آپ کے سب اصحاب کے وہاں رشتہ دار ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ ان کے مال کو بچاتا ہے، میرا وہاں کوئی نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے حاطب کا بیان سُن کر فرمایا یہ سچ کہتے ہیں، لہٰذا ان کو بُرا مت کہو، اور مسلمان ہی سمجھو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اللہ، رسول اور مسلمانوں کا خائن ہے، حکم دیجئے کہ اس کی گردن اڑادوں! آپ ﷺ نے فرمایا کہ حاطب بدر کی لڑائی میں شریک تھے، اور تم کو معلوم نہیں کہ اللہ بدر والوں کو دیکھ رہا تھا اور فرما رہا تھا، اب تم جیسے چاہو کام کرو، اب جنت تم پر واجب ہوگئی، یا میں نے تم کو بخش دیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنسو نکل آئے اور کہنے لگے- **اللہ ورسولہ اعلم۔**

حدیث کا پس منظر

اس واقعہ کا پس منظر جو اس حدیث میں مذکور ہے کہ صلح حدیبیہ میں جب حضور ﷺ نے مشرکین سے مصالحت کی تو ایک عرصہ تک یہ صلح قائم رہی لیکن بعد میں خود مشرکینِ مکہ نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی، جس کی تفصیل مستقل باب میں آجائے گی۔ کیونکہ وہ لوگ نقضِ عہد کر چکے تھے، اس واسطے مسلمانوں کے لئے یہ ضروری نہیں تھا کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی پابندی کریں۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے عہد ختم ہونے کی اطلاع قریش کو دیدی اور یہ فیصلہ فرمایا کہ اب ان کے اوپر ایک کاری وار کرنا ضروری ہے اور اب براہ راست مکہ مکرمہ پر حملہ ہونا چاہئے، اس غرض کیلئے حضور اکرم ﷺ نے خفیہ طور پر تیاری شروع کردی، اگرچہ ارادہ یہ تھا کہ جب وقت آئیگا تو حملہ کریں گے، لیکن تیاری کے وقت آپ ﷺ کی پالیسی یہ تھی کہ ابھی ان کو پتہ نہ لگے کہ ہم اتنے بڑے پیمانے پر تیاری کر رہے ہیں، جب تیاری ہوجائے تو اس کے بعد پھر دیکھا جائے گا۔

حضرت حاطب ابن اُبی بلتعہ رضی اللہ عنہ بدری صحابی

حضرت حاطب ابن اُبی بلتعہ رضی اللہ عنہ ایک بدری صحابی تھے اور ان کے بدری ہونے کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں ان کا ذکر لے کر آئے ہیں، یہ خود مکہ مکرمہ کے باشندے نہیں تھے اور ان کے اُعزا واقرباء مکہ مکرمہ میں آباد تھے، لیکن ان لوگوں کا کوئی قبیلہ نہیں تھا بخلاف دوسروں کے کہ ہر ایک کا قبیلہ تھا، قوت وشوکت اور منعت تھی، تو حاطب ابن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو اب فتح ملنی ہی ملنی ہے ان شاء اللہ، آیت ﴿انا فتحنا لک فتحامبینا﴾ نازل ہو چکی تھی۔

لہٰذا مکہ مکرمہ تو فتح ہونا ہی ہے، لیکن اگر میں کوئی ایسا کام انجام دوں جس سے مشرکین مکہ میرے احسان مند ہو جائیں تو اس کے نتیجہ میں میرے جو أعزا و اقرباء ہیں ان کو زیادہ تنگ نہیں کریں گے، اور جو دوسرے مسلمان قبائل ہیں جن کی مدافعت کے لئے لوگ موجود ہیں مشرکین مکہ ان کو زیادہ تنگ نہیں کرتے تھے تو اس غرض سے حاطب ابن ابی بلتعہ ﷺ نے ایک عورت کو خط دے کر روانہ کر دیا کہ مکہ مکرمہ جا کر یہ خط دے آؤ، جس کا مضمون یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ تمہارے اوپر زبردست حملے کی تیاری کر رہے ہیں اور عنقریب تمہارے اوپر ایسا لشکر حملہ آور ہونے والا ہے جس کی تم مقابلہ کی طاقت نہیں رکھو گے اور سب کچھ تمہارا تہس نہس ہو جائے گا، لہٰذا اپنے معاملے کو دیکھ لو، اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے ان کی مدد و تعاون ہو، صرف یہ کہہ کر اطلاع دے دی گئی کہ جس سے رعب طاری ہو، لیکن مشرکین نے یہ محسوس کیا کہ ہمیں بتا دیا ہے اس لئے ہم حسن سلوک کریں گے۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تمہیں پہلے سے اطلاع دے رہا ہوں تا کہ میرا تم پر ایک احسان ہو جائے، بس یہ ایک خط تھا۔ حضور ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا چونکہ حضور اقدس ﷺ کی اس وقت یہ پالیسی نہیں تھی کہ ابھی سے مشرکین مکہ کو اطلاع ملے۔

یہ انتظامی وانتباہی کارروائی ہے

حضرت علی ﷺ سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے، ابو مرثد اور زبیر ﷺ کو بھیجا اور ہم میں سے ہر ایک شہسوار تھا، فرمایا کہ جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ تک پہنچ جاؤ، یہ ایک جگہ تھی جو مدینہ منورہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر تھی تو وہاں تمہیں مشرکین میں سے ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا جو حاطب ابن ابی بلتعہ ﷺ نے مشرکین مکہ کو لکھا ہے وہ نکلے گا، بعض روایتوں میں اس عورت کا نام "ام سارہ" آیا ہے۔

تو کہتے ہیں کہ ہم نے اس عورت کو اسی مقام پر پالیا جس مقام کا آپ ﷺ نے ذکر فرمایا تھا کہ وہ ایک اونٹ پر چلی جا رہی تھی، ہم نے اس کو پکڑا اور کہا کہ خط نکالو، تو وہ کہنے لگی کہ میرے پاس تو کوئی خط وغیرہ نہیں، تو ہم نے اس کو اونٹ سے نیچے اتارا، پھر تلاشی لی، تو واقعی ہمیں کوئی خط نظر نہیں آیا، مگر ہم نے کہا کہ حضور ﷺ کی بات غلط نہیں ہو سکتی، ہم نے عورت سے کہا کہ خط نکالو ورنہ ہم تمہیں ضرور ننگا کریں گے، یعنی دھمکی دی کہ اگر تم شرافت سے خط نہیں نکالتی ہو تو آخری حربہ کے طور پر ننگا کرنے کی نوبت آئی تو وہ بھی کریں گے۔

عورت نے جب دیکھا کہ معاملہ سنگین ہے تو اس نے اپنی کمر کی طرف ہاتھ بڑھایا جبکہ اس نے اپنی کمر پہ چادر لپیٹی ہوئی تھی وہاں سے خط نکال کر دے دیا۔

یہ حدیث بخاری شریف میں مختلف مقامات پر آئی ہے، بعض احادیث میں آیا ہے کہ بالوں میں سے نکال کر دیا، دونوں میں تطبیق بڑی مشکل ہے کہ بال کہاں اور کمر کہاں۔

بعض حضرات نے تطبیق نکال ہی دی ہے، بال کمر تک لمبے ہونے کی وجہ سے اس میں خط لپیٹ کر کمر پر پٹکہ باندھ لیا تھا واللہ اعلم۔

بظاہر اس تکلف کی حاجت اس لئے نہیں کہ یہ اختلاف راویوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور راویوں کے اختلاف میں بکثرت یہ ہوتا ہے کہ راویان حدیث حدیث کے مرکزی مفہوم کو محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں اور جو تفصیلات جزئیہ ہوتی ہیں جن سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا ان کو محفوظ رکھنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، تو اس واسطے ان جزئیات میں راویوں کے درمیان اختلاف واقع ہو جاتا ہے اس میں بتکلف تطبیق دینے کی ضرورت نہیں کہ یہ کہہ دیں کہ راوی کو وہم ہو گیا ہے اور کسی غیر اہم جز کے اندر راوی کو وہم ہو جانے سے مجموعی روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

ہم اس عورت کو رسول اکرم ﷺ کے پاس لے کر آئے، تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ اے رسول اللہ! اس آدمی نے اللہ، رسول اور مؤمنین کے ساتھ خیانت کی اور یہ خط بھیجا، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ کو بلا کر پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا جو تم نے کفار کو خط لکھ آگاہ کرنے کی کوشش کی؟

حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ نے کہا کہ میرے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ میں اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لانے والا نہ ہوں، میں نے صرف یہ چاہا تھا کہ مشرکین کے پاس میرا کوئی ہاتھ یعنی احسان ہو جائے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ میرے اہل و مال کی مدافعت کریں جو وہاں پر ہیں۔ آپ ﷺ کے دوسرے صحابہ ؓ میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے مگر اس قبیلہ میں لوگ موجود ہیں جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اس کے اہل و مال کی مدافعت کرے۔ تو حضور ﷺ نے تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ ان کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہ کہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کتنا ہی بڑا جرم کا ارتکاب کرے سزا دینے سے پہلے جواب طلبی ضروری ہے، یہ نہیں کہ یک طرفہ فیصلہ کر کے کارروائی کریں۔

حضرت فاروقِ اعظم ؓ کی حمیت

حضرت فاروق اعظم ؓ نے اپنا جملہ دوبارہ دہرایا، تو حضور ﷺ نے فرمایا کیا یہ حاطب بن ابی بلتعہ اہل بدر میں سے نہیں ہے؟ حضرت عمر ؓ باوجودیکہ "صدق و لا تقولوا له الا خیرا" سن چکے تھے پھر بھی جوش

وخروش کا مظاہرہ کررہے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کی بڑی حمیت وغیرت سے نوازا تھا اور یہ بحیثیت اصول کے غیرت وحمیت اچھی چیز ہے لیکن جب یہ حد سے بڑھ جاتی ہے تو انسان اس کی وجہ سے بسا اوقات مغلوب الحال ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر ﷜ پر بھی یہی کیفیت تھی، تو اس وجہ سے یہ معذور تھے لیکن یہ غلبۂ حال بھی خلیفہ بننے سے پہلے پہلے رہا، حضور ﷺ کی فیض تربیت سے خلیفہ بننے کے بعد اعتدال پیدا ہو گیا، چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد کوئی عمل ایسا سرزد نہیں ہوا جو انصاف کے تقاضہ کے خلاف ہو، یہی وجہ ہے کہ بڑھیا نے بھی تنبیہ کی تو گردن جھکالی۔

اسی طرح حضرت صدیق اکبر ﷜ نے جب جیش اسامہ ﷜ کو بھیجنے کا ارادہ کیا تو سب نے مخالفت کی یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم ﷜ نے بھی کہہ دیا کہ ابھی روک دو تو حضرت صدیق اکبر ﷜ نے فرمایا **"جبار فی الجاهلية خوار فی الإسلام"** کہ جاہلیت میں تو بہت جبار تھے اور اسلام میں آکر بزدلی کا ثبوت دے رہے ہیں، تو دراصل طبیعت میں اشتعال اور غیرت تھی جو کبھی کبھی غلبہ پالیتی تھی لیکن حضور ﷺ کے فیض صحبت سے طبیعت میں اعتدال آ گیا، یہی وجہ تھی کہ غلبہ طبیعت کی وجہ سے کہہ دیا کہ **"فدعنی فلأضرب عنقه"**۔

"اعملوا ما شئتم" کا مطلب

"الیس من اهل بدر" حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا یہ اہل بدر میں سے نہیں؟ اور فرمایا کہ شاید یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا ہے، یعنی نظر فرمائی اور فرمایا کہ جو چاہو کرو کہ تمہارے لئے جنت واجب ہو چکی، یا فرمایا **"فقد غفرت لكم"**۔

یہاں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سند مل گئی کہ جو چاہو کرو جنت تو واجب ہو ہی گئی ہے، دراصل حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے ایک عظیم کارنامہ (غزوۂ بدر) کا انجام دلوایا ہے اس کی برکت یہ ہے کہ چاہے میں تمہیں کھلی چھٹی بھی دے دوں تب بھی حدود کے اندر رہو گے یعنی ہماری طرف سے حفاظت ہوگی، اور حفاظت بھی ایسی ہوگی کہ یا تو گناہ سرزد ہی نہیں ہوگا یا اگر ہوا بھی تو توبہ کی توفیق ہوگی **و الله اعلم**۔

تو **"اعملوا ما شئتم"** کا معنی یہ نہیں ہے کہ ان کیلئے حرام کو حلال کر دیا گیا یا معصیتیں مباح کر دی گئیں بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ ہماری حفاظت تمہارے ہمرکاب رہے گی، جو چاہو کرتے رہو لیکن ہماری حفاظت کے حصار میں رہو گے، اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ یا تو گناہ ہوگا ہی نہیں لیکن اگر ہوا بھی تو توبہ کی توفیق ہوگی، اس کے نتیجہ میں جنت نصیب ہوگی، میرے نزدیک یہ معنی زیادہ صحیح ہیں، اگرچہ اور بھی توجیہات کی گئیں ہیں، لیکن یہ معنی زیادہ بے تکلف اور صحیح معلوم ہوتی ہے جس میں کوئی اشکال نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اس کے ایک اور معنی بیان فرمائے ہیں کہ یہاں پر "اعملوا ما شئتم" کا معنی اعمال تطوعات یعنی اعمال نوافل جو چاہو کرو نہ چاہو تو نہ کرو لیکن میں تمہاری مغفرت کردونگا۔

"فدمعت عینا عمر" جہاں تو اتنا غصہ ہے کہ گردن مارنے کو تیار ہیں لیکن جب حضور ﷺ نے یہ بات فرمائی تو آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا گئے اور فرمایا کہ "واللّٰہ ورسولہ أعلم"۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ ؓ بدری تھے۔

(۱۰) باب

یہ باب بلا عنوان ہے

۳۹۸۴ــ حدثني عبد اللّٰه بن محمد الجعفي: حدثنا أبو أحمد الزبيري: حدثنا عبد الرحمٰن بن الغسيل، عن حمزة بن أبي أسيد والزبير بن المنذر بن أبي أسيد، عن أبي أسيد ؓ قال: قال لنا رسول اللّٰه ﷺ يوم بدر: ((إذا أكثبوكم فارموهم واستبقوا نبلكم)).

[راجع: ۲۹۰۰]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن غسیل روایت کرتے ہیں کہ حمزہ بن ابواسید اور زبیر بن منذر بن ابواسید روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابواُسید ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ہی لوگوں سے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ جب کافر تمہارے قریب آجائیں تو اُس وقت تیر مارو، اور اپنے تیروں کو ضائع نہ کرو۔

تشریح

عبدالرحمٰن بن غسیل رحمہ اللہ "الغسیل" ان کے والد کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ان کے پردادا تھے۔ [۶۲]

حضرت ابواُسید ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن ہم سے فرمایا تھا کہ جب وہ تمہارے قریب آجائیں پھر تیر اندازی کرنا اور اپنے تیروں کی حفاظت کرو، یعنی اگر وہ لوگ دور ہیں تو تیر چلانا بے فائدہ ہے، کیونکہ بلا وجہ تیر ضائع جائیں گے۔

۳۹۸۵ــ حدثني محمد بن عبد الرحيم: حدثنا أبو أحمد الزبيري: حدثنا

---

[۶۲] عبدالرحمن هو ابن سليمان بن عبدالرحمن بن عبدالله بن حنظلة الغسيل . عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۳۷

عبدالرحمن بن الغسيل، عن حمزة بن أبي أسيد والمنذر بن أبي أسيد، عن أبي أسيد ﷺ قال: قال لنا رسول الله ﷺ يوم بدر: إذا أكثبوكم - يعني: أكثروكم - فارموهم واستبقوا نبلكم)). [راجع: ۲۹۰۰]

ترجمہ: حضرت ابواُسید ﷺ فرماتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے بدر کے دن ارشاد فرمایا کہ جب کافر تمہارے اوپر حملہ کریں تو اُن کو تیر مارو، اور اپنے تیر ضرورت کے لئے محفوظ رکھو۔

"اکثبوکم" کے معنی راوی نے "اکثروکم" سے کیا ہے، لیکن شراح حدیث کہتے ہیں کہ "اکثب" کے معنی "اکثر" کے لغت میں آتا نہیں، یہاں معنی لازمی مراد ہیں۔

۳۹۸۶ – حدثني عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو إسحاق قال: سمعت البراء بن عازب ﷺ قال: جعل النبي ﷺ على الرماة يوم أحد عبد الله ابن جبير فأصابوا منا سبعين وكان النبي ﷺ وأصحابه أصاب من المشركين يوم بدر ۰ أربعين ومائة سبعين أسيرا وسبعين قتيلا. قال أبو سفيان: يوم بيوم بدر، والحرب سجال [راجع: ۳۰۳۹]

ترجمہ: حضرت ابواسحاق سے روایت ہے کہ میں نے براء بن عازب ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کو پچاس تیر اندازوں پر سردار مقرر کیا، کافروں نے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا، اور جنگ بدر میں آنحضرت ﷺ کے اصحاب نے ایک سو چالیس آدمیوں کو پالیا تھا کہ ستر کو قید کیا تھا اور ستر کو مارڈالا تھا۔ جنگ اُحد کے دن ابوسُفیان نے کہا! بدر کے دن کا بدلہ آج ہے اور لڑائی ڈول کی طرح ہے۔

الحرب سجال _ جنگ باری باری کا نام ہے

حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احد کے دن تیراندازوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کو امیر مقرر فرمایا تھا، اس کے نتیجے میں کفار ہم میں سے ستر آدمیوں کو شہید کرنے میں کامیاب ہو گئے اور نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ رضی اللہ عنہ بدر کے دن ایک سو چالیس مشرکین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جن میں سے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر کو قیدی بنایا تھا، ابوسفیان نے کہا کہ آج کے دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور "الحرب سجال" یعنی جنگ باری باری ہے۔

۳۹۸۷ – حدثني محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن يزيد، عن جده أبي بردة، عن أبي موسى أراه عن النبي ﷺ قال: ((وإذا الخير ما جاء الله به من الخير بعد، وثواب

الصدق الذی آتانا بعد یوم بدر)). [راجع: ۳۶۲۲]

ترجمہ: ابو بردہ سے روایت ہے کہ میں گمان کرتا ہوں کہ ابو موسیٰ ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں جو خیر کا لفظ دیکھا اس کی تعبیر یہی ہے کہ خدا نے جنگ اُحد کے بعد مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی، اور سچائی کا بدلہ وہ ہے جو بدر کی لڑائی میں اللہ نے ہم کو عنایت فرمایا۔

خواب میں فتوحات کی بشارت

ابو بردہ حضرت ابو موسیٰ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر کے یہ بات کہی گئی ہے، راوی کو شک ہے کہ راوی نے اپنا قول نقل کیا یا نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا، وہ یہ ہے کہ **"واذا الخیر ما جاء اللہ بہ من الخیر بعد"**۔

دراصل یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک تلوار ہے وہ ٹوٹ گئی اور جب آپ نے ہلائی تو دوبارہ ٹھیک ہوگئی اور آپ ﷺ نے ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جارہی ہے اور کلمۂ خیر دیکھا۔

آپ ﷺ نے یہ تین چیزیں دیکھیں یہ اس کی تعبیر ہو رہی ہے، جو خیر آپ ﷺ نے دیکھی تھی وہ بھلائی تھی جو اللہ تعالیٰ بعد میں لے کر آئے، یعنی غزوۂ احد کے بعد مسلمانوں کو مستقل فتوحات ملیں، صرف غزوۂ احد ہی ایک ایسا واقعہ ہے جس میں تھوڑی سی ہزیمت اٹھانی پڑی، اس کے بعد ہمیشہ خیر اور بھلائی یعنی فتوحات رہیں۔

"وثواب الصدق الذی آتانا بعد یوم بدر"

"ثواب الصدق" کی دو تفصیل بیان کی گئی ہیں۔

ایک تفصیل یہ ہے کہ یہ **اضافۃ الموصوف الی الصفت** ہے یعنی وہ سچا ثواب جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بعد میں یعنی بدر کے دن عطا فرمایا۔

اور دوسری تفصیل یہ ہے کہ "ثواب" مضاف ہے اور "الصدق" مضاف الیہ ہے۔ [۲۳]

۳۹۸۸ ـ حدثنی یعقوب بن إبراھیم: حدثنا إبراھیم بن سعد، عن أبیہ، عن جدہ قال: قال عبدالرحمٰن بن عوف: إنی لفی الصف یوم بدر إذ التفت فإذا عن یمینی وعن یساری فتیان حدیثا السن فکأنی لم آمن بمکانھما، إذ قال لی أحدھما سرا من صاحبہ:

---

[۲۳] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۱۳۰

يا عم،أرني أبا جهل،فقلت :ياابن أخي وماتصنع به ؟ قال: عاهدت الله إن رأيته أن أقتله أو أموت دونه.فقال لي الآخر سرا من صاحبه مثله.قال: فما سرني أني بنين رجلين مكانهما،فأشرت لهما اليه،فشدا عليه مثل الصقرين حتى ضرباه،وهما ابنا عفراء. [راجع: ۳۱۴۱]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ فرماتے ہیں کہ بدر کے روز میں صف میں کھڑا تھا، مُڑ کر دیکھا تو دائیں بائیں دونو جوان لڑکے کھڑے ہیں۔ میں ان کو دیکھ کر خوف محسوس کرنے لگا، اور میرا اطمینان جاتا رہا، اتنے میں ایک نے چپکے سے مجھ سے پوچھا چچا ذرا مجھے ابوجہل کو تو دکھادو، تا کہ میں دیکھوں وہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا بھتیجے تم ابوجہل کا کیا کرو گے؟ جوان نے کہا! میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ جب ابوجہل کو دیکھوں گا تو قتل کروں گا، یا خود مر جاؤں گا، پھر دوسرے نے بھی اپنے ساتھی سے چھپا کر وہی بات پوچھی، اب تو مجھے ان سے دلچسپی پیدا ہوگئی، آخر میں نے ان کو اشارہ سے ابوجہل کی پہچان کرادی۔ یہ سنتے ہی دونوں عقاب کی طرح جھپٹے اور مار مار کر اس کا کام تمام کر دیا، یہ دونوں جوان عفراء رضی اللہ عنہا کے بیٹے معاذ اور معوذ تھے۔

حضرت معوّذ اور معاذ رضی اللہ عنہما کی بلند ہمتی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ فرماتے ہیں کہ میں بدر کے دن صف قتال میں تھا کہ اچانک دائیں بائیں دیکھا کہ دونو جوان جو نوعمر ہیں گویا کہ میں ان کی موجودگی میں بے خوف نہ رہا، یعنی دوران جنگ آدمی کے لئے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اس کے دائیں بائیں تجربہ کار ہوں، اچھے لڑنے والے ہوں، اور اس کے بخلاف نوعمر ہوں وہ بھی حالت جنگ میں تو آدمی کو اطمینان نہیں ہوتا، اس لئے انہیں اطمینان نہ ہوا کیونکہ دائیں بائیں کمسن اور ناتجربہ کار نوجوان تھے۔

ابھی دل میں یہ بات آہی رہی تھی کہ ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے چھپ کر مجھ سے یہ بات کہی کہ چچا جان مجھے دکھایئے کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے کہا اے بھتیجے! تم اس سے کیا معاملہ کرو گے؟ جواب دیا کہ میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ قسم کھایا ہوا ہوں کہ اگر میں اس کو دیکھ لوں تو یا میں اس کو قتل کروں گا یا میں مر جاؤں گا، دوسرے نے بھی ساتھی سے چھپ کر مجھ سے یہی بات کی، یہ سننے کے بعد میرے دل سے یہ بات نکل گئی کہ ان کی جگہ دوسرے آدمی ہونے چاہئیں، تو میں نے ابوجہل کی طرف اشارہ کیا تو دونوں شکروں کی طرح اس پر جھپٹ پڑے اور یہاں تک کہ دونوں نے اس پر وار کیا اور یہ دونوں عفرا کے بیٹے تھے، یعنی معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما۔ اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

۳۹۸۹ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا إبراهيم: أخبرنا ابن شهاب قال: أخبرني عمرو بن جارية الثقفى حليف لبنى زهرة وكان من أصحاب أبى هريرة عن أبى هريرة ﷺ قال: بعث رسول الله ﷺ عشرة عينا، وأمر عليها عاصم بن ثابت الأنصارى جد عاصم بن عمر بن الخطاب حتى إذا كانوا بالهدة بين عسفان ومكة ذكروا لحى من هذيل يقال لهم: بنو لحيان، فنفروا لهم بقريب من مائة رجل رام. فاقتصوا آثارهم؟ حتى وجدوا ماكلهم التمر فى منزل نزلوه فقالوا: تمر يثرب، فاتبعوا آثارهم فلما حس بهم عاصم وأصحابه لجؤا الى موضع فأحاط بهم القوم فقالو ا لهم: انزلوا فأعطوا بأيديكم، ولكم العهد والميثاق أن لا نقتل منكم أحدا. فقال عاصم بن ثابت: أيها القوم، أما أنا فلا أنزل فى ذمة كافر. اللّهم أخبر عنا نبيك ﷺ، فرموهم بالنبل فقتلوا عاصما ونزل إليهم ثلاثة نفر على العهد والميثاق منهم: خبيب، وزيد بن الدثنة، ورجل آخر. فلما استمكنوا منهم أطلقوا أوتار قسيهم فربطوهم بها، قال الرجل الثالث: هذا أول الغدر، والله لا أصحبكم، إن لى بهولاء أسوة، يريد القتلى فجرروه وعالجوه فابى أن يصحبهم فانطلق بخبيب وزيد بن الدثنة حتى باعوهما بعد وقعة بدر، فابتاع بنو الحارث بن عامر بن نوفل خبيبا، وكان خبيب هو قتل الحارث بن عامر يوم بدر، فلبث خبيب عندهم أسيرا حتى أجمعوا قتله. فاستعار من بعض بنات الحارث موسى يستحد بها فأعارته فدرج بنى لها وهى غافلة حتى أتاه فوجدته مجلسه على فخذه والموسى بيده، قالت: ففزعت فزعة عرفها خبيب، فقال: أتخشين أن أقتله؟ ما كنت لأفعل ذلک، قالت: والله ما رأيت أسيرا قط خيرا من خبيب، والله لقد وجدته يوما يأكل قطفا من عنب فى يده، وإنه لموثق بالحديد، وما بمكة من ثمرة، وكانت تقول: إنه لرزق رزقه الله خبيبا، فلما خرجوا به من الحرم ليقتلوه فى الحل، قال لهم خبيب: دعونى أصلى ركعتين، فتركوه فركع ركعتين فقال: والله لو لا أن تحسبوا أن مابى جزع لزدت. ثم قال: اللّهم أحصهم عددا، واقتلهم بددا ولا تبق منهم أحدا، ثم أنشأ يقول:

فلست أبالى حين أقتل مسلما على أى جنب كان لله مصرعى
وذلک فى ذات الإلٰه وإن يشأ يبارک على أوصال شلو ممزع

ثم قام إليه أبو سروعة عقبة بن الحارث فقتله وكان خبيب هو سن كل مسلم قتل صبرا الصلاة. وأخبر ـ يعنى: النبى ﷺ ـ أصحابه يوم أصيبوا خبرهم، وبعث ناس من قريش

إلى عاصم بن ثابت حين حدثوا أنه قتل أن يؤتوا بشيء منه يعرف و كان قتل رجلا عظيما من عظمائهم فبعث الله لعاصم مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم، فلم يقدروا أن يقطعوا منه شيئا. وقال كعب بن مالک: ذكروا مرارة بن الربيع العمري، وهلال بن أمية الواقفي، رجلين صالحين قد شهدا بدرا. [راجع: ۳۰۴۵]

ترجمہ: جاریہ ثقفی جو بنوزہرہ کے حلیف اور ابوہریرہ ﷺ کے دوست تھے، حضرت ابوہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے دس آدمیوں کی ایک جماعت پر حضرت عاصم بن ثابت انصاری ﷺ کو سردار بنا کر جاسوسی کیلئے روانہ فرمایا، جب یہ لوگ ہدہ میں پہنچے جو عسفان اور مکہ کے درمیان میں ہے تو قبیلہ لحیان جو قبیلہ حذیل کی ایک شاخ ہے اُسے کسی نے اُن کے آنے کی خبر کردی۔ انہوں نے سو تیر اندازوں کو اُن کے تعاقب میں پتہ لگانے کے لئے روانہ کردیا۔ ایک جگہ جہاں اس جماعت نے قیام کیا تھا اور مدینہ کی کھجوریں کھائیں تھیں، ان کی گٹھلیوں کو دیکھ کر ان تیر اندازوں نے سمجھ لیا اور پھر پیروں کے نشان سے پتہ لگانے لگے۔ جب حضرت عاصم ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے دیکھا کہ یہ قریب آگئے ہیں تو ایک پہاڑی پر پناہ لی، تیر اندازوں نے پہاڑی کو گھیر لیا اور کہا کہ تم سے ہم وعدہ کرتے ہیں اگر تم نے خود کو ہمارے حوالے کردیا تو کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، حضرت عاصم ﷺ نے ساتھیوں سے کہا کہ میں تو کافر کی پناہ پسند نہیں کرتا ہوں، پھر کہا اے اللہ! ہمارے حال سے ہمارے نبی ﷺ کو مطلع فرمادے۔ بنی لحیان نے ان پر تیر برسانا شروع کردیئے، آخر عاصم ﷺ اور ان کے سات ساتھی شہید ہوگئے، اور خبیب، زید بن دشنہ اور تیسرے صحابی ﷺ نے مجبور ہوکر خود کو کافروں کے حوالہ کردیا۔ کافروں نے کمان کی تانت نکال کر ان کی مشکیں کسیں، تو تیسرے صحابی ﷺ نے کہا، یہ پہلی دغا ہے، خدا کی قسم! میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا، میں تو اپنے ساتھیوں ہی میں جانا پسند کرتا ہوں، کافروں نے بہت کھینچا کہ کسی طرح مکہ لے جائیں مگر وہ نہیں گئے، آخر حضرت خبیب ﷺ اور حضرت زید ﷺ کو لے گئے اور مکہ جاکر بیچ ڈالا۔ چونکہ یہ واقعہ بدر کے بعد ہوا تھا، اس لئے حضرت خبیب ﷺ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ خبیب ﷺ نے بدر میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ حضرت خبیب ﷺ بہت دن قید میں رہے، جب کافروں نے انہیں قتل کرنے کی ٹھان لی تو ایک دن خبیب ﷺ نے حارث کی بیٹی سے استرہ مانگا، اس نے دے دیا، اسی وقت اتفاق سے اس کا بچہ خبیب ﷺ کے پاس چلا گیا، خبیب ﷺ نے اس بچے کو اپنی ران پر بٹھالیا، عورت نے دیکھا کہ بچہ خبیب ﷺ کی ران پر بیٹھا ہے اور استرہ خبیب ﷺ کے ہاتھ میں ہے، تو وہ سخت پریشان ہوگئی، اور انہوں نے اس کی پریشانی پہچان لی اور کہا کیا تو اس وجہ سے خوف کھا رہی ہے کہ میں اس بچہ کو مار ڈالوں گا؟ میں ایسا نہیں کروں گا۔ اس عورت نے کہا کہ خدا کی قسم! میں نے کوئی قیدی خبیب سے زیادہ نیک نہیں دیکھا، خدا کی قسم میں نے ایک دن دیکھا کہ خبیب انگور کا خوشہ لئے ہوئے کھا رہے ہیں، حالاں کہ وہ

لوہے کی زنجیروں میں بندھا ہوا تھا، اور پھر اس زمانہ میں کوئی میوہ مکہ میں نہیں تھا، عورت کا بیان ہے کہ یہ میوہ اللہ تعالیٰ نے خبیب ﷜ کو بھیجا تھا۔ غرض جب حارث کے بیٹے خبیب ﷜ کو قتل کرنے کیلئے حرم کی حد سے باہر لے گئے تو خبیب ﷜ نے کہا ذرا مجھے دو رکعت نفل پڑھ لینے دو! چنانچہ اجازت کے بعد دو رکعت پڑھیں، پھر کہا! بخدا اگر یہ خیال نہ کرو کہ موت سے ڈرتا ہوں تو اور نماز پڑھتا! اس کے بعد خبیب ﷜ نے یہ دعا مانگی یا اللہ! ان کو تباہ کر دے اور کسی ایک کو زندہ مت چھوڑ پھر یہ اشعار پڑھے۔

جب میں اسلام پر مر رہا ہوں تو کوئی ڈر نہیں ہے
کسی بھی کروٹ پر گروں، میرا مرنا خدا کی محبت میں ہے
اگر وہ چاہے تو ہر ٹکڑے اور جسم کے اعضاء کے بدلہ
میں بہترین ثواب عطا فرمائے اور برکت دے

اس کے بعد حارث کے بیٹے ابو سروعہ عقبہ نے خبیب ﷜ کو شہید کر دیا۔ یہ سنت خبیب ﷜ سے نکلی کہ جب کوئی مسلمان بے بس ہو کر مارا جانے لگے تو دو رکعت نماز پڑھ لے۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو حضرت عاصم بن ثابت ﷜ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر اسی دن دے دی، جس دن وہ شہید ہوئے، قریش نے عاصم ﷜ کے مرنے کی خبر سن کر کچھ لوگ بھیجے تا کہ وہ عاصم ﷜ کی لاش سے کچھ حصہ کاٹ کر لائیں تا کہ ہم پہچانیں۔ کیونکہ عاصم ﷜ نے کافروں کے ایک بڑے آدمی کو قتل کیا تھا، اللہ نے بے شمار بھڑوں کو اُن کی لاش پر بھیج دیا تا کہ قریش کے آدمی لاش کے قریب نہ آنے پائیں اور کچھ کاٹنے نہ پائیں، کعب بن مالک ﷜ فرماتے ہیں کہ مجھ سے لوگوں نے بیان کیا ہے کہ مرارہ بن ربیع عمری اور بلال بن امیہ واقفی دو نیک آدمی تھے جو بدر میں شریک تھے (مگر تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے)۔

غزوۃ الرجیع کا پس منظر

یہ غزوۃ الرجیع کا واقعہ ہے بعض اہل سیر کے قول کے مطابق ۳ھ ہجری میں اور بعض کے مطابق ۴ھ ہجری میں پیش آیا۔

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے اس کا پس منظر اتنا جان لیجئے کہ دو قبیلے تھے ایک کا نام عضل اور دوسرے کا نام قارہ تھا، ان دونوں قبیلوں کے لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آکر اسلام کی طرف میلان کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ اگر آپ ہمارے ساتھ تعلیم و تربیت و تبلیغ کے لئے کچھ آدمی بھیج دیں تو امید ہے کہ ہمارا سارا قبیلہ بھی مسلمان ہو جائے گا، تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت عاصم بن ثابت انصاری ﷜ کی سرکردگی میں دس آدمی بھیجے۔

بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کو جاسوسی کیلئے یعنی مشرکین مکہ کی نقل وحرکت، ان کی سرگرمیاں اور تیاریاں دیکھنے کیلئے بھیجا، دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ہے، دونوں باتیں بھی جمع ہوسکتی ہیں کہ آپ ﷺ دس جاسوسوں کو بھیجنا ہی چاہتے تھے اسی اثناء میں یہ دونوں قبیلوں کے لوگ بھی فریاد لے کر آگئے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کام بھی کرلو اور خبر بھی لے کر آنا۔ [۶۵]

وہاں جا کر دونوں قبیلوں کے لوگوں نے غداری کی اور ھذیل کی ایک شاخ بنولحیان تھی ان سے چپکے سے کہہ دیا کہ دیکھو ہم ان کو لے آئے ہیں بڑا اچھا موقع ہے اگر آپ لوگ ان کے ساتھ کچھ کارروائی کرنا چاہو تو کرلو اور خود کھسک گئے اور بنولحیان کو ان کے خلاف آمادہ کیا، تو بنولحیان بھاری لشکر لے کر ان دس کے خلاف مقابلے کیلئے آگئے اور یہ دس آدمی ایک ٹیلے پر پناہ کیلئے چڑھ گئے اور چاروں طرف سے بنولحیان نے گھیر لیا۔

وہ لوگ اوپر سے تیر اندازی کرتے رہے، بالآخر بنولحیان نے کہا کہ اگر تم ہتھیار ڈال دو تو ہم تم سے عہد و میثاق کرنے کیلئے تیار ہیں کہ کسی کو قتل نہیں کریں گے، تو حضرت عاصم بن ثابت ؓ نے کہا کہ میں تو کسی کافر کے ذمہ میں اترنے کو تیار نہیں ہوں، اس لئے کہ ان کے کسی عہد و میثاق کا بھروسہ نہیں اور دوسرے یہ کہ اگر بھروسہ بھی کرلیا جائے تو ان کے احسان پر اترنا میرے بس کی بات نہیں اور ساتھ ہی یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہمارا جو حال ہے وہ نبی کریم ﷺ تک پہنچادے اور وہ ان کے ساتھ تیر اندازی کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عاصم ؓ کو شہید کردیا گیا۔

تین حضرات جن میں حضرت خبیب ؓ، حضرت زید بن دثنہ ؓ اور ایک تیسرے صحابی، جن کا نام روایات میں عبد اللہ بن طارق ؓ ذکر کیا گیا ہے، وہ شامل تھے، بنولحیان کے عہد و پیمان پر پہاڑ سے نیچے اُتر آئے، جب یہ تینوں اترے تو کفار نے اپنی کمانوں کے تانتوں سے ان تینوں کو باندھنا شروع کیا تو تیسرے صاحب نے کہا کہ یہ سب سے پہلی بدعہدی ہے، یعنی غداری ہے، لہٰذا میں بھی وہی مؤقف اختیار کرتا ہوں جو حضرت عاصم بن ثابت ؓ نے کیا تھا، تو انہوں نے ان کو گھسیٹا اور مارا، بالآخر وہ صحابی بھی شہید ہوگئے، باقی دو حضرات یعنی حضرت خبیب اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو گرفتار کرکے لے جانے کے بعد حضرت خبیب ؓ کو بنو حارث ابن عامر کے بیٹوں کے پاس فروخت کردیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت خبیب ؓ نے بنوحارث بن عامر بن نوفل کو قتل کیا تھا تو اس کے بیٹے

---

[۶۵] حدثنی موسی بن یعقوب، عن أبی الأسود، عن عروۃ، قال: بعث رسول اللہ ﷺ اصحاب الرجیع عیوناً إلی مکۃ لیخبروہ خبر قریش، فسلکوا علی النجدیۃ حتی کانوا بالرجیع فاعترضت لهم بنو لحیان. کتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص: ۳۵۴

حضرت خبیب ﷺ کے خون کے پیاسے تھے، لہٰذا انہوں نے فیصلہ کیا کہ انہیں شہید کیا جائے جب انہوں نے محسوس کیا کہ اب مجھے شہید ہونا ہی ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں پاک صاف ہو کر جاؤں، اس لئے انہوں نے زیر ناف صفائی کی غرض سے اسی گھر میں رہنے والی ایک خاتون سے استرا مانگا جو دیدیا گیا اسی اثناء میں اس عورت کا معصوم بچہ کھیلتا ہوا آ گیا جسے خبیب ﷺ نے اٹھا کر پیار کیا اور گود میں بٹھا لیا جسے دیکھ کر عورت نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں یہ بچے کو قتل نہ کر دے کیونکہ ان کے ہاتھ میں استرا ہے، تو حضرت خبیب ﷺ نے دیکھا کہ عورت گھبرا رہی ہے تو آپ نے عورت سے کہا کہ میں ایسا کام نہیں کرتا ہوں اور بچہ کو واپس عورت کے پاس بھیج دیا جس پر عورت نے کہا کہ میں نے اس سے پہلے ایسا اعلیٰ اخلاق والا قیدی نہیں دیکھا، بالآخر انہوں نے حضرت خبیب ﷺ کو شہید کیا۔ جس پر انہوں نے ان کو بددعا دی اور چند اشعار پڑھے جو یہاں درج ہیں۔

"اللّٰهم احصهم عددا" اے اللہ ان کو اچھی طرح گن لیجئے جنہوں نے یہ معاملہ کیا۔

"واقتلهم بددا" اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کیجئے۔

"ولا تبق منهم احدا" ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑیئے۔

پھر یہ اشعار پڑھے:

فلست أبالي حين أقتل مسلما   على أى جنب كان لله مصرعي

وذلك في ذات الإله وإن يشأ   يبارك على أوصال شلو ممزع

مجھے پرواہ نہیں ہے جب کہ میں اسلام کی خاطر قتل ہو رہا ہوں کہ کس پہلو پر مجھے پچھاڑا جائے گا جبکہ میرا یہ پچھاڑنا اللہ ہی کے لئے ہے، اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کے راستے میں ہو رہا ہے اگر وہ چاہے تو ٹکڑے ٹکڑے کئے ہوئے اعضاء کے مختلف حصوں میں برکت ڈال دے۔

"ثم قام اليه ابو سروعة عقبة بن الحارث فقتله"، عقبہ بن حارث کھڑے ہو گیا اس نے حضرت خبیب ﷺ کو قتل کر دیا، (بعد میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مسلمان ہو گئے) اور حضرت خبیب ﷺ ہی وہ صاحب ہیں جنہوں نے ہر اس مسلمان کے لئے جو صبراً قتل کیا جائے نماز کو سنت بنایا یعنی قتل ہونے سے پہلے نماز پڑھے، صبر کے معنی ہیں باندھ کر نشانہ بنانا جس کی وجہ سے دفاع کرنا ممکن نہ ہو۔

نعش کی تکوینی حفاظت اور بے حرمتی سے محفوظ

اس واقعہ میں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت خبیب ﷺ کو قتل کرنے کے بعد مشرکین نے ان کی لاش کو چالیس دن تک سولی پر لٹکائے رکھا۔

جب حضور ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت مقداد ابن الاسود اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کی لاش لے آئیں، تاکہ ان کی صحیح طریقہ سے تدفین کی جاسکے تو انہوں نے جا کر دیکھا کہ جہاں لاش رکھی ہوئی ہے وہاں بڑا سخت پہرہ ہے تاکہ کوئی لے نہ جائے، لیکن ساتھ یہ بھی دیکھا کہ پہرے دار خواب راحت کے مزے لے رہے ہیں تو انہوں نے موقع غنیمت جان کر لاش کو نیچے اتارا، جو چالیس دن گزرنے کے باوجود تر و تازہ تھی، تو وہ اس لاش کو اٹھا کر گھوڑے پر لے کر چلے، جب پہرے دار صاحبان کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ منظر صاف ہے لاش جا چکی تو خوب واویلا کیا، کچھ لوگوں کو جمع کر کے تعاقب کرنے کی کوشش کی، ظاہر ہے یہ لوگ تعداد میں زیادہ تھے ان دو کے مقابلہ میں یہاں تک کہ ان کو جالیا اور ان کا محاصرہ کر کے ان سے کہا کہ لاش ہمارے حوالے کردو تو انہوں نے لاش مبارک کو گھوڑے سے نیچے اتارنا شروع کیا تو ابھی اتار کر زمین پر لانے والے ہی تھے کہ زمین شق ہوئی اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی لاش مبارک اس میں چلی گئی تو زمین برابر ہوگئی، اسی لئے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا ایک لقب ہے **"بلیع الارض"** یعنی زمین کے نگلے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ سے بے حرمتی سے محفوظ فرمایا۔ [۶۲]

عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعش کی قدرتی حفاظت

"واخبر اصحابهم الخ" آپ ﷺ نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو جس دن حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کی خبر دی جس روز ان کو شہید کیا گیا تھا، قریش نے جب عاصم رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سنی تو کچھ لوگوں کو اس ٹیلے کی طرف روانہ کیا جہاں ان کی نعش مبارک پڑی ہوئی تھی، تاکہ وہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ لائیں جس سے وہ ان کو پہچان سکیں، حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے ان کے سرداروں میں سے ایک بڑے سردار کو غزوۂ بدر کے موقع پر قتل کیا تھا۔

بعض روایات میں اس کی تفسیر آئی ہے کہ ایک عورت سلافہ بنت سعی کے دو بیٹوں کو غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اس واسطے اس عورت نے قسم کھائی تھی اور نذر مانی تھی کہ میں انہیں کسی نہ کسی طرح قتل کروں گی یا کراؤں گی اور اس کے کاسۂ سر میں شراب پیوں گی۔

---

[۶۲] فقال الزبير: أنا والمقداد، قالا: فوجدنا حول الخشبة اربعين رجلاً فانزلناه، فاذا هو رطب لم يتغير بعد اربعين يوماً، ويده على جرحه وهو ينبض، اى: يسيل دماً كالمسک، فحمله الزبير على فرسه، فلما لحقه الكفار قذفه فابتلعته الأرض فسمى: بليع الأرض. عمدة القارى، ج: ۱۷، ص: ۱۲۵

دوسری طرف حضرت عاصم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی تھی کہ جب تک میرا جسم باقی ہے تو میرا جسم کسی کافر کے جسم سے مس نہ ہو، نہ زندگی میں اور نہ مرنے کے بعد، اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ان کے لئے شہد کی مکھیوں اور بھڑوں کا ایک سائبان جیسا بھیج دیا کو جنہوں نے ان کی نعش مبارک کو محاصرہ میں لے لیا، جس کے نتیجہ میں کوئی قادر نہ ہوا کہ ان کے جسم کے کسی حصہ کو لے جائیں۔

حضرت زید بن دثنہ ﷺ کا یہاں ذکر نہیں ہے انہیں صفوان ابن امیہ نے خرید لیا تھا کیونکہ زید بن دثنہ نے امیہ بن خلف کو قتل کرنے میں حصہ لیا تھا اور اپنے غلام نسناس رومی سے کہا کہ ان کو تنعیم میں لے جا کر قتل کر دو، تنعیم حل تھا، نسناس رومی قتل کرنے ان کو نے گیا، لوگ تماشا دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔

بجرم عشق توام می کشند وغوغا ئیست تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا ئیست

اسی اثناء میں ابوسفیان نے کہا کہا گر تمہارے عوض میں محمد کو گرفتار کر لیا جائے اور تمہاری جان بچ جائے تو کیا تم پسند کرو گے؟ تو حضرت زید بن دثنہ ﷺ نے غصہ ہو کر کہا کہ گرفتار کرنا تو کجا اگر نبی کریم ﷺ کو ایک پھانس لگنے کے مقابلہ میں میری جان چلی جائے تو ایسی ہزار جان قربان ہیں، تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نے کسی بھی انسان کے اصحاب کو اصحاب محمد ﷺ کی طرح اتنی شدید محبت میں گرفتار نہیں دیکھا۔

مقصودِ امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً یہ جملہ نقل کیا ہے کہ **"وقال کعب بن مالک..... قد شهد بدراً"** حضرت کعب بن مالک ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں نے مرارۃ بن الربیع العمری اور ہلال بن امیہ الواقفی رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا، دونوں نیک اور صالح انسان تھے جو بدر میں حاضر تھے، غزوۂ تبوک میں جن حضرات کا مقاطعہ کیا گیا تھا ان میں سے حضرت کعب بن مالک ﷺ اور یہ دونوں صحابی تھے ان دونوں کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ وہ نیک تھے اور دونوں بدری صحابی تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بدری صحابی تھے۔

۳۹۹۰ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا الليث، عن يحيى، عن نافع : أن ابن عمر رضي الله عنهما ذكر له أن سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل وكان بدريا مرض في يوم جمعة، فركب إليه بعد أن تعالى النهار، واقتربت الجمعة وترك الجمعة)). [۶۷]

[۶۷] انفرد به البخاري

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جمعہ کے دن بیان کیا کہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بیمار ہیں، اور یہ بدری صحابی تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سوار ہو کر ان کے دیکھنے کو گئے، اور اس قوت تک دن چڑھ چکا تھا اور جمعہ کا وقت قریب تھا اور انہوں نے جمعہ ترک کر دیا۔

تشریح

حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ جمعہ کے روز ان سے یہ بات ذکر کی گئی کہ حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نوفل ﷜ بیمار ہیں اور یہ بدری صحابی تھے، یہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور حضرت عمر﷜ کے بہنوئی تھے۔ [۶۸]

تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ان کی طرف سوار ہو کر گئے جبکہ دن خوب چڑھنے کی وجہ سے جمعہ کا وقت قریب آ گیا اور جمعہ چھوڑ دیا تھا۔

"وکان بدریاً" یہ جملہ معترضہ ہے یہی مقصدِ امام بخاری ہے۔

مسئلہ: جمعہ کے دن سفر کرنا جائز ہے

اس باب میں یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ جمعہ کے دن اگر کسی کو سفر کرنا ہو تو اس کے لئے سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن اپنے پھوپھا کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعید ابن زید ﷜ مدینہ منورہ میں نہیں تھے بلکہ مدینہ منورہ سے باہر وادی عقیق میں مقیم تھے۔ [۶۹]

گویا ان کے پاس جانا ایک سفر تھا، اس لئے حنفیہ کی یہ دلیل ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قبل از زوال جانا جائز ہے اور بعد از زوال ناجائز ہے، بعض حضرات کہتے

---

[۶۸] سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب أبی الأعور واسمه سعید بن زید بن عمرو بن نوفل﷜، رقم :۳۷۵۷

[۶۹] ((وترک الجمعة)) أی : ترک صلاة الجمعة، قال الکرمانی: کان لعذر، وهو إشراف القریب علی الهلاک، لأنه کان ابن عمر ﷜، وزوج أخته، وقال صاحب ((التوضیح)) أیضاً: هذا لأجل قرابته منه وهو عذر. قلت: فیما قالاه نظر، نعم لو کان فی عدم حضوره هلاکه لأجل علة من العلل کان له فی ذلک الوقت ترک الجمعة، وقال ابن التین: یترک الجمعة إذا لم یکن معه من یقوم به. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۱۴۶

ہیں کہ ضرورتِ شدیدہ کے تحت جائز ہے اور بغیر اس کے ناجائز ہے۔

حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق زوال سے پہلے مطلقاً جائز ہے اور زوال کے بعد بلاضرورت جانا مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو کراہت بھی نہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سعید ابن زید ﷺ کی بیماری کی جو اطلاع ملی وہ کوئی سنگین قسم کی بیماری تھی، اگر کوئی معمولی بیماری ہوتی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما انتظار کرتے اور جمعہ پڑھ کر چلے جاتے، لہٰذا اس سنگینی کی بنیاد پر انہوں نے جلدی کی اور جمعہ بھی چھوڑ دیا۔ ۷۰

۳۹۹۱ ـ وقال الليث: حدثني يونس، عن ابن شهاب قال: حدثني عبيدالله بن عبدالله بن عتبة: أن أبا كتب إلى عمر بن عبدالله بن الأرقم الزهري يأمره أن يدخل على سبيعة بنت الحارث الأسلمية فيسألها عن حديثها، وعن ماقال لها رسول الله ﷺ حين استفتته. فكتب عمر بن عبدالله بن الأرقم إلى عبدالله بن عتبة يخبره أن سبيعة بنت الحارث أخبرته أنها كانت تحت سعد بن خولة، وهو من بني عامر بن لؤي، وكان ممن شهد بدرا. فتوفي عنها في حجة الوداع وهي حامل، فلم تنشب أن وضعت حملها بعد وفاته. فلما تعلت من نفاسها تجملت للخطاب، فدخل عليها أبو السنابل بن بعكك، رجل من بني عبدالدار، فقال لها: ما لي أراك تجملت للخطاب ؟ ترجين النكاح؟ فإنك والله ما أنت بنكاح حتى تمر عليك أربعة أشهر وعشر. قالت سبيعة: فلما قال لي ذلك جمعت علي ثيابي حين أمسيت وأتيت رسول الله ﷺ فسألته عن ذلك فأفتاني بأني قد حللت حين وضعت حملي وأمرني بالتزوج إن بدالي. تابعه أصبغ، عن ابن وهب عن يونس. وقال الليث: حدثني يونس، عن ابن شهاب: وسألناه فقال: حدثه محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان مولى بني عامر ابن لؤي: أن محمد بن إياس بن البكير، وكان أبوه

---

۷۰ وفي "الدر المختار" عن "شرح المنية" والصحيح أنه يكره السفر قبل أن يصليها، ولا يكره قبل الزوال، وفي رد المحتار تحت قوله: "لا بأس بالسفر": أقول: السفر غير قيد بل مثله ما اذا أراد الخروج الى موضع لاتجب على أهله الجمعة كما في "التتارخانية" (۱: ۸۲۱). وأما في "التلخيص الحبير" (۱: ۱۳۷): في "الافراد" للدارقطني عن ابن عمر رضي الله عنهما مرفوعاً "من سافر يوم الجمعة دعت عليه الملائكة أن لا يصحب في سفره". وفيه ابن لهيعة اهـ. وهو حسن الحديث، كما تقدم في هذا الكتاب، فالجواب عنه أنه محمول على من سافر بعد الزوال. اعلاء السنن، أبواب الجمعة، فائت الجمعة لا يصلي لاظهر بجماعة ويجوز السفر يوم الجمعة، ج:۸، ص: ۷۹

شهدا بدرا أخبره. [انظر: ۵۳۱۹] ا۔

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ مجھ سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے بیان کیا کہ میرے والد عبد اللہ نے عمر بن عبد اللہ بن ارقم کو خط لکھا کہ تم سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے ان کا قصہ دریافت کرو اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوال کا جو جواب دیا تھا وہ بھی معلوم کرو! عمر بن عبد اللہ نے جواب میں لکھا کہ سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ ؓ کے نکاح میں تھی اور وہ عامر بن لوی کے قبیلہ سے تھے یا ان کے حلیف تھے اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جو جنگ بدر میں شریک تھے اور حجۃ الوداع میں انتقال کر گئے اور سبیعہ کو حاملہ چھوڑ گئے، تھوڑے دن بعد وضع حمل ہوا۔ جب وہ نفاس سے پاک ہوئی تو نکاح کا پیغام بھیجنے والوں کیلئے بناؤ سنگھار کیا، اس وقت عبد الدار قبیلہ کا ایک شخص جس کا نام ابو السنابل تھا اس کے پاس آیا اور کہنے لگا سبیعہ کیا حال ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ تو پیغام دینے والوں کیلئے تیار ہو کر بیٹھی ہے، کیا تو نکاح کرنا چاہتی ہے؟ خدا کی قسم جب تک چار ماہ دس دن نہیں گزر جاتے تو ہرگز نکاح نہیں کر سکتی۔ سبیعہ کہتی ہیں کہ جب میں نے ابو السنابل کی بات سنی تو اپنے کپڑے پہنے اور شام کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئی اور آپ ﷺ سے مسئلہ پوچھا، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ جب تم وضعِ حمل سے فارغ ہوگئی تو دوسرا نکاح کرنا درست ہوگیا، جب تم چاہو نکاح کرلو۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں اصبغ نے لیث کی پیروی کی ہے، لیث نے کہا ہم نے یونس سے اس حدیث کو بیان کیا اور ابن شہاب زہری سے یونس نے پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ عبد الرحمٰن بن ثوبان جو بنی عامر بن لوی کا غلام ہے، مجھے اس کی خبر دی اور ان کو حضرت ایاس بن بکر ؓ نے جو بدری تھے۔

سبیعہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کا واقعہ اور عدتِ وفات

سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس لئے اہمیت اختیار کر گیا تھا کہ یہ وہ خاتون تھیں جن

ا۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها وغيرها بوضع الحمل، رقم: ۲۷۲۸، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۴۲۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الطلاق، باب في عدة الحامل، رقم: ۱۹۶۲، وسنن ابن ماجة، كتاب الطلاق، باب الحامل المتوفى عنها زوجها اذا وضعت حلت للأزواج، رقم: ۲۰۱۷، ومسند أحمد، من مسند القبائل، باب حديث سبيعة الأسلمية، رقم: ۲۶۱۲۶

کے شوہران کے حالت حمل میں وفات پا گئے تھے اور ان کے ہاں عدت وفات پوری ہونے سے پہلے بچہ پیدا ہوگیا، یہاں تک کہ نفاس کی مدت بھی پوری ہوگئی۔ اس کے باوجود عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن پورے نہیں ہوئے تھے، اس وقت انہوں نے لوگوں سے خطبۂ نکاح وصول کرنا شروع کر دیا، تو لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کیا کہ ابھی چار ماہ دس دن گذرے نہیں اور یہ نکاح کی باتیں کر رہی ہیں جو جائز نہیں ہیں۔

یہ مسئلہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بچہ کی پیدائش ہوگئی تو عدت وفات پوری ہوگئی، اب نکاح بھی جائز ہے، لہٰذا اب کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ [۲]

بعض حضرات ایسی صورت میں **أبعد الاجلين** کے قائل ہیں اور یہ مسئلہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عباس ﷺ طرف منسوب ہے، کیونکہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال تھا کہ مثلاً شوہر کی وفات کے ایک دن بعد بچہ کی پیدائش ہو تو چالیس دن نفاس کے پورے کرکے نکاح جائز ہے۔ [۳]

تو اس مسئلہ کیلئے عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ نے عمر بن عبداللہ بن ارقم رحمہ اللہ کو سبیعہ رضی اللہ عنہا کے پاس مسئلہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔

---

[۲] وقال الموفق في "المغني": "اجمع أهل العلم في جميع الأعصار أن المطلقة الحامل تنقضي عدتها بوضع حملها، وكذلك كل مفارقة في الحياة. وأجمعوا أيضا على أن المتوفى عنها زوجها اذا كانت حاملا اجلها وضع حملها الا ابن عباس، وروى عن علي من وجه منقطع أنها تعتد بأقصى الأجلين. وقاله أبو السنابل بن بعكك في حياة النبي ﷺ، فرد عليه السلام قوله. وقد روى عن ابن عباس أنه رجع الى قول الجماعة لما بلغه حديث سبيعة. ذكره الحسن والشعبي ان تنكح في دمها. ويحكى عن حماد واسحاق أن عدتها لاتنقضي حتى تطهر. وأبى سائر أهل العلم. هذا القول وقالوا: لو وضعت بعد ساعة من وفاة زوجها حل لها أن تتزوج، ولكن لا يطأها زوجها حتى تطهر من نفاسها وتغتسل. (كمن نكحها وهي حائض). وذلك لقول الله تعالى: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]. ورره عن أبي كعب، فذكر ماذكرناه في المتن. اعلاء السنن، أبواب العدة: باب عدة الحامل وضع الحمل، ج: ۱۱، ص: ۲۴۲

[۳] قلت: وهذا قول اكثر الصحابة والفقهاء، وتأولوا قوله تعالىٰ ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ [البقرة: ۲۳۴]. في الحائل دون الحامل عملاً بالآية الأخرى، وهي: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ [الطلاق: ۴]. وروى عن علي وابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهم: إنها تعتد بآخر الأجلين، وبه قال سحنون، حكاه عنه عبدالحق، وعند أصحابنا: عدة الحامل بوضع الحمل سواء كانت حرة أو أمة، وسواء كانت العدة عن طلاق أو وفاة او غير ذلك، لأن آية الحمل متأخرة فيكون غيرها منسوخاً بها او مخصوصاً. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۴۷

تو انہوں نے خبر دی کہ وہ حضرت سعد بن خولہ ﷺ کے نکاح میں تھیں، جن کا تعلق بنی عامر بن لوئی سے تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر ان کا انتقال ہو گیا اور سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، شوہر کی وفات کو زیادہ دن نہیں گذرے تھے کہ انہوں نے بچہ جنا اور جب وہ اپنے نفاس سے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے پیغام نکاح دینے والے مردوں کیلئے بناؤ سنگھار شروع کر دیا۔

تو سبیعہ کے پاس بنی عبد الدار کا ایک بندہ ابو السنابل بن بعکک آیا اور کہا کہ کیا وجہ ہے میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم پیغام نکاح دینے والے مردوں کیلئے بناؤ سنگھار کر رہی ہو اور دوبارہ نکاح کیلئے امید رکھ رہی ہو۔ اللہ کی قسم! تم نکاح نہیں کر سکتیں جب تک تمہاری عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن کی مدت نہ گذر جائے۔

سبیعہ بنت حارث اسلمیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ انہوں نے جب مجھ سے یہ بات کی تو میں نے شام کے وقت اپنے کپڑے جمع کئے اور میں نے نبی کریم ﷺ کے پاس آکر یہ سوال کیا کہ آپ مجھے بتا دیجئے کہ کیا میں حلال ہوں جبکہ میرا وضع حمل ہو گیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے مجھے نکاح کا حکم دیا کہ اگر میری رائے ہو۔

اس مسئلہ کی فقہی بحث کتاب الطلاق میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

منشاء امام بخاری رحمہ اللہ

اس حدیث کو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس لئے ذکر کیا کہ حضرت سعد بن خولہ ﷺ جن کا تعلق بنی عامر بن لوئی سے تھا، وہ بدری صحابی ﷺ تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے۔

"تابعه أصبغ، عن ابن وهب عن يونس. وقال الليث: حدثني يونس، عن ابن شهاب: وسألناه فقال: حدثه محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان مولى بني عامر ابن لؤي: أن محمد بن إياس بن البكير، وكان أبوه شهد بدرا أخبره."

امام بخاری رحمۃ اللہ یہ دوسری تعلیق اس واسطے لائے کہ محمد بن ایاس رحمہ اللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ان کے والد حضرت ایاس بن بکیر ﷺ بدری صحابی تھے۔

(۱۱) باب شهود الملائكة بدراً

میدانِ بدر میں فرشتوں کی حاضری کا بیان

حضرت علی ﷺ نزول ملائکہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یکے بعد دیگرے تین مرتبہ تیز ہوا چلی

اور وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آمد تھی۔ کافروں کی ہلاکت کے لئے تنہا حضرت جبرائیل ہی کافی تھے مگر مسلمانوں کے اطمینان قلب کے لئے بڑی تعداد میں فرشتے نازل ہوئے۔

۳۹۹۲ ـ حدثني اسحاق بن إبراهيم: أخبرنا جرير، عن يحي بن سعيد، عن معاذ بن رفاعة بن رافع الزرقي، عن أبيه، و كان أبوه من أهل بدر، قال: جاء جبريل إلى النبي ﷺ فقال: ((ما تعدون أهل بدر فيكم؟)) قال: من أفضل المسلمين، أو كلمة نحوها، و كذلك من شهد بدرا من الملائكة. [انظر: ۳۹۹۴] ۴؎

ترجمہ: حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع زرقی اپنے والد رفاعہ رضی اللہ عنہ سے جو بدر میں شریک تھے روایت کرتے ہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا کہ آپ بدر والوں کو کیسا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا! تمام مسلمانوں سے افضل، یا ایسا ہی کوئی دوسرا کلمہ فرمایا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے تھے دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔

اصحابِ بدر کا مقام

معاذ اپنے والد یعنی حضرت رفاعہ بن رافع الزرقی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد اہل بدر میں سے تھے اور فرمایا حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور پوچھا کہ آپ اپنے درمیان اہل بدر کو کیسا شمار کرتے ہیں یعنی بدریین کا مرتبہ کس طرح شمار کرتے ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا ہم انہیں تمام مسلمانوں میں سب سے افضل شمار کرتے ہیں یا اس جیسا کوئی جملہ فرمایا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا اسی طرح جو ملائکہ بدر میں شامل تھے انہیں ہم افضل سمجھتے ہیں۔ ۵؎

۳۹۹۳ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد، عن يحي، عن معاذ بن رفاعة ابن رافع، و كان رفاعة من أهل بدر، و كان رافع من أهل العقبة، فكان يقول لابنه: ما يسرني أني شهدت بدرا بالعقبة. قال: سأل جبريل النبي ﷺ بهذا.

ترجمہ: معاذ بن رفاعہ سے روایت ہے کہ میرے والد رفاعہ رضی اللہ عنہ بدری تھے اور دادا رافع رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ

۴؎ انفرد به البخاری

۵؎ قال جبريل علیہ السلام: من شهد بدراً من الملائكة هم من أفضلهم أيضاً، وفي رواية البيهقي: ((قال: و كذلك من شهد بدراً من الملائكة)). عمدة القاري، ج:۱۷، ص: ۱۴۹، وفتح الباري، ج:۷، ص: ۳۱۳

والوں میں سے تھے، چنانچہ رافع ﷺ اپنے بیٹے رفاعہ ﷺ سے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے عقبہ کے برابر بدر میں شریک ہونے کی خوشی نہیں ہے۔ پھر فرمایا حضرت جبرئیل ؑ نے اس معاملہ میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا جیسا کہ اوپر گزرا۔

اہلِ بدر کی افضلیت

حضرت رفاعہ ﷺ اہل بدر میں سے تھے اور حضرت رافع ﷺ یعنی ان کے والد اہل بدر میں سے نہیں تھے، البتہ اہل العقبہ میں شامل تھے۔

اس روایت میں ہے کہ حضرت رافع ﷺ اپنے بیٹے حضرت رفاعہ ﷺ سے کہا کرتے تھے کہ **"ما یسرنی انی شهدت بدراً بالعقبة"** اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مجھے یہ بات خوش نہیں کرے گی کہ میں عقبہ کے بدلے بدر میں شامل ہو جاؤں، یعنی مجھے بیعتِ عقبہ میں شامل ہونے پر فخر اور خوشی ہے، اور اگر کوئی شخص مجھے سے یہ کہے کہ تم عقبہ کے بدلے میں بدر کی فضیلت حاصل کرلو مجھے یہ بات پسند نہ ہوگی۔

"ما" نافیہ کی صورت میں یہ معنی ہے، یہ حضرت رافع ﷺ کا اپنا خیال ہے کہ بیعت عقبہ کی فضیلت غزوۂ بدر میں شمولیت کی فضیلت سے بڑھی ہوئی ہے لیکن دوسرے دلائل سے بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ بدر کی شمولیت عقبہ کی شمولیت کے مقابلہ میں فضیلت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہے، انہیں اس فضیلت کا علم نہیں ہوگا لیکن انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ بیعت عقبہ وہ پہلا موقع ہے جس کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کی دعوت مکہ مکرمہ سے باہر پھیلی اور اس کے نتیجہ میں مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کے اقتدار کا راستہ ہموار ہوا اور میں اس میں شامل تھا اس لئے میرے لئے باعث فخر تھا، لیکن یہ ان کا اجتہاد تھا جو دوسرے نصوص و دلائل کے مقابلہ میں حجت نہیں ہیں۔ [۶]

محققین کے نزدیک صحیح مسلک یہ ہے کہ غزوۂ بدر کو فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت رفاعہ ﷺ نے اپنے والد کے جواب میں حضرت جبرئیل والی حدیث سنائی کہ آپ کا خیال صحیح نہیں ہے، اہل بدر افضل ہیں۔

اگر "ما" نافیہ کے بجائے استفہامیہ مانا جائے اور استفہام کو تعجب کے معنی میں لیا جائے تو معنی ہوگا کہ مجھے کتنی خوشی ہوتی اس بات سے کہ میں بیعت عقبہ کے بدلہ میں بدر میں حاضر ہو جاتا، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

اگرچہ یہ تشریح خلاف متبادر ہے۔

---

[۶] عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۳۹، وفتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۱۳

۳۹۹۴ـ حدثنا إسحاق بن منصور: أخبرنا يزيد : أخبرنا يحيى : سمع معاذ بن رفاعة : أن ملكا سأل النبي ﷺ .وعن يحيى أن يزيد بن الهاد أخبره أنه كان معه يوم حدثه معاذ هذا الحديث،فقال يزيد : فقال معاذ : إن السائل هو جبريل عليه السلام.[راجع : ۳۹۹۲]

ترجمہ: حضرت یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ میں نے معاذ بن رفاعہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایک فرشتے نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا، یحییٰ کا بیان ہے کہ یزید بن الہاد نے مجھ سے بیان کیا تو تم بھی میرے ساتھ تھے، یزید نے کہا کہ معاذ فرماتے تھے اور پوچھنے والے فرشتہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے۔

۳۹۹۵ـ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا عبدالوهاب : حدثنا خالد،عن عكرمة،عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ قال يوم بدر : ((هذا جبريل آخذ برأس فرسه عليه أداة الحرب)). [انظر: ۴۰۴۱] ۷۷

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بدر کے دن فرمایا کہ دیکھو یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے اپنے گھوڑے کا سر پکڑا ہوا ہے اور ان کے اوپر جنگ کے آلات ہیں یعنی مسلح ہو کر آئے ہیں۔

(۱۲) باب

یہ باب بلا عنوان ہے

۳۹۹۶ـ حدثني خليفة: حدثنا محمد بن عبد الله الأنصاري: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس ﷺ قال: مات أبو زيد ولم يترك عقبا وكان بدريا .[راجع : ۳۸۱۰]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں ابو زید ﷺ کا انتقال ہوا اور انہوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا اور وہ بدری صحابی تھے۔

۳۹۹۷ـ حدثنا عبد الله بن يوسف: حدثنا الليث قال: حدثني يحيى بن سعيد، عن القاسم بن محمد، عن ابن خباب: أن أبا سعيد بن مالك الخدري ﷺ قدم من سفر فقدم إليه أهله لحما من لحوم الأضحى، فقال: ما أنا بآكله حتى أسأل. فانطلق إلى أخيه لأمه، وكان بدريا، قتادة بن النعمان، فسأله فقال: إنه حدث بعدك أمر، نقض لما كانوا ينهون

---

۷۷ انفرد به البخاری

عنه من أكل لحوم الأضحى بعد ثلاثة أيام. [انظر: ۵۵۶۸] ۸ے

ترجمہ: ابن خباب سے روایت ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ جب سفر سے گھر واپس آئے تو ان کے گھر کے لوگوں نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت پیش کیا تو آپ نے فرمایا! میں اسے اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک اپنے ماں جائے بھائی قتادہ بن نعمان ﷺ سے مسئلہ نہ پوچھ لوں، جو کہ بدری تھے۔ وہ قتادہ بن نعمان ﷺ کے پاس آئے، انہوں نے فرمایا آپ کے جانے کے بعد وہ پہلا حکم منسوخ ہوگیا، جس میں قربانی کے گوشت کو تین دن کے بعد رکھنا منع کیا گیا تھا۔

قربانی کے گوشت کا حکم

یہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ کا واقعہ ہے جس کو ابن خباب ﷺ نے روایت کیا ہے کہ وہ ایک سفر سے واپس آئے تو گھر والوں نے ان کے سامنے قربانی کا گوشت پیش کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں یہ کھانے والا نہیں ہوں یہاں تک کہ میں قتادہ بن نعمان ﷺ سے پوچھ نہ لوں۔

وجہ یہ تھی کہ ابتداء میں حضور اقدس ﷺ نے تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا تھا، تاکہ مال دار اور وسعت والے لوگ ان پر وسعت کریں جن کے پاس قربانی کی وسعت اور طاقت نہیں، یعنی وہ قربانی کا گوشت اپنے پاس ذخیرہ کرنے کے بجائے غرباء میں تقسیم کردیں۔

تو حضرت ابوسعید خدری ﷺ اپنے ماں شریک بھائی قتادہ بن نعمان ﷺ کے پاس گئے جو بدری انصار میں سے تھے، بدر میں ان کی آنکھ پر زخم لگا تھا، جس کی وجہ سے آنکھ باہر آگئی تھی اور آنکھ میں عیب پیدا ہوگیا تھا۔

حضرت قتادہ بن نعمان ﷺ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری ایک ہی بیوی ہے میں اس سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے، اگر میری آنکھ میں یہ عیب باقی رہ گیا تو اس کو بہت ہی دکھ ہوگا، اس لئے آپ میرے لئے دعا فرمادیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے ان کی آنکھ کا ڈھیلا اُٹھا کر اس کی جگہ پر رکھ دیا جس کے بعد وہ صحیح اور بہترین ہوگئی اور پہلے سے زیادہ خوبصورت بھی ہوگئی۔

یہ صحابی رسول حضرت قتادہ بن نعمان ﷺ کا مختصر سا تعارف ہے۔

۸ے وفی سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب الاذن فی ذلک، رقم: ۴۳۵۱، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی سعید الخدری، رقم: ۱۰۷۴۷، ۱۱۰۲۳، ۱۱۱۱۸، ۱۱۱۷۸، ۱۱۲۰۱، ۲۵۹۰۳، ومؤطا مالک، کتاب الضحایا، باب ادخار لحوم الأضاحی، رقم: ۹۱۹

"فقال : انه حدث بعدک امر" تو انہوں نے حضرت ابوسعید خدری ﷺ سے فرمایا کہ آپ کے سفر پر جانے کے بعد ایک ایسا معاملہ پیش آیا جو اس حکم کو توڑنے والا تھا جو پہلے آیا تھا، یعنی اس حکم کو جو روکا جا رہا تھا تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے، تو اب تین دن کے بعد بھی قربانی کا گوشت کھایا جا سکتا ہے۔ ۷۹

۳۹۹۸ ۔ حدثنی عبید بن إسمعیل: حدثنا ابو اسامة، عن هشام بن عروة، عن أبیه قال: قال الزبیر: لقیت یوم بدر عبیدة بن سعید بن العاص وهو مدجج لا یری منه إلا عیناه وهو یکنی أبو ذات الکرش، فقال: أنا أبو ذات الکرش، فحملت علیه بالعنزة فطعنته فی عینه فمات. قال هشام : فأخبرت أن الزبیر قال: لقد وضعت رجلی علیه ثم تمطأت فکان الجهد أن نزعتها وقد انثنی طرفاها، قال عروة : فسأله إیاها رسول الله ﷺ فأعطاه إیاها. فلما قبض رسول الله ﷺ أخذها، ثم طلبها أبو بکر فأعطاه أیاها، فلما قبض ابو بکر سألها أیاه عمر فأعطاه إیاها، فلما قبض عمر أخذها ثم طلبها عثمان منه فأعطاه إیاها، فلما قتل عثمان وقعت عند آل علی. فطلبها عبدالله بن الزبیر فکانت عنده حتی قتل. ۸۰

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر بن عوام ﷺ فرماتے تھے کہ بدر کے دن میں نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا کہ ہتھیاروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف دونوں آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اس کی کنیت ابو ذات الکرش تھی، کہنے لگا میں ابو ذات الکرش ہوں، پھر میں نے ایک نیزہ لے کر اس پر حملہ کیا، نیزہ آنکھ میں لگا جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ ہشام کہتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا گیا کہ حضرت زبیر بن عوام ﷺ کہتے تھے کہ جب عبیدہ مر گیا تو میں نے اپنا پاؤں اس پر رکھا اور اپنا پورا زور لگا کر بڑی دشواری سے وہ نیزہ اس کی آنکھ سے نکالا اس کے دونوں کنارے ٹیڑھے ہو گئے تھے۔ حضرت عروہ بن زبیر ﷺ کہتے ہیں کہ اس نیزہ کو آنحضرت ﷺ نے حضرت زبیر ﷺ سے مانگا، انہوں نے دیدیا، حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ نیزہ حضرت ابوبکر ﷺ نے مانگا، ان کو زبیر ﷺ نے دیدی، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت عمر ﷺ نے مانگا پھر ان کو دیدیا، پھر ان [illegible] فات کے بعد حضرت عثمان ﷺ نے مانگا تو ان کو

---

۷۹ واحتج بهذا الحدیث قوم علی أنه یحرم إمساک لحوم الأضاحی والأکل منها بعد ثلاثة أیام، واحتجوا أیضاً بحدیث علی ﷺ، قال: إن رسول الله ﷺ، نهانا أن نأکل من لحوم نسکنا بعد ثلاث، وقال جماهیر العلماء: یباح الأکل والإمساک بعد الثلاث، والنهی منسوخ بقوله ﷺ : "کلوا بعد وادخروا وتزودوا". سنن الترمذی، ابواب الاضاحی، باب فی الرخصة فی اکلها بعد ثلاث، رقم: ۱۴۳۹

۸۰ انفرد به البخاری

دیدیا، پھر حضرت علی ﷺ کی اولاد نے اس پر قبضہ کرلیا، پھر حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے ان سے مانگ لیا جو ان کی شہادت تک ان کے پاس رہا۔

تشریح

حضرت زبیر ﷺ نے خود یہ واقعہ سنایا کہ بدر کے دن میرا عبیدہ بن سعید بن العاص سے سامنا ہوا جو سر سے پیر تک لوہے میں غرق تھا کہ دونوں آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا، اس کی کنیت ابوذات الکرش تھی، اس نے سامنے آکر کہا کہ میں ابوذات الکرش ہوں، یعنی صرف اتنا ہی کہہ دینا مقابل کو ڈرانے کے لئے کافی سمجھا، کیونکہ یہ بہت پہلوان مشہور تھا اس شہرت کی وجہ سے اس نے صرف کنیت ہی بتانا کافی سمجھا۔

حضرت زبیر ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں جو نیزہ تھا وہ میں نے اس کی آنکھ میں مارا اور اسی سے اس کا کام تمام ہوا یعنی مرگیا، ہشام کہتے ہیں کہ حضرت زبیر ﷺ نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ گر گیا تو میں نے اپنا پیر اس پر رکھ کر انگڑائی لی اور زبردست مشقت کے بعد کھینچ لیا جس سے وہ دونوں طرف سے مڑ گیا تھا۔

تبرک بآثار الصالحین شرک نہیں

نبی کریم ﷺ نے یادگار کے طور پر یہ نیزہ مانگا تو حضرت زبیر ﷺ نے وہ نیزہ حضور اقدس ﷺ کو دیدیا، جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت زبیر ﷺ نے وہ نیزہ واپس لے لیا، پھر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے طلب کرلیا تو آپ ﷺ کو دیدیا، جب حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا انتقال ہوگیا تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دیدو، جو آپ کو دیدیا گیا، حضرت عمر ﷺ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان ﷺ نے مانگ لیا، پھر آپ کو دیدیا گیا اور حضرت عثمان ﷺ کی شہادت کے بعد حضرت علی ﷺ کی طرف وہ نیزہ لوٹ آیا بعد میں پھر حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ نے مانگ لیا اور یہ نیزہ عبداللہ بن زبیر ﷺ کے پاس رہا یہاں تک کہ وہ شہید ہوئے۔ [۸۱]

---

[۸۱] ((فاعطاه)) اى: فاعطى الزبير رسول الله ﷺ، العنزة عارية. قوله: ((اخذها)) يعنى: اخذ الزبير العنزة بعد موت رسول الله ﷺ، لأنها كانت عارية. قوله: ((ثم طلبها ابوبكر ﷺ)) اى: ثم طلب العنزة ابوبكر من الزبير فاعطاه إياها عارية، وكذلك جرى مع عمر وعثمان رضى الله عنهما. قوله: ((عند آل على ﷺ)) اى: عند على نفسه، ولفظة: الآل، مقحمة، وبعد على كانت عند أولاده ثم طلبها الزبير من أولاد على فكانت عنده إلى ان قتل. عمدة القارى، ج: ۱۷، ص: ۱۵۴

اسی نام سے ہمارے یہاں پاکستان میں جو پہلا میزائل بنا وہ عنزہ میزائل کے نام سے بنایا گیا۔

آپ دیکھئے کہ حضرت زبیر ﷺ کے عنزہ کے بارے میں کتنا اہتمام کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین ﷺ نے اس کو رکھنے کا کتنا اہتمام فرمایا، ظاہر ہے کہ حضرت زبیر ﷺ نے فرمایا کہ اس کے دونوں طرف مڑ جانے کی وجہ سے ایک طرح ناکارہ ہوگیا تھا جو قابل استعمال نہیں رہا تھا، لہٰذا یہ عنزہ جو بھی لے رہا تھا اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اسے استعمال کرے بلکہ وہ محض ایک تبرک کے طور پر تھا، تو معلوم ہوا کہ تبرک کا رکھنا کوئی شرک وغیرہ نہیں ہے جیسا کہ ہمارے نجدی بھائی قرار دیتے ہیں، تبرک بآثار الصلحاء بُری بات نہیں۔[۸۲]

۳۹۹۹ ــ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني أبو إدريس عائذ الله بن عبد الله: أن عبادة بن الصامت، وكان شهد بدرا، أن رسول الله ﷺ قال: ((بايعوني)) [راجع: ۱۸]

یہ روایت "**وكان شهد بدرا**" کی وجہ سے لائے ہیں۔

۴۰۰۰ ــ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب: أخبرني عروة بن الزبير، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ: أن أبا حذيفة وكان ممن شهد بدرا مع رسول الله ﷺ تبنى سالما وأنكحه بنت أخيه هند بنت الوليد ابن عتبة، وهو مولى لامرأة من الأنصار. كما تبنى رسول الله ﷺ زيدا. وكان من تبنى رجلا في الجاهلية، دعاه الناس إليه وورث ميراثه حتى أنزل الله تعالى ﴿أُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ﴾ فجاءت سهلة النبي ﷺ، فذكر الحديث. [انظر: ۵۰۸۸][۸۳]

ترجمہ: عروہ بن زبیر ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت ابو حذیفہ ﷺ نے جو بدر میں شریک تھے، سالم کو جو کہ ایک انصاریہ عورت کے غلام تھے،

---

[۸۲] مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۳، رقم الحدیث: ۴۸۳، ص: ۲۵۴ تا ۲۶۵

[۸۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الرضاع، باب رضاعة الكبير، رقم: ۲۶۳۶، وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب تزوج المولى العربية، رقم: ۳۱۷۱، وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب فيمن حرم به، رقم: ۱۷۶۴، وسنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب رضاع الكبير، رقم: ۱۹۳۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۷۹، ۲۳۳۲۵، ۲۳۴۶۹، ۲۴۷۲۴، ۲۴۹۲۰، ۲۴۹۸۳، ۲۵۱۲۵، وموطا مالك، كتاب الرضاع، باب ماجاء في الرضاعة بعد الكبير، رقم: ۱۱۱۳، وسنن الدارمي، كتاب النكاح، باب في رضاعة الكبير، رقم: ۲۱۵۷

اپنا بیٹا بنا کر اپنی بھتیجی یعنی ہندہ ولید بن عتبہ کی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا تھا، جس طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت زید ﷺ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اور جاہلیت کے زمانہ میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی کسی کو اپنا بیٹا بنالیتا تو وہ اُسی کے نام سے پکارا جاتا، اور اس کے مال کا وارث ہوتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ اس آیت کے نزول کے بعد سہلہ بنت سہل رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، پھر اس حدیث کو بیان کیا۔

تشریح

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضرت ابو حذیفہ ﷺ جو مہاجرین میں سے ہیں، اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہیں، یہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر میں شامل تھے۔

انہوں نے حضرت سالم ﷺ کو اپنا بیٹا بنالیا تھا اور انہوں نے اپنی بھتیجی ھند بنت ولید بن عتبہ کا نکاح حضرت سالم ﷺ سے کر دیا تھا اور حضرت سالم ﷺ ایک انصاری عورت کے مولیٰ تھے، یہ ہمیشہ حضرت ابو حذیفہ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے ورنہ کبھی ان کے غلام نہیں رہے۔

حضرت ابو حذیفہ ﷺ حضرت سالم ﷺ کو ایسا ہی اپنا بیٹا بناتے تھے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ ﷺ کو اپنا بیٹا بنایا تھا، اور زمانہ جاہلیت میں یہ تھا کہ جب لوگ کسی کو متبنی بناتے تھے تو وہ اسی کی طرف نسبت کر کے پکارتے تھے اور وہ میراث بھی پاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ﴾ [۸۴]

ترجمہ: تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے حقیقی باپوں کے نام سے پکارا کرو۔

سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا، جو کہ حضرت ابو حذیفہ ﷺ کی اہلیہ تھی، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کیا، جس کی تفصیل کتاب النکاح میں آگے آرہی ہے۔ [۸۵]

۴۰۰۱ - حدثنا علي: حدثنا بشر بن المفضل: حدثنا خالد بن ذكوان، عن الربيع بنت معوذ قالت: دخل النبي ﷺ غداة بني علي فجلس على فراشي كمجلسك مني

---

۸۴ [الأحزاب:۵]

۸۵ كتاب النكاح، باب الاكفاء في الدين، رقم الحديث ۵۰۸۸

وجويريات يضربن بالدف يندبن من قتل من ابائي يوم بدر حتى قالت جارية: وفينا نبي يعلم ما في غد، فقال النبي ﷺ: ((لا تقولي هكذا، قولي ما كنت تقولين)). [انظر: ۵۱۴۷] ۸۶

ترجمہ: خالد بن ذکوان کہتے ہیں کہ انہوں نے ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور اکرم ﷺ شب زفاف کے بعد میرے گھر میں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو، اس وقت کئی لڑکیاں دف بجا کر شہداءِ بدر کی شان میں قصیدہ خوانی کررہی تھیں۔ آخر میں ایک لڑکی یہ گانے لگی کہ ہم میں ایک ایسا نبی تشریف لایا ہے جو یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا، حضور ﷺ نے فرمایا یہ مت کہو، بلکہ جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔

تشریح

حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس صبح کے وقت تشریف لائے جس دن میرے ساتھ بناء کیا گیا، یعنی جس رات میری رخصتی ہوئی اسی صبح نبی کریم ﷺ آکر میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسا کہ اے خالد ابن ذکوان! تم میرے پاس بیٹھے ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ربیع بنت معوذ کا حضور ﷺ کے ساتھ کوئی رشتہ تو نہیں تھا، تو اجنبیہ کے ساتھ ملاقات کیسی، بالخصوص خلوت میں؟ یہ کہا گیا ہے کہ خلوت نہیں تھی کیونکہ بچیاں موجود تھیں جو دف بجا رہی تھیں۔

نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی، کیونکہ پردہ واجب لعینہ نہیں ہے بلکہ بوجہ فتنہ کے واجب لغیرہ ہے اور نبی کریم ﷺ کے حق میں فتنہ کا احتمال بالکل منفی تھا اس واسطے پردہ کے احکام عائد نہیں ہو سکتے۔ ۸۷

---

۸۶ وفي سنن الترمذي، كتاب النكاح عن رسول الله، باب ماجاء في اعلان النكاح، رقم: ۱۰۱۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في النهي عن الغناء، رقم: ۴۲۷۶، وسنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب الغناء والدف، رقم: ۱۸۸۷، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث الربيع بنت معوذ ابن عفراء، رقم: ۲۵۷۷۹، ۲۵۷۸۵

۸۷ قال الكرماني هو محمول على أن ذلك كان من وراء حجاب أو كان قبل نزول آيت الحجاب أو جاز النظر للحاجة أو عند الأمن من الفتنة اه والأخير هو المعتمد والذي وضح لنا بالأدلة القوية أن من خصائص النبي ﷺ جواز الخلوة بالأجنبية والنظر إليها، وهو الجواب الصحيح .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾ ....

"وجويريات يضربن بالدف" کچھ چھوکریاں جودف بجارہی تھیں (چھوٹی اور نوعمر لڑکیوں کی طرف اشارہ ہے) اور ندبہ کر رہی تھیں اپنے ان آباء کا جو بدر کے دن قتل کئے گئے تھے۔

یہاں تک کہ ایک بچی نے یہ شعر پڑھا۔

"وفينا نبي يعلم مافي غد"

ہمارے درمیان ایک نبی ایسے ہیں جو جانتے ہیں جو کچھ کل ہونے والا ہے۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایسی بات مت کہو، حالانکہ جو لفظ میں کہا گیا ہے وہ صحیح معنی میں بھی منطبق ہو سکتا تھا، صحیح معنی یہ ہیں کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ آنے والے دن کی خبر آپ ﷺ کو عطا فرما دیتے تھے۔

﴿ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ﴾ ۵۸

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یہ غیب کی کچھ باتیں ہیں جو ہم تمہیں وحی کے ذریعے بتا رہے ہیں۔

لہٰذا اس اعتبار سے اگر کوئی شخص "وفينا نبي يعلم مافي غد" کہہ دے تو کوئی غلط بات نہیں لیکن چونکہ اس میں ابہام ہے غلط بات کا۔

غلط بات کیا ہے؟ وہ یہ ہے "جميع ما كان وما يكون" کا علم ہے، اس واسطے نبی کریم ﷺ نے تنبیہ فرمادی کہ ایسی بات نہ بولو کیونکہ ایسا ہوتے ہوتے "جميع ما كان وما يكون" میں تبدیل ہو جائے گا اور (آج کل ہو گیا) اس واسطے نبی کریم ﷺ نے اس بات سے متنبہ فرمادیا، روک دیا اور فرمایا کہ اس جملے کے سوا باقی کہو۔

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... عن قصة أم حرام بنت ملحان في دخوله عليها ونومه عندها وتفليتها راسه ولم يكن بينهما محرمية ولا زوجية وجوز الكرماني أن تكون الرواية مجلسک بفتح اللام اي جلوسک ولا إشكال فيها. فتح الباری، کتاب النکاح، باب ضرب الدف فی النکاح والولیمة، رقم: ۵۱۴۷ ج:۹، ص:۲۰۳، وفی اعلاء السنن: الا القاضی والشاهد والخاطب، فانه يباح لهم النظر عند خوف الفتنة أيضاً، لأن المصلحة متيقن والمفسدة محتمل، ثم المصلحة لا تترتب بدون النظر، والمفسدة ممكن دفعها بالقصد والاختيار، فيغلب المصلحة المفسدة، ثم النبی قد اباح النظر للخاطب كما هومذكور في كتب الحديث، ولا يخفى أن نظر الخاطب لايخلو عن شهوة فالحاكم والشاهد أولى لأنهما أبعد من الشهوة من الخاطب، كما لايخفى. باب جواز كشف المرأة وجهها وكفيها للأجانب، ج:۱۷، ص: ۳۷۲

۵۸ [هود: ۴۹]

دف بجانے کی حد

یہاں پر نبی کریم ﷺ نے بچیوں کو دف بجانے کی اجازت دی، اس سے پتہ چلا کہ دف کا استعمال جائز ہے اور شادی بیاہ کے موقع پر دف پر لڑکیاں کچھ گائیں بجائیں بھی تو منع نہیں، البتہ اس سے آگے بڑھنا ممنوع ہے کیونکہ اس سے مقصد اعلان تھا تبعاً وضمناً دوسرے مقاصد بھی حاصل کر لئے جاتے تھے، اس حد تک گنجائش ہے، باقی وہ آلات جو خاصۃً لہو ہی کے لئے وضع کئے گئے ہیں جس کو آلاتِ لہو ومزامیر کہا جاتا ہے تو اس کی اجازت اس سے نہیں نکلتی اور اس کے ناجائز ہونے پر دوسرے دلائل شاہد ہیں۔ ۸۹

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ جس کا اردو ترجمہ ''اسلام اور موسیقی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اس میں چھتیس احادیث ذکر فرمائی ہیں جو آلات موسیقی کے عدم جواز پر دلالت کر رہی ہیں۔

بعض حضرات سلف سے اس کا جواز منقول ہے، جیسا کہ امام غزالی، علامہ زبیدی، ابن حزم اور صوفیان کرام رحمہم اللہ کی ایک بڑی جماعت یہ سب ان کے جواز کے قائل ہیں بشرطیکہ آلات ایسے نہ ہوں جو شعار فساق ہوں، اور جو شعار فساق نہیں اور اس کی مثال امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عود'' کی دی ہے، علامہ زبیدی نے شرح احیاء العلوم میں اس پر روایتوں کا ڈھیر لگا دیا لیکن یہ سب روایتیں ضعیف ہیں، ان میں کوئی بھی قابل استدلال نہیں، آلات کا ذکر صحیح روایتوں میں نہیں ہے۔

البتہ غناء کا آلات کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہے، بغیر آلات کے بھی ہوتا ہے، اگر ترنم سے شعر پڑھیں بغیر آلات کے تو بالکل جائز ہے، ایسا لگتا ہے کہ گویوں نے روایتیں لوگوں کی طرف نسبت کی ہیں۔

کہتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک گویا تھا، اللہ میاں نے اس کو توفیق دیدی وہ حج کو چلا گیا، حج کرنے کے بعد مدینہ طیبہ جا رہا تھا (اس زمانے میں مدینہ طیبہ جاتے ہوئے راستے میں منزلیں کرنی پڑتی تھیں یعنی رات کو کہیں نہ کہیں ٹھہرنا ہوتا تھا، اب تو آدمی تین چار گھنٹے میں پہنچ جاتا ہے ہم بھی اس زمانے میں گئے ہیں تو رات میں کہیں نہ کہیں قیام ضرور کرنا ہوتا تھا، تو وہاں منزلیں بنی ہوتی تھیں، چھوٹے چھوٹے قہوہ خانے ہوتے تھے وہاں چارپائیاں بچھی ہوتی تھی، ایک ریال کی ایک چارپائی لے لی رات کو سو گئے)۔

تو اس نے بھی رات کو مدینہ طیبہ جاتے ہوئے ایک منزل پر قیام کیا، کھانا وغیرہ کھا کر بیٹھا تھا کہ اتنے

---

۸۹ وفیہ إباحۃ ضرب الدف صبیحۃ العرس، وإباحۃ سماعھن، ومن یمنعہ من العلماء یقول: کان ھذا وأمثالہ فی ابتداء الإسلام. عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۱۵۶

میں ایک عرب گویا بھی رات کو وہاں آگیا، اور عرب گویے نے وہاں بیٹھ کر عربی میں گانا بجانا شروع کر دیا۔ اس عرب گویے کی آواز بہت خراب اور بھدی تھی۔

ہندوستانی گویے کو اس کی آواز سے بہت کراہیت اور وحشت ہوئی۔ جب اس نے گانا بجانا بند کیا تو ہندوستانی گویے نے کہا کہ آج یہ بات میری سمجھ میں آئی، قربان جاؤں! حضور ﷺ کے اوپر کہ حضور اقدس ﷺ نے گانا بجانا کیوں حرام قرار دیا تھا؟ اس لئے کہ آپ نے اس جیسے بدوؤں کا گانا سنا تھا، اگر آپ ﷺ میرا گانا سن لیتے تو کبھی حرام قرار نہ دیتے۔

یہ اس بحث کا خلاصہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو تو والد صاحب کا رسالہ **"السعی الحثیث فی تفسیر لهو الحدیث"** احکام القرآن دیکھیں۔ اور دوسرا رسالہ **"ازالة العناء فی وصف الغناء"** اس کا ترجمہ اسلام اور موسیقی کے نام سے مکتبہ دار العلوم سے چھپ گیا ہے۔ اس میں تمام وہ احادیث بھی موجود ہیں اور ان کی اسنادی حیثیت کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ [۹۰]

۴۰۰۲ - حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن معمر، عن الزهري ح.

وحدثنا إسماعيل قال: حدثني أخي، عن سليمان، عن محمد بن أبي عتيق، عن ابن شهاب، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود: أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أخبرني أبو طلحة ﷺ صاحب رسول الله ﷺ وكان قد شهد بدرا مع رسول الله ﷺ أنه قال: ((لا تدخل الملائكة بيتا فيه كلب ولا صورة)) يريد التماثيل التي فيها الأرواح. [راجع: ۳۲۲۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس ﷺ نے فرمایا کہ ابو طلحہ ﷺ صحابی رسول ﷺ جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے نے مجھ سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس گھر میں کتا ہو یا تصاویر ہوں۔ ابن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے جانداروں کی تصاویر مراد ہیں۔

مقصود بخاری

اس حدیث میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ابو طلحہ ﷺ بدر میں شامل تھے کہ **"وکان قد شهد بدرا مع رسول الله ﷺ"** حدیث آگے آئے گی اور اس سے متعلقہ بحث وتفصیل انشاء اللہ وہاں پر آئے گی۔

---

[۹۰] مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج: ۴، ص: ۱۴۹ تا ۱۵۱

۴۰۰۳ - حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا يونس ح.

وحدثنا أحمد بن صالح: حدثنا عنبسة: حدثنا يونس، عن الزهري: أخبرنا علي بن حسين: أن حسين بن علي أخبره أن عليا قال: كانت لي شارف من نصيبي من المغنم يوم بدر، وكان النبي ﷺ أعطاني مما أفاء الله من الخمس يومئذ. فلما أردت أن أبتني بفاطمة بنت النبي ﷺ واعدت رجلا صواغا في بني قينقاع أن يرتحل معي فنأتي بإذخر فأردت أن أبيعه من الصواغين فنستعين به في وليمة عرسي. فبينا أنا أجمع لشارفي من الأقتاب والغرائر والحبال، وشارفاي مناخان إلى جنب حجرة رجل من الأنصار، حتى جمعت ما جمعته فإذا أنا بشارفي قد أجبت أسنمتهما وبقرت خواصرهما وأخذ من أكبادهما، فلم أملك عيني حين رأيت المنظر، قلت: من فعل هذا؟ قالوا: فعله حمزة بن عبد المطلب، وهو في هذا البيت في شرب من الأنصار، عنده قينة وأصحابه، فقالت في غنائها: ألا يا حمز للشرف النواء. فوثب حمزة إلى السيف فأجب أسنمتهما وبقر خواصرهما، وأخذ من أكبادهما. قال علي: فانطلقت حتى أدخل على النبي ﷺ وعنده زيد بن حارثة وعرف النبي ﷺ الذي لقيت فقال: ((مالك؟)) قلت: يارسول الله، ما رأيت كاليوم، عدا حمزة على ناقتي فأجب أسنمتهما وبقر خواصرهما، وها هو ذا في بيت معه شرب. فدعا النبي ﷺ بردائه فارتدى ثم انطلق يمشي واتبعته أنا وزيد بن حارثة حتى جاء البيت الذي فيه حمزة فاستأذن عليه فأذن له. فطفق النبي ﷺ يلوم حمزة فيما فعل، فإذا حمزة ثمل، محمرة عيناه، فنظر حمزة إلى النبي ﷺ ثم صعد النظر إلى ركبتيه، ثم صعد النظر فنظر إلى وجهه. ثم قال حمزة: وهل أنتم إلا عبيد لأبي؟ فعرف النبي ﷺ أنه ثمل فنكص رسول الله ﷺ على عقبيه القهقرى، فخرج وخرجنا معه. [راجع: ۲۰۸۹]

ترجمہ: حسین بن علی رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بدر کے مال غنیمت سے ایک اونٹنی مجھے ملی، دوسری نبی کریم ﷺ نے مجھ کو اپنے مال خمس سے عنایت فرمائی، تو میرے پاس دو ہوگئیں، میں نے ارادہ کیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دختر رسول اکرم ﷺ کو رخصتی کر کے لاؤں، تو میں نے بنی قینقاع کے ایک یہودی سنار سے کہا کہ ہم تم دونوں چلیں، اور اذخر گھاس اونٹنیوں پر لاد کر لائیں، میرا مطلب یہ تھا کہ اس کو فروخت کر کے اپنے نکاح کا ولیمہ کروں، چنانچہ اس خیال سے میں دو اونٹنیوں کے لئے پالان، رسیاں اور تھیلے وغیرہ فراہم کر رہا تھا، اونٹنیاں ایک انصاری کے گھر کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں، جب سامان لیکر میں اونٹنیوں کے پاس گیا تو دیکھا کہ کسی نے ان کے کوہان کاٹ دیئے ہیں اور پیٹ چیر کا کلیجے نکال لئے ہیں، میں یہ

دیکھ کر رونے لگا، اور لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا یہ کام حمزہ بن عبد المطلب ﷺ نے کیا ہے، اور وہ انصار کے ساتھ اس گھر میں بیٹھے شراب پی رہے ہیں، ایک لونڈی گانے والی موجود ہے، اور یار دوست جمع ہیں، بات یہ ہوئی کہ لونڈی نے کہا اے حمزہ! اٹھو موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف، حمزہ تلوار لے کر اٹھے اور اونٹنیوں کے کوہان کاٹ دیئے اور پیٹ چاک کر کے کلیجے نکال لئے۔ تو حضرت علی ﷺ کہتے ہیں میں یہ دیکھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اس وقت آپ ﷺ کے پاس حضرت زید بن حارثہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے میرے رنجیدہ چہرہ کو دیکھ کر پوچھا تمھیں کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آج کی سی مصیبت پہلے نہیں دیکھی، حمزہ نے میری اونٹنیوں پر بڑا ستم کیا ہے، ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور پیٹ چاک کر دیئے اور وہ ایک گھر میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ شراب پی رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر منگوائی اور اسے اوڑھ کر پیدل چل دیئے، میں اور زید بن حارثہ ﷺ ساتھ ہو لئے، آپ ﷺ نے اس گھر پر پہنچ کر اندر آنے کی اجازت چاہی، اجازت کے بعد اندر گئے اور حمزہ ﷺ کو اس کام پر ملامت فرمائی اور کہا یہ تم نے کیا کیا؟ آپ ﷺ نے دیکھا کہ حمزہ نشہ میں چور ہیں، آنکھیں سُرخ ہو رہی ہیں۔ حمزہ نے نظر دوڑائی اور گھٹنوں تک حضور ﷺ کو دیکھا، پھر چہرہ تک نظر بلند کی اور کہا تم لوگ میرے باپ کے غلام معلوم ہوتے ہو۔ اس وقت آپ ﷺ سمجھ گئے کہ حمزہ نشہ میں مدہوش ہیں، آپ ﷺ اسی وقت الٹے پاؤں گھر سے باہر نکلے اور ہم ساتھ تھے۔

ولیمہ کا شوق بھی، ضائع پونجی کا دُکھ بھی

علی بن حسین رحمہ اللہ جو زین العابدین کے نام سے مشہور ہیں وہ حضرت حسین بن علی ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور ان کو حضرت علی ﷺ نے خبر دی، وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک اونٹنی تھی جو بدر کے دن غنیمت کے حصہ سے ملی تھی، اور ایک نبی کریم ﷺ نے عطا فرمائی تھی اس مال سے جو اللہ تعالیٰ حضور اقدس ﷺ کو خمس کی صورت میں عطاء فرماتے ہیں۔

اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو چکا تھا، جب میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کرانے کا ارادہ ہوا یعنی بناء کا تو ظاہر ہے بناء کر رہے ہیں تو ولیمہ ہوگا، تو میں نے بنو قینقاع میں ایک صـــوّاغ (صـــوّاغ کے معنی سنار، جو سونا ڈھال کر زیور وغیرہ بناتے ہیں) سے معاہدہ کیا کہ میرے ساتھ چلے اور ہم جا کر اذخر گھاس کاٹ کر لے آئیں۔ تو میرا ارادہ تھا کہ وہ میں سناروں کو بیچ دوں گا اور اس سے میں اپنے ولیمہ میں مدد لوں گا یعنی پیسے اپنے ولیمہ پر خرچ کروں گا۔

"**فبینـــا أنـــا أجـمـع لشـــارفـي مـن الأقـتـاب الـخ**" تو اس دوران میں اپنی اونٹیوں کیلئے

پالان، بوریاں اور رسیاں جمع کر رہا تھا۔ میری اونٹنیاں ایک ایسے حجرہ کے پاس بٹھا دی گئی تھی جو ایک انصاری صحابی کی ملکیت میں تھا یعنی ایک انصاری صحابی کا حجرہ تھا اور اس حجرہ کے پاس اپنی اونٹنیاں بٹھا کر میں چلا گیا تھا، یہاں تک مجھے جو کچھ گھاس وغیرہ جمع کرنا تھا وہ جمع کر کے میں لے آیا۔ جب یہاں پہنچا تو اچانک میں نے دیکھا کہ جو اونٹنیاں میں بٹھا کر گیا تھا ان دونوں کے کوہان کسی نے کاٹ لئے ہیں اور ان کا پیٹ چاک کر کے ان کی کلیجی نکال لی گئی ہے۔

ایک طریقہ تو ہوتا ہے کہ آدمی ذبح کرے پھر نکال لے، نہیں، یہ تکلف نہیں کرتے تھے۔ ذبح کرنے کا رواج نہیں تھا زندہ اونٹ کا کوہان کاٹ کر لے گئے اور پکا کر کھا لئے۔ تو کہتے ہیں کہ یہی طریقہ ہوا اس وقت کہ ان کے کوہان کاٹ لئے گئے اور ان کی کوکھیں اور کلیجی نکال لی گی تھی۔

"فلم أملک عینی حین رأیت المنظر الخ" کہتے ہیں کہ مجھے جب یہ منظر نظر آیا تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ پاسکا، رونا آ گیا۔ اس زمانے کا آپ تصور کیجئے کہ فقر و فاقہ کا زمانہ اور حضرت علی ﷺ کا نکاح ہوا ہے اور رخصتی ہونے والی ہے یا ہوگئی ہے اور ولیمہ کرنا چاہتے ہیں اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت و تعلق ہے اور اس کو چاہتے ہیں اور جو کچھ کائنات تھی وہ یہ اونٹیاں تھی اور ان کا یہ حشر بن گیا۔

تو کہتے ہیں کہ میں رو پڑا کہ یہ حرکت کس نے کیا؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ کام حضرت حمزہ ﷺ نے کیا ہے، جو ان کے اور حضور ﷺ کے چچا بھی تھے۔

"وھو فی ھذا البیت الخ" اور وہ اس گھر میں بیٹھے ہیں انصار کے کچھ لوگ شراب پی رہے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ بھی پی رہے ہیں (اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی) اور ان کے پاس ایک گانے والی بھی تھی اور ان کے ساتھی بھی تھے تو انہوں نے اس کے گانے میں یہ شعر بھی شامل کر لئے۔

"الا یا حمز للشرف النواء"

اے حمزہ! موٹی موٹی اونٹنیوں کی طرف اٹھو۔

یہ **"یا حمزۃ"** منادی مرخم ہے، یعنی اے حمزہ! ذرا ان موٹی تازی اونٹنیوں کو دیکھو تو یہ کھڑی ہوئی ہیں فناء صحن کے اندر، ان کو دیکھو اور ہماری دعوت کرو۔ ان کا خون نکالو اور کاٹو اور ان کے ذریعہ ہماری مہمانی کرو، تو حضرت حمزہ ﷺ شراب تو پیئے ہوئے تھے اور عورت نے جناب اور زیادہ بھڑکا دیا تو جوش میں آ گئے۔

"فوثب حمزۃ إلی السیف الخ" حمزہ ﷺ نے تلوار کی طرف چھلانگ لگائی اور ان اونٹنیوں کے کوہان کاٹ دیئے اور ان کے پیٹ چیر کر رکھ دئے اور ان کی کلیجی نکال کر لے گئے۔

"فانطلقت حتی أدخل علی النبی ﷺ الخ" حضرت علی ﷺ کہتے ہیں کہ میں سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گیا، آپ نے پہچان لیا کہ مجھے کیا مشکل پیش آئی ہے کہ آج کے دن کی طرح ایسا واقعہ پہلے

نہیں دیکھا، آنحضرت ﷺ نے میرے رنجیدہ چہرہ کو دیکھ کر پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے؟

میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے آج کی سی مصیبت پہلے نہیں دیکھی، حمزہ نے میری اونٹنیوں پر بڑا ستم کیا ہے، ان کے کوہان کاٹ ڈالے اور پیٹ چاک کر دیئے اور دیکھئے کمرے میں وہ بھی موجود ہے اور ان کے ساتھ شراب پینے والے اور بھی موجود ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی ردا منگوائی، چادر پہنی، چلتے ہوئے تشریف لے گئے اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور میں بھی پیچھے پیچھے چلا، یہاں تک کہ اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ موجود تھے۔

مغلوب الحال کو تنبیہ و تبلیغ مناسب نہیں

"فطفق النبی ﷺ یلوم حمزہ فیما فعل الخ" آپ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنی شروع کی جو کچھ انہوں نے کیا اس پر کہ آپ نے یہ کیا حرکت کی اور دیکھا کہ حضرت حمزہ نشہ میں ہیں اور ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی ہیں۔ پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی طرف دیکھا اور نگاہ اوپر کی طرف اٹھائی پھر نظر گھٹنے کی طرف لے گئے یعنی اوپر سے نیچے کی طرف دیکھا، پھر چہرے کی طرف دیکھا۔

"ثم قال حمزۃ: وھل أنتم إلا عبید لأبی؟ الخ" پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم تو کچھ نہیں ہو لیکن میرے باپ کے غلام ہو یہ لفظ بول دیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت حمزہ حضور اکرم ﷺ کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چچا بھی تھے تو ان کے والد عبدالمطلب تھے اور حضور اکرم ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کے دادا تھے تو اس نشہ کے حالت میں یہ کہہ گئے۔ تم سب تو میرے باپ کے غلام ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کیا مجھے ملامت کرتے ہو؟ ظاہر ہے کہ یہ بات نشہ میں کہی اس واسطے قابل گرفت نہیں، آپ سمجھ گئے کہ وہ نشہ میں ہے تو رسول اللہ ﷺ پچھلے پاؤں لوٹ آئے۔

اس سے پتہ لگا کہ جب کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ مغلوب ہو رہا ہو یہاں تو سکر ہے لیکن اگر کوئی شخص مغلوب الغضب ہے تو اس وقت میں اس کو تنبیہ کرنا مناسب نہیں۔ پتہ نہیں کہ کیا کر گذرے اور کیا کہہ گذرے۔ جب ذرا اشتعال ٹھنڈا پڑ جائے یا حالات معمول پر آ جائیں تو اس کے بعد سمجھانا چاہئے۔ اس سے یہ سنت معلوم ہوگئی۔

۴۰۰۴ ۔ حدثنا محمد بن عباد: أخبرنا ابن عیینۃ قال: أنفذہ لنا ابن الأصبھانی، سمعہ من ابن معقل: أن علیا رضی اللہ عنہ کبر علی سھل بن حنیف، فقال: إنہ شھد بدرا.

ترجمہ: ابن عیینہ نے روایت بیان کی کہ ہمارے پاس ابن الاصبہانی سے یہ حدیث پہنچی انہوں نے ابن

معقل سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ پر تکبیر کہی (نماز جنازہ پڑھائی) اور پھر فرمایا کہ یہ جنگِ بدر میں شریک تھے۔

"انفذہ لنا" سے مراد

ابن عیینہ رحمہ اللہ جب یہ حدیث ابن اصبہانی سے روایت کر رہے ہیں تو ایک ایسا لفظ استعمال کیا کہ جو آج تک کسی نے نہیں کیا، وہ لفظ ہے "**انفذہ لنا**" لفظی معنی ہے آر پار ہونا، جو عام طور پر سہم یعنی تیر کیلئے استعمال ہوتا ہے، "**انفذہ السھم**" یعنی تیر جسم سے آر پار ہو گیا، یہاں پر "**انفذہ لنا ابن الاصبھانی**" یعنی اصبہانی نے ہم تک پہنچایا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر غریب لفظ کیوں استعمال کیا؟

حضرات محدثین فرماتے ہیں کہ ابن الاصبہانی نے ابن عیینہ کو یہ حدیث مشافہۃً نہیں بلکہ مکاتبۃً پہنچائی، یعنی خط کے ذریعہ سے پہنچائی اس لئے "**انفذہ**" استعمال کیا، انہوں نے ابن معقل سے سنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر تکبیر پڑھی، پھر فرمایا کہ یہ بدر میں شامل تھے۔ [۹۱]

شہدائے بدر اور زائد تکبیرات

سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی اور یہ مذکور نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کتنی تکبیریں پڑھیں، بعض روایتوں میں پانچ اور بعض روایتوں میں چھ تکبیریں مذکور ہیں، اس کو یہاں ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ اتنے بڑے صحابی بدر میں موجود تھے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ شہداء بدر کی خصوصیت یہ تھی کہ چار تکبیروں سے زیادہ تکبیریں کہی جاتی تھیں، کیونکہ عام طور پر چار تکبیریں کہی جاتی ہیں، اس لئے یہاں پر بدری صحابی ہونے کی وجہ سے پانچ تکبیریں کہیں۔ اس کی یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز کے بعد فرمایا: "**إنه من أهل بدر**"۔ [۹۲]

---

[۹۱] قوله: ((انفذه لنا)) أي: بلغ به منتهاه من الرواية كقولك: أنفذت السهم، أي: رميت به فاصبت، وقيل: المراد به أنه ارسله فكانه حمله عنه مكاتبة. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۵۸

[۹۲] شرح معاني الآثار، كتاب الجنائز، باب التكبير على الجنائز كم هو؟، رقم: ۲۸۴۹، ج: ۱، ص: ۴۹۷

چنانچہ عبداللہ بن معقل ﷺ اسی واقعہ میں نقل کرتے ہیں " ثم صلّيت مع عليّ على جنائز، كلّ ذلک كان يكبّر عليها اربعاً" معلوم ہوا کہ حضرت علی ﷺ کا اصل عمل چار ہی تکبیروں کا تھا لیکن چونکہ سہل بن حنیف ﷺ بدری صحابی تھے اس لئے انہوں نے ان پر زیادہ تکبیریں کہیں۔ ۹۳

۴۰۰۵ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني سالم بن عبدالله أنه سمع عبدالله بن عمر رضي الله عنهما يحدث أن عمر بن الخطاب ﷺ حين تأيمت حفصة بنت عمر من خنيس بن حذافة السهمي، وكان من أصحاب رسو ل الله ﷺ قد شهد بدرا، توفي بالمدينة. قال عمر: فلقيت عثمان بن عفان فعرضت عليه حفصة، فقلت: إن شئت أنكحتک حفصة بنت عمر، قال: سأنظر في أمري فلبثت ليالي، فقال: قد بدالي أن لا أتزوج يومي هذا، قال عمر: فلقيت أبا بكر فقلت: إن شئت أنكحتک حفصة بنت عمر، فصمت أبوبكر فلم يرجع الى شيئا، فكنت عليه أوجد مني على عثمان. فلبثت ليالي ثم خطبها رسول الله ﷺ فأنكحتها إياه فلقيني أبو بكر، فقال: لعلک وجدت على، حين عرضت على حفصة فلم أرجع إليک؟ قلت: نعم، قال: فإنه لم يمنعني أن أرجع إليک فيما عرضت إلا أني قد علمت أن رسول الله ﷺ قد ذكرها ولم أكن لأفشي سر رسول الله ﷺ ولو تركها لقبلتها. [انظر: ۵۱۲۲، ۵۱۲۹، ۵۱۴۵] ۹۴

---

۹۳ وهذا يدل على أنه كان مشهوراً عندهم أن التكبير أربع وهو قول أكثر الصحابة وعن بعضهم التكبير خمس، وفي صحيح مسلم عن زيد بن أرقم حديث مرفوع في ذلک وقد تقدم في الجنائز أن أنسا قال الأن التكبير على الجنازة ثلاث"، وان الاولى للاستفتاح وروى ابن أبي خيثمة من وجه آخر مرفوعا أنه كان يكبر اربعاً وخمساً وستاً وسبعاً وثمانياً، حتى مات النجاشي فكبر عليه أربعاً وثبت على ذلک حتى مات وقال ابو عمر: انعقد الاجماع على أربع، ولانعلم من فقهاء الأمصار من قال بخمس إلا ابن أبي ليلى، انتهى. وفي المبسوط للحنفية عن أبي يونس مثله. وقال النوى في "شرح المهذب" كان بين الصحابة خلاف ثم انقرض وأجمعوا على أنه أربع، لكن لو كبر الامام خمسا لم تبطل صلاته إن كان ناسياً، وكذا إن كان عامداً على الصحيح. لكن لايتابعه المأموم على الصحيح، والله اعلم. فتح الباري، ج:۷، ص: ۳۱۸

۹۴ وفي سنن النسائي، كتاب النكاح، باب انكاح الرجل ابنته الكبيرة، رقم: ۳۱۹۶، ۳۲۰۷، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبي بكر الصديق، رقم: ۷۰، ومسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۵۷۶

ترجمہ: سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میرے والد حضرت عمر بن خطاب ﷜ نے فرمایا جب حفصہ رضی اللہ عنہا بیوہ ہوئیں اور ان کے شوہر خنیس بن حذافہ سہمی ﷜ جو رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور شریک بدر تھے، مدینہ میں انتقال کر گئے، تو میں حضرت عثمان ﷜ سے ملا اور حفصہ کا ذکر کیا اور ان سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں ان کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں، حضرت عثمان ﷜ نے کہا میں غور کر کے جواب دوں گا، میں کئی دن ٹھہرا رہا، پھر جب ملا تو کہنے لگے کہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی میں دوسرا نکاح نہ کروں۔ پھر میں حضرت ابو بکر ﷜ سے ملا اور ان سے کہا کہ اگر آپ کہیں تو میں حفصہ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں، وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھ کو ابو بکر ﷜ کے اس طرز سے اس سے بھی زیادہ رنج ہوا، جتنا حضرت عثمان ﷜ کے انکار سے ہوا تھا، میں کئی راتیں خاموش رہا کہ اتنے میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے لئے حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا، میں نے فوراً ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر ﷜ مجھ سے کہنے لگے کہ شاید تم کو میرا جواب نہ دینا ناگوار ہوا ہوگا۔ میں نے کہا بے شک مجھے رنج ہوا تھا، حضرت ابو بکر ﷜ نے فرمایا بات یہ ہے کہ میں نے تم کو اس وجہ سے جواب نہ دیا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کیا تھا اور مشورہ کیا تھا کہ میں ان سے نکاح کرلوں، میں حضور ﷺ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، ہاں اگر آپ ﷺ حفصہ سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیتے تو اس سے میں نکاح کر لیتا۔

معاشرتی خرابی کا ازالہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حدیث بیان فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب ﷜ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت خنیس بن حذافہ سہمی ﷜ سے بیوہ ہوئیں۔

یہ حضرت خنیس بن حذافہ سہمی ﷜ "ذو الهجرتين" سے مشہور تھے، غزوۂ احد میں ان کے زخم لگ گیا تھا جس کی وجہ سے ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔

تو حضرت عمر ﷜ فرماتے ہیں کہ ان کی وفات کے بعد حضرت عثمان بن عفان ﷜ سے میری ملاقات

---

۹۵ قوله ((من خنيس)) بضم الخاء المعجمة وفتح النون وسكون الياء آخر الحروف وبالسين المهملة: ابن حذافة، بضم الحاء المهملة وتخفيف الذال المعجمة وبالفاء: ابن قيس بن عدى بن سعد بن سهم القرشي السهمي، وكان من المهاجرين الأولين، شهد بدراً بعد هجرته الى أرض الحبشة، ثم شهد احداً ونالته ثمة جراحة مات منها بالمدينة، وهو أخو عبدالله بن حذافة. فتح الباري، ج:۷ ا، ص:۱۵۹

ہوئی، تو میں نے انہیں حفصہ کا پیغام دیا اور کہا کہ خنیس کا انتقال ہوگیا ہے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کا حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے نکاح کردوں۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ باپ کا اپنی بیٹی کے لئے کسی کو پیغام نکاح دینا کوئی معیوب بات نہیں ہے، جس طرح ہمارے معاشرے میں سمجھی جاتی ہے کہ رشتہ آئے تو لڑکے والوں کی طرف سے آئے۔

حضرت عثمان ﷺ نے جواب دیا کہ اچھا میں اس معاملہ میں غور کرونگا، تو چند راتیں میں خاموش رہا، حضرت عثمان ﷺ نے بعد میں کہا کہ میری رائے یہ بنی ہے کہ میں آج یہ نکاح نہ کروں، یعنی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے۔ پھر حضرت عمر ﷺ، حضرت صدیق اکبر ﷺ سے ملے اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کو آپ کے نکاح میں دے دوں، تو حضرت صدیق اکبر ﷺ بھی خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

تو میں حضرت ابوبکر ﷺ پر زیادہ ناراض ہوا بنسبت حضرت عثمان ﷺ کے، کیونکہ ان سے تعلق ومحبت اور توقعات زیادہ تھیں تو انہوں نے بھی وہی سردمہری کا رویہ اختیار کیا کہ کوئی جواب نہ دیا، پھر کچھ راتیں میں انتظار کرتا رہا اور بعد میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا پیغام نکاح دیا تو میں نے ان کا نکاح حضور ﷺ سے کردیا۔

حضرت ابوبکر ﷺ اس کے بعد مجھ سے ملے اور فرمایا کہ شاید آپ مجھ سے ناراض ہوگئے جبکہ آپ نے مجھ پر حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیش کیا تھا اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا، میں نے کہا کہ ہاں میں ناراض ہوگیا تھا، حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ میرے لئے کوئی چیز مانع نہیں تھی اس بات سے کہ میں آپ کو جواب دوں اس معاملہ میں جو مجھ پر پیش کیا تھا، مگر یہ بات مانع تھی کہ میرے علم میں یہ بات تھی کہ حضور ﷺ نے کسی وقت حفصہ رضی اللہ عنہا کا ذکر فرمایا تھا، اس لئے مجھے یہ خیال تھا کہ حضور ﷺ پیغام دیں، تو میں نبی کریم ﷺ کے راز کو افشاء کرنے والا نہیں تھا، اگر حضور ﷺ چھوڑ دیتے تو میں قبول کرلیتا۔

۴۰۰۶ - حدثنا مسلم: حدثنا شعبة، عن عدی، عن عبداللہ بن یزید: سمع أبا مسعود البدری عن النبی ﷺ قال: ((نفقة الرجل علی أهله صدقة)). ۹۶

---

۹۶ وفی صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب فضل النفقة والصدقة علی الأقربین والزوج والأولاد، رقم: ۱۶۶۹، وسنن الترمذی، کتاب البر والصلة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی النفقة فی الأهل، رقم: ۱۸۸۸، وسنن النسائی، کتاب الزکاة، باب أی الصدقة أفضل، رقم: ۲۴۹۸، ومسند أحمد، مسند الشامیین، باب بقیة حدیث ابی مسعود البدری الأنصاری، رقم: ۱۶۴۶۳، ۱۶۴۸۷، وباقی مسند الأنصار، باب حدیث ابی مسعود عقبة بن عمرو الأنصار، رقم: ۲۱۳۱۶، وسنن الدارمی، کتاب الاستئذان، باب فی النفقة علی العیال، رقم: ۲۵۴۹

ترجمہ: عبداللہ بن یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے یہ بات سنی کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے تھے کہ اگر کوئی آدمی اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے تو اس میں بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بدری صحابی ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ یہ تین حدیثیں یہ بات ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں کہ حضرت ابومسعود بدری صحابی تھے اور تین روایتوں میں لانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی نسبت بدری ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بدری اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بدری صحابی تھے، لیکن بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ انہیں بدری ہونے کی وجہ سے نہیں کہتے بلکہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بدر کے مقام پر مقیم تھے، لیکن بذات خود بدر میں حاضر نہیں تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ ان کی تردید کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ بدری ہیں اور بدری بالمعنیین ہیں، یعنی بدر میں شامل بھی تھے اور وہاں مقیم بھی تھے۔ جس کی دلیل اگلی حدیث میں آرہی ہے کہ وہاں "**شهد بدرا**" لفظ صراحت سے آرہا ہے، پتہ چلا کہ بدری صرف موضع کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ غزوۂ بدر میں شرکت کی وجہ سے ہے۔ [۹۷]

"**نفقة الرجل على اهله صدقة**" کسی شخص کا اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔

۴۰۰۷ ـ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري: سمعت عروة بن الزبير يحدث عمر بن عبد العزيز في إمارته: أخر المغيرة بن شعبة العصر وهو أمير الكوفة. فدخل أبو مسعود عقبة بن عمرو الأنصاري، جد زيد بن حسن، شهد بدرا فقال: لقد علمت نزل جبريل عليه السلام فصلى، فصلى رسول الله ﷺ خمس صلوات ثم قال: هكذا امرت. كذلك كان بشير بن أبي مسعود يحدث عن أبيه. [راجع: ۵۲۱]

ترجمہ: امام زہری نے کہا کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے عمر بن عبدالعزیز

---

[۹۷] واختلفوا في شهوده بدراً، فالاكثرون على انه لم يشهدها، وانما نزل ببدر فنسب اليها، وقال الاسماعيلي: لم يصح شهود ابو مسعود بدراً، وانما كانت مسكنه، فقيل له: البدري، وقد اختار ابو عبيد القاسم بن سلام انه شهدها. وكذلك قال ابن الكلبي ومسلم في الكنى، وقال الطبراني وابو احمد الحاكم: يقال انه شهدها، واليه مال البخاري. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۵۹، ۱۶۰

رحمہ اللہ کے عہدِ خلافت میں یہ حدیث بیان کی کہ ایک دن مغیرہ بن شعبہ ﷺ نے، جو کوفہ کے حاکم تھے، انہوں نے عصر کی نماز میں دیر کی تو جو زید بن حسن کے نانا، حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری ﷺ داخل ہوئے اور وہ جنگ بدر میں شریک تھے۔ کہنے لگے کہ اے مغیرہ! آپ کو معلوم ہے کہ جبرئیل ﷺ نازل ہوئے اور نماز پڑھائی، آپ ﷺ نے پانچوں نمازیں اُن کے پیچھے پڑھیں، پھر جبرئیل ﷺ کہنے لگے کہ اسی طرح آپ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے۔ عروہ کا بیان ہے کہ بشیر بن ابی مسعود اپنے والد سے یہ روایت اسی طرح نقل فرمایا کرتے تھے۔

تشریح

حضرت عروہ بن زبیر ﷺ حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷺ کی خلافت کے زمانہ میں ان کو یہ حدیث سنا رہے تھے، حدیث یہ تھی کہ ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ ﷺ نے عصر کی نماز میں دیر کردی جبکہ وہ کوفہ کے امیر تھے۔

تو حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری ﷺ جو زید بن حسن بن علی رحمہ اللہ کے نانا ہیں داخل ہوئے اور وہ بدر میں شامل تھے اور مغیرہ بن شعبہ ﷺ سے فرمایا کہ اے مغیرہ! آپ کو تو معلوم ہے حضرت جبرئیل ﷺ حضور ﷺ کے پاس آئے تھے یعنی جب نماز کا طریقہ بتانے آئے تھے، انہوں نے اور حضور ﷺ نے پانچ نمازیں پڑھی، پھر انہوں نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ اسی مجھ کو نماز پڑھانے کا حکم ملا ہے۔

۴۰۰۸ ــ حدثنا موسى : حدثنا أبو عوانة، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن عبدالرحمٰن بن زيد عن علقمة، عن أبي مسعود البدري ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ : ((الآيتان من آخر سورة البقرة، من قرأهما في ليلة كفتاه)). قال عبدالرحمٰن : فلقيت أبا مسعود وهو يطوف بالبيت، فسألته فحدثنيه. [انظر : ۵۰۰۸، ۵۰۰۹، ۵۰۴۰، ۵۰۵۱] ۹۸

---

۹۸ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الفاتحة وخواتيم سورة البقرة والحث على قراءة، رقم: ۱۳۴۰، وسنن الترمذي، كتاب فضائل القرآن عن رسول الله، باب ماجاء في آخر سورة البقرة، رقم: ۲۸۰۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب تحزيب القرآن، رقم: ۱۱۸۹، وسنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فيما يرجى ان يكفي من قيام الليل، رقم: ۱۳۵۸، ومسند أحمد، مسند الشاميين، باب بقية حديث أبي مسعود البدري الأنصاري، رقم: ۱۶۴۵۱، ۱۶۴۷۱، ۱۶۴۸۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب من قرأ الآيتين من آخر سورة البقرة، رقم: ۱۴۴۹، وكتاب فضائل القرآن، باب فضل اوّل سورة البقرة وآية الكرسي، رقم: ۳۲۵۴

ترجمہ: حضرت ابو مسعود بدری ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو سوتے وقت پڑھ لیا کرے وہ اس کے لئے کافی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں میں خود ابو مسعود ﷺ سے ملا وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، میں نے اس حدیث کو ان سے پوچھا تو انہوں نے اسی طرح بیان فرمائی۔

۴۰۰۹ ـ حدثنا يحي بن بكير :حدثنا الليث،عن عقيل،عن ابن شهاب : أخبرني محمود بن الربيع : أن عتبان بن مالک، و كان من أصحاب النبي ﷺ ممن شهد بدرا من الأنصار أنه أتى رسول الله ﷺ .[راجع : ۴۲۴]

۴۰۱۰ ـ حدثنا أحمد هو ابن صالح: حدثنا عنبسة: حدثنا يونس: قال ابن شهاب: ثم سألت الحصين بن محمد وهو أحد بني سالم وهو من سراتهم عن حديث محمود بن الربيع، عن عتبان بن مالک فصدقه. [راجع: ۴۲۴]

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا مجھ کو محمود بن ربیع نے خبر دی کہ عتبان بن مالک ﷺ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، اور بدر میں شریک تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔

ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے حصین بن محمد سے جو بنی سالم کے شریف آدمیوں میں سے تھے اس حدیث کو پوچھا جو محمود بن ربیع نے عتبان بن مالک ﷺ سے روایت کی، تو انہوں نے کہا محمود سچ بیان کرتے ہیں۔

مقصودِ بخاری

یہاں پر صرف مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ عتبان بن مالک ﷺ بدر میں شریک تھے اور یہاں ان کی حدیث نقل نہیں کی کتاب الصلاۃ میں یہ حدیث گذر چکی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے گھر پر تشریف لے جائیں اور نماز پڑھیں۔

۴۰۱۱ ـ حدثنا ابو اليمان: أخبر شعيب،عن الزهري قال: أخبرني عبدالله بن عامر بن ربيعة،وكان من أكبر بني عدي، وكان أبوه شهد بدرا مع النبي ﷺ : أن عمر استعمل قدامة بن مظعون على البحرين وكان شهد بدرا وهو خال عبدالله بن عمر و حفصة ﷺ. ۹۹

---

۹۹ انفرد به البخاري.

ترجمہ: عبداللہ بن عامر بن ربیعہ ﷺ نے جو بنی عدی کے سردار تھے، ان سے زہری نے ملاقات کی، ان کے والد عامر بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ بدر میں شریک تھے، انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر ﷺ نے قدامہ بن مظعون کو بحرین کا عامل مقرر کیا تھا اور وہ جنگ بدر میں شریک تھے، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماموں تھے۔

مقصودِ بخاری

اس روایت میں دو حضرات کا ذکر ہے ایک عامر بن ربیعہ ﷺ اور دوسرا قدامہ بن مظعون ﷺ جن کو حضرت عمر ﷺ نے بحرین کا عامل بنایا تھا، یہ دونوں حضرات بدری صحابی ہیں۔

۴۰۱۲، ۴۰۱۳ـــ حدثنا عبد اللّٰہ بن محمد بن اسماء: حدثنا جویریۃ، عن مالک، عن الزهری أن سالم بن عبد الله أخبره قال: أخبر رافع بن خديج عبدالله بن عمر: أن عميه و كانا شهدا بدرا أخبراه أن رسول الله ﷺ نهى عن كراء المزارع، قلت لسالم: فتكريها أنت ؟ قال: نعم، إن رافعا أكثر على نفسه. [راجع: ۲۳۳۹]

ترجمہ: امام زہری فرماتے ہیں کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رافع بن خدیج ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ان کے دونوں چچاؤں ظہیر ﷺ اور مظہر ﷺ نے ان سے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے قابل کاشت زمین کو کرایہ پر دینے سے منع کیا ہے، زہری نے کہتے ہیں کہ میں نے سالم سے کہا آپ خود کرایہ پر دیا کرتے ہیں، تو انہوں نے کہا ہاں! رافع نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے، ظہیر اور مظہر یہ دونوں بدر میں شریک تھے۔

تشریح

امام زہری رحمہ اللہ، حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رافع بن خدیج ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو خبر دی کہ ان کے دو چچا جو بدر میں شریک تھے، انہوں نے یہ خبر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے "**کراء المزارعة**" سے منع فرمایا، تو میں نے سالم سے کہا کہ آپ تو خود زمینیں کرایہ پر دیتے ہیں؟ تو سالم نے کہا کہ ہاں میں دیتا ہوں۔ حضرت رافع بن خدیج ﷺ نے اپنے اوپر بہت ہی زیادتی کر لی۔

اس کی تفصیل ان شاء اللہ "**کتاب المزارعة**" میں آئے گی لیکن یہاں پر اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ "**اکثر علی نفسہ**" کے معنی یہ ہیں کہ حضرت رافع بن خدیج ﷺ نے حدیث کو اس پس منظر میں پوری طرح

نہیں سمجھا جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی تھی۔

"أن رسول الله ﷺ نهى عن كراء المزارع" وہ نہی یہ تھا کہ آپ ﷺ نے مزارعت کی ایک خاص صورت سے نہی تحریم فرمائی تھی، وہ یہ کہ آدمی زمین کا ایک خاص حصہ متعین کرلے کہ اس کی پیداوار میری ہوگی اور باقی تمہاری ہوگی، یہ نہی تحریم ہے۔

اور جہاں تک اس دوسری کا تعلق ہے کہ زمین کسی کو پیسہ پر کرایہ پر دیدے یا بٹائی پر کہ آدھا حصہ تمہارا اور آدھا میرا، اس حصہ کو نہی تحریم نہیں فرمائی بلکہ نہی ارشاد فرمائی تھی یعنی مشورہ کے طور پر اور رافع بن خدیج ﷺ نے اس کو نہی تحریم پر محمول فرمایا ہے، "اکثر علی نفسه" کا یہ مطلب ہے۔

۴۰۱۴ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن حصين بن عبد الرحمٰن قال: سمعت عبدالله بن شداد بن الهاد الليثي قال: رأيت رفاعة بن رافع الأنصاري وكان شهدا بدراً. [۰۰]

یہاں پر مقصود صرف یہ ہے کہ رفاعہ بن رافع انصاری ﷺ بدر میں شامل تھے۔

۴۰۱۵ - حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا معمر ويونس، عن الزهري، عن عروة بن الزبير: أنه أخبره أن المسور بن مخرمة أخبره أن عمرو بن عوف وهو حليف لبني عامر بن لؤي وكان شهد بدرا مع النبي ﷺ: أن رسول الله ﷺ بعث أبا عبيدة بن الجراح إلى البحرين يأتي بجزيتها، وكان رسول الله ﷺ هو صالح أهل البحرين وأمر عليهم العلاء بن الحضرمي، فقدم أبو عبيدة بمال من البحرين فسمعت الأنصار بقدوم أبي عبيدة فوافوا صلاة الفجر مع النبي ﷺ فلما انصرف تعرضوا له فتبسم رسول الله ﷺ حين رآهم، ثم قال: ((أظنكم سمعتم أن أبا عبيدة قدم بشيء؟)) قالوا: أجل يا رسول الله ﷺ قال: ((فأبشروا وأملوا ما يسركم. فوالله ما الفقر أخشى عليكم ولكني أخشى أن تبسط عليكم الدنيا كما بسطت على من قبلكم فتنافسوها كما تنافسوها وتهلككم كما أهلكتم)) [۰۱]

---

[۰۰] انفرد به البخاري.

[۰۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، رقم: ۵۲۶۱، وسنن الترمذي، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله، رقم: ۲۳۸۶، وسنن ابن ماجة، كتاب الفتن، باب منه، رقم: ۳۹۸۷، ومسند أحمد، مسند الشاميين، باب حديث عمرو بن عوف عن النبي، رقم: ۱۶۵۹۹، وأوّل مسند الكوفيين، باب حديث المسور بن مخرمة الزهري، رقم: ۱۸۱۵۷

ترجمہ: زہری رحمہ اللہ حضرت عروہ بن زبیر ؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت مسور بن مخرمہ ؓ نے بیان کیا کہ حضرت عمرو بن عوف ؓ نے جو بنی عامر بن لوی کے حلیف تھے اور جنگ بدر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ شریک تھے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو بحرین کا جزیہ وصول کرنے کیلئے روانہ فرمایا، آپ ﷺ نے بحرین والوں سے صلح کر کے علاء بن حضرمی ؓ کو وہاں کا حکم مقرر کر دیا تھا۔ جب حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ مال لیکر بحرین سے واپس آئے، انصار کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ سب صبح کی نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور نماز کے بعد آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھ گئے، تو آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ابوعبیدہ جو مال لے کر آئے ہیں، تم اس کی خبر سن کر آئے ہو؟ سب نے کہا جی ہاں! صحیح ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا خوش ہو جاؤ اور خوشی کی امید رکھو! خدا کی قسم! مجھے تمہارے مفلس ہو جانے کا ڈر نہیں ہے، اور یہ ڈر ہے کہ کہیں تم بھی پچھلی امتوں کی طرح خوشحال ہو کر ایک دوسرے پر رشک کرنے لگو، اور دنیا تم کو بھی اسی طرح تباہ کر دے جس طرح پچھلی امتوں کو تباہ کر دیا تھا۔

تشریح

حضرت عمرو بن عوف ؓ جو عامر بن لؤی کے حلیف تھے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ بدر میں شامل تھے، وہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح ؓ کو جزیہ لانے کیلئے بحرین بھیجا۔

بحرین

واضح رہے کہ آجکل بحرین چھوٹا سا حصہ ہے لیکن حضور ﷺ کے عہد مبارک میں بحرین بہت بڑے علاقے کو کہا جاتا تھا، اس وقت جو جزیرہ عرب کا مشرقی ساحل ہے خلیج فارس کے دوسری طرف تو اس کا ایک حصہ یمن اور مسقط اور اس سے آگے جو آجکل چار ریاستیں ہیں دبئی، ابوظہبی، قطر اور بحرین ان چاروں کا مجموعہ بحرین تھا اور اس سے آگے کویت وہ عراق کا حصہ تھا، تو نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں جب بحرین کا تذکرہ ہوتا ہے تو آجکل کا چھوٹا سا حصہ بحرین مراد نہیں ہوتا بلکہ اس میں یہ پورا علاقہ داخل ہے، اگرچہ اس زمانہ میں بڑی بستیاں نہیں تھیں بلکہ اکثر ریگستان ہی تھے، جب سے تیل نکلا ہے اس وقت سے یہ علاقے جگمگانے لگے ہیں۔ [۱۰۳]

---

۱۰۳ سفرنامہ جہاں دیدہ، ص: ۳۹۵

دنیوی مال برا نہیں جب کہ منافست نہ ہو

حضرت ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کو جزیہ لانے کیلئے بحرین بھیجا اور نبی کریم ﷺ نے اہل بحرین سے صلح فرمائی تھی اور حضرت علاء بن حضرمی ﷺ کو وہاں کا امیر مقرر فرمایا تھا، نبی کریم ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح ﷺ کو روانہ فرمایا جب وہ بحرین سے جزیہ کا مال لے کر واپس آئے۔

صحابہ کرام ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ ابوعبیدہ کچھ مال لے کر آئے ہیں، تو یہ حضرات نبی کریم ﷺ کے پاس فجر کی نماز میں پہنچ گئے، جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو یہ حضرات سامنے آئے اور سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ میرے خیال میں آپ لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ابوعبیدہ کچھ سامان لے کر آئے ہیں، تو انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ اور امید رکھو اس پر جو چیز تمہیں خوش کرے۔

اور ساتھ ہی ساتھ یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اللہ کی قسم میں تم پر فقر و فاقہ کا اندیشہ نہیں کرتا لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیلا دی گئی اور پھر تم اس میں سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگو جس طرح پہلے لوگوں نے اس پر سبقت کی تھی اور تمہیں دنیا ہلاک کر دے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔

یعنی دنیا کے مال و متاع پر جو خواہش پیدا ہوئی تو اس پر کوئی ملامت بھی نہیں فرمائی اور مال عطا بھی فرمایا اور ساتھ یہ بھی متنبہ فرما دیا کہ دنیا لینا کوئی بری بات نہیں لیکن اس کے اندر منافست کرنا، دل میں جگہ دینا یہ وہ چیزیں ہیں جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہیں۔

۴۰۱۶ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا جرير بن حازم، عن نافع: أن ابن عمر رضي الله عنهما كان يقتل الحيات كلها. [راجع: ۳۲۹۷]

۴۰۱۷ ـ حتى حدثه أبو لبابة البدري أن النبي ﷺ نهى عن قتل جنان البيوت فأمسك عنها.

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہر قسم کے سانپ کو مار ڈالتے تھے۔

آخر ان سے حضرت ابولبابہ بدری ﷺ، جو صحابی رسول ﷺ ہیں اور جنگ بدر میں تھے، نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی ﷺ نے گھر میں موجود سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کا

مارنا چھوڑ دیا۔

جنان البیوت کے قتل کا حکم

حضرت نافع رحمہ اللہ سے یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہر قسم کے سانپوں کو قتل کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت ابولبابہ بدری ﷺ نے انہیں بتایا کہ نبی کریم ﷺ نے گھر میں رہنے والے سانپوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے، پھر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قتل کرنا چھوڑ دیا۔

یہاں یہ حدیث لانے کا منشأ یہ ہے کہ ابولبابہ ﷺ بدری صحابی ہیں، جہاں تک جنان البیوت کے قتل کا سوال ہے تو اس کا مستقل باب آگے آئے گا، جہاں پر یہ بتایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گھر میں رہنے والے سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا۔

گھروں میں سفید رنگ کے خاص سانپ ہوتے تھے وہ عام طور پر غیر موذی ہوتے تھے اسی لئے آپ ﷺ نے ان کو قتل کرنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں یہ فرمایا تھا کہ اگر کسی کو قتل کرنا ہی ہو تو تین دن تک اعلان کردو کہ اے سانپو! تم ہمارا گھر خالی کردو۔

۴۰۱۸ ـ حدثنا إبراهيم بن المنذر : حدثنا محمد بن فليح، عن موسى بن عقبة : قال ابن شهاب : حدثنا أنس بن مالك أن رجالا من الأنصار استأذنوا رسول الله ﷺ فقالوا: ائذن لنا فلنترك لابن أختنا عباس فداءه، قال: ((والله لا تذرون منه درهما)).

[راجع : ۲۵۳۷]

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ ہم سے حضرت انس بن مالک ﷺ نے فرمایا کہ انصار مدینہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو آپ اجازت دیجئے کہ ہم اپنے بھانجے عباس کا فدیہ معاف کردیں، آپ ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم ایسا نہیں ہوسکتا، تم ایک درہم بھی مت چھوڑنا۔

قیدیوں سے فدیہ لینے کا واقعہ

معرکہ بدر میں مسلمانوں کو عظیم الشان کامیابی ہوئی جس میں ستر کفار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس ﷺ بھی، آنحضرت ﷺ نے اسیرانِ بدر کے بارے میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے؟ اور آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ **((ان اللہ امکنکم منھم))** بلاشبہ حق تعالیٰ نے تم کو اُن پر قدرت دی ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہر شخص اپنے عزیزوں کو قتل کرے، حضرت علی ﷺ کو حکم دیں کہ وہ اپنے بھائی عقیل کی ماریں اور مجھ کو اجازت دیں کہ میں اپنے فلاں عزیز کی گردن ماروں اس لئے کہ یہ لوگ کفر کے پیشوا اور سردار ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ فدیہ لیکر چھوڑ دیئے جائیں، عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی ہدایت دے اور پھر یہی لوگ کافروں کے مقابلے میں ہمارے معین و مددگار ہوں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے اِسی رائے کو پسند فرمایا۔

اس فتوحات میں بدر کے قیدیوں کے بیڑی باندھنے کا کام حضرت عمر ﷺ کے سپرد ہوا تو عباس ﷺ کی بیڑی کچھ سخت باندھی گئی جس سے ان کے کراہنے اور رونے کی آواز نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو اس غم کی وجہ سے نیند نہیں آئی۔ یہ خبر انصار کو پہنچی تو حضرات انصار نے عباس ﷺ کی بیڑی کھول دی۔ پھر حضرات انصار نے جب یہ دیکھا کہ حضورِ اکرم ﷺ حضرت عباس ﷺ کی بیڑی کھولنے پر راضی ہیں تو اسی پر قیاس کرتے ہوئے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو عباس ﷺ کا فدیہ بھی چھوڑ دیا جائے اور بغیر فدیہ لئے اُن کو آزاد کر دیا جائے۔ چونکہ حضرات انصار کو آنحضرت ﷺ کی پوری خوشنودی مطلوب تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے فدیہ کی معافی کو قبول نہیں فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس ﷺ سے فرمایا اے عباس! تم اپنا فدیہ اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کرو، اسلئے کہ تم مالدار ہو۔ عباس ﷺ نے عرض کیا کہ میں تو مسلمان تھا لیکن قریش نے اپنے ساتھ مجھ کو زبردستی میدان میں لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جو کہتے ہو اس کا صحیح علم تو حق تعالیٰ کو ہے، اگر تم سچ کہتے ہو تو حق تعالیٰ تم کو ضرور اس کا بدلہ دیں گے، لیکن تمہارا ظاہری معاملہ یہی ہے کہ تم نے ہم لوگوں پر چڑھائی کی تھی۔

عباس ﷺ کا فدیہ سونے کے چالیس اوقیے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے کہ ان میں ہر ایک قیدی کا فدیہ چالیس اوقیہ تھا، سو عباس ﷺ پر سو اوقیے اور عقیل ﷺ پر اسی اوقیے مقرر کئے گئے تو حضرت عباس ﷺ نے کہا کہ آپ نے یہ قرابت کی وجہ سے کیا ہے۔ [۱۰۴، ۱۰۵]

اسی پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ
إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا

---

۱۰۴ فتح الباری، ج:۷، ص:۳۲۲، وعمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۱۶۶

۱۰۵ مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، باب اذا أسر أخو الرجل أو عمه هل يفادي اذا كان مشركا؟ ج:۷، ص: ۲۵۳ تا ۲۵۵

أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ٦ے

ترجمہ: اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں، (اور جنہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اُن سے کہہ دو کہ: ''اگر اللہ تمہارے دِلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے، اُس سے بہتر تمہیں دیدے گا، اور تمہاری بخشش کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' ٧ے

عباس بن عبد المطلب ﷺ کو بھانجا کہنے کی وجہ

حضرات انصار کے عباس ﷺ کو بھانجا کہنے کی وجہ یہ تھی ان کی والدہ انصار میں سے نہیں تھیں بلکہ عباس ﷺ کی دادی عبد المطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو بن زید خزرجی انصاریہ تھیں۔ حضرات انصار نے اس رشتہ سے عباس ﷺ کو بطور مجاز بہن کا بیٹا یعنی بھانجا کہا، کیونکہ عباس ﷺ کی والدہ نتیلہ انصار میں سے نہیں تھیں۔ ٨ے

٦ے [الانفال: ٧٠]

٧ے [بعض قیدیوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا تھا (مثلاً حضرت عباس ﷺ وغیرہ) اُن سے کہا گیا کہ اللہ دیکھے گا کہ واقعی تمہارے دل میں ایمان وتصدیق موجود ہے تو جو کچھ زرفدیہ اس وقت تم سے وصول کیا گیا ہے اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر تم کو مرحمت فرمائے گا، اور پچھلی خطاؤں سے درگذر کریگا۔ اور اگر اظہار اسلام سے صرف پیغمبر کو فریب دینا مقصود ہے یا دغابازی کرنے کا ارادہ ہے تو بیشتر خدا سے جو دغابازی کر چکے ہیں، یعنی فطری عہد الست کے خلاف کفر وشرک اختیار کیا یا بعض ''بنی ہاشم'' جو ابوطالب کی زندگی میں عہد کر کے آنحضرت ﷺ کی حمایت پر متفق ہوئے تھے۔ اب کافروں کے ساتھ ہو کر آئے اُس کا انجام آنکھوں سے دیکھ لیا کہ آج کس طرح مسلمانوں کی قید اور قابو میں ہیں۔ آئندہ بھی دغابازی کی ایسی ہی سزا مل سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ سے اپنے دلوں اور نیتوں کو چھپا نہیں سکتے اور نہ اُس کے حکیمانہ انتظامات کو روک سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ''خدا کا وعدہ پورا ہوا، اُن میں جو مسلمان ہوئے حق تعالیٰ نے بیشار دولت بخشی، جو نہ ہوئے وہ خراب ہو کر تباہ ہو گئے۔'' فائدہ نمبر: ۴۔ (سورۃ الانفال: ٧٠، تفسیر عثمانی)]

٨ے وكان عباس من جهة الام قريباً للانصار، كذا قاله الكرماني وسكت عليه، وام العباس وهو ابن عبد المطلب ليست من الأنصار، بل جدته أم عبد المطلب هي الأنصارية، فأطلق على جدة العباس: لكونها منهم وعلى العباس ابنها لكونها جدته. عمدة القاري، ج: ١٧، ص: ١٦٥، ١٦٦، وفتح الباري، ج: ٧، ص: ٣٢٢

۴۰۱۹- حدثنا أبو عاصم، عن ابن جریج، عن الزهری، عن عطاء بن یزید، عن عبید اللہ بن عدی، عن المقداد بن الأسود ح.

وحدثنی اسحاق: حدثنا یعقوب ابن ابراهیم ابن سعد، حدثنا ابن أخی ابن شهاب، عن عمه قال: أخبرنی عطاء بن یزید اللیثی، ثم الجندعی أن عبیداللہ بن عدی بن الخیار أخبره: أن المقداد بن عمرو الکندی، وکان حلیفا لبنی زهرة وکان ممن شهد بدرا مع رسول اللہ ﷺ أخبره أنه قال یارسول اللہ: أرأیت إن لقیت رجلا من الکفار فاقتتلنا فضرب احدی یدی بالسیف فقطعها ثم لاذ منی بشجرة فقال: أسلمت للہ، آقتله یا رسول اللہ ﷺ بعد أن قالها؟ فقال رسو ل اللہ ﷺ: ((لاتقتله)) فقال: یا رسول اللہ انه قطع احدی یدی، ثم قال ذلک بعدما قطعها. فقال رسول اللہ ﷺ: ((لا تقتله فان قتلته فانه بمنزلتک قبل أن تقتله، وانک بمنزلته قبل أن یقول کلمته التی قال)). [انظر: ۶۸۶۵] [۱۰۹]

ترجمہ: حضرت مقداد بن عمرو کندی ؓ جو بنی زہرہ کے حلیف اور بدر کی جنگ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتایئے کہ اگر میں کسی کافر سے بھڑ جاؤں اور باہم خوب مقابلہ ہو، اور وہ میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے، اور پھر درخت کی پناہ لے، اور کہے کہ میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور اسلام کو قبول کرتا ہوں، تو اب اس اقرار کے بعد میں اس کو ماردوں یا نہیں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا اسے مت مارو۔ حضرت مقداد ؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے میرا ہاتھ کاٹ دیا ہے، اور اس کے بعد کلمہ پڑھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ بھی ہو، اسے مت قتل کرو، ورنہ اس کو وہ درجہ حاصل ہوگا جو تم کو اس کے قتل کرنے سے پہلے حاصل تھا اور پھر تمہارا وہ ہی حال ہو جائے گا جو کلمہ اسلام کے پڑھنے سے پہلے اس کا تھا۔

حدیث کی تشریح

عبیداللہ بن عدی بن الخیار کہتے ہیں کہ مقداد بن عمرو الکندی ؓ یہ بنو زہرہ کے حلیف تھے، اور بدر میں

---

[۱۰۹] وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد أن قال لا الٰہ الا اللہ، رقم: ۱۳۹، وسنن ابی داؤد، کتاب الجهاد، باب علی ما یقاتل المشرکون، رقم: ۲۲۷۳، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث المقداد بن الأسود، رقم: ۲۲۲۹۴، ۲۲۷۰۰، ۲۲۷۱۳

حاضر تھے، یہاں صرف اتنا ہی مقصود ہے۔

ان کی حدیث نقل کر دی ہے کہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عبید اللہ بن عدی بن الخیار کو بتایا کہ مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ذرا بتایئے۔

"اریت" بعض اوقات **"اخبرنی"** کے معنی میں آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے کہ یا رسول اللہ! مجھے ذرا بتایئے کہ اگر کافروں میں سے کسی شخص سے میرا مقابلہ ہو اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ لڑیں، قتال کریں اور وہ میرے ایک ہاتھ کو اپنی تلوار سے مار دے اور دوران لڑائی وہ میرا ہاتھ کاٹ دے اور میرا ہاتھ کاٹ کر پھر کسی درخت کے پیچھے پناہ لے لے اور پھر وہاں جا کر کہتا ہے کہ میں اللہ کے لئے اسلام لایا، تو یا رسول اللہ! کیا میں اس کے کہنے کے بعد بھی اس کو قتل کروں یا نہ کروں یعنی میرے لئے اب اس کو قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، قتل نہیں کرو۔

"فقال یا رسول اللہ انہ قطع احدی یدی" حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے میرا ایک ہاتھ کاٹ دیا اور جو کچھ کہا وہ ہاتھ کاٹنے کے بعد کہا، مطلب یہ کہ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر اب اس کا اسلام لانا دل سے نہیں ہے بلکہ اس خوف سے ہے کہ اب یہ مجھ سے انتقام لے گا اور انتقام کے نتیجے میں مجھے نقصان پہنچے گا تو اپنے نقصان سے بچنے کیلئے کہہ رہا ہے کہ میں اسلام لے آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں قتل نہیں کرو۔

بلکہ یہاں فرمایا کہ اگر تم اس کو اس حالت میں قتل کرو گے تو وہ تمہارے درجے میں آجائے گا قبل اس کے کہ تم اس کو قتل کرو، یعنی اس کو قتل کرنے سے پہلے تم معصوم الدم ہو تو وہ تمہارے درجے میں آجائے گا کہ وہ معصوم الدم بن جائے گا۔ اسلام کا کلمہ پڑھنے سے پہلے وہ مباح الدم تھا تو اب قتل کرنے کے بعد تم بھی مباح الدم بن جاؤ گے۔

شریعت ظاہر کی مکلف ہے باطن کی نہیں

تو وہی اصول بتا دیا جو پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ ایک شخص اگر کلمۂ اسلام کا پڑھ رہا ہے اور اپنے ظاہر سے اسلام لانے کا اظہار کر رہا ہے، تو ہمارے اوپر واجب ہے کہ کم از کم دنیا کے احکام کی حد تک ہم اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ کریں، کیونکہ دل چیرنے کا حکم نہیں دیا گیا نہ وہ ہماری طاقت میں ہے کہ اندر سے معلوم کریں کہ اس کے دل میں کیا ہے۔

ہم مکلف ہیں ظواہر کے تو ظاہری حالات کے لحاظ سے جب مسلمان نظر آ رہا ہے تو معاملہ اس کے ساتھ

مسلمانوں جیسا ہی کیا جائے گا، جب مسلمان ہوگیا تو معصوم الدم ہوگیا۔اب اگر تم قتل کرو گے تو ایک معصوم کو قتل کرو گے اور اس کی وجہ سے تمہارا خون، تمہاری جان مباح الدم ہو جائے گی۔ ۱۰

۴۰۲۰ ۔ حدثني يعقوب بن إبراهيم: حدثنا ابن علية: حدثنا سليمان التيمي: حدثنا أنس ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ يوم بدر: ((من ينظر ما صنع أبو جهل؟)) فانطلق ابن مسعود فوجده قد ضربه ابنا عفراء حتى برد فقال: آنت أبا جهل؟ قال ابن علية: قال سليمان هكذا قالها أنس، قال: آنت أبا جهل، قال: وهل فوق رجل قتلتموه؟ قال سليمان: أو قال: قتله قومه. قال: وقال أبو مجلز: قال أبو جهل: فلو غير أكار قتلني.

[راجع: ۳۹۶۲]

ترجمہ: سلیمان تیمی سے روایت ہے کہ حضرت انس ﷺ سے فرمایا کہ بدر کے دن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کون ہے! جو ابوجہل کا حال معلوم کرے، یہ سن کر عبداللہ بن مسعود ﷺ گئے اور دیکھا کہ عفراء کے بیٹوں نے مار مار کر قریب المرگ کر دیا ہے۔ابن مسعود ﷺ نے پوچھا کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ ابن علیہ کہتے ہیں کہ انس ﷺ نے اسی طرح فرمایا کہ کیا تو ہی ابوجہل ہے؟ اس نے دم توڑتے ہوئے جواب دیا کہ مجھ سے بُرا اور کون ہوگا جس کو تم لوگوں نے مارا ہو، سلیمان کہتے ہیں یا یوں جواب دیا کہ جس کو اس کی قوم نے مارا ہو۔ابومجلز کہتے ہیں کہ ابوجہل مرتے وقت ابن مسعود سے کہنے لگا کاش! مجھ کو کسان کے علاوہ کوئی اور مارتا۔

ابوجہل کا آخری سانس

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ جب جنگ ختم ہوگئی اور کفار بھاگ گئے، اللہ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی تو نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ابوجہل کا کیا بنا۔تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا کہ کون ہے جو دیکھے کہ "**ما صنع أبو جهل**" کہ ابوجہل کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

چنانچہ عبداللہ بن مسعود ﷺ تشریف لے گئے، انہوں نے جا کر دیکھا کہ اس کو عفراء کے دو بیٹوں نے تلوار سے زخمی کیا ہوا تھا (جس کا واقعہ پیچھے گذر گیا ہے) یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔

---

۱۰ وقال الخطابي: معنى هذا أن الكافر مباح الدم بحكم الدين قبل أن يقول كلمة التوحيد، فإذا قالها صار محظور الدم كالمسلم، فإن قتله المسلم بعد ذلك صار دمه مباحاً بحق القصاص كالكافر بحق الدين، ولم يرد به إلحاقه بالكفر، على مايقوله الخوارج من تكفير المسلم بالكبيرة. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۱۲۸

یہاں ٹھنڈا ہونے سے مراد یہ ہے کہ قریب الموت تھا، اب اس میں کوئی جان باقی نہیں تھی کہ کوئی مقابلہ کر سکے یا چل سکے یا کھڑا ہو سکے، اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔

عبداللہ ابن مسعود ؓ نے اس کو خطاب کر کے فرمایا کہ " آانت ابا جهل " تو ہی ابوجہل ہے۔

یہ استفہام ہے ہمزۂ استفہام محذوف ہے یا جملہ خبریہ ہے گویا اس کو توبیخ کرنے کے لئے کہ تو ابوجہل ہے، تو قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ **"انت ابو جهل"** فرماتے کیونکہ خبر ہے اور خبر مرفوع ہوتی ہے لیکن **"ابا جهل"** کہا تو یہ منصوب علی سبیل الذم ہے۔

ایک ہوتا ہے منصوب علی سبیل المدح، جہاں بیچ میں ہمزہ محذوف ہوتا ہے **"والصابرين في البأساء والضراء"** اور بعض جگہ منصوب علی سبیل الذم ہوتا ہے تو یہاں منصوب علی سبیل الذم ہے۔ یعنی **"اذم"** بیچ میں محذوف ہے یعنی **"اذم"** ہونا چاہیے **"ابا جهل"**۔

"قال ابن علية" ابن علیہ جو حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرے استاد سلیمان نے اسی طرح کہا تھا اور حضرت انس ؓ نے بھی اسی طرح کہا تھا کہ **"انت اباجهل"** یعنی کسی کو شبہ نہ ہو کہ میں اعراب میں غلطی کر رہا ہوں مجھے **"انت ابو جهل"** کہنا چاہیے تھا میں نے ابا جہل کہہ دیا۔ یہ میری غلطی نہیں ہے بلکہ اسی طرح کہا تھا۔ اسی طرح روایت کی تھی سلیمان ابن تیمی نے اور اسی طرح حضرت انس ؓ نے روایت کی تھی گویا حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ نے کہا ہی یوں تھا **"انت ابا جهل"**۔

"قال وهل فوق رجل قتلتموه" ابوجہل کا یہ جملہ پہلے بھی گزرا ہے۔ کیا اس سے بڑا بھی کوئی آدمی ہے جسے تم نے قتل کیا؟

اس کے ایک معنی تو یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میں بہت بڑا آدمی ہوں اور مجھ سے بڑا آدمی تم نے قتل نہیں کیا ہوگا اور دوسرے معنی وہ ہیں جو وہاں پر عرض کئے تھے کہ **"هل فوق رجل"** کہ بہت زیادہ خوشی کی بات نہیں ہے کہ تم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا، صرف ایک آدمی ہی کو تو قتل کیا ہے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں، جس طرح اور آدمیوں کو قتل کیا ہے مجھے بھی کر دیا کوئی اور اس سے زیادہ بڑی بات نہیں۔

سلیمان کہتے ہیں مجھے یاد نہیں رہا، ہو سکتا ہے کہ **"قتلتموه"** کے بجائے یہ کہا ہو کہ **"هل فوق رجل قتله قومه"** اس کو اس کی قوم نے قتل کیا ہے یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے کیونکہ میری قوم کے لوگوں نے ہی مجھے قتل کر دیا۔

ابومجلز کی روایت میں یہ ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ **"فلو غير اكار قتلني"** تو مجھے جو صدمہ ہے وہ یہ ہے کہ کاش! کاشتکار کے علاوہ کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا۔

"اكار" کے معنی کاشتکار کے ہیں، تو کاشتکار کے علاوہ کسی اور نے مجھے قتل کیا ہوتا، کیونکہ معاذ اور معوذ

رضی اللہ عنہما نے قتل کیا تھا دونوں انصار سے تعلق رکھتے تھے تو اس واسطے کہتا ہے کہ حسرت بس اتنی ہے کہ اپنے کسی قریشی کے ہاتھ مارا جاتا تو اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن یہ کاشتکار آکر مجھے مار گئے۔

۴۰۲۱ ۔ حدثنا موسى: حدثنا عبدالواحد: حدثنامعمر، عن الزهرى، عن عبيد الله بن عبدالله: حدثني ابن عباس، عن عمر ﷺ: لما توفى النبى ﷺ قلت لأبى بكر: انطلق بنا الى إخواننا من الأنصار، فلقينا منهم رجلان صالحان شهدا بدرا فحدثت عروة بن الزبير فقال: هما عويم بن ساعدة ،ومعن بن عدى. [راجع: ۲۴۶۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھ سے حضرت عمر ﷺ نے بیان کیا کہ جب رسول اکرم ﷺ نے انتقال فرمایا تو میں نے حضرت ابو بکر ﷺ سے کہا کہ مجھے انصاری بھائیوں کے پاس لے چلو! راستے میں دو انصاری نیک خصلت ملے، اور وہ دونوں شریک جنگ بدر تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں میں ایک حضرت عویم بن ساعدہ ﷺ اور دوسرے حضرت معن بن عدی ﷺ تھے۔

مقصودِ بخاری رحمہ اللہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو میں نے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے عرض کیا کہ **"انطلق بنا الى إخواننا من الأنصار"** میرے ساتھ چلئے اپنے بھائیوں انصار کے پاس، تو جب ہم انصار کی طرف جانے کیلئے چلے تو انصار کے دو نیک صحابی ہم سے ملے، اور یہ دونوں حضرات جنگِ بدر میں حاضر تھے۔ اس روایت کو یہاں بیان کرنا یہی مقصود ہے۔

حضرت عبیدہ اللہ بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ حدیث سنائی تو انہوں نے کہا کہ یہ دونوں انصاری جو حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اور حضرت عمر ﷺ سے ملے تھے ان میں سے ایک حضرت عویم بن ساعدہ ﷺ تھے اور دوسرے حضرت معن بن عدی ﷺ تھے۔

۴۰۲۲ ۔ حدثنا إسحاق بن إبراهيم: سمع محمدا بن فضيل، عن إسماعيل، عن قيس: كان عطاء البدريين خمسة آلاف، خمسة آلاف وقال عمر: لأفضلنهم على من بعدهم. [۱۱]

---

[۱۱] انفرد به البخاری.

ترجمہ: حضرت قیس ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا، بدر میں شریک ہونے والوں کا پانچ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر تھا، کیونکہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ میں بدری حضرات کو دوسرے لوگوں سے زیادہ دوں گا۔

بدرین کا وظیفہ

حضرت قیس ﷺ فرماتے ہیں کہ بدریین کی عطا یعنی بدریین کو جو وظیفہ حضرت عمر ﷺ دیا کرتے تھے وہ پانچ ہزار تھا اور حضرت عمر ﷺ یہ فرماتے تھے کہ میں ان کو بعد والوں پر فضیلت دوں گا۔

حضرت عمر ﷺ نے اپنے دورِ خلافت میں سب کے وظیفے مقرر فرمائے ہوئے تھے، ان وظیفوں میں حضرات بدریین کا وظیفہ دوسرں کے مقابلے میں زیادہ رکھا تھا اور سالانہ پانچ ہزار تھا۔

۴۰۲۳ـ حدثنی إسحاق بن منصور : حدثنا عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر، عن الزهری، عن محمد بن جبیر بن مطعم، عن أبیه قال: سمعت النبی ﷺ یقرأ فی المغرب بالطور. وذلک أول ما وقر الإیمان فی قلبی.[راجع : ۷۶۵]

ترجمہ: محمد بن جبیر بن مطعم نے فرمایا کہ میرے والد نے آنحضرت ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھتے ہوئے سنا، اور یہ پہلا موقع تھا کہ ایمان نے میرے دل میں جگہ پکڑلی۔

سورۂ طور کی برکت نورِ قلبی کی شکل میں

حضرت محمد بن جبیر رحمہ اللہ اپنے والد یعنی حضرت جبیر بن مطعم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو تلاوت کرتے ہوئے سنا کہ آپ ﷺ مغرب کی نماز میں سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے اور یہ پہلا موقع تھا جب ایمان میرے دل میں جما، یعنی سورۂ طور کی یہ تلاوت سننا وہ سب سے پہلا موقع تھا جب ایمان میرے دل میں گھر کر گیا تھا۔

یہ روایت تو محض تمہیداً لائے ہیں انہی محمد بن جبیر کی اصل روایت جو انہوں نے اپنے والد جبیر بن مطعم ﷺ سے بیان کی ہے وہ اگلی روایت ہے۔

۴۰۲۴ـ وعن الزهری، عن محمد بن جبیر بن مطعم، عن أبیه: أن النبی ﷺ قال فی أساری بدر: ((لو کان المطعم بن عدی حیا ثم کلمنی فی هؤلاء النتنی لترکتهم له)).

وقال اللیث، عن یحیی بن سعید، عن سعید بن المسیب: وقعت الفتنة الأولی یعنی مقتل عثمان فلم تبق من أصحاب بدر أحدا. ثم وقعت الفتنة الثانیة، یعنی الحرة، فلم

تبق من أصحاب الحديبية أحدا ثم وقعت الثالثة فلم ترتفع وللناس طباخ. [راجع: ۳۱۳۹] ۱۱۲

ترجمہ: پھر اسی سند سے زہری سے روایت ہے، انہوں نے محمد بن جبیر بن مطعم سے اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کیلئے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان بدبودار گندوں کی مجھ سے سفارش کرتے تو میں ان کے کہنے سے ان کو رہا کر دیتا۔

لیث کہتے ہیں وہ یحییٰ سے روایت کرتے ہیں اور وہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ پہلا فتنہ وہ ہے جس میں حضرت عثمان ﷺ شہید کئے گئے، اس فتنہ سے اہل بدر میں سے کوئی باقی نہیں رہا، پھر دوسرا فساد حرہ کا ہوا، اس میں صلح حدیبیہ والوں میں سے کوئی باقی نہیں رہا، پھر تیسرا فساد ہوا، وہ اس وقت ختم ہوا جب تک لوگوں میں کچھ بھی عقل وخوبی باقی تھی۔

جبیر بن مطعم بن عدی اور حسن سلوک

یہ حدیث اس سلسلۂ مغازی سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے وہ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد حضرت جبیر بن مطعم ﷺ سے کہ جب وہ قبول اسلام سے پہلے بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلے میں آئے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر مطعم بن عدی یعنی جبیر بن مطعم کے والد آج زندہ ہوتے، پھر مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں کچھ بات کرتے تو میں ان کو مطعم بن عدی کی وجہ سے چھوڑ دیتا۔

جبیر بن مطعم نے نبی کریم ﷺ سے بدر میں قید ہونے والے لوگوں کے بارے میں سفارش کی تھی، سفارش یہ کی تھی کہ ان میں سے بعض کیلئے فدیے کی مقدار کچھ کم کر دی جائے۔ ۱۱۳

---

۱۱۲ وفي سنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في المن على الأسير بغير فداء، رقم: ۲۳۱۴، ومسند أحمد، اول مسند المدنيين أجمعين، باب حديث جبير بن مطعم، رقم: ۱۶۱۴۳

۱۱۳ اسلم جبير بن مطعم فيما يقولون يوم الفتح وقيل عام خيبر، وكان إذاتي النبا في فداء أسارى بدر كافرًا. روى جماعة من أصحاب ابن شهاب عن ابن شهاب عن محمد بن جبير بن مطعم عن أبيه قال: أتيت النبي ﷺ لأكلمه في أسارى بدر، فوافقته وهو يصلي بأصحابه المغرب أو العشاء، فسمعته وهو يقرأ، وقد خرج صوته من المسجد ﴿إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ﴾ قال: فكأنما صدع قلبي. الأستيعاب في معرفة الأصحاب، ج: ۱، ص: ۲۳۲

اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بھئی! جو کچھ فدیہ طے ہو گیا ہے تمہارے والد مطعم بن عدی اگر زندہ ہوتے اور ان کے بارے میں کوئی بات کرتے تو میں ان کو ویسے ہی فدیے کے بغیر چھوڑ دیتا۔

اس لئے مطعم بن عدی وہ صاحب تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی بڑی نصرت کی تھی وہ اس طرح کہ جب آپ طائف تشریف لے گئے اور طائف میں آپ کے ساتھ بدسلوکی ہوئی اور وہاں سے آپ بہت دل گرفتہ واپس تشریف لائے تو مطعم بن عدی نے آنحضرت ﷺ کو تسلی دی اور گویا ایک طرح سے پناہ دی اور دوسری طرف جب شعب ابی طالب میں نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کو محصور کیا گیا تو ان تین سالوں کا جو مقاطعہ و بائیکاٹ تھا اس کے ختم کرانے میں مطعم بن عدی کا بڑا ہاتھ تھا۔

اس واسطے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ چونکہ انہوں نے ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا تھا تو اگر وہ آج آکر مجھ سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں یہ بھی کہتے کہ میں ان کے قیدیوں کو بالکل چھوڑ دوں تو بھی میں ان کی بات مان لیتا، یہ مطلب ہے۔

فرمایا کہ **"لو کان المطعم بن عدی حیا، ثم کلمنی فی هولاء النتنی"** اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور ان بدبودار گندوں کی مجھ سے سفارش کرتے تو میں ان کے کہنے سے ان کو رہا کر دیتا۔

"نتنی"۔ "نتن" کی جمع ہے "نتن" سے نکلا ہے، جس کے معنی بدبودار کے ہوتے ہیں۔

بدبودار کا لفظ اس لئے کہا کہ یہ سب کفر کی حالت میں تھے، اس لئے فرمایا کہ ان بدبودار لوگوں کے بارے میں اگر بات کرتے تو میں ان کو ان کی خاطر چھوڑ دیتا۔ [۴۳]

صحابہ کرام ﷺ کے وجود کے بعد امت میں اہلِ خیر نادر و کمیاب

" وقعت الفتنة الأولى .... من أصحاب بدر أحدا."

یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ حضرت سعید ابن مسیب رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب پہلا فتنہ واقع ہوا، پہلے فتنے سے مراد ہے حضرت عثمان ﷺ کی شہادت ہے)، تو اس نے اصحاب بدر ﷺ میں سے کسی کو نہیں چھوڑا یعنی اس فتنے کے دوران جتنے بدری صحابی تھے سب وفات پا گئے، دنیا میں نہیں رہے۔

---

[۴۳] قوله: ((النتنی))، بنونین مفتوحتین بینهما تاء مثناة من فوق، وهو جمع: نتن، بفتح النون و کسر التاء: کزمن بجمع علی زمنی، سمی أساری بدر الذین قتلوا و صاروا جیفاً: بالنتنی لکفرهم، کقوله تعالی: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ [التوبة: ۲۸]

"ثم وقعت الفتنة الثانية .... من أصحاب الحديبية أحدا"

اور پھر دوسرا فتنہ پیش آیا، اس سے مراد فتنۂ حرہ ہے تو اصحاب حدیبیہ ﷺ جو بیعت رضوان میں شریک تھے ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا۔

"ثم وقعت الثالثة فلم ترتفع وللناس طباخ"

پھر تیسرا فتنہ پیش آیا تو فتنہ اٹھا نہیں اس حالت میں کہ لوگوں کے پاس کوئی قابل ذکر قوت والے لوگ موجود ہوں۔

"طباخ" اصل میں قوت کو کہتے ہیں، مراد ہے قوت والے لوگ اور اس سے مراد صحابۂ کرام ﷺ ہیں۔

تو کہتے ہیں کہ تیسرا فتنہ جب پیش آیا تو اس کے ختم ہونے سے پہلے صحابۂ کرام ﷺ دنیا سے بالکل ختم ہو گئے، پھر کوئی صحابی باقی نہیں رہا تو اس کو انہوں نے تعبیر کیا کہ لوگوں کے لئے کوئی طاقت کی چیز باقی نہیں رہی، یعنی صحابۂ کرام ﷺ میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

یہ تیسرا فتنہ کونسا تھا؟ اس کی تعیین میں شراح نے مختلف قول اختیار کئے ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو عبدالملک بن مروان کے حکم پر نوے دن تک حجاج بن یوسف نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرنے بعد شہید کیا، وہ فتنہ مراد ہے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس سے ابوحمزہ خارجی کے فتنے کی طرف اشارہ ہے۔ ابوحمزہ خارجی ایک شخص تھا اس نے مروان ابن حکم کے خلاف بغاوت کی تھی اور اس کے نتیجے میں لشکر کشی بھی کی لیکن بالآخر اس کی بغاوت کو مروان نے کچل دیا تو وہ فتنہ مراد ہے۔

بہر حال اس موقع پر کہتے ہیں کہ کوئی صحابی نہ رہے تمام صحابۂ کرام ﷺ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ [۱۱۵]

۴۰۲۵ - حدثنا الحجاج بن منهال: حدثنا عبدالله بن عمر النمري: حدثنا يونس ابن يزيد قال: سمعت الزهري قال: سمعت عروة بن الزبير وسعيد بن المسيب وعلقمة بن وقاص وعبيد الله بن عبد الله، عن حديث عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ كل حدثني طائفة من الحديث، قالت: فأقبلت أنا وأم مسطح، فعثرت أم مسطح في مرطها فقالت: تعس مسطح، فقلت: بئس ما قلت، تسبين رجلا شهد بدرا؟ فذكر حديث الإفك. [راجع: ۲۵۹۳]

---

۱۱۵ عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۱۷۰، ۱۷۱. وفتح الباري، ج:۷، ص:۳۲۵

ترجمہ: یونس بن یزید، زہری سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ان کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت سعید بن مسیب، حضرت علقمہ بن وقاص لیثی اور حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رحمہم اللہ اجمعین سے میں نے سنا کہ ان چاروں نے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول اکرم ﷺ پر جو تہمت لگائی گئی تھی، اس حدیث کا ایک ٹکڑا روایت کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ میں اور مسطح کی ماں ہم دونوں رفع حاجت کے لئے گئیں کہ اتنے میں مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑیں، اور پھر اس نے اپنے بیٹے کو برا بھلا کہا، میں نے کہا ارے تو اس کو برا کہتی ہے، وہ تو بدر کی جنگ میں شامل تھے، پھر پورا قصہ تہمت کا بیان فرمایا۔

مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ

یہ حدیث الافک کا ایک ٹکڑا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے، ان شاء اللہ مغازی کے اندر تفصیل سے آئے گی۔

یہاں صرف اتنا حصہ نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام مسطح کے ساتھ چلیں، تو حضرت ام مسطح رضی اللہ عنہا چادر میں الجھ کر گرنے لگیں تو انہوں نے زبان سے کہا کہ بُرا ہو مسطح کا۔

اپنے بیٹے کو ہی بددعا دی، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ ایسے شخص کو بددعا دے رہی ہیں جو بدر میں شریک تھا کیونکہ ان کا بیٹا مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ بدری تھا تو اس پر انہوں نے بتایا کہ تم کیا کہتی ہو، وہ تو تمہارے اوپر تہمت لگا رہے ہیں۔

آگے تفصیل آئے گی یہاں صرف اتنا مقصود ہے کہ مسطح ابن اثاثہ رضی اللہ عنہ بدر کے اندر شریک تھے۔

۴۰۲۶ ۔ حدثنا إبراهيم بن المنذر: حدثنا محمد بن فليح بن سليمان، عن موسى ابن عقبة، عن ابن شهاب قال: هذه مغازي رسول الله ﷺ فذكر الحديث، فقال رسول الله ﷺ هو يلقيهم: ((هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا؟))

قال موسى بن عقبة: قال نافع: قال عبدالله: قال ناس من أصحابه: يا رسول الله، تنادي ناسا أمواتا؟ قال رسول الله ﷺ: ((ما أنتم بأسمع لما قلت منهم)). فجميع من شهد بدرا من قريش ممن ضرب له بسهمه أحد وثمانون رجلا. وكان عروة بن الزبير يقول: قال الزبير: قسمت سهمانهم فكانوا مائة، والله أعلم. [راجع: ۳۹۷۰]

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ انہوں نے پہلے رسول اکرم ﷺ کے غزوات کا ذکر کیا اور

پھر کہا، یہ ہیں رسول اللہ ﷺ کے غزوات! پھر بدر والوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت ﷺ کافروں کی لاشوں کو کنویں میں ڈال رہے تھے اور ان سے فرمارہے تھے اب کہو تم! تمہارے پروردگار نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تم نے حق پایا یا نہیں؟

اور اسی سند سے موسیٰ بن عقبہ حضرت نافع رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا صحابہ نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مُردوں سے خطاب کررہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان سے زیادہ تو تم بھی میری بات نہیں سن سکتے۔

غزوۂ بدر میں قریش کے جو صحابۂ کرام ﷺ شریک تھے، اور جن کو مال غنیمت سے حصہ ملا، ان کی تعداد اکیاسی (۸۱) تھی، اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت زبیر ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خود حصے تقسیم کئے تھے، اور لوگوں کی تعداد سو (۱۰۰) تھی۔

سو سہم

"**ما أنتم باسمع لما اقول / قلت منهم**" یہ وہی واقعہ ہے جو حدیث قلیب میں پہلے گزر چکا ہے۔

پھر آگے یہ کہا گیا کہ "**فجميع من شهد بدرا من قريش ممن ضرب له بسهمه أحد وثمانون رجلا**" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش کے جو حضرات بدر میں شامل تھے جن کو مال غنیمت کا حصہ دیا گیا وہ اکیاسی حضرات تھے۔

آگے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضرت زبیر ﷺ نے فرمایا کہ ان قریشی صحابہ کے درمیان جو سہم تقسیم کئے گئے وہ کل سو تھے۔

دونوں میں یہ تعارض ہے، جن کو حصہ دیا گیا وہ ایک روایت میں ہے کہ اکیاسی تھے اور ایک روایت میں ہے کہ سو تھے۔ تو دونوں روایتیں موجود ہیں۔ [۱۲]

زیادہ روایتوں میں سو سہم کا ذکر آتا ہے، چنانچہ اگلی روایت بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

۴۰۲۷ ـ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن معمر، عن هشام بن عروة،

---

[۱۲] فإن قلت: يعارض هذا حديث البراء الذي مضى في اوائل هذه القصة، وهي قوله: ان المهاجرين كانوا زيادة على ستين. قلت: يجمع بينهما بان حديث البراء ورد فيمن شهدها حساً، وهذا الحديث فيمن شهدها حساً وحكماً، ويكون المراد بالمائة في قول الزبير الأحرار ومن القسم اليهم من مواليهم وأتباعهم. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۱۷۳

عن أبيه، عن الزبير قال: ضربت يوم بدر للمهاجرين بمائة سهم. [۷۱]

ترجمہ: حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت زبیر ﷺ نے فرمایا کہ بدر کے دن میں نے مہاجرین کے لئے سو حصے لگائے گئے تھے۔

(۱۳) باب تسمية من سمي من أهل بدر، في الجامع الذي وضعه أبوعبدالله على حروف المعجم

اسمائے اہلِ بدر بترتیب حروف تہجی، مرتبہ امام بخاری رحمہ اللہ

النبيّ محمد بن عبد الله الهاشمي ﷺ،

إياس بن البكير ﷺ،

بلال بن رباح ﷺ،

مولى أبي بكر القرشي ﷺ،

حمزة بن عبد المطلب الهاشمي ﷺ،

حاطب بن أبي بلتعة، حليف لقريش ﷺ،

أبو حذيفة بن عتبة بن ربيعة القرشي ﷺ،

حارثة بن الربيع الأنصاري ﷺ، قتل يوم بدر، وهو حارثة بن سراقة، كان في النظارة،

خبيب بن عدي الأنصاري ﷺ،

خنيس بن حذافة السهمي ﷺ،

رفاعة بن رافع الأنصاري ﷺ،

رفاعة بن عبد المنذر ﷺ،

أبو لبابة الأنصاري ﷺ،

الزبير بن العوام القرشي ﷺ،

زيد بن سهل أبو طلحة الأنصاري ﷺ،

---

[۷۱] انفرد به البخاری

أبو زيد الأنصاري﷜،
سعد بن مالك الزهري﷜،
سعد ابن خولة القرشي﷜،
سعيد بن زيد بن عمرو بن نفيل القرشي﷜،
سهل بن حنيف الأنصاري﷜،
ظهير بن رافع الأنصاري وأخوه رضى الله عنهما.
عبد الله بن عثمان﷜،
أبو بكر الصديق القرشي﷜،
عبد الله بن مسعود الهذلي﷜،
عتبة بن مسعود الهذلي﷜،
عبد الرحمن بن عوف الزهري﷜،
عبيدة بن الحارث القرشي﷜،
عبادة بن الصامت الأنصاري﷜،
عمر بن الخطاب العدوي﷜،
عثمان بن عفان القرشي﷜، خلفه النبي ﷺ على ابنته، وضرب له بسهمه،
علي بن أبي طالب الهاشمي﷜،
عمرو بن عوف حليف بني عامر بن لؤي﷜،
عقبة بن عمرو الأنصاري﷜،
عامر بن ربيعة العنزي﷜،
عاصم بن ثابت الأنصاري﷜،
عويم بن ساعدة الأنصاري﷜،
عتبان بن مالك الأنصاري﷜،
قدامة بن مظعون﷜،
قتادة بن النعمان الأنصاري﷜،
معاذ بن عمرو بن الجموح﷜،
معوذ ابن عفراء وأخوه رضى الله عنهما،

مالک بن ربيعة أبو أسيد الأنصاري ﷺ،

مرارة بن الربيع الأنصاري ﷺ،

معن بن عدي الأنصاري ﷺ،

مسطح بن أثاثة بن عباد بن المطلب بن عبد مناف ﷺ،

مقداد بن عمرو الكندي ﷺ حليف بني زهرة،

هلال بن أمية الأنصاري ﷺ.

محدثین عظام اور علماء سیر رحمہم اللہ اجمعین نے اسماء بدریین کے ذکر کا اپنی اپنی تصانیف میں خاص اہتمام فرمایا ہے، مگر حروف تہجی کے لحاظ سے سب سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نے اسماء بدریین کو مرتب فرمایا ہے۔

اسماء بدریین کے بارے میں علامہ دوانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے مشائخ حدیث سے یہ بات سنی ہے کہ صحیح بخاری میں موجود اسماء بدریین کے ذکر کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے اور بہر حال اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے۔ [۸]

ظاہر ہے کہ اس باب میں پورے تین سو تیرہ صحابہ کرام کے نام موجود نہیں ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اہل بدر میں سے صرف چوالیس کے نام ذکر کئے ہیں، جو ان کی شرائط صحت اور استناد کے مطابق ہیں صرف ان کے نام امام بخاری رحمہ اللہ یہاں ذکر کئے ہیں۔

واضح رہے کہ حضرت عثمان ﷺ براہ راست شریک نہیں تھے لیکن نبی کریم ﷺ نے ان کو اپنی علیل صاحبزادی کی دیکھ بھال کیلئے مدینہ منورہ میں چھوڑا، لہٰذا آپ ﷺ نے ان کا حصہ بھی لگایا۔

---

[۸] والعلامة الدواني: سمعنا من مشايخ أن الدعاء عند ذكرهم في البخاري مستجاب وقد جرب. شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج:۲، ص:۲۵۹

باب
حديث بنى النضير، قتل كعب بن الأشرف و قتل ابى رافع

(۱۴) باب حديث بنى النضير، ومخرج رسول الله ﷺ إليهم فى دية الرجلين، وما أرادوا من الغدر برسول الله ﷺ

بنی نضیر کے بارے میں بیان، دو آدمیوں کی دیت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا تشریف لے جانا اور ان کا رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دینے کا ارادہ کرنا

غزوۂ بنو نضیر کا پس منظر

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ غزوۂ بدر کی احادیث سے فارغ ہونے کے بعد بنو نضیر کی حدیث اور ان کی جلاوطنی کا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں جو حدیثیں آئی ہیں ان کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ یہودیوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے معاملے کا پس منظر ذہن میں ہو۔

اس پورے واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں مختلف اطراف کے یہودی آکر آباد ہو گئے تھے اور انکے دو بڑے قبیلے تھے ایک بنو قریظہ اور ایک بنو نضیر۔ دو قبیلے اور بھی تھے ایک کا نام بنو قینقاع اور ایک کا نام بنو حارثہ آیا ہے لیکن یہ دونوں قبیلے بھی انہی دو قبیلوں کی بڑی شاخیں تھیں۔

اگرچہ ان کا اپنا مستقل ایک وجود بھی تھا یعنی بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو قینقاع اور بنو حارثہ کی الگ الگ بستیاں بھی تھیں لیکن نسب کے اعتبار سے بنو قینقاع اور بنو حارثہ ان ہی دو بڑے قبیلوں سے وابستہ تھے، بعد میں جب عرب کے دوسرے لوگ بھی آکر آباد ہوئے تو رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ اقتدار تو عرب کے دوسرے قبیلوں کو حاصل ہوا لیکن یہودی یہاں مدینہ منورہ میں بستے تھے۔

جنگِ بُعاث اور یہودی

آپ جانتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ کے عرب باشندوں کے درمیان بہت بڑی سنگین لڑائی ہوئی تھی جس کو جنگ بعاث کہا جاتا ہے۔

اس جنگ بعاث میں اوس اور خزرج قبیلے کے درمیان اتنی شدید لڑائی ہوئی کہ اس کے نتیجے میں ان

بڑے بڑے خاندانوں کے سردار مارے گئے اوران کی قوت کمزور پڑ گئی۔

جنگ ایک منظم کاروبار بھی

یہودی کا ہمیشہ سے کام یہ ہے کہ وہ دوسروں کی جنگ کو بہت پسند کرتا ہے، اس واسطے کہ جب جنگ ہوتی ہے تو جنگ کرنے والے فریقوں کو مال ووسائل کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہودی شروع سے پیسے کا پوت ہے۔

لہٰذا وہ ایسے موقع پر سود پر قرض دیتا ہے اور سود پر قرض دینے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ معاشی طور پر ان کو اپنا زیر اقتدار اور زیر نگیں بنالیا جائے، چنانچہ یہودیوں نے جنگ بعاث سے بھی یہ فائدہ اٹھاتے ہوئے سارے مدینے کے لوگوں کو اور اوس وخزرج دونوں قبیلے کے لوگوں کو سود کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔

حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو آپ ﷺ کی تشریف آوری سے انصار مدینہ کو قوت حاصل ہوئی اور یہودیوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا اقتدار اگر مدینہ منورہ میں بڑھے گا تو انصار کی قوت بڑھے گی اوران کی چودھراہٹ ختم ہو جائے گی۔

ایک طرف تو ان کی سرداری ختم ہوگی اور دوسری طرف ان کا کاروبار ختم ہوگا چونکہ ان کا کاروبار اوس وخزرج کے کمزور رہنے پر موقوف ہے، جب یہ طاقتور ہوں گے تو ان کا کاروبار بھی مندا پڑ جائے گا، کوئی ان سے سود پر قرضہ لینے نہیں آئے گا۔

یہودیوں سے معاہدہ

اس واسطے ان کو نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے بڑی تشویش ہوئی، آنحضرت ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت سے یہ کام کیا کہ مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے آپ نے محسوس کیا کہ یہی اہل کتاب یہودی لوگ ہیں کہ جن سے سب سے پہلے معاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔

معاہدہ کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ سب سے پہلے تو یہ کہ بہر حال یہ اہل کتاب ہیں اور پیغمبروں کو مانتے ہیں بخلاف مشرکین مکہ کے کہ وہ توحید کے بھی قائل نہیں ہیں اور ساتھ ساتھ کسی پیغمبر اور کسی کتاب کے پیروکار بھی نہیں، اس واسطے آنحضرت ﷺ نے محسوس فرمایا کہ من حیث القوم اہل کتاب اقرب الی الاسلام ہیں۔

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہ علاقائی اعتبار سے بھی قریب ہیں تو ان کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو مدینہ منورہ کا جو محاذ ہے وہ پر امن ہو جائے گا اور جو کچھ لڑائی رہ جائے گی وہ قریش مکہ کے ساتھ رہ جائے گی تو آپ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ فرمایا اور اس وقت یہودیوں نے بھی معاہدہ کر لیا۔

اس معاہدے کا تقاضا یہ تھا کہ نہ یہودی مسلمان سے جنگ کریں نہ مسلمان یہودیوں سے جنگ کریں اور اگر کوئی مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو یہودی ان کی مدد کریں اور اگر کوئی یہودیوں پر حملہ آور ہو تو مسلمان ان کی مدد کریں، یہ معاہدہ تھا۔

معاہدہ تو ہو گیا لیکن یہ معاہدہ یہودیوں نے بادل ناخواستہ ہی کیا تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کا قوت حاصل کرنا بالآخر ہمارے لئے مضر ہو گا۔

ساتھ ساتھ ان کو یہ خیال رہا کہ ان کی لڑائی مکہ والوں سے ہے اور جب مکہ والوں سے دو چار جنگیں ہوں گی تو یہ بھی اسی طرح ڈھیلے پڑ جائیں گے جیسا کہ بعاث والے ڈھیلے پڑ گئے تھے تو پھر ہماری چودھراہٹ کا وقت آجائے گا۔

لیکن جب سب سے پہلا معرکہ بدر کے میدان میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمایا اور بدر کے میدان میں قریش مکہ کو شکست فاش ہوئی اور اس سے مسلمانوں کی دھاک اور قوت دلوں پر بیٹھنے لگی تو یہودیوں کے اوپر سکتہ طاری ہو گیا کہ یہ تو معاملہ الٹا ہی ہو گیا کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہو رہی ہے اور قوت حاصل ہو رہی ہے۔

دوسری طرف واقعہ بدر کے شروع میں گزرا تھا کہ قریش مکہ نے پہلے تو انصار مدینہ کو خط لکھا تھا کہ تم نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے، اس واسطے ہم تمہارے اس عمل سے خوش نہیں ہیں یا تو ان کو نکالو ورنہ ہم تمہارے ساتھ لڑائی کریں گے۔

غزوۂ بدر کے بعد انصار مدینہ نے انتہائی جانثاری کے ساتھ سرکار دو عالم ﷺ کے ساتھ دیا تو قریش مکہ انصار سے تو مایوس ہو گئے کہ اب یہ انصار تو ہمارا ساتھ دے نہیں سکتے۔

تب انہوں نے یہودیوں سے پینگیں بڑھانا شروع کر دیں اور یہودیوں یعنی بنو نضیر اور بنو قریظہ دونوں کو خط لکھا کہ آپ لوگوں نے یہاں پر نبی کریم ﷺ کو پناہ دی ہوئی ہے اور اس کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے، یاد رکھو کہ ہم تمہارے اس عمل کو کسی طرح بھی پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، لہٰذا ان کے ساتھ لڑائی کرو۔ اگر ان کے ساتھ لڑائی کر کے آپ ان کو نقصان پہنچاؤ گے تو پھر تم ہمارے دوست ہو لیکن اگر آپ نے ان کے ساتھ لڑائی نہیں کی تو پھر ہم آپ سے لڑائی کریں گے، یہ قریش مکہ نے یہود مدینہ کی طرف پیغام بھیجا۔

اب قاعدے کا تقاضا یہ تھا کہ یہود مدینہ پہلے سے نبی کریم ﷺ سے معاہدہ کئے ہوئے تھے، لہٰذا ان کو ٹکا سا جواب دے دینا چاہئے تھا کہ بھئی! تم ہمارے سے آئندہ توقع نہ رکھو یہ ہمارے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے ہیں، لہٰذا ہم معاہدہ کے پابند ہیں لیکن بجائے اس کے کہ ان کی دعوت کو رد کرتے اپنے دل ہی دل میں انہوں نے یہ پکانا شروع کر دیا کہ ایک دن ہمیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ لڑائی کرنی ہے۔

مسلمان عورت کی بے حرمتی اور یہودیوں کا مخاصمانہ رویہ

اسی دوران اس پس منظر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرتبہ ایک انصاریہ خاتون کسی کام کی غرض سے بازار میں گئیں تو ایک یہودی نے ان کی بے حرمتی کی۔ اس پر ایک مسلمان کو غصہ آگیا اور اس نے یہودی کو مقابلے کی دعوت دی کہ تم نے ہماری خاتون کی بے حرمتی کی ہے تو اس واسطے ہم تمہارے ساتھ لڑیں گے، چنانچہ لڑائی ہوئی اور اس میں اس یہودی کو جس نے بے حرمتی کی تھی مسلمان نے مار ڈالا، اس کے جواب میں یہودیوں نے مسلمان کو مار ڈالا۔ ایک مسلمان شہید ہوگیا اور ایک یہودی قتل ہوگیا۔

حضور اقدس ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے بنوقینقاع کے پاس (یہ واقعہ بنوقینقاع کا تھا) جا کر ان سے کہا کہ بھئی! خدا کا خوف کرو یہ تم نے کیا حرکت کی کہ خاتون کی بے حرمتی کی۔

اور آنحضرت ﷺ کو کچھ اس قسم کی اطلاعات بھی مل رہی ہوں گی کہ یہ لوگ قریش کے اکسانے پر جنگ کی تیاری کر رہے ہیں، تو آپ نے ان سے کہا کہ خدا کا خوف کرو اب بھی ہوش کے ناخن لے لو۔

بدر کا واقعہ تمہارے سامنے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو ذلیل کیا اور ان پر ان کے کفر کی وجہ سے عذاب آیا اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ، اسلام لے آؤ۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تمہیں بھی اسی عذاب کا سامنا کرنا پڑے جیسا کہ قریش مکہ کو بدر کے میدان میں سامنا کرنا پڑا۔

اب آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ایک خالصتاً داعیانہ اور ناصحانہ ارشاد تھا اس کی قدر پہچاننی چاہیے تھی، لیکن انہوں نے الٹا حضور ﷺ سے یہ کہا کہ آپ نے قریش کو بدر کے میدان میں شکست دے دی اس سے دھوکے میں نہ آیئے گا وہ لوگ ناتجربہ کار تھے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے، اس واسطے آپ نے ان کے اوپر غلبہ پالیا، کسی دن ہم اور ہمارے سورماؤں سے مقابلہ ہوگیا تو یاد رکھیئے گا سب کچھ یاد آجائے گا کہ پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

بجائے اس کے کہ معاہدانہ بات کرتے الٹا سرکشی و جارحانہ اور مخاصمت کی بات کی، ساتھ میں گویا ایک طرح سے اعلان جنگ کر دیا کہ ان کے ساتھ تو آپ کو فتح مل گئی لیکن ہمارے ساتھ مقابلہ کرنا پڑے تو پتہ چلے گا۔

بنوقینقاع محاصرہ

جب یہ ساری باتیں سامنے آگئی اور ان کا نقض عہد اور عہد شکنی واضح ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے واپس تشریف لا کر کہا کہ اب اس کا علاج یہ ہے کہ ان کے اوپر حملہ کیا جائے۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ اپنے صحابۂ کرام ؓ کو لے کر مدینہ منورہ سے نکلے اور بنوقینقاع کی بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ قینقاع کی بستی کا محاصرہ کیا، یہ محاصرہ تقریباً پندرہ دن جاری رہا اور پندرہ دن محاصرہ کرنے کے بعد بالآخران کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہتھیار ڈالنے کے بعد کہا کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے بارے میں جو فیصلہ کرتے ہیں وہ منظور ہوگا۔

رئیس المنافقین

عبداللہ ابن اُبی رئیس المنافقین کی بنوقینقاع سے دوستیاں تھی، اس نے حضور ﷺ سے سفارش کی کہ آپ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور بس ان کی سزا یہ مقرر کردیں کہ ان کو قتل وغیرہ نہ کریں بلکہ ان کو جلاوطن کردیا جائے، مدینہ منورہ سے یہ نکل جائیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی جلاوطنی کا حکم دے دیا اور یہ قینقاع کے لوگ جلاوطن ہوئے۔ جتنا مال ان کے ساتھ جاسکتا تھا وہ ان کو لے جانے کی اجازت دی گئی اور ان کی دوسری جو جائیدادیں وغیرہ تھیں وہ مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اور آنحضرت ﷺ نے پھر ان کو تقسیم فرمایا اور اس کا خمس بیت المال میں داخل کیا۔

یہ بنوقینقاع کا واقعہ تھا، یہ یہودیوں کا چھوٹا سا قبیلہ تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا۔

بنونضیر کا واقعہ کب پیش آیا؟

اس میں اصحابِ سیر کا اختلاف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں ترجمۃ الباب میں دو قول نقل کئے ہیں۔

ایک حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا قول کہ غزوۂ بدر کے چھ مہینے کے بعد غزوۂ بنونضیر پیش آیا۔

دوسرا محمد بن اسحاق کا قول امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ یہ غزوۂ بیرٔ معونہ اور غزوۂ احد کے بعد کا واقعہ ہے۔ [1]

جو حضرات کہتے ہیں کہ یہ واقعہ احد سے پہلے کا اور بدر کے چھ ماہ بعد کا ہے جیسا کہ حضرت عروہ بن زبیر

---

[1] عن عروۃ بن الزبیر العوام: کانت غزوۃ بنی النضیر علی رأس ستۃ أشهر من وقعۃ غزوۃ بدر قبل احد. وقال ابن اسحاق: اقام رسول اللہ ﷺ بعد احد بقیۃ شوال وذاالقعدۃ وذاالحجۃ والمحرم، ثم بعث باصحاب بئر معونۃ فی صفر علی رأس اربعۃ اشهر من احد. عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۱۸۲،۱۸۱

رضی اللہ عنہما کا قول ہے، وہ غزوۂ بنو نضیر کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے بعد یہ واقعہ ہوا کہ بنو نضیر کو بھی آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تھی، تو انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ کہا کہ ہم اپنے تیں احبار، یعنی بڑے بڑے علماء کو جمع کر لیتے ہیں اور آپ بھی تشریف لے آئیں، آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ بھی ہوں اور آپس میں بات کر لیں کہ ہم میں سے کون حق پر ہے۔ گویا دلائل کا تبادلہ ہو جائے، تو اگر آپ کے دلائل کی روشنی میں ہمارے احبار نے بات مان لی تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔

ظاہر میں تو انہوں نے یہ کہا تھا ایک طرح کی دعوت دی تھی لیکن اندر ہی اندر سازشیں یہ تیار کی تھیں کہ جب اس طرح مسلمان جمع ہوں تو پیچھے سے نبی کریم ﷺ کے اوپر حملہ کر دیا جائے اور آپ کو اور آپ کے صحابہ کو شہید کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی کہ ان کا ارادہ ایسا ہے۔

معاہدہ کا مطالبہ اور بنو نضیر کا انکار

سنن ابوداؤد میں روایت آتی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے اس موقع پر فرمایا کہ اس وقت یہ کام کرنے کو تیار ہوں تم ایک معاہدہ کی تحریر لکھو، معاہدہ کرو، بظاہر اس معاہدے کے معنی یہ تھے کہ معاہدے کے اندر یہ بات ہو کہ یہ محض ایک دعوتی انداز کی گفتگو ہوگی اور حملہ وغیرہ نہیں کیا جائے گا اور دوسرے یہ بھی ہو کہ اگر اس بات کے نتیجے میں نبی کریم ﷺ کے دلائل قوی ہو جائیں تو ہم اسلام لے آئیں گے، آپ ﷺ نے اس تحریر کا مطالبہ کیا۔ بنو نضیر نے اس کو دینے سے انکار کیا کہ ہم نہیں دیتے۔

بالآخر یہ طے ہوا کہ تین آدمی ان کے علماء میں سے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ آ کر بات کریں گے۔ آپ ﷺ نے اس کو منظور فرما لیا لیکن ساتھ ہی انہوں نے آپ کو شہید کرنے کی جو سازش تیار کی تھی وہ پھر بھی برقرار رکھی، تو اس واسطے آنحضرت ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی تھی۔

آپ ﷺ نے پھر بجائے اس کے کہ ان سے بات کرنے تشریف لے جائیں آپ نے سوچا کہ اب ان کی حرکتیں انتہا کو پہنچ گئیں ہیں، لہٰذا مسلمانوں کا لشکر لے کر ان کے اوپر حملہ آور ہوئے اور ان کی بستیوں کا محاصرہ کر لیا۔

یہ بنو نضیر کے واقعے کا سبب اور باعث ہے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق کہ یہ واقعۂ بدر کے چھ ماہ بعد کا ہے اور احد سے پہلے کا ہے۔ [۲]

---

[۲] سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارة والفئ، باب فی خبر النضیر، رقم: ۳۰۰۴

محمد ابن اسحٰق نے جو یہ کہا کہ یہ واقعہ غزوۂ احد اور غزوۂ بیئرِ معونہ کے بعد کا ہے، اس کا سبب وہ یہ بتاتے ہیں کہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو بیئرِ معونہ کی مہم میں شامل تھے، بیئرِ معونہ کے غزوے میں کفار نے ستر مسلمانوں کے قراء صحابہ کو شہید کر دیا تھا۔

یہ ان سے بچ نکلنے میں کسی طرح کامیاب ہوگئے تھے تو جب یہ واپس آرہے تھے تو راستے میں ان کو اسی قبیلے کا ایک فرد ملا جس قبیلے نے بیئرِ معونہ کے موقع پر مسلمانوں سے زیادتی کی تھی تو انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ وہ قبیلہ ہے جو مسلمانوں کو اتنا زبردست نقصان پہنچا چکا ہے کہ ستر قراء صحابہ انہوں نے شہید کر دیئے، تو مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ میں اس آدمی سے مقابلہ کر کے کم از کم اس کو تو ٹھنڈا کر دوں۔

معاہد کا قتل جائز نہیں ہے

چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو یہ سوچ کر مار دیا کہ یہ اسی قبیلے کا فرد ہے۔ حضور ﷺ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا کہ یہ مارنا تو صحیح نہیں ہے۔

اس واسطے کہ غزوہ بیئرِ معونہ میں جو کچھ کیا اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر تھی جو وہاں موجود تھے، قبیلہ کا ہر آدمی اس کا ذمہ دار نہیں اور ان کے ساتھ جس آدمی کو مارا ان کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تھا یعنی نبی کریم ﷺ کا معاہدہ تھا، بنو نضیر کا بھی معاہدہ تھا، بنو نضیر جو مسلمانوں کے معاہد اور حلیف تھے تو ان کا بھی اور نبی کریم ﷺ کا بھی معاہدہ تھا، تو آپ نے فرمایا کہ بھئی! یہ کام تو غلط ہوا صحیح نہیں ہوا، لہٰذا مقتولین دو تھے۔

ایک روایت میں ایک آدمی کا ذکر ہے اور ایک روایت میں دو آدمیوں کا ذکر ہے، دو جو مقتول تھے ان کی دیت ہمیں ادا کرنی پڑے گی، ہم ان کی دیت ادا کریں گے۔

ایک طرف تو آپ دیکھئے کہ بیئرِ معونہ کا اتنا بڑا واقعہ پیش آچکا ہے، جس کیلئے نبی کریم ﷺ نے ایک مہینہ تک قنوت نازلہ میں اس قبیلے کے لئے بددعا کی لیکن انصاف کا معاملہ یہ نہیں کہ جوش میں آکر اس قبیلے کے ہر فرد کو مار دیا جائے اس کیلئے آپ نے فرمایا کہ آپ دیت ادا کریں۔

جب دیت ادا کرنے کا مسئلہ آیا تو چونکہ بنو نضیر بھی معاہد تھے، لہٰذا اس دیت کی ادائیگی میں اس زمانے کے رواج کے مطابق بنو نضیر کو بھی حصہ دار بننا چاہیے تھا کہ وہ بھی اس دیت کی ادائیگی میں اپنا حصہ ڈالیں، تو حضور اقدس ﷺ ان لوگوں سے اس سلسلے میں گفتگو کرنے کیلئے تشریف لے گئے۔

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے گفتگو کا منشاء یہ تھا کہ وہ بھی دیت کا اپنا حصہ ادا کریں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر کو محض اس واقعے کی اطلاع دینا منظور تھا اور ساتھ میں یہ بھی کہ دیت کی ادائیگی کس

طرح کی جائے، کن ذرائع کے ساتھ کی جائے۔

سازشی حربہ اور تائید من جانب اللہ

بنی نضیر بھی بنو عامر کے حلیف تھے اس لئے از روئے معاہدہ دیت کا کچھ حصہ بنونضیر کے ذمہ بھی واجب الاداء تھا، اس سلسلہ میں حضور اکرم ﷺ اس دیت میں اعانت اور امداد لینے کی غرض سے جب بنونضیر کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، حضرات صحابہ کرام میں سے ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ وغیرہ ؓ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ ﷺ جا کر ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔

جب بنونضیر کو پتہ چلا کہ حضور اقدس ﷺ ان لوگوں سے بات کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں تو بنونضیر نے بظاہر نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا اور خون بہاء میں شرکت اور اعانت کا وعدہ کیا لیکن ایک آدمی کو مأمور کیا کہ تم چھت پر چڑھ جاؤ وہاں سے ایک پتھر حضور اکرم ﷺ پر اس طرح پھینک دو کہ یہ چراغ ہی بجھ جائے، تو ایک آدمی اوپر چڑھ گیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو حفاظت کرنی تھی تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا کہ انہوں نے یہ سازش کی ہے اور یہ اوپر آدمی چڑھا ہوا ہے اور قریب ہے کہ یہ پتھر پھینک ہی دے تو آنحضرت ﷺ کچھ کہے بغیر اس طرح وہاں سے اٹھ گئے جیسے کہ کسی کام کے لئے آدمی اٹھ جاتا ہے، جب کہ وہاں صحابہ موجود تھے اور پھر واپس آنے کے بجائے آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

جو صحابہ کرام ؓ وہاں پر رکے ہوئے تھے انہوں نے کچھ دیر تو انتظار کیا کہ آپ تشریف لائیں گے، جب دیکھا کہ نہیں تشریف لائے تو حضور اقدس ﷺ کی تلاش میں گئے، تو دیکھا کہ آپ مدینہ منورہ جا چکے تھے، یہ صحابہ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضور اقدس ﷺ نے ان کو یہود کی غداری سے مطلع فرمایا کہ جس کی وجہ سے آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے تھے۔

محاصرہ اور جنگی تدبیر

لہٰذا اب اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ ان کا بھی وہی معاملہ کیا جائے جو بنوقینقاع کے ساتھ کیا ہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں رسول کریم ﷺ نے ان کے علاقے کا محاصرہ کیا اور ان کا انجام بھی بالآخر یہی ہوا کہ محاصرے کی یہ تاب نہ لا سکے اور انہوں نے بھی ہتھیار ڈالے اور ہتھیار ڈالنے کے بعد حضور اقدس ﷺ نے ان

کے بارے میں بھی یہی فیصلہ فرمایا کہ ان کو جلاوطن کیا جائے۔
جب محاصرہ جاری تھا تو محاصرے کے دوران ایک جنگی تدبیر کے طور پر آنحضرت ﷺ کو بنونضیر کے آس پاس کے جو بعض کھجوروں کے درخت تھے کاٹنے کی نوبت آئی جس پر انہوں نے بڑا شور مچایا کہ یہ تو جنگ کے اندر درخت کاٹتے ہیں حالانکہ درخت کاٹنا وہ ایک جنگی تدبیر تھی اس لئے کہ وہ کاٹ دیئے گئے۔
اس لئے قرآن کریم میں آیا ہے:

﴿مَا قَطَعْتُم مِّن لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ [۳]

ترجمہ: تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے، یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، تو یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے تھا، اور اس لئے تھا تاکہ اللہ نافرمانوں کو رُسوا کرے۔

کہ جب وہ لوگ قلعہ بند ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں تاکہ اُس کے درد سے باہر نکل کر لڑنے پر مجبور ہوں اور کھلی ہوئی جنگ کے وقت درختوں کی رکاوٹ باقی نہ رہے، اس پر کچھ درخت کاٹے گئے اور کچھ چھوڑ دیئے گئے کہ فتح کے بعد مسلمانوں کے کام آئینگے۔
ان کافروں نے اس پر طعن شروع کردیا کہ خود تو فساد سے منع کرتے ہیں کیا درختوں کو جلانا اور کاٹنا فساد نہیں؟
اُس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی یہ سب کچھ اللہ جل شانہ کے حکم سے ہے، حکم الٰہی کی تعمیل کو فساد نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ گہری حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا ہے۔
اس کے بعد ان یہودیوں کو جلاوطن کیا گیا، یعنی ان کی قسمت میں جلاوطنی کی سزا لکھی تھی۔
یہ بات نہ ہوتی تو کوئی دوسری سزا دنیا میں دی جاتی مثلاً بنی قریظہ کی طرح مارے جاتے، غرض سزا سے بچ نہیں سکتے۔ یہ خدا کی حکمت ہے کہ بجائے قتل کے محض جلاوطنی پر اکتفاء کیا گیا۔
لیکن یہ تخفیف صرف دنیوی سزا میں ہے آخرت کی ابدی سزا کسی طرح ان کافروں سے ٹل نہیں سکتی۔
جب یہ قوم ملک شام سے بھاگ کر یہاں آئی تھی تو ان کے بڑوں نے کہا تھا کہ ایک دن تم کو یہاں سے ویران ہوکر پھر شام میں جانا پڑیگا۔ چنانچہ اُس وقت اُجڑ کر بعض شام میں چلے گئے اور بعض خیبر میں رہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہاں سے اُجڑ کر شام میں گئے۔ [۴]

---

[۳] [الحشر: ۵]، [۴] آسان ترجمہ قرآن، حاشیہ: ۲،۱، ۴، ج: ۳، ص: ۱۷۰۲، ۱۷۰۳

جلاوطنی کی شرائط

جلاوطنی کی شرائط میں یہ تھا کہ سوائے ہتھیاروں کے جو کچھ مال یہ لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں، ہتھیار روک لئے گئے باقی سارا سامان ان کو لے جانے کی اجازت دی گئی۔

یہاں تک کہ تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب یہ جارہے تھے تو جشن کا سماں تھا ہر ایک آدمی کا سامان، مال واسباب وغیرہ اونٹ پر لدا ہوا تھا اور خوب گاتے بجاتے وہاں سے رخصت ہوئے۔ ان میں سے بعض جا کر خیبر میں آباد ہوئے اور بعض جا کر شام کے اندر آباد ہوئے۔

سبب

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بیان کے مطابق اس کا سبب وہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے بھی کچھ علماء آجائیں گے اور آپ بھی آجائیں اور آپس میں بات چیت کریں گے۔

ابن اسحق رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق وجہ یہ ہے کہ دیت کی ادائیگی کا مسئلہ تھا اور اس کے پیچھے انہوں نے سازش تیار کی تھی۔

بہت سے محققین نے یہ کہا ہے کہ جہاں تک اس غزوے کی تاریخ کا تعلق ہے تو زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ غزوہ بیرِ معونہ اور احد کے بعد پیش آیا جیسا کہ ابن اسحق کہتے ہیں۔

البتہ سبب دونوں پیش آگئے کہ انہوں نے ایک طرف تو عالموں کو بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس میں سازش تیار کی تھی اور دوسری طرف حضور اقدس ﷺ دیت کے مسئلے میں بات چیت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے بعد پھر انہوں نے سازش تیار کی تو دونوں واقعے مل کر غزوہ بنونضیر کا باعث بنے۔ [۵]

وقال الزهري، عن عروة بن الزبير: كانت على رأس ستة أشهر من وقعة بدر قبل وقعة احد. وقول الله عزوجل: ﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ الى قوله: ﴿أَنْ يَخْرُجُوْا﴾ وجعله ابن اسحاق بعد بئر معونة واحد.

ترجمہ: زہری، حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ غزوہ بنی نضیر، غزوۂ بدر کے

---

[۵] غزوة بنى نضير كما فى كتاب المغازى للواقدى، ج: ۱، ص: ۳۶۳، و سيرة المصطفىٰ صلى الله عليه وسلم، ج: ۲، ص: ۱۲۸، ۲۷۰

چھ ماہ بعد اور غزوۂ اُحد سے پہلے ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ اور ابن اسحٰق نے بیر معونہ اور اُحد کے بعد بنی نضیر کا ذکر کیا ہے۔

تشریح

امام زہری رحمہ اللہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں ''**كانت على رأس ستة أشهر من وقعة بدر قبل وقعة أحد**'' کہ غزوہ بنونضیر، واقعۂ بدر کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے پیش آیا۔

اس غزوہ کے بارے میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ أَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوْا﴾ [۱]

ترجمہ: وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے کافر لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالا، پہلی مرتبہ نکالا جانا، (مسلمانو!) تمہیں یہ خیال بھی نہیں تھا کہ وہ نکلیں گے۔

''أوّل الحشر'' کا مطلب

''پہلی مرتبہ نکالا جانا'' جو ان یہودیوں کیلئے ''اول الحشر'' تھا۔

''اول الحشر'' کے بارے میں مختلف اقوال ذکر کئے گئے ہیں:

''اول الحشر'' کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے اس سے پہلے اس قسم کی جلاوطنی دیکھی نہیں تھی پہلی بار جلاوطن ہوئے یا یوں کہہ لو کہ حضور اقدس ﷺ نے پہلی بار انہی کو جلاوطن فرمایا۔

''اول الحشر'' کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ اس سے پہلے بنو قینقاع بھی جلاوطن ہو چکے تھے لیکن وہ تھوڑے سے لوگ تھے اور ان کی اتنی اہمیت بھی نہیں تھی، لہٰذا بنو نضیر بڑا قبیلہ تھا ان کی اہمیت تھی اس واسطے اس کو ''اول الحشر'' قرار دیا۔

---

[۱] [الحشر: ۲]

"اول الـحشـر" کے معنی بعض حضرات نے یہ بیان بھی کئے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ان یہودیوں کا پہلا حشر تھا اور بالآخران کا حشر آخرت میں ہوگا، تو "اول الحشر" آخرت کی نسبت سے ہے۔

"اول الـحشـر" سے اس طرف بھی اشارہ ہو کہ ان یہودیوں کا پہلا حشر یہ ہے کہ مدینہ چھوڑ کر خیبر وغیرہ چلے گئے اور دوسرا حشر وہ ہوگا جو حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں پیش آیا یعنی دوسرے یہود ونصاریٰ کی معیت میں یہ لوگ بھی خیبر سے ملکِ شام کی طرف نکالے گئے جہاں آخری حشر بھی ہونا ہے۔

اسی لئے شام کو "ارض الحشر" بھی کہتے ہیں۔ [۷]

"وجعلـه ابن اسحق بعد بئر معونة و احد" اور محمد ابن اسحٰق رحمہ اللہ نے بنونضیر کے واقعے کو بیرِ معونہ اور احد کے واقعہ کے بعد قرار دیا ہے۔

۴۰۲۸ ـ حدثنا إسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا ابن جريج، عن موسى بن عقبة، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: حاربت النضير وقريظة فأجلى بني النضير وأقر قريظة ومن عليهم. حتى حاربت قريظة، فقتل رجالهم، وقسم نساء هم وأولادهم وأموالهم بين المسلمين، إلا بعضهم لحقوا بالنبي ﷺ فآمنهم وأسلموا، وأجلى يهود المدينة كلهم: بني قينقاع وهم رهط عبدالله بن سلام، ويهود بني حارثة، وكل يهود المدينة. [۸]

ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ بنی نضیر اور بنی قریظہ نے جنگ کی، تو بنی نضیر کو جلاوطن کردیا گیا اور بنی قریظہ پر احسان کرکے انہیں رہنے دیا گیا، لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے دوبارہ لڑائی کی تو مسلمانوں نے ان کے مردوں کو قتل کردیا اور عورتوں، بچوں اور مال واسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کردیا۔ مگر جو لوگ نبی ﷺ کے ساتھ مل گئے یعنی مسلمان ہوگئے وہ باقی رہ گئے، باقی مدینہ کے تمام یہودیوں کو جو بنی قینقاع یعنی عبداللہ بن سلام کی قوم والے تھے اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو، اور جو بھی یہودی مدینہ میں تھے، سب کو نکال دیا۔

---

[۷] قوله: ((لأول الحشر)) أي: الجلاء، وذلك أن بني النضير أول من أخرج من ديارهم، وروى ابن مردويه قصة بني النضير باسناد صحيح مطولة، وفيه: أنه ﷺ قاتلهم حتى نزلوا على الجلاء، وكان جلاؤهم ذلك أول حشر الناس الى الشام. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۱۸۲ وفتح الباري، ج:۷، ۳۳۰

[۸] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب اجلاء اليهود من الحجاز، رقم: ۳۳۱۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الخراج والامارة والفيء، باب في خبر النضير، رقم: ۲۶۱۱

تشریح

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: **"حاربت النضير وقريظه الخ"** بنونضیر اور بنو قریظہ نے حضور ﷺ سے جنگ کی تو آپ ﷺ نے بنونضیر کو جلا وطن فرمایا اور قریظہ کے لوگوں کو باقی رکھا اور ان پر احسان فرمایا۔

"حتى حاربت قريظة فقتل رجالهم الخ" یہاں تک کہ بالآخر قریظہ والوں نے بھی غزوۂ احزاب کے موقع پر دوبارہ جنگ کی تو آپ ﷺ نے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو اور ان کے اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔

"الا بعضهم لحقوا بالنبي ﷺ الخ" سوائے بعض لوگوں کے جو نبی کریم ﷺ کے ساتھ آ ملے تھے یعنی اسلام قبول کر لیا تھا، تو آپ ﷺ نے ان کو امن دیا اور وہ اسلام لے آئے، ایسے چند لوگ تھے۔

"واجلى يهود المدينة كلهم الخ" تو حضور اقدس ﷺ نے مدینے سے باقی تمام یہودیوں کو جلا وطن کر دیا تھا اور بنو قینقاع کو بھی اور یہ عبداللہ بن سلام کے قبیلے کے لوگ تھے اور بنی حارثہ کے یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا اور مدینہ میں رہنے والے تمام یہودیوں کو بھی جلا وطن کر دیا تھا۔

۴۰۲۹ ۔ حدثنا الحسن بن مدرك: حدثنا يحي بن حماد: أخبرنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس: سورة الحشر، قال: قل: سورة النضير، تابعه هشيم، عن أبي بشر. [انظر: ۴۶۴۵، ۴۸۸۲، ۴۸۸۳] [۹]

ترجمہ: سعید بن جبیر نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے سورۂ حشر کا ذکر آیا تو انہوں نے فرمایا کہ سورۂ نضیر کہو! ابو عوانہ کے ساتھ اس حدیث کو ہشیم نے بھی ابو بشر سے روایت کیا ہے۔

سورۂ نضیر

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے **"سورة الحشر"** کا نام لیا تو انہوں نے فرمایا کہ **"قل سورة النضير"** اس کو **"سورة النضير"** کہو، کیونکہ اس سورۃ میں بنونضیر کی جلا وطنی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور اس کی بہت سی باتیں اس میں ذکر کی گئیں ہیں۔

---

[۹] وفي صحيح مسلم، كتاب التفسير، باب في سورة براءة والأنفال والحشر، رقم: ۵۳۵۹

۴۰۳۰ - حدثنا عبداللہ بن أبی الأسود: حدثنا معتمر، عن أبیه: سمعت أنس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ قال: کان الرجل یجعل للنبی ﷺ النخلات حتی افتتح قریظة والنضیر فکان بعد ذلک یرد علیهم. [راجع: ۲۶۳۰]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کیلئے لوگوں نے کھجوروں کے درخت بطور تحفہ نامزد کردیئے تھے تاکہ آپ ﷺ اس کے میوہ سے گزریں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے بنی قریظہ اور بنی نضیر پر فتح پائی، پھر آپ ﷺ نے ان درختوں کو لوگوں کو واپس کردیا۔

کھجور کے درختوں کا تحفہ

حضرت انس ابن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے بعض صحابہ ؓ نے نبی کریم ﷺ کے لئے کچھ کھجور کے درخت مقرر کئے تھے۔ حضرات انصار کا مہاجرین کے ساتھ حسن سلوک کا ایک پہلو یہ تھا کہ اگر کسی کے پاس نخلستان ہے، تو کھجور کے کچھ درخت متعین کردیئے کہ یہ میرے فلاں مہاجر بھائی کے ہیں یہ فلاں کے ہیں یہ فلاں کے ہیں، اسی طرح حضور اقدس ﷺ کیلئے بھی بعض انصاری صحابہ نے کچھ درخت مقرر فرمائے ہوئے تھے اور یہ اس لئے مقرر کئے ہوئے تھے کہ اس کے پھل سے آپ مستفید ہوں۔

یہاں تک کہ جب قریظہ اور نضیر فتح ہوگیا اور ان کا مال غنیمت مسلمانوں کے پاس آیا **"فکان بعد ذلک یرد علیهم"** تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے وہ درخت واپس کردیئے جو انصار نے دیئے ہوئے تھے، کیونکہ اب ہمارے پاس وسعت ہوگئی ہے، لہٰذا اب تم یہ واپس لے لو۔

۴۰۳۱ - حدثنا آدم: حدثنا اللیث، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قال: حرق رسول اللہ ﷺ نخل بنی النضیر وقطع وهی البویرة فنزل ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ﴾ [راجع: ۲۳۲۶]

"احراق بالنار" کا حکم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کو آگ لگادی تھی **"وقطع"** اور بعض درختوں کو کاٹ دیا تھا، **"وهی البویرة"** اور جس جگہ درخت کاٹے گئے تھے اس کا نام بویرہ تھا۔

تو اس پر سورۃ الحشر کی یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَى أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللهِ﴾

"لینة" کے معنی کھجور کا ایک خاص قسم کا درخت ہے، یہ ذرا نرم ہوتا ہے اس لئے اس کو "لینة" کہتے ہیں۔

"ما قطعتم من لینة" جو بھی "لینة" کا درخت تم نے کاٹا" او ترکتموها قائمة علی اصولها" یا اس کو تم نے اپنی جڑوں پر کھڑے ہوئے چھوڑا" فباذن اللہ" تمہارے یہ سارے کام اللہ کے حکم سے تھے۔

۴۰۳۲ ۔ حدثنی إسحاق: أخبرنا حبان: أخبرنا جویریة بن أسماء، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنهما: أن النبی ﷺ حرق نخل بنی النضیر، قال: ولها یقول حسان بن ثابت:

وهان علی سراة بنی لؤی | حریق بالبویرة مستطیر

قال: فأجابه أبو سفیان بن الحارث:

أدام اللہ ذلک من صنیع | وحرق فی نواحیها السعیر

ستعلم أینا منها بنزه | وتعلم أی أرضینا تضیر

[راجع: ۲۳۲۶]

حضرت حسان بن ثابت ﷺ کا شعر

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنو نضیر کے بعض نخل کو آگ لگائی تھی۔ اسی واقعہ کو یاد دلاتے ہوئے حضرت حسان بن ثابت ﷺ نے یہ شعر فرمایا تھا:

وهان علی سراة بنی لؤی | حریق بالبویرة مستطیر

"هان ۔ یهون" کے معنی ہوتے ہیں آسان ہونا، "سراة" جمع ہے "سری" کی اور اس کے معنی ہوتے ہیں سردار اور "بنو لؤی" وہ قبیلہ ہے کہ قریش جس کی ایک شاخ ہے اور "حریق" لگی ہوئی آگ کو کہتے ہیں، "بویرہ" اس جگہ کا نام ہے، "مستطیر" کے معنی ہیں اڑتی ہوئی۔

ترجمہ: بنو لؤی کے سرداروں پر آسان تھی، وہ آگ جو بویرہ کے مقام پر ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑ کر جا رہی تھی۔

تو یہاں اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

ایک احتمال ہے کہ "سراۃ بنی لؤی" سے مراد نبی کریم ﷺ اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں یعنی حضور ﷺ اور آپ کے رفقائے کرام کے لئے بویرہ میں جو آگ اڑ رہی تھی وہ ایک آسان معاملہ تھا، آسانی سے یہ آگ لگادی تھی۔

یہ مطلب اس وقت ہوگا جب "سراۃ بنی لؤی" سے حضور ﷺ اور قریشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لئے جائیں۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "سراۃ بنی لؤی" سے مراد قریش کے وہ سردار ہوں جو ابھی تک کافر تھے اور مکہ میں مقیم تھے اور مطلب یہ ہے کہ یہاں تو بویرہ کے مقام پر ایسی آگ لگی ہوئی تھی جو اڑتی ہوئی تھی اور وہاں بنی لؤی کے سردار آرام سے بیٹھے ہوئے تھے ان کے اوپر یہ بات کوئی گراں نہیں گزری۔

یعنی ایک طرف تو یہودیوں کے ساتھ پینگیں بڑھا رہے تھے اور ان سے کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرو۔ جس کا تقاضا یہ تھا کہ اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو یہ اس سے رنجیدہ ہوں اور ان کا دفاع کرنے کی کوشش کریں لیکن اس کے بجائے یہ آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں تو وہ آگ جو بویرہ میں اڑ رہی تھی "سراۃ بنی لؤی" پر بہت آسان رہی۔

ابوسفیان بن حارث کی طرف سے اشعار

"قال: "فأجابه ابو سفيان بن الحارث" جب حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ شعر مکہ میں پہنچا تو ابوسفیان بن الحارث، جو حضور اقدس ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر کا جواب شعر میں اور اسی وزن اور قافیے میں دیا اور دو شعر کہے:

أدام الله ذلک من صنيع وحرق في نواحيها السعير

اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو قائم رکھے، اور یہ بھڑکتی ہوئی آگ بویرہ کے اردگرد میں چیزوں کو جلاتی رہے۔

اصل میں "ادام الله ذالک الصنيع" تھا "من" بیچ میں بیانیہ یا زائدہ آ گیا، اللہ تعالیٰ اس عمل کو ہمیشہ رکھے، یعنی یہ جو تم نے آگ لگائی ہے یہ عمل باقی رہے۔

"حرق سعير في نواحيها" یعنی بھڑکتی ہوئی آگ وہ اس بویرہ کے اردگرد کے علاقوں کو جلاتی

رہے کیونکہ بویرہ کے اردگرد مدینہ منورہ کے علاقہ میں مسلمان تھے۔

ستعلم اینا منها بنزه وتعلم أی أرضینا تضیر

یعنی تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے کون ہے جو اس آگ سے محفوظ ہے۔

"**اینامنها بنزه۔ صار بنزه منه**" یہ محاورہ ہوتا ہے۔ "نزہ" کے معنی ہیں پاک رہنا اور یہاں پر مراد ہے محفوظ رہنا کہ عنقریب تمہیں پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون اس آگ سے محفوظ ہے، تم محفوظ ہو یا ہم محفوظ ہیں۔

"**وتعلم أی أرضینا تضیر**" اور تمہیں یہ پتہ لگ جائے گا کہ ہم دونوں کی جو زمینیں ہیں ایک مدینے میں تمہاری زمین اور ایک مکے میں ہماری زمین۔ تو ان میں سے کون سی زمین ہے جو نقصان پہنچانے والی ہے ،یعنی اگر لڑائی کی آگ اسی طرح بھڑکتی رہی تو اس کے نتیجے میں تمہاری ساری بستی تباہ و برباد ہو جائے گی، **العیاذ باللہ**۔

ابوسفیان بن الحارث نے جب یہ جواب دیا اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے فتح مکہ کے موقع پر توفیق دی اور مسلمان ہو گئے۔

۴۰۳۳ ۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزهری قال: أخبرنی مالک بن أوس بن الحدثان النصری: أن عمر بن الخطاب ﷺ دعاه إذ جاء ه حاجبه یرفافقال له: هل لک رغبة فی دخول عثمان وعبد الرحمٰن والزبیر وسعد یستأذنون؟ فقال: نعم فأدخلهم فلبث قلیلا، ثم جاء فقال: هل لک رغبة فی عباس وعلی یستأذنان؟ قال: نعم، فلما دخلا وسلما قال عباس: یا امیر المؤمنین، اقض بینی وبین هذا وهما یختصمان فی الذی أفاء الله علی رسوله ﷺ من مال بنی النضیر. فاستب علی وعباس فقال الرهط: یا أمیر المؤمنین، اقض بینهما، وأرح أحدهما من الآخر، فقال عمر: اتئدوا أنشدکم بالله الذی بإذنه تقوم السماء والأرض، هل تعلمون أن رسول الله ﷺ قال: ((لا نورث، ما ترکنا صدقة)) یرید بذلک نفسه؟ قالوا: قد قال ذلک. فأقبل عمر علی علی وعباس، فقال: أنشدکما بالله هل تعلمان أن رسول الله ﷺ قد قال ذلک؟ قالا: نعم، قال: فإنی أحدثکم عن هذا الأمر، إن الله سبحانه کان خص رسوله ﷺ فی هذا الفیء بشیء لم یعطه أحدغیره، فقال جل ذکره: ﴿وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ إلی قوله: ﴿قَدِيْرٌ﴾ فکانت هذه خالصة لرسول الله ﷺ: ثم والله ما احتازها دونکم ولا استأثرها علیکم، لقد أعطاکموها وقسمها فیکم حتی بقی هذا المال منها، فکان رسول

الله ﷺ ينفق على أهله نفقة سنتهم من هذا المال. ثم يأخذ ما بقي فيجعله مجعل مال الله، فعمل ذلک رسول الله ﷺ حياته، ثم توفي النبي ﷺ فقال أبو بكر: فأنا ولي رسول الله ﷺ، فقبضه أبوبكر فعمل فيه بما عمل به رسول الله ﷺ وأنتم حينئذ. فأقبل على علي وعباس وقال: تذكران أن أبا بكر عمل فيه كما تقولان والله يعلم إنه فيه لصادق بار راشد تابع للحق، ثم توفي الله عزوجل أبابكر فقلت: أنا ولي رسول الله ﷺ و أبي بكر فقبضته سنتين من إمارتي أعمل فيه بماعمل رسول الله ﷺ وأبو بكر، والله يعلم أني فيه صادق بار راشد تابع للحق، ثم جئتماني كلاكما، وكلمتكماواحدة، وأمركما جميع، فجئتني، يعني عباسا، فقلت لكما: إن رسول الله ﷺ قال: ((لا نورث ما تركنا صدقة))، فلما بدالي أن أدفعه إليكما قلت: إن شئتما دفعته إليكما على أن عليكما عهدالله وميثاقه لتعملان فيه بماعمل فيه رسول الله ﷺ وأبوبكر، وماعملت فيه مذ وليت، وإلافلا تكلماني، فقلتما، ادفعه إلينا، بذلک فدفعته إليكما. أفتلتمسان مني قضاء غير ذالک؟ فوالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض لاأقضي فيه بقضاء غير ذلک حتى تقوم الساعة، فإن عجزتماعنه فادفعاإلي فأنا أكفيكماه. [راجع: ۲۹۰۴]

ترجمہ: زہری نے کہا مجھے مالک بن اوس بن حدثان نصری نے خبر دی کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بلایا کہ اتنے میں ان کے پاس یرفا دربان نے آکر کہا آپ چاہتے ہیں کہ حضرت عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئیں، آپ نے علی رضی اللہ عنہ بھی آنا چاہتے ہیں، فرمایا آنے دو، پھر وہ آئے اور سلام کیا، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المؤمنین! میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیجئے جو اس مال کے متعلق ہے جو اللہ نے بغیر لڑے بنی نضیر سے اپنے رسول ﷺ کو دلوایا، اور آپس میں سخت کلامی بھی ہوئی ہے، تا کہ یہ رات دن کا جھگڑا ختم ہو جائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ذرا ٹھہرو، جلدی مت کرو! میں تم کو اُس پروردگار کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں، تم کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے ہم لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، انہوں نے کہا بے شک آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا ہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھا، انہوں نے کہا بے شک ایسا ہی فرمایا تھا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تم کو معاملہ کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو مال فئی میں ایک خاص حق دیا تھا، جو دوسرے پیغمبروں کو نہیں دیا گیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ﴾ إلى قوله: ﴿قَدِيْرٌ﴾ لہٰذا اس قسم کے مال خاص

آنحضرت ﷺ کے لئے تھے، مجاہدین کا اس پر کوئی حق نہیں تھا، مگر خدا کی قسم! آنحضرت ﷺ نے اس مال کو خاص اپنی ذات کے لئے محفوظ نہیں رکھا بلکہ اپنی ذات پر خرچ کیا اور جو بچ گیا وہ بانٹ دیا، جو باقی رہتا اس میں سے اپنی بیویوں کے لئے سال بھر کا خرچ نکالتے، اور پھر جو بچتا اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے، اور آپ ﷺ اپنی تمام زندگی ایسا ہی کرتے رہے، جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکر ؓ نے یہ کہہ کر میں رسول خدا ﷺ کا جانشین ہوں، اس پر قبضہ کرلیا اور اس کو اسی طرح تقسیم اور خرچ کرتے رہے، اور تم اس وقت ان سے اس سلسلہ میں شکوہ کرتے تھے، حالانکہ خدا جانتا ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں حق بجانب تھے، جب حضرت ابوبکر ؓ نے وفات پائی تو میں نے خود کو ان دونوں حضرات کا والی اور جانشین سمجھتے ہوئے اپنی امارت کے دو سالوں میں مَیں ہی اس پر قابض رہا اور وہی عمل کرتا رہا ہوں جو حضرت ابوبکر ؓ کیا کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا اور حق کا پیرو رہا، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور متفق الرائے تھے، پھر اے عباس! تم میرے پاس آئے اور میں نے تم سے یہی کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہے جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، پھر میں نے سوچا کہ تم دونوں کے سپرد اس کام کے انتظام کو کردوں، پھر میں نے آپ دونوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ کام آپ دونوں کے سپرد کردوں، بشرطیکہ آپ خدا کے عہد و پیان کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کو اسی طرح انجام دیتے رہو جس طرح رسول اکرم ﷺ کرتے رہے، ابوبکر ؓ کرتے رہے، اور میں کررہا ہوں، اگر تمہیں یہ شرط منظور نہیں ہے تو پھر کسی گفتگو کی ضرورت نہیں، تم نے اس کو منظور کرلیا، میں نے حوالہ کردیا اب اگر تم اس کے سوا کوئی فیصلہ چاہتے ہو تو قسم اس پروردگار کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، میں قیامت تک دوسرا فیصلہ کرنے والا نہیں، البتہ اگر تم سے اس مال کا انتظام نہیں ہوسکتا تو پھر میرے حوالہ کردو میں خود کرلیا کروں گا۔

حدیث کا پس منظر

یہ طویل حدیث ہے اور اس کو صحیح طرح سمجھنے کے لئے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیجئے کہ جب بنونضیر کے یہودیوں کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کیا گیا تو ان سے کہا گیا تھا کہ تم جتنا سامان سوائے ہتھیاروں کے ساتھ لے جاسکتے ہو لے جاؤ۔ ہتھیار لے جانے کی اجازت نہیں تھی، باقی سارا سامان ان کو لے جانے کی اجازت تھی تو وہ ایک ایک آدمی کئی کئی اونٹوں پر سامان لاد کر لے گیا جیسا کہ پیچھے تفصیل سے اس کا ذکر ہوا ہے۔

لیکن بہر حال سارا سامان پھر بھی نہ لے جاسکے، تو ان کے ہتھیار باقی رہ گئے، نیز ان کی زمینیں جائیدادیں جو مدینہ منورہ میں تھیں وہ ظاہر ہے کہ چھوڑ گئے۔

مالِ فئ اور غنیمت میں فرق

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ [۱۰]

ترجمہ: اور اللہ نے اپنے رسول کو اُن کا جو مال فئی کے طور پر دِلوایا، اُس کے لئے تم نے نہ اپنے گھوڑے دوڑائے، نہ اُونٹ، لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہتا ہے تسلط عطا فرما دیتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

مالِ غنیمت: وہ ہوتا ہے جو با قاعدہ لڑائی کے ذریعے حاصل کیا جائے۔ مالِ غنیمت کا قاعدہ یہ ہے کہ اسکا پانچواں حصہ بیت المال میں جاتا ہے اور چار حصے مجاہدین میں تقسیم ہوتے ہیں۔

مالِ فئی: وہ ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہو جائے، تو بنو نضیر اپنا سارا کچھ مال جو وہ چھوڑ کر گئے تھے یہ شرعی اصطلاح کے مطابق مالِ فئی ہے۔

مالِ فئ میں یہ معاملہ نہیں ہے، مالِ فئ میں خمس نہیں ہوتا، بلکہ فئ کا جو کچھ بھی مال حاصل ہوا ہے وہ امام کے اختیار اور تصرف میں ہوتا ہے وہ اگر چاہے تو کچھ مجاہدین میں تقسیم کر دے اور باقی بیت المال میں داخل کر دے اور چاہے تو پورے کا پورے بیت المال میں جمع کر لے۔

بنو نضیر کی جو املاک تھیں وہ چونکہ فئی تھیں تو ان کا تمام تر اختیار اور ان پر تصرف نبی کریم ﷺ کا تھا اور آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں وہ استعمال کریں۔ [۱۱]

---

[۱۰] [الحشر ۶]

[۱۱] قال فی "العنایة" عن أبی عبیدة: الغنیمة مانیل من أهل الشرک عنوة والحرب قائمة، وحکمها ان تخمس وسائرها بعد الخمس للغانمین خاصة. والفیء: مانیل منهم بعد ماتضع الحرب اوزارها وتصیر الدار دار الاسلام. وحکمه ان یکون لکافة المسلمین ولایخمس. إعلاء السنن، أبواب الغنائم وقسمها، ج: ۱۲، ص: ۷۶۔

اس میں یہ بھی سمجھ لینا کہ یہ اختیار آج امام کو بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کو مسلمانوں کی مصالح کے مطابق جہاں چاہے خرچ کرلے، چاہے تقسیم کرلے، چاہے بیت المال میں داخل کرکے مسلمانوں کے اوپر خرچ کرلے لیکن رسول اللہ ﷺ کو اس سے زیادہ اختیارات تھے، اس لئے کہ جو کچھ بھی فیٔ حاصل ہو وہ اللہ کا ہے اور اللہ کے رسول کا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو مالِ فیٔ اختیار

رسول اللہ ﷺ کو اس میں اختیار دو حیثیت سے حاصل تھا:

ایک تو بحیثیت امام کے اور ایک بحیثیت رسول کے۔ یعنی اس میں نبی کریم ﷺ کو یہ اختیار بھی تھا کہ اپنا حصہ خود رکھیں، تو چونکہ وہ سارا کا سارا مال رسول کریم ﷺ کے اختیار میں تھا تو آپ نے یہ کیا کہ اس میں سے اپنا کچھ حصہ رکھا اور اس اپنے حصے سے آپ اپنی ازواج مطہرات کا سال بھر کا نفقہ ادا فرمادیا کرتے تھے۔

جو باقی بچا اس کو آپ نے صحابۂ کرام ؓ میں تقسیم کرنا چاہا، تو صحابۂ کرام ؓ میں تقسیم میں مہاجرین اور انصار دونوں میں تقسیم ہوتا، لیکن آپ نے انصاری صحابہ کو بلایا۔

آبادکاری میں بصیرت نبوی ﷺ اور حضرات انصار ؓ کی تائید

یہ ابتدائی دور ۲ھ کا واقعہ ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے انصار کو بلایا اور بلا کر ان سے کہا کہ آپ جانتے ہوں گے مہاجرین وہاں سب جائیدادیں وغیرہ چھوڑ کر آئے ہیں اور اس کے نتیجے میں آپ حضرات نے ان کے ساتھ ایثار سے کام لیا ہے کہ اپنے گھروں میں ٹھہرایا ہوا ہے، اپنی زمینوں میں بھی ان کو حصہ دار بنایا ہوا ہے، اپنے درخت ان کو دے رکھے ہیں۔

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سابقہ معاملہ جیسا جاری ہے ویسا ہی جاری رہے، اور بنونضیر کی جائیدادیں آپ انصار اور ان مہاجرین میں برابر تقسیم کردی جائیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس مرتبہ یہ جائیدادیں مہاجرین کو ہی دے دی جائیں تاکہ یہ اپنے گھر بسالیں اور آپ حضرات کے گھروں میں جو رہ رہے ہیں یہ لوگ یا آپ کی زمینوں میں کام کررہے ہیں یا آپ کے درخت جو ان کے پاس ہیں وہ آپ کو واپس کردیے جائیں تاکہ ان کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہوجائے اور آپ حضرات کی اپنی زمینیں وغیرہ واپس مل جائیں۔

تو انصار نے جواب میں فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ ایسا کیجئے کہ ساری زمینیں مہاجرین ہی کو دیجئے اور

ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہوا ہے وہ واپس کرنے کی بھی ضرورت نہیں اور تقسیم ان مہاجرین میں کردیجئے، تو نبی کریم ﷺ نے ان کے جذبۂ ایثار کی بڑی قدر فرمائی اور بالآخر فیصلہ یہ کیا کہ مہاجرین میں زمینیں تقسیم فرمائیں اور ساتھ میں مہاجرین سے کہا کہ اب انصار کی جن زمینوں پر آپ حضرات ہیں تو وہ ان کے لئے خالی کردیں، چنانچہ رفتہ رفتہ مہاجرین نے وہ زمینیں انصار کو واپس کردیں اور مہاجرین کی اپنی زمینیں ہوگئیں۔

بنونضیر کے مال فئی کا مصرف

حضور ﷺ نے بنونضیر کی جائیدادوں میں اپنا جو کچھ حصہ رکھا تھا وہ ایسا تھا کہ آپ کا اپنا تھا اور اس سے آپ ازواج مطہرات کا نفقہ ادا فرمایا کرتے اور عزیز واقارب کی بھی اس سے امداد فرماتے تھے، یہ سب کچھ کرتے تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کا مسئلہ

جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہوا تو میراث کا مسئلہ پیش آیا تو یہ بات ظاہر ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی میراث تقسیم نہیں ہوگی کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی لیکن صدیق اکبر ؓ نے کہا کہ میں رسول کریم ﷺ کی جتنی متروکہ املاک تھیں ان کا وہی معاملہ کروں گا جو آپ ﷺ اپنی زندگی میں فرماتے تھے، جن جن کو آپ دیتے تھے میں بھی دیا کروں گا۔ ان میں سے کچھ جائیدادیں ایسی تھیں جن کے بارے میں حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ نے صدیق اکبر ؓ سے درخواست کی کہ ان کی تولیت آپ ہمارے حوالے کردیں۔

تولیت کا معنی یہ ہے گویا ایک طرح سے وقف ہے اور ہم اس کے متولی ہیں ہم اس طرح خرچ کریں گے جس طرح رسول کریم ﷺ خرچ کیا کرتے تھے۔

حضرت صدیق اکبر ؓ نے انکار فرمایا، انکار کی وجہ یہ تھی کہ رسول کریم ﷺ کا وصال تازہ تازہ ہوا تھا۔ اس وقت اگر یہ زمینیں دے دی جاتیں تو عمومی تاثر یہ ہوتا کہ میراث تقسیم ہوئی ہے، جب کہ انبیاء کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، لہٰذا آپ نے انکار کردیا، صدیق اکبر ؓ کا دور اسی طرح گزر گیا۔

جب فاروق اعظم ؓ کا زمانہ آیا تو حضرت علی ؓ وعباس ؓ نے دوبارہ حضرت عمر ؓ سے درخواست کی کہ آپ اس کی تولیت ہمارے حوالے کردیں۔ فاروق اعظم ؓ نے یہ محسوس کیا کہ اب وقت کافی گزر گیا ہے تو اس واسطے اب اگر ان کو تولیت دے دی جائے تو خلاف مقصود کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، لہٰذا حضرت علی ؓ اور حضرت عباس ؓ کو مشترک طور پر متولی بنادیا۔

اب یہ جو حدیث آرہی ہے اس حدیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک مرحلے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ کسی ایک وقف کے جب دو متولی ہوتے ہیں تو ایک کی رائے کچھ ہوتی ہے کہ اس طرح خرچ کی جائے اور دوسرے کی رائے کچھ اور ہوتی ہے تو کبھی کبھی جھگڑا ہو ہی جاتا ہے، تو ان حضرات کے درمیان بھی اختلاف پیدا ہو گیا اور اختلاف کے نتیجے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بڑے غصے میں بھرے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آ کر کہا کہ اب دونوں ایک ساتھ نہیں چل سکتے، لہٰذا ہماری یہ جو املاک ہیں جن کے ہم دونوں مشترک متولی ہیں ان کو تقسیم کر دیجئے۔

تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کام میں نہیں کروں گا، اس واسطے کہ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر تولیت تقسیم کی گئی کہ آدھی تولیت ان کے پاس اور آدھی تولیت ان کے پاس، تو لوگوں میں تأثر یہ ہو گا کہ میراث تقسیم کی گئی ہے، اس واسطے انہوں نے اس کو گوارہ نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ اگر مشترک طور سے آپ دونوں باہمی اتفاق کے ساتھ اس کا انتظام چلا سکتے ہو تو اب بھی میں راضی ہوں چلائیے لیکن اگر آپ باہمی اتفاق سے نہیں چلا سکتے اور تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو تقسیم میں نہیں کروں گا تو پھر ایسی صورت میں یہ مجھے واپس کر دی جائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا۔ یہ واقعہ اس روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ [۱۲]

حدیث کی تشریح

مالک ابن اوس ابن حدثان النصری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلایا۔

"**اذ جاءه حاجبه .... یستاذنون؟**" اچانک ان کا دربان یرفا ان کے پاس آ گیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دربان جس کا نام یرفا تھا، مالک ابن اوس ابن حدثان بیٹھے تھے اس وقت یرفا آیا اور اس نے آکر کہا کہ کیا آپ کو رغبت ہے، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کے بارے میں جو آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہ رہے ہیں؟

"**فقال: نعم .... فلبث قلیل**" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں ان کو بلالو، ان کو بلالیا، چاروں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہاں پر حاضر ہو گئے، ابھی ان کو بیٹھے تھوڑی دیر ہی گذری تھی۔

"**ثم جاء .... عباس وعلی یستاذنان**" پھر تھوڑی دیر میں یرفا دوبارہ آیا اور آکر کہا کیا آپ کو حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آنے میں رغبت ہے، کہ وہ آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں؟

---

[۱۲] مزید تفصیل وادلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۷، ص: ۵۵۴ تا ۵۵۱

"قال نعم......... وسلما" تو انہوں نے فرمایا ٹھیک ہے انہیں بلالو، وہ دونوں تشریف لائے اور سلام کیا۔

"قال عباس .... مال بنی النضیر" پھر حضرت عباس ﷺ نے فرمایا میرے اور اس کے (حضرت علی ﷺ) کے درمیان فیصلہ کیجئے، اور وہ جھگڑ رہے تھے اس زمین کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بنونضیر کی زمینوں میں فئی کے طور پر دی تھی۔

"فاستب علی وعباس" تو حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا۔

یہاں روایت میں جو الفاظ ہیں اس میں ایک بڑا سنگین جملہ راوی نے ذکر کیا ہے جو بظاہر خطرناک ہے **"اقض بینی وبین هذا"** اس سلسلے میں دوسری روایت جو صحیح مسلم میں آئی ہے، اس میں آتا ہے کہ **"یا امیر المؤمنین اقض بینی وبین هذا الکاذب الآثم الغادر الخائن"** یہ سب باتیں حضرت علی ﷺ کے بارے میں منقول ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر جو روایت لائے ہیں اس میں یہ جملہ حذف کر گئے ہیں، لیکن صحیح مسلم کے وہاں ظالم اور آثم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن روایتاً یہ کلمہ ثابت ہے حضرت عباس ﷺ نے کہا۔

اب اس سے بڑا اشکال واقع ہوتا ہے کہ حضرت علی ﷺ جیسے صحابی کو، ایسے صاحب فضائل کو کہہ رہے ہیں **"ظالم خائن"** وغیرہ وغیرہ۔ [۳۱]

حالانکہ یہ کوئی اتنی تشویش کی بات نہیں ہے چچا بھتیجے کا معاملہ ہے اور چچا اپنے بھتیجے کیلئے سخت الفاظ استعمال کر رہا ہے اس کے تحت وہ بسا اوقات ایسے الفاظ استعمال کر لیتے ہیں۔ پھر یہ کہ یہ کام ان کے خیال میں انہوں نے ایسا کیا کہ جو کسی کاذب اور آثم کا کام ہوتا۔

تو اس لئے چچا نے بھتیجے کے لئے ایسے لفظ استعمال کر لئے اس لئے اس کے جو منطقی نتائج ہیں اس تک جانے کی حاجت نہیں، بے تکلفی کے کلمات ہیں جو استعمال کر لئے گئے۔

جیسا کہ بسا اوقات آپ نے دیکھا ہوگا کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی **"تربت یداک"** کہہ دیا **"ویحک"** کہہ دیا **"ویلک"** کہہ دیا **"قاتلک اللہ"** کہہ دیا تو وہاں اس کے حقیقی معنی مقصود نہیں ہوتے بلکہ اس کا مقصود محض بے تکلفی کا یا ناز کا اظہار ہوتا ہے۔ تو ان پر ان کو محمول کیا جا سکتا ہے اور اس میں خواہ مخواہ خوض کی ضرورت نہیں۔

"فقال الرهط .... من الآخر" جب حضرت عباس ﷺ نے آکر یہ بات کہی تو جو حضرات

---

[۳۱] صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب حکم الفئی، رقم: ۱۷۵۷

بیٹھے ہوئے تھے، "رھط" کے معنی گروہ کے ہیں، مراد وہ جماعت جو وہاں پر بیٹھی تھی، حضرت عثمان ﷺ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ، حضرت زبیر بن عوام ﷺ اور حضرت سعد ﷺ انہوں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیجئے، اور ایک کو دوسرے سے راحت دے دیجئے۔ یعنی یہ دونوں جن کی آپس میں ناچاقی پیدا ہو رہی ہے تو آپ اگر الگ کر دیں تو ایک کو دوسرے سے راحت مل جائے گی۔

"فقال عمر اتئدو .... السماء والارض" حضرت عمر ﷺ نے فرمایا **"اتئدوا"** یہ **"تؤد"** سے نکلا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں تحمل، صبر اور کسی کام کو اطمینان سے بغیر جلد بازی کے انجام دینا۔ تو **"اتئدوا"** یعنی جلد بازی نہ کرو ذرا تحمل سے کام لو میں آپ کو قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

"هل تعلمون .... ((لا نورث ما ترکنا صدقة))" کیا آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہم لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

"یرید بذلک نفسه" اور آپ کا مقصد اپنی ذات تھا کہ ہم یعنی انبیاء کرام علیہم السلام میں کسی کی میراث جاری نہیں ہوتی۔

"قالوا: قد قال ذلک .... قالا: نعم" ان چاروں حضرات نے بھی اقرار کیا اور کہا کہ ایسا ہی ہے۔ پھر حضرت عمر ﷺ نے حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایسا ہی فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا بے شک ایسا ہی فرمایا تھا۔

"قال فانی .... أحد غیره" اس کے بعد حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ اب میں آپ کو اس کا واقعہ بتاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس فئ کے معاملے میں ایسی چیز کے ساتھ مخصوص کیا تھا جو اللہ نے آپ کے سوا کسی کو بھی نہیں دی یعنی رسول والا حصہ کسی اور کو نہیں دیا۔

"فقال: جل ذکره ...... ﴿قدیر﴾" آپ نے (سورہ حشر کی) یہ آیت پڑھی کہ "جس مال کے اوپر آپ کو گھوڑا اور رکاب کی ضرورت نہ پیش آئی ہو بلکہ بغیر قوت کے استعمال کئے ہوئے مال قبضے میں آ گیا ہو" تو اس آیت میں اس مال کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"فکانت هذه .... دونکم" تو یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے خالصۃً تھے لیکن باوجود یہ کہ آپ کو مکمل اختیار تھا اللہ کی قسم! رسول کریم ﷺ نے ان کو تمہیں چھوڑ کر اپنا نہیں بنایا۔ **"احتاز"** کے معنی قبضہ کرنا، اپنی حیازت میں لینا تو حضور اقدس ﷺ نے اپنی حیازت میں نہیں لیا تم کو چھوڑ کر۔

"ولا استاثر بها .... المال منها" اور نہ اپنی جان کو تمہارے اوپر ترجیح دی، ان اموال کے بارے میں کہ خود رکھ لئے ہوں تمہیں تقسیم نہ کئے ہوں، تمہیں دیا اور تمہارے درمیان اس کو تقسیم بھی کیا، یہاں تک

کہ یہ مال باقی رہ گیا تھا۔

"فکان رسول اللہ ﷺ .... حیاتہ" آپ ﷺ اپنے گھر والوں کا سال بھر کا نفقہ اس مال سے خرچ کرتے تھے، اور جو بچتا تھا اس کو لے کر، اس کو بھی اللہ کے مال کے طریقے پر خرچ کرتے تھے یعنی بیت المال کے اندر رکھ کر، گویا بیت المال سے تمام مسلمانوں کو ضروریات پوری کرتے یعنی خود اپنے حصے میں سے بھی جتنا ازواج مطہرات کو دیا وہ دیدیا باقی جو بچتا تھا وہ بھی نوائب مسلمین میں خرچ فرماتے تھے، آپ ﷺ ساری زندگی اسی پر عمل کرتے رہے۔

"ثم توفی........ عمل به رسول اللہ ﷺ" پھر جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر میں رسول خدا ﷺ کا جانشین ہوں، اس پر قبضہ کر لیا اور اس کو اسی طرح تقسیم اور خرچ کرتے رہے جیسے آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں عمل کرتے تھے۔

"وأنتم حینئذ .... تابع للحق" اور تم اس وقت ان سے اس سلسلہ میں شکوہ کرتے تھے، حالانکہ خدا جانتا ہے کہ وہ اپنے اس طرز عمل میں حق بجانب تھے، یہاں پر درمیان میں **"فاقبل علی علی وعباس"** یہ راوی کا جملہ معترضہ ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ **"حینئذ"** کہتے ہوئے حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے وہ عمل کرنا شروع کیا تو تم دونوں ذکر کرتے تھے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے عمل میں ویسے ہیں جیسے تم کہتے تھے، اور دوسری روایتوں میں یہ لفظ ہے کہ تم یہ سمجھتے تھے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو یہ عمل کیا ہے اس میں انہوں نے **"العیاذ باللہ"** ناانصافی سے کام لیا ہے اور وہ حق کے مطابق تقسیم نہیں کر رہے دوسری جگہ یہ ذکر آیا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے فیصلے میں سچے تھے، بار تھے، ہدایت یافتہ تھے اور حق کی پیروی کرنے والے تھے۔

"ثم توفی .... فجئتنی، یعنی عباسا" پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو میں نے خود کو ان دونوں حضرات کا والی اور جانشین سمجھتے ہوئے اپنی امارت کے پہلے دو سالوں میں، میں ہی اس پر قابض رہا، میں وہی عمل کرتا رہا جو رسول اللہ ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس میں سچا اور حق کا پیرو رہا، پھر تم دونوں میرے پاس آئے اور متفق الرائے تھے یعنی تم دونوں کی بات ایک تھی اور تمہارا معاملہ متحد تھا، پھر اے عباس! تم میرے پاس آئے۔

"فقلت لکما .... ماترکنا صدقة" تو میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ بھئی! حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ہماری یعنی انبیاء کی کوئی میراث نہیں ہے، لہٰذا میں آپ کو نہیں دوں گا لوگ سمجھیں گے کہ شاید میراث ہے لہٰذا میں نہیں دیتا۔

"فلما بدالی .... و الافلا تکلمانی" بعد میں اب میری رائے یہ بنی کہ میں آپ دونوں

کو دے دوں، جب سے میں متولی بنا ہوں جو کچھ میں کر رہا ہوں وہی آپ کو بھی کرنا پڑے گا، اور اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر مجھ سے بات نہ کیجئے۔

"فقلتما .... فدفعته الیکما" تو آپ دونوں نے کہا کہ ہمیں دے دیجئے اور اسی عہد کے ساتھ دے دیجئے، وہی کام کریں گے جو رسول اللہ ﷺ نے کیا، ان کے بعد حضرت ابوبکر ؓ نے کیا اور پھر میں نے کیا، تو میں نے آپ دونوں کو دے دیا۔

"افتلتمسان .... حتی تقوم الساعة" جب آپ دونوں نے یہ عہد کر کے مجھ سے لیا تھا تو اب کیا آپ مجھ سے اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کرانا چاہتے ہیں؟ میں اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ نہیں کروں گا۔ قسم اس پروردگار کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، میں قیامت تک دوسرا فیصلہ کرنے والا نہیں۔

"فان عجزتما .... اکفیکما" اگر آپ دونوں اس کی تولیت سے عاجز ہیں تو مجھے واپس کردو، تم دونوں سے میں کافی ہو جاؤں گا یعنی میں اسی طرح کرتا رہوں گا جیسا رسول کریم ﷺ کرتے تھے اور جیسا صدیق اکبر ؓ کرتے رہے تھے تو پھر آپ کی تولیت کی ضرورت نہیں رہے گی۔

حضرت فاروق اعظم ؓ نے یہ جواب دیا۔

۴۰۳۴ ۔ قال: فحدثت هذا الحديث عروة بن الزبير، فقال: صدق مالك بن أوس، أنا سمعت عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ تقول: أرسل أزواج النبي ﷺ عثمان إلى أبي بكر يسأله ثمنهن مما أفاء الله على رسوله ﷺ فكنت أنا أردهن، فقلت لهن: ألا تتقين الله؟ ألم تعلمن أن النبي ﷺ كان يقول: ((لا نورث، ما تركنا صدقة ۔ يريد بذلك نفسه ۔ إنما يأكل آل محمد في هذا المال)). فانتهى أزواج النبي ﷺ إلى ما أخبرتهن، قال: فكانت هذه الصدقة بيد علي، منعها علي عباسا فغلبه عليها. ثم كان بيد حسن بن علي، ثم بيد حسين بن علي، ثم بيد علي بن حسين، وحسن بن حسن، كلاهما كانا يتداولانها. ثم بيد زيد بن حسن وهي صدقة رسول الله ﷺ حقا. [انظر: ۶۷۲۷، ۶۷۳۰] [۱۳]

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بیان

---

[۱۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد، والسير، باب حكم الفيء، رقم: ۳۳۰۱، وسنن الترمذي، كتاب الجهاد عن رسول الله، باب ماجاء في الفيء، رقم: ۱۷۱۹، وسنن النسائي، كتاب قسم الفيء، رقم: ۴۰۷۱، وسنن أبي داؤد، كتاب الخراج والامارة والفيء، باب في صفايا رسول الله من الأموال، رقم: ۲۵۷۳، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۶۶، ۳۱۸

کیا تو انہوں نے کہا کہ مالک بن اوس نے سچ کہا! کیونکہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تا کہ وہ اس مال میں سے جو بنی نضیر سے ملا تھا، اپنا آٹھواں حصہ حاصل کریں، لیکن میں نے ان کو منع کر دیا، اور کہا کہ تم کو خدا کا خوف نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، آپ نے اس سے اپنی ذات مراد لی، صرف آل محمد ﷺ اس مال میں سے کھا سکتے ہیں، اور گزارے کے لئے لے سکتے ہیں، یہ سن کر ازواجِ مطہرات ترکہ مانگنے سے باز آگئیں۔ عروہ نے کہا کہ یہ مال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا، انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو قبضہ نہ کرنے دیا، ان کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ، پھر امام حسین رضی اللہ عنہ پھر زین العابدین اور حسن بن علی باری باری انتظام کرتے رہے، پھر زید بن حسن کے قبضہ میں رہا حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا خالص صدقہ تھا۔

تشریح

"فحدثت .... صدق مالک بن اوس" امام زہری کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سنائی، انہوں نے کہا مالک بن اوس نے جو حدیث سنائی ہے وہ صحیح سنائی ہے، انہوں نے سچ کہا ہے۔

"انا سمعت .... افاء اللہ علی رسولہ ﷺ" میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات نے بھی اپنا آٹھواں حصہ طلب کرنے کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا تھا۔

یعنی اس وقت تک ازواج مطہرات کو یہ پتہ نہیں تھا کہ انبیاء کرام کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ اس واسطے انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ آپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ فئ کا حصہ جو آپ ﷺ کا مملوک تھا اس کا آٹھواں حصہ ازواج مطہرات کو دے دیں۔

"فکنت انا اردھن .... فی ھذا المال" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ان ازواج مطہرات کو اس بات سے روکتی تھی، میں نے ان سے کہا کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتیں؟ کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے، آپ نے اس سے اپنی ذات مراد لی، صرف آل محمد ﷺ اس مال میں سے کھا سکتے ہیں، اور گزارے کے لئے لے سکتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ مال ان کی ملکیت میں نہیں ہوگا لیکن اس مال کی آمدنی سے ان کو اتنا دیا جائے گا جوان کے نفقے کے لئے کافی ہو۔ اور دیکھو یہاں ازواجِ مطہرات کیلئے آل کا لفظ استعمال ہو رہا ہے، لہٰذا آل محمد سے ازواج مراد ہوئیں۔

"فانتهى .... اخبرتهن" یعنی جب ان کو اس حدیث کا علم ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات بھی اسی نتیجے پر پہنچیں جس کی میں نے ان کو خبر دی تھی یعنی یہ کہ میراث تقسیم نہیں ہوگی۔

" قال: فكانت هذه الصدقة .... فغلبه عليها" حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ یہ مال حضرت علی ؓ کے قبضہ میں رہا، انہوں نے حضرت عباس ؓ کو قبضہ نہ کرنے دیا یعنی بعد میں یہ ہوا کہ انہوں نے اس وقت تو یہ کہہ دیا کہ اچھا ٹھیک ہے ہم دونوں مل کر اس کو سنبھالیں گے، لیکن بعد میں عملاً یہ ہوا کہ حضرت علی ؓ اس کے اوپر متصرف ہو گئے تھے۔

اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عباس ؓ نے چھوڑ دیا ہوگا۔

دوسری یہ کہ حضرت علی ؓ اس کے اوپر متصرف ہو گئے تھے۔

تو حضرت علی ؓ نے ایک طرح سے گویا حضرت عباس ؓ کو روک دیا تھا، اور حضرت علی ؓ اس زمین کے بارے میں حضرت عباس ؓ پر غالب آگئے تھے۔

"ثم كان بيد .... كان يتداولانها" پھر یہ حضرت حسن ؓ کے قبضے میں رہا، پھر حضرت حسین ؓ کے قبضے میں، پھر حضرت زین العابدین رحمہ اللہ کے قبضے میں آیا اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو دیتے رہے۔

۴۰۳۵ ۔ حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام: حدثنا معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها: أن فاطمة رضي الله عنها والعباس أتيا أبا بكر يلتمسان ميراثهما: أرضه من فدك، وسهمه من خيبر. [راجع: ۳۰۹۲]

۴۰۳۶ ۔ فقال أبو بكر: سمعت النبي ﷺ يقول: ((لا نورث، ما تركنا صدقة، إنما يأكل آل محمد في هذا المال)). والله لقرابة رسول الله ﷺ أحب إلي أن أصل من قرابتي. [راجع: ۳۰۹۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ حضرت عباس ؓ اور حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، دونوں حضرت ابوبکر ؓ کے پاس آکر اپنا ترکہ زمین فدک اور آمدنی خیبر سے مانگنے لگے، تو حضرت

ابوبکر ﷺ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہم لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، آل محمد ﷺ اپنی گزر کے لئے اس میں سے لے سکتے ہیں، رہا سلوک کرنا تو اللہ کی قسم! میں رسول اکرم ﷺ کے رشتہ داروں سے سلوک کرنے کو اپنے رشتہ داروں سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

ثُمن (آٹھواں حصہ) کا مطالبہ اور تولیت کا مسئلہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس ﷺ، حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پاس اپنی میراث طلب کرنے کیلئے آئے۔

"اربع من فدک" یعنی وہ زمین جو نبی کریم ﷺ کی فدک میں تھی، **"سھمہ من خیبر"** اور ایک خیبر کی جو آپ کا حصہ خیبر کے مال غنیمت میں تھا۔

تو ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ یہ زمینیں حضور اقدس ﷺ کی ملکیت میں تھیں اور آپ کے ورثاء میں تقسیم ہونی چاہیے، تو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ **((لا نورث، ما تركنا صدقة، إنما يأكل آل محمد في هذا المال))** ہم لوگوں کا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، آل محمد اپنی گزر کیلئے اس میں سے لے سکتے ہیں۔

اور پھر ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ **"واللہ لقرابة .... قرابتی"** اللہ کی قسم! رسول کریم ﷺ کے رشتہ داروں کی صلہ رحمی مجھے زیادہ محبوب ہے، بنسبت اپنے رشتہ داروں کے، اس واسطے وہ صلہ رحمی جو حضور اقدس ﷺ ان کے ذریعے کیا کرتے تھے میں جاری رکھوں گا۔ لیکن تقسیم کا جہاں تک تعلق ہے وہ حضور ﷺ کے ارشاد کے خلاف ہے، اس واسطے تقسیم نہیں ہوگی۔

باغِ فدک کا ذکر

اب یہاں فدک کا ذکر بھی ہے کہ وہ جو میراث مانگ رہے تھے وہ فدک سے مانگ رہے تھے تو اس کو ذرا سا سمجھ لیجئے کیونکہ اس پر شیعوں نے بڑا پروپیگنڈا کیا ہے۔ اس لئے اس کی حقیقت سمجھ لیجئے۔

فدک اصل میں ایک قلعہ تھا جو خیبر سے کچھ فاصلے پر واقع تھا اور جس وقت خیبر فتح ہوا اور حضور اقدس ﷺ کی حکومت خیبر پر قائم ہوئی تو فدک میں رہنے والے جو یہودی تھے انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ہمیں جان کی امان دے دیں اور ہم یہاں سے اپنے فدک کے علاقے کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

کیونکہ ان کو اندیشہ یہ تھا کہ خیبر کے بعد اب ہماری باری ہے، ''چور کی داڑھی میں تنکا'' کہ ہم چونکہ

حرکتیں ایسی کرتے رہے ہیں تو اب ہمارا ہی نمبر آنے والا ہے، تو انہوں نے سوچا کہ قبل اس کے کہ ہمارا وہ انجام ہو جو خیبر والوں کا ہوا ہے بہتر یہ ہے کہ ہم شرافت سے خود ہی چلے جائیں، لہٰذا انہوں نے پیشکش کی کہ ہم چھوڑ کر چلے جاتے ہیں آپ معاہدہ کر لیجئے کہ ہمیں نہیں ماریں گے تو حضور اقدس ﷺ نے ان سے معاہدہ کر لیا، اس کے نتیجے میں فدک کے لوگ اپنے علاقے کو چھوڑ کر چلے گئے اور یہ فدک آپ کے قبضے میں آ گیا۔

تو غزوہ خیبر میں جو مال آیا تھا وہ تو غنیمت تھا کیونکہ لڑ کر حاصل ہوا تھا اور فدک میں جو ہاتھ لگا آیا تھا وہ فیٔ تھا اور رسول کریم ﷺ نے "لله ولرسوله" کے تحت اپنے پاس رکھا اور اپنے پاس رکھنے کے نتیجے میں یہ تھا کہ اس کو اپنی ذاتی حوائج میں بھی استعمال فرماتے اور جو کچھ بچ جاتا وہ فقراء، مساکین اور نوائب مسلمین پر خرچ فرماتے، یہ طریقہ تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فدک نبی کریم ﷺ کی ذاتی ملکیت تھی۔

تو جب آپ ﷺ کا وصال ہوا، جس طرح ازواج مطہرات کے دل میں مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میراث مانگنے کا خیال آیا، اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی خیال آیا کہ میراث ہمیں ملنی چاہیے، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں جیسا کہ یہاں پر مذکور ہے۔ جواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث سنادی کہ میراث تقسیم نہیں ہوتی، البتہ جیسا کہ آل محمد ﷺ کے اوپر جو خرچ حضور ﷺ فرماتے تھے وہ اس میں سے مستقل ہوتا رہے گا۔

یہاں حدیث اتنی بات پر ختم ہوگئی ہے اور حقیقت بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کے بعد اور میراث کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کے صریح ارشاد سنا دینے کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مطمئن ہوگئیں کیونکہ کسی بھی صحابی یا صحابیہ اور خاص طور سے رسول کریم ﷺ کی صاحبزادی سے یہ بات ممکن نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے صریح ارشاد سننے کے بعد پھر بھی اس کے مطابق عمل نہ کریں۔

لیکن لوگوں نے اس بات کا بتنگڑ بنایا اور بتنگڑ بنانے میں کچھ تھوڑا سا حصہ ان لوگوں کا بھی ہے جو روایتیں غلط سلط نقل کرتے رہتے ہیں تو اس کے نتیجے میں یہ کہا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئیں اور ساری عمر بات نہیں کی، یہ ہوگیا اور وہ ہوگیا وغیرہ لیکن صحیح روایات میں حقیقت صرف اتنی ہے۔

دو مجتہدوں کے درمیان رائے کے اختلاف کی وجہ سے تکدر ہو جاتا ہے، اس قسم کا کچھ تھوڑا بہت تکدر برقرار رہا، جس کو بعد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خود جا کر دور کیا اور انہیں راضی کیا اور کہا کہ آپ تو حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی ہیں، ہر طرح سے آپ کی خدمت کرنے کیلئے تیار ہوں اور وہ راضی ہوگئیں۔

اس کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بیمار ہوگئیں، اس وقت دوبارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوبارہ گئے اور کہا کہ مجھ سے جو کچھ غلطی ہوئی آپ اسے معاف کر دیں، ایسا نہ ہو کہ آپ دنیا سے اس حالت میں جائیں

کہ میری طرف سے آپ کے دل میں کوئی کدورت ہو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کوئی بات نہیں ہے، بات بالکل صاف ہوگئی ہے۔

حضرت صدیق اکبر ﷺ نے پھر اپنی اہلیہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کو ان کے پاس بھیجا اور انہوں نے تیمارداری کی، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد غسل بھی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے دیا۔

اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت صدیق اکبر ﷺ کی اہلیہ تیمارداری کر رہی ہیں، غسل دے رہی ہیں اور صدیق اکبر ﷺ کو اطلاع نہ ہو اور وہ نماز جنازہ نہ پڑھائیں؟ یہ ممکن نہیں ہے۔ [۵۱]

البتہ ایک روایت جو شیعوں کی طرف سے بکثرت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دعویٰ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کے دوران فدک کا قلعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا اس لئے وہ آپ کی اپنی ملکیت تھی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس ملکیت کا مطالبہ کرنا چاہتی تھیں۔

اس بارے میں سارے ذخیرۂ حدیث میں ایک روایت لے دے کر ملتی ہے اور وہ روایت عمر ابن شبہ نے اخبار المدنیہ میں نکالی ہے اس کی سند بھی کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہے کمزور ہے۔

اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں پہلے تو میراث کی بات کی اور پھر جب میراث کے بارے میں حضرت صدیق اکبر ﷺ نے منع کر دیا تو انہوں نے کہا کہ یہ مجھے رسول کریم ﷺ نے ہبہ کر دیا تھا، تو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے کہا کہ گواہ لائیے۔ تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی ﷺ کو گواہ کے طور پر پیش کیا اور انہوں نے گواہی دی کہ ہاں حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔

اور دوسری گواہی ام ایمن کی پیش کی، تو انہوں نے بھی گواہی دی کہ حضور اقدس ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا تو حضرت صدیق اکبر ﷺ نے فرمایا کہ بھئی! نصاب شہادت پورا نہیں کہ

---

[۵۱] وقد ذكر في كتاب ((الخمس)) تاليف أبي حفص بن شاهين الشعبي: أن أبابكر قال لفاطمة: يابنت رسول الله ﷺ ماخير عيش حياة أعيشها وأنت عليّ ساخطة؟ فان كان عندك من رسول الله ﷺ في ذلك عهد فأنت الصادقة المصدقة المأمونة على ماقلت. قال: فما قام أبوبكر حتى رضيت ورضي. وروى البيهقي عن الشعبي قال: لما مرضت فاطمة رضي الله تعالى عنهما، أتاها أبوبكر ﷺ، فاستأذن عليها فقال علي ﷺ: يافاطمة هذا أبوبكر يستأذن عليك فقالت: أتحب أن آذن له؟ قال: نعم، فأذنت له فدخل عليها يترضاها فقال: والله ماتركت الدار والمال والأهل والعشيرة الا ابتغاء مرضاة الله ومرضاة رسوله ومرضاتكم أهل البيت، ثم ترضاها حتى رضيت، وهذا قوي جيد. عمدة القاري، ج:۱۵، ص:۲۳

یا تو دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد دو عورتیں ہوں تو نصاب شہادت پورا نہیں، لہٰذا دعویٰ آپ کا ثابت نہیں ہوا جب دعویٰ ثابت نہیں تو ہبہ ثابت نہیں اور ہبہ ثابت نہیں تو یہ آپ کی ملکیت نہیں اور یہ اسی طرح رہے گا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں جن مصارف میں صرف ہوتا تھا انہی پر میں بھی کرتا رہوں گا۔

یہ روایت عمر ابن شبہ نے اخبار المدینہ میں نقل کی ہے اور یہی روایت ہے جسے شیعہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلاف بڑے زور و شور اور جوش و خروش سے پیش کرتے ہیں کہ دیکھو کہ انہوں نے نہ صرف یہ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات نہیں مانی بلکہ گواہیاں طلب کیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ام ایمن نے گواہی دے دی پھر بھی نہیں مانے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے منہاج السنہ میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور پہلے فرمایا کہ اولاً یہ روایت سند کے اعتبار سے ساقط الاعتبار ہے اس کا کوئی بھروسہ نہیں، روایت سنداً انتہائی کمزور ہے اور اس کی روایت کرنے والے شیعہ ہی شیعہ ہیں، تو وہ حجت بن ہی نہیں سکتی۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات متصور ہی نہیں کہ وہ دو متعارض دعوے کریں گی۔ یہ دعویٰ تو یہاں میراث کا ثابت ہے تو اگر میراث کا دعویٰ تھا تو ہبہ کا دعویٰ کیسے کردیں گی، متعارض دعویٰ کیسے کرسکتی ہیں؟

ایک طرف کہیں کہ میراث تھی تو ہبہ نہیں تھا اور اگر ہبہ ہے تو میراث نہیں تھا۔

پھر ہبہ میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ جب تک موہوب لہ اس پر قبضہ نہ کرلیں ہبہ تام نہیں ہوتا اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہوجاتا کہ حضور اقدس ﷺ نے ہبہ فرمایا تھا تو یہ بات تو طے شدہ ہے کہ قبضے میں نہیں آیا تھا لہٰذا ہبہ تام نہیں ہوا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ام ایمن رضی اللہ عنہا کی شہادتوں کو آپ نے نہیں مانا تو اس میں کونسی بات قاعدے کے خلاف ہوئی۔ نصاب شہادت پورا ہونا چاہئے اور نصاب شہادت موجود نہیں تو ہبہ کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ [۷۱]

اور اس تمام مسئلہ میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بعد میں جب انتقال ہوا تو یہ تولیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا تو تولیت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، جب ان کی شہادت ہوگئی تو تولیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ٹھیک اسی طرح معاملہ فرمایا جس طرح خلفائے ثلاثہ کرتے آئے تھے۔

اگر وہ یہ جانتے کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت تھی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی

---

۷۱ منهاج السنة النبوية، الفصل الثاني: كلام الرافضي على منع فاطمة من إرث فدک، ج: ۴، ص: ۲۲۶

ملکیت کے طور پر ان کے ورثاء میں تقسیم کرتے لیکن حضرت علی ﷜ نے وہ کام نہیں کیا اور صرف حضرت علی ﷜ ہی نہیں بلکہ دوسرے حضرات نے بھی یہی عمل جاری رکھا، صرف درمیان میں بنوامیہ کے دورِ حکومت میں تھوڑی سی گڑبڑ ہوئی اور اس گڑبڑ کے نتیجے میں یہ کیا کہ کسی کو ہبہ کر دی۔

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بنے تو دوبارہ وہی عمل جاری فرمایا جیسا خلفائے راشدین ﷢ کے دور میں ہوتا تھا اور فدک کو اپنے مصارف میں استعمال کیا جیسا رسول کریم ﷺ استعمال فرماتے تھے۔ [۱۷]

بعد میں پھر گڑبڑ واقع ہوگئی اور یہاں تک کہ جب مامون کا زمانہ آیا تو مامون نے یہ کہا کہ چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا، لہٰذا میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں اس کو تقسیم کرتا ہوں حالانکہ مامون کو کیا حق پہنچتا تھا؟

مامون کیا جانے کہ حضرت علی ﷜ نے تو کیا نہیں اور مامون کہتا ہے کہ میں اس طرح کروں گا جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حق ہے تو مامون کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا اور نہ اس کے پاس کوئی ایسی حجت تھی لیکن بہر حال وہ چونکہ شیعہ تھا اس واسطے اس نے یہ کام کر دیا۔ اس کے بعد جب مقتدر باللہ یا کونسے خلیفہ تھے ان کا زمانہ آیا تو وہ اس کو اسی طریقے پر لے گئے جس طریقے پر خلفائے راشدین ﷢ عمل کرتے چلے آئے تھے۔

لہٰذا یہ دعویٰ کرنا کہ ہبہ تھا اور حضور اقدس ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا یہ دعویٰ کسی بھی صحیح روایت سے نہ صرف ثابت نہیں ہوتا بلکہ درایتاً بھی ممکن نہیں ہے ورنہ حضرت علی ﷜ اپنے عہد خلافت میں اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔

ایک روایت اور پیش کی جاتی ہے جو علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے درمنثور میں نقل کی ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فدک حضور اقدس ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو عطا فرما دیا تھا۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی درمنثور میں اس کی کوئی سند وغیرہ منقول نہیں ہے، لیکن اصل میں یہ روایت معجم طبرانی میں اور مسند ابویعلی میں ملتی ہے، مسند ابویعلی میں دھوکہ یہ ہوتا ہے کہ عطیہ عوفی اس کو ابوسعید سے روایت کرتے ہیں۔

ابوسعید ﷜ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ابوسعید خدری ﷜ ہوتے ہیں اور مسند ابویعلی میں ایک مقام پر ابوسعید کے ساتھ ابوسعید خدری ﷜ کی بھی صراحت ہے کہ ابوسعید خدری ﷜ نے یوں کہا حضور اقدس ﷺ نے فدک کا قلعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ فرما دیا تھا۔

---

[۱۷] فتح الباری، ج:۶، ص:۲۰۴

لیکن حقیقت یہ ہے کہ عطیہ العوفی بڑا ہی کمزور راوی ہے، شیعہ ہے اور تدلیس کرتا ہے اس طرح کرتا ہے کہ اس کا استاد کلبی ہے اس کا نام تفسیر اور تاریخ میں بھی آتا ہے ۔ یہ انتہا درجے کا ساقط الاعتبار راوی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ کذاب دجال ہے اور پتہ نہیں کیا کچھ اس کے بارے میں کہا اور یہ کہا ہے کہ یہ روایتیں بہت غلط سلط گھڑتا بھی تھا، اس معاملے میں معروف ہے کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ آدمی محمد ابن السائب الکلبی حدیث کے معاملے میں تباہ حال آدمی ہے۔

یہ عطیہ العوفی اس کا خاص شاگرد ہے اور یہ اس سے روایتیں لیتا ہے تو اس میں یہ کرتا ہے کہ چونکہ دوسروں کو پتہ ہے کہ میرا استاد کلبی ایسا آدمی ہے جو اپنے کذب اور دجل میں مشہور ہے، اس واسطے بعض اوقات یہ سند کو اس طرح بیان کرتا ہے تا کہ لوگوں کے اوپر یہ واضح نہ ہو کہ یہ بھی کلبی کی روایت ہے، کلبی کی کنیت تھی ابوسعید تو کہتا ہے **"عن ابی سعید کذا"** تا کہ لوگ سمجھیں کہ ابوسعید خدری سے روایت ہے، حالانکہ ابوسعید سے اس کی مراد کلبی ہوتی ہے۔

یہاں یہ روایت بھی مسند ابو یعلی میں جو آئی ہے اس میں عطیہ عوفی نے یہ روایت ابوسعید کے نام سے روایت کی ہے اور کسی نیچے کے راوی نے سمجھا کہ اس سے مراد ابوسعید خدری ﷺ ہیں، لہٰذا انہوں نے ابوسعید خدری کا لفظ بڑھا دیا، ورنہ یہ سب کچھ ایجاد بندہ ہے، کلبی نے ایجاد کیا ہوگا یا عطیہ العوفی نے ایجاد کیا ہوگا۔ اس کا کوئی اور ماخذ نہیں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کیا تھا۔ [۱۸]

(۱۵) باب قتل كعب بن الأشرف

کعب بن اشرف کے قتل کا بیان

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کعب ابن اشرف کے قتل کا واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

کعب ابن اشرف ایک یہودی تاجر تھا، جو بہت زیادہ مالدار تھا اور اس کو نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے اور آپ کے غلبہ پانے کی بڑی سخت تکلیف تھی۔

---

[۱۸] عطية العوفي – منكر لايعرف، الدرّ المنثور، ج:٦، ص:٢٧٦ ، والمغني في الضعفاء، ج:١، ص: ١٢٨ ، ومسند ابى يعلى، ج:٢، ص:٣٣٤، رقم: ١٠٧٥، ١٤٠٩، — اس کی مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، ج:۷، ص: ۵۴۳-۵۵۰

اس کی وجہ یہ تھی جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ یہودی مالدار لوگ تھے ان کا کاروبار سودی قرضوں پر چلتا تھا، تو جو سود خور ہوتا ہے اس کی ہمیشہ یہ خواہش رہتی ہے کہ لوگ کبھی خوشحال نہ ہوں اور وہ ہمارے قرضے کے محتاج رہیں ہم سے قرضہ لینے آئیں اور ہم ان سے سود کھائیں تو اوس وخزرج کے قبیلوں میں جب لڑائیاں چلتی تھیں تو ان کی چاندی ہوتی تھی کیونکہ ہر لڑائی کے لئے پیسے درکار ہوتے ہیں اور پیسوں کے لئے یہودی درکار ہوتے تھے تو اس واسطے ان کا کاروبار چلتا تھا۔

جب حضور اقدس ﷺ نے آ کر دونوں قبیلوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا، لڑائیاں بند ہوگئی تو ان کا کاروبار ٹھپ ہونے لگا تو یہ وجہ بھی تھی اور حضور اقدس ﷺ کے غلبے کی وجہ سے ان کو چند در چند نقصانات پہنچنے کا اندیشہ تھا تو ان کو رسول کریم ﷺ کے ساتھ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بڑی سخت تکلیف تھی جب غزوۂ بدر میں اللہ ﷻ نے حضور اقدس ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فتح مبین عطا فرمائی تو اس کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ [۱۹]

اس فتح کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ فوراً مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور وہاں جا کر قریش مکہ سے بڑی ہمدردیاں ظاہر کیں، جو لوگ بدر کے میدان میں مرے تھے ان کے مرثیے کہے، یہ بہت بڑا شاعر بھی تھا اور ان مرثیوں میں ان کی تعریفوں کے بڑے قلابے ملائے۔

ایک طرف تو یہ حرکتیں کرتا تھا، دوسری طرف اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں ہجو یہ قصیدے کہنے شروع کئے اور اس زمانے میں آپ جانتے ہیں کہ پروپیگنڈے کا سب سے بڑا ذریعہ شاعری ہوتی تھی۔

تیسرا یہ کہ اس نے کفار قریش کو اکسانا شروع کیا کہ چلو اس دفعہ تمہاری پٹائی ہوگئی اب ہم تمہارے ساتھ ہمدردی کرتے ہیں، ہمت نہ ہارو اور لڑو، آؤ اور آ کر حملہ کرو ہم بھی پیچھے سے تمہارا ساتھ دیں گے، اس کے علاوہ اس نے یہ حرکت بھی کی کہ ایک کھانے پر نبی کریم ﷺ کو مدعو کیا اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اور پیچھے سے سازش یہ کی کہ جب آنحضرت ﷺ کھانے میں مشغول ہوں تو کوئی شخص پیچھے سے آ کر سرکار دو عالم ﷺ پر حملہ آور ہو جائے۔ آنحضرت ﷺ کو عین وقت پر وحی کے ذریعے پتہ لگ گیا کہ یہ سازش کی گئی ہے تو آپ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے آئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ رسول کریم ﷺ کی شان میں ہجو یہ قصیدے بہت کہتا تھا۔

یہ کعب بن اشرف یہودی کا مختصر سا تعارف ہے، تو اس کے قتل کا واقعہ یہاں پر مذکور ہے۔

ایک دن نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ بھئی! کوئی ہے جو کعب بن اشرف کی خبر لے؟

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ جو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں یہ کام اپنے ذمے لیتا ہوں۔

---

[۱۹] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۱۸۹، فتح الباری، ج:۷، وکتاب المغازی للواقدی، ج:۱، ص:۱۸۴

پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کچھ کہنے کی اجازت دیدیجئے یعنی اس کام کیلئے کچھ تعریض وتوریہ کرنے کی کوئی ضرورت پیش آئے گی اسکی اجازت دیجئے تا کہ میں اس مہم کو انجام دوں۔

آپ ﷺ نے توریہ وغیرہ کرنے کی اجازت دیدی یعنی "الحرب خداع" جنگ میں دھوکہ دہی اور چالیں چلنا تا کہ دشمن کو شکست ہو سکے۔

انہوں نے یہ کام کیا کہ ایک دن کعب بن اشرف کے پاس گئے اور اس سے جا کر کہا کہ اجی یہ صاحب (نبی کریم ﷺ مراد ہیں) جو ہیں جن کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی ہے یہ تو ہر وقت ہم سے صدقہ مانگتے رہتے ہیں اور ہم پریشانی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہاں سے صدقہ لائیں؟ تو کعب بن اشرف نے کہ ابھی کیا دیکھا ہے ابھی تو آپ اور دیکھو گے پھر رفتہ رفتہ ایسے اکتا جاؤ گے کہ پریشان ہو جاؤ گے۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خیراب تو کچھ بھی ہونا ہے ہم نے تو ان کی اتباع کرلی تو اب اس وقت تو وہاں سے نہیں نکل سکتے اور چھوڑنا نہیں چاہتے، لیکن فی الحال جو کچھ ہمارے ذمے فرائض عائد کئے ہیں ان کو پورا کرنا ہے تو ایسا کرو ہمیں ایک وسق یا دو وسق کھجوریں یا غلہ ہمیں ادھار دے دو، تو اس نے کہا کہ کوئی میرے پاس رہن رکھو۔

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا رہن رکھیں؟ کعب بن اشرف یہودی کہا کہ اپنی عورتیں ہمارے پاس رہن رکھو۔ انہوں نے کہا کہ عورتیں کیسے رہن رکھ دیں تم سارے عرب میں سب سے خوبصورت آدمی ہو تو عورتوں کو رہن رکھ کے کیا ہماری عورتوں کو فتنے میں مبتلا کرنا ہے، تو اس نے کہا کہ اپنے بیٹے رہن رکھ دو تو انہوں نے کہا کہ بیٹے اگر رہن رکھیں گے تو ساری دنیا والے طعنہ دیں گے کہ چند غلے کی خاطر انہوں نے اپنے بیٹے کو رہن رکھ دیئے، یہ بھی ہمارے لئے قابل قبول نہیں ہے ہاں البتہ ہم ہتھیار رہن رکھوا سکتے ہیں تو اس نے کہا کہ ٹھیک ہے ہتھیار رہن رکھ دو تو انہوں کہا کہ اچھا میں شام کو لے کر آؤں گا۔

جب رات ہوئی تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ابونائلہ رضی اللہ عنہ جو کعب ابن اشرف کے رضاعی بھائی تھے، یہ پہنچے اور جا کر کعب بن اشرف کو بلایا، وہاں جانے سے پہلے آپس میں انہوں نے اپنے ساتھیوں سے یہ طے کرلیا تھا کہ جب کعب بن اشرف نیچے اتر جائے گا تو میں اس کا سر چومنے کے بہانے اس کے بال پکڑوں گا جب میں اس کے سر پر قابو پالوں تو بس تم اپنا کام کر دینا، اس کی گردن اُتار دینا، چنانچہ جب انہوں نے اس کو آواز دی تو وہ بیوی کے پاس بیٹھا ہوا تھا بیوی نے کہا کہ کہاں چلے؟ تو اس نے کہا کہ باہر جا رہا ہوں ابونائلہ ہے میرا رضاعی بھائی نیچے انتظار کر رہا ہے۔ بیوی نے کہا کہ مجھے اس کی آواز سے خون کی بو آ رہی ہے، تو کعب ابن اشرف نے کہا کہ جو شریف آدمی ہوتا ہے اگر اس کو نیزہ مارنے کیلئے بھی بلایا جائے تو وہ جاتا ہے، لہٰذا میں جاؤں گا۔

جب نیچے اترا تو خوشبو میں مہک رہا تھا تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھئی کیا بات ہے تمہارے اندر سے

خوشبو بہت آرہی ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے پاس سارے عرب کی سب سے زیادہ حسین عورت ہے جو خوشبو سے معطر رہتی ہے، محمد بن مسلمہ ﷺ نے کہا کہ اپنے بالوں کی خوشبو ذرا سونگھاؤ تو سہی، اس نے سر ایسے کیا انہوں نے بال سونگھنے کے بہانے پکڑے اور جب قابو میں آگیا تو دوسرے ساتھی نے اس کی گردن کا صفایا کر دیا۔

اس کے بعد محمد بن مسلمہ ﷺ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور پھر حضور اقدس ﷺ کو خوش خبری سنائی کہ اس طریقے سے اس کو قتل کر دیا گیا ہے۔

یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا۔

قتل کے اسباب

روایات حدیث سے کعب بن اشرف یہودی کے جو وجوہ واسباب معلوم ہو سکے وہ حسب ذیل ہیں:

۱- نبی کریم ﷺ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی، سبّ وشتم اور گستاخانہ کلمات کا زبان سے نکلنا۔

۲- آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا۔

۳- غزلیات اور عشقیہ اشعار میں مسلمان عورتوں کو بطور تشبیب ذکر کرنا۔

۴- غدر اور نقضِ عہد۔

۵- لوگوں کو آپ ﷺ کے مقابلے کیلئے اُبھارنا، اُکسانا اور ان کو جنگ پر آمادہ کرنا۔

۶- دعوت کے بہانے سے آپ ﷺ کے قتل کی سازش کرنا، نعوذ باللہ۔

۷- دینِ اسلام پر طعن کرنا۔

لیکن قتل کا سب سے قوی سبب آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں دریدہ دہنی، سبّ وشتم اور آپ ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا ہے۔

۴۰۳۷ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: قال عمرو: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما يقول: قال رسول الله ﷺ: ((من لكعب بن الأشرف؟ فإنه قد آذى الله ورسوله))، فقام محمد بن مسلمة فقال: يارسول الله، أتحب أن أقتله؟ قال: ((نعم))، قال: فأذن لي أن أقول شيئا، قال: ((قل)). فأتاه محمد بن مسلمة فقال: إن هذا الرجل قد سألنا صدقة، وإنه قد عنانا وإني قد أتيتك أستسلفك، قال: وأيضا والله لتملنه قال: إنا قد اتبعناه فلا نحب أن ندعه حتى ننظر إلى أي شئ يصير شأنه، وقد أردنا أن

تسلفنا وسقاأووسقين۔ وحدثنا عمرو غير مرة فلم يذكر :وسقا أووسقين ،فقلت له: فيه وسقاأو وسقين ؟فقال:أرى فيه :وسقاأو وسقين۔ فقال: نعم ،ارهنوني،قالوا :أى شئ تريد ؟قال: ارهنوني نساء كم ،قالوا:كيف نرهنك نساء نا وأنت أجمل العرب؟قال: فارهنوني أبناء كم ،قالوا:كيف نرهنك أبناء نا فيسب أحدكم ،فيقال:رهن بوسق أووسقين ؟هذا عار علينا ،لكنا نرهنك اللأمة.قال سفيان :يعني السلاح ،فواعده أن يأتيه فجاء ه ليلا ومعه أبونائلة وهوأخوكعب من الرضاعة فدعاهم إلى الحصن فنزل إليهم فقالت له امرأته :أين تخرج هذه الساعة؟ فقال:إنما هو محمد بن مسلمة وأخي أبو نائلة ،وقال غير عمرو :قالت أسمع صوتا كأنه يقطر منه الدم ،قال: إنما هو أخي محمد بن مسلمة ،ورضيعي أبو نائلة .إن الكريم لودعي إلى طعنة بليل لأجاب .قال :ويدخل محمدابن مسلمة معه رجلين ، قيل لسفيان :سماهم عمرو؟قال: وسمى بعضهم ،قال عمرو:جاء معه برجلين ،وقال غير عمرو:أبوعبس بن جبير ،والحارث بن أوس،وعباد بن بشر .قال عمرو:جاء معه برجلين فقال:إذاماجاء فإني قائل بشعره فأشمه فإذا رأيتموني استمكنت من رأسه فدونكم فاضربوه ،وقال مرة:ثم أشمكم .فنزل إليهم متوشحا وهو ينفح منه ريح الطيب فقال : مارأيت كاليوم ريحاأ ى أطيب وقال غير عمرو : قال عندى أعطر نساء العرب وأكمل العرب ،قال عمرو: فقال: أتأذن لي أن أشم رأسك ؟ قال: نعم ،فشمه ،ثم أشم أصحابه ،ثم قال : أتأذن لي ؟قال: نعم ،فلما استمكن منه قال: دونكم فقتلوه ،ثم أتوا النبي ﷺ فأخبروه. [۲۰]

ترجمہ وتشریح

عمرو بن دینار فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”قال رسول الله ﷺ من لكعب بن الأشرف؟ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ ؓ سے کہا کہ کون ہے جو کعب ابن اشرف کے لئے کافی ہو جائے اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ کون ہے جو مجھے کعب ابن اشرف سے راحت دلائے؟

---

[۲۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قتل كعب بن الأشرف طاغوت اليهود، رقم: ۳۳۵۹، وسنن أبي داؤد، كتاب الجهاد، باب في العدو يؤتى على غرة ويتشبه بهم، رقم: ۲۳۸۷

"فانہ قد آذی اللہ ورسولہ فقام محمد بن مسلمۃ" بے شک اس کعب بن اشرف نے اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچائی ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔

"فقال :یارسول اللہ اتحب ان اقتلہ" اور عرض کیا کہ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں اس کو قتل کردوں۔ **"قال نعم"** آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یعنی آپ ﷺ نے محمد بن مسلمہ ﷺ کے اس عزم اور ارادہ کو پسند فرمایا اور اجازت عطاء فرمائی۔

"قال :فاذن لی أن اقول شیئا" اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ آپ مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں کچھ بات کرسکوں، لفظ اتنا ہی ہے بس کہ کچھ بات کرسکوں، اس کا مطلب محدثین نے بتایا کہ توریہ کرسکوں۔

توریہ: اس کو کہتے ہیں کہ مقصد اندر سے کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہری الفاظ کچھ اور نظر آتے ہیں۔

"قال: قل" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہہ لو، کوئی بات نہیں ہے۔

"فاتاہ محمد بن مسلمۃ" اس کے بعد محمد بن مسلمہ ﷺ کعب ابن اشرف کے پاس آئے۔ **"فقال: ان ھذا الرجل قد سألنا صدقۃ وانہ قد عنانا"** اور اس سے کہا کہ انہوں نے ہم سے صدقہ مانگا ہے اور ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے۔

"ھذا الرجل" سے مراد نبی کریم ﷺ ہے، یہاں پر جو بات انہوں نے کی وہ توریہ ہے۔ اسی لئے ظاہری الفاظ میں کہیں حضور ﷺ کے لئے کوئی بے ادبی کا کلمہ نہیں ہے۔

"عنانا" مشقت میں ڈال دیا تو مشقت تو کچھ نہ کچھ دین میں ہوتی ہے، ان کا مقصد یہ تھا کہ جب آدمی دین قبول کرتا ہے تو اس کے ساتھ کچھ مشقتیں بھی برداشت کرنی پڑتی ہیں۔

"وانی قد أتیتک استسلفک" میں تمہارے پاس قرض مانگنے کیلئے آیا ہوں۔ **"قال :وایضا واللہ لتملنہ"** کعب بن اشرف نے کہا کہ اللہ کی قسم! آگے چل کر دیکھنا ابھی تو اور بھی تم ان سے اکتا جاؤ گے۔

"مل ۔ یمل ملالاً" اکتا جانا، تو تم ضرور ان سے اکتا جاؤ گے یعنی نبی کریم ﷺ سے مزید اکتاؤ گے ابھی کیا دیکھا ہے، اس بات سے اس شخص کی باطنی خباثت کا پتا چلتا ہے۔

"قال :انا قد اتبعناہ .... یصیر شانہ" اس کی یہ بات سن کر محمد بن مسلمہ ﷺ نے کہا کہ ہم نے تو اب آپ ﷺ کی اتباع کرلی ہے، ہم آپ ﷺ کو چھوڑنا نہیں چاہتے یہاں تک کہ دیکھیں کیا انجام ہوتا ہے۔

یعنی بظاہر تو یہ کہا لیکن دل میں یہ تھا کہ انجام کار اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فتح اور دشمنوں کی شکست یقینی اور محقق ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

"**وقد اردنا أن تسلفنا وسقا أو وسقين**" ہمارا ارادہ یہ ہے کہ آپ ہمیں ایک وسق یا دو وسق ادھار دیں۔

"**وحدثنا عمرو .... وسقا او وسقين**" بیچ میں سفیان کہتے ہیں کہ عمرو بن دینار نے کئی دفعہ ہمیں یہ حدیث سنائی تو اس میں "**وسقا او وسقين**" نہیں تھا۔

"**فقال: نعم، ارهنوني**" تو کعب بن اشرف نے کہا ٹھیک ہے میں تیار ہوں، میرے پاس کوئی رہن رکھو۔ "**قالوا اى شئ تريد**" محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم کیا چیز بطور رہن چاہتے ہو؟

"**قال ارهنوني نساء كم .... اجمل العرب؟**" کعب بن اشرف نے کہا اپنی عورتوں کو میرے پاس رہن رکھ دو، انہوں نے کہا کہ اپنی عورتوں کو کیسے رہن رکھ سکتے ہیں؟ اوّل تو غیرت وحمیت یہ گوارا نہیں کرتی، دوسرا یہ کہ آپ نہایت حسین وجمیل اور نوجوان ہیں۔

"**قال فارهنوني ابناء كم .... هذا عار علينا**" آپ کے پاس اپنے بیٹے ہم کیسے رہن رکھ سکتے ہیں؟ ان کو گالی دی جائے گی کہ جن بچوں کو ہم رہن رکھیں گے تو کل کو گالی دینے والا کہے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے بیٹے کو ایک وسق یا دو وسق کے بدلے رہن رکھ دیا تھا، یہ تو ہمارے اوپر عار لگنے والی بات ہے۔

"**لكنا نرهنك اللأمة .... يعني السلاح**" لیکن ہم آپ کے پاس رہن کے طور پر اپنے اسلحہ رکھ دیں گے۔

درمیان میں حضرت سفیان لفظ **لأمة** کی تشریح کر رہے ہیں کہ "**لأمة**" کے معنی سلاح (ہتھیار) کے آتے ہیں، جو اصل میں ذرہ کو کہتے ہیں لیکن پھر مطلق ہتھیار کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔

"**فوعده ان يأتيه .... أخو ه كعب من الرضاع**" پھر وعدہ کیا کہ میں رات کو ہتھیار آپ کے پاس لے کر آؤں گا۔ تو رات کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے، جبکہ ان کے ساتھ ابو نائلہ بھی تھے، یہ بھی ان کے رضاعی بھائی تھے۔

"**فدعاهم .... وأخي أبو نائلة**" اور جا کر کعب بن اشرف کو آواز دی، کعب نے اپنے قلعے سے اُترنے کا ارادہ کیا۔ بیوی نے پوچھا کہ اس وقت تم کہاں جاتے ہو؟ کعب نے کہا محمد بن مسلمہ اور میرا دودھ شریک بھائی ابو نائلہ ہے، کوئی غیر نہیں تم فکر مت کرو۔

"**وقال غير عمرو**" سفیان کہتے ہیں کہ عمرو ابن دینار کے علاوہ دوسرے لوگوں نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی اس میں یہ تھا۔

"**قالت اسمع صوتا .... طعنة بليل لأجاب**" تو بیوی نے کہا کہ مجھے اس آواز سے خون ٹپکتا ہوا نظر آتا ہے۔ کعب نے کہا کہ شریف آدمی اگر رات کے وقت نیزہ مارنے کے لئے بھی بلایا جائے تو اس کو

ضرور جانا چاہئے۔

"قال: ویدخل محمد .... معه رجلین" محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لے کر داخل ہو جاتے ہیں۔

"یدخل" مضارع کا صیغہ ہے اگر چہ واقعہ ماضی کا بیان کیا جارہا ہے لیکن مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے تو یہ محاورے میں ایسا ہو جاتا ہے کہ ماضی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مضارع کا صیغہ استعمال کرتے ہیں یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ماضی کا یہ واقعہ مجھے اس طرح یاد ہے جیسا کہ اب میں دیکھ رہا ہوں، تو محمد بن مسلمہ اپنے ساتھ دو آدمیوں کو لے کر داخل ہو جاتے ہیں۔

"قیل لسفیان: سماهم عمرو؟" تو یہاں درمیان میں سفیان سے بعض لوگوں نے پوچھا کہ عمرو بن دینار نے آپ کو جب یہ حدیث سنائی تھی تو ان کا نام لیا تھا؟ یعنی محمد بن مسلمہ کے ساتھ آنے والے دوسرے دو آدمیوں کے نام ذکر کئے تھے؟

"قال وسمابعضهم" تو سفیان نے کہا کہ ہاں بعض کا نام لیا تھا۔

"وقال عمرو: .... وعباد بن بشر" عمرو نے کہا کہ دو آدمی لائے، جبکہ عمرو کے علاوہ دوسرے راویوں نے یہ نام بیان کئیے ابوعبس بن جبیر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر۔

"قال عمرو جاء معه الرجلین" اب دوبارہ اسی جملہ کو لوٹایا۔

"فقال: اذا ماجاء .... فاضربوه" اس اثناء میں محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھ آنے والے دونوں ساتھیوں سے یہ کہا جب کعب بن اشرف آجائے گا تو میں اس کے بال پکڑلوں گا جب تم مجھے دیکھو کہ میں اس کے سر کو قابو کر چکا ہوں، تو بس پکڑ لینا اس کو اور مار دینا۔

یہاں "قائل"، "آخذ" کے معنی میں کے ہے۔

لفظ "قال" کے باون معنی آتے ہیں۔ ابن اخی کہتا ہے کہ "قال بحر" "قال" کا لفظ ایک سمندر ہے، بہت سے معنی آتے ہیں تو ان میں ایک معنی "اخذ" کے بھی۔

"وقال مرة ثم اشمكم" اور عمرو نے ایک مرتبہ روایت میں یہ لفظ بھی کہا تھا کہ پہلے خود سونگھوں گا پھر تم کو بھی سونگھاؤں گا۔

"فنزل الیهم متوحشا .... ریح الطیب" چنانچہ کعب بن اشرف ان کے پاس چادر میں لپٹا ہوا نیچے تو سر تا پا خوشبو سے معطر تھا۔

"فقال ما رأیت .... ای أطیب" محمد بن مسلمہ نے کہا کہ آج جیسی خوشبو میں نے کبھی نہیں دیکھی۔

"وقال غیر عمرو .... واکمل العرب" روای کہتے ہیں کہ عمرو کے علاوہ دیگر حضرات کی روای میں ہے کہ کعب نے جواب میں کہا میرے پاس عرب کی سب سے زیادہ حسین وجمیل اور سب سے زیادہ معطر عورت ہے۔ جو سب سے **"اکمل"** ہے وہ میرے پاس ہے اور بعض نسخوں میں **"اجمل"** ہے۔

"قال عمرو .... ثم اشم اصحابہ" : آگے پھر عمرو کی روایت نقل کرتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ نے کہا کہا مجھ کو اپنے معطر سر کو سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہاہاں اجازت ہے۔ محمد بن مسلمہ نے آگے بڑھ کر خود بھی سر کو سونگھا اور اپنے رفقاء کو بھی سونگھایا۔

"ثم قال: اتاذن .... دونکم فقتلوہ" کچھ دیر بعد محمد بن مسلمہ نے کہا کیا آپ دوبارہ اپنا سر سونگھنے کی اجازت دیں گے؟ کعب نے کہاہاں شوق سے، محمد بن مسلمہ اٹھے اور سر سونگھنے میں مشغول ہو گئے جب سر کے بال مضبوطی سے پکڑ لئے تو ساتھیوں کو اشارہ کیا، فوراً ہی سب نے اس کا سر قلم کیا اور آناً فاناً اس کا کام تمام کیا۔

"ثم اتوا النبی ﷺ فاخبروہ" اور اخیر شب میں رسول اللہ ﷺ کو کعب بن اشرف یہودی کے قتل کی خوش خبری سنائی جا کر۔

قتل شاتم رسول اللہ ﷺ پر ایک حکیمانہ اصول

اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ کیا اس طرح دھوکے سے کسی کو قتل کر دینا جائز ہے؟

آج بھی کوئی شخص اگر کسی کو قتل کرنا چاہے تو کیا کر سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار کی دو قسمیں ہیں: اہل حرب اور اہل ذمہ۔

اہل حرب: وہ ہیں جن کے ساتھ کھلی دشمنی ہے اور ان کے ساتھ حالتِ جنگ ہے، جنگ بندی وغیرہ کا کوئی معاہدہ نہیں ہے تو جب کھلی جنگ ہے تو اس میں دھوکہ کے ساتھ قتل کرنا بھی جائز ہے **"الحرب خداع"**

اہل ذمہ: وہ ہیں جو دارالاسلام میں امان لیکر رہتے ہوں۔

اہل ذمہ میں دھوکے سے کسی کو قتل کرنا ویسے بھی جائز نہیں ہے اور اگر کسی وجہ سے ذمی کا ذمہ منتقض ہو جائے تو اس صورت میں آج کل حکم یہ ہے کہ اس کے اوپر مقدمہ چلایا جائے گا کہ بھئی! تم نے فلاں کام کیا جس کی وجہ سے تمہارا ذمہ منتقض ہو گیا، جب اس کے خلاف وہ بات ثابت ہو جائے کہ ذمہ منتقض ہوا ہے تو پھر اس کو علی الاعلان قتل کیا جائے گا اور اگر یہ بات ابھی تک مقدمے میں ثابت نہیں ہوئی کہ اس کا ذمہ منتقض ہوا یا نہیں، تو قتل کرنا بھی جائز نہیں، لہٰذا پتہ چلا کہ اہل ذمہ کو دھوکے سے قتل کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔

سوال: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف مدینہ منورہ کی ریاست کا باشندہ تھا اس کا قلعہ حدود مدینہ منورہ کے اندر تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ آج کی سعودی حکومت نے حضور اقدس ﷺ کے سارے آثر ختم کر دیئے ہیں لیکن کعب بن اشرف کا قلعہ برقرار ہے اور اس کے اوپر تختی لگی ہوئی ہے کہ یہ آثار قدیمہ میں سے ہے، لہٰذا کوئی شخص اس کو خراب نہ کرے۔

میں خود دیکھ کر آیا ہوں مدینہ منورہ میں قبا سے ذرا آگے یہ قلعہ واقع ہے اور اس کے اوپر باقاعدہ محکمہ آثار قدیمہ کی تختی لگی ہوئی ہے کہ یہ آثار قدیمہ میں سے ہے اور ہماری بڑی یادگار ہے، لہٰذا اس کو کوئی خراب نہ کرے۔

کعب بن اشرف جو مدینہ منورہ ہی کے نواح میں رہنے والا تھا، لہٰذا یہ ذمی تھا اور جب ذمی تھا تو اگر کسی وجہ سے اس کا ذمہ منتقض ہوا تو پھر اس کے اوپر باقاعدہ کارروائی ہونی چاہیے تھی، اس کو کہا جاتا کہ تم نے ذمہ توڑا ہے اور اگر اس کے پاس کوئی جواب ہوتا تو جواب سنا جاتا، مقدمہ چلایا جاتا اور پھر اس کو قتل کیا جاتا لیکن اس طرح قتل کرنے کا کیا جواز تھا؟

اس کے تین جواب ہو سکتے ہیں:

پہلا جواب: یہ ہے کہ اس کا اہل ذمہ میں سے ہونا ثابت نہیں یعنی ہوسکتا ہے کہ یہ اہل ذمہ میں سے ہی نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا قبا کے قریب الگ قلعہ تھا، یہ نہ بنونضیر کی بستیوں میں واقع تھا، نہ بنوقریظہ کی بستیوں میں اور نہ بنوقینقاع کی بستیوں میں واقع تھا، اسی طرح نہ بنوحارثہ کی بستیوں میں واقع تھا۔

جن یہودیوں سے نبی کریم ﷺ نے باقاعدہ صلح فرمائی تھی ہوسکتا ہے یہ ان میں داخل نہ ہو، جب اس حکم میں داخل نہیں، تو اس کا حکم حربی جیسا ہے ذمی کا حکم نہیں۔

جب حربی ہے اور یہ حرکتیں بھی کر رہا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے، حضور اقدس ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنا چاہتا ہے اور نبی کریم ﷺ کی ہجو بھی کر رہا ہے، اس واسطے یہ مباح الدم ہے، اس لئے اس کو اگر دھوکے سے بھی قتل کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اس کے ساتھ حالت حرب ہے، اور جنگ نام ہی چالیں چلنے اور دشمن کو دھوکہ دینے کا ہے، **"الحرب خداع"**۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس کو اہل ذمہ سے قرار دیا جائے لیکن اس کی حرکتوں سے ذمہ منتقض ہو گیا، حرکتیں یہ کہ مسلمانوں کے خلاف سازش، بدر سے واپس جانے والوں کے پاس جا کر ان کے مرثیے کہنا، ان کو جنگ پر اکسانا، ان سے ہمدردی کا اظہار کرنا، ہجو یہ قصیدے کہنا اور حضور اقدس ﷺ کے قتل کی سازش کرنا۔ ان میں سے ہر ایک واقعہ ایسا ہے جو کہ ذمہ منتقض ہونے کے لئے کافی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ذمہ منتقض ہونے کی صورت میں اسلامی ریاست متعلقہ شخص کوالزام لگائے گی اور الزام لگا کر مقدمہ چلا کر فیصلہ کرے گی، اگر قتل کرنا ہو تو پھر اس کو قتل کیا جائے گا لیکن یہ حکم اب ہے۔

حضور اقدس ﷺ کے زمانے اس وقت جب یہ واقعہ پیش آیا یہ حکم ضروری نہیں تھا اس لئے کہ مقدمہ چلانا، بینہ (گواہ) سے جرم کا ثابت کرنا اس بناء پر کوئی بھی شخص عالم الغیب تو ہے نہیں، لہٰذا کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی جب تک بینہ کے ذریعے ثابت نہ ہو جائے۔

تو ان جرائم کا ثبوت جس کی بناء پر ذمہ منتقض ہوا یہ حاصل کرنے کیلئے آج کل ضروری ہے کہ عدالتی کارروائی کی جائے۔ حضور اقدس ﷺ کیلئے اس لئے ضروری نہیں تھا کہ آپ ﷺ پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں تھی اور آپ کو بذریعہ وحی پتہ لگ گیا تھا۔

لہٰذا آپ ﷺ کو اس جرم کے ثبوت کیلئے بینہ کی حاجت نہیں تھی، اس واسطے جب ذمہ منتقض ہو گیا تو اس کے ساتھ معاملہ اہل حرب جیسا کیا گیا، لیکن آج اگر کسی کا ذمہ منتقض ہو تو اس طرح مار دینا جائز نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو صفائی کا موقع نہ دیا جائے اور اس کے خلاف عدالتی کارروائی نہ کی جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے، نبی کریم ﷺ کو یقین تھا کہ یہ مجرم ہے لیکن آج اس واقعہ کو بنیاد بنا کر کسی کو دھوکے سے قتل کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس عدالتی کارروائی نہ کر لی جائے اور عدالت اس کو سزا دے گی۔

تیسرا جواب: تیسری ایک توجیہ اور بھی ہے وہ یہ کہ ذمہ منتقض ہونے کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ کہ اس نے معاہدے کی شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی، تو ذمہ منتقض ہو گیا، اس کیلئے ضروری ہے کہ قانونی وعدالتی کارروائی کی جائے، اس کے بغیر اس کو قتل کرنا جائز نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ رسول اقدس ﷺ کی شان اقدس میں کوئی گستاخی کرے، جناب رسول اللہ ﷺ کی شان میں سب وشتم سے کام لے، تو وہ شاتم رسول ہوگا۔

اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس کا ذمہ فوراً منتقض ہو جاتا ہے اور دیانۃً ہر مسلمان کیلئے جائز ہے کہ اس کو قتل کر دے، محض سنی سنائی بات پر نہیں۔ اگر اس نے اپنے کانوں سے سنا کہ اس نے گستاخی کا کلمہ نبی کریم ﷺ کی شان میں کہا ہے، تو اب اس پر مسلمان کو اس کے قتل کے جواز کے لئے عدالتی کارروائی اور مقدمہ چلانے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ دیانۃً قتل کر سکتا ہے، یہی مؤقف جمہور امت کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے **"الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ"** تو اس میں یہی قرار دیا ہے کہ اس صورت میں قتل کرنا ہر مسلمان کے لئے دیانۃً جائز ہے۔ [۲۱]

---

[۲۱] الصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ، ص: ۱۸، ۹

اگر عدالتی کارروائی ناممکن ہو؟

اعتراف تو کبھی کوئی کرتا نہیں لیکن یہ حکم دیانت کا ہے۔

قضاء کا حکم یہی ہے کہ بغیر ثبوت کے قتل نہیں کر سکتا، لہٰذا اگر کسی نے دیانۃً اس حکم پر عمل کرتے ہوئے شاتم رسول کو قتل کر دیا اور پھر گرفتار ہو گیا تو عدالت میں اس کو ثابت کرنا پڑے گا کہ یہ شاتم رسول ہے، اگر ثابت کرے گا تو بچ جائے گا، اگر نہیں کر سکے گا تو قصاص آئے گا، یہ قضاء کا حکم ہے۔

لیکن دیانت کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دینا جائز ہے اور اس دیانت پر عمل کرتے ہوئے کوئی آدمی یہ سمجھے کہ جواب میں اگر میں قتل ہو گیا تو ہو جانے دو لیکن اس وقت اس کم بخت کا کام تمام کر دوں، تو عند اللہ ماجور ہو گا۔

سلمان رشدی کو اگر کوئی جا کر قتل کر دے تو ان شاء اللہ ماجور ہے، چاہے خود پھانسی پر چڑھ جائے، اس کے لئے کوئی عدالتی کارروائی کرنے کی ضرورت نہیں۔

یہ بڑی حکیمانہ بات ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کو کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا ہے، کتنی ہی اس پر قانونی پابندی عائد کی جائے اور کیسا ہی گیا گذرا مسلمان ہو لیکن جب حضور اقدس ﷺ کی ادنیٰ گستاخی بھی ہو تو ایک مسلمان کی غیرت کبھی گوارا نہیں کرے گی کہ میں پہلے اس کے اوپر مقدمہ چلاؤں اور پھر اس کا فیصلہ کراؤں، وہ تو وہیں اس کو ٹھکانے لگا دے گا۔ یہ دیانۃً جائز ہے لیکن قضاءً جائز نہیں۔ لہٰذا جب یہ معاملہ قاضی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گا ثبوت لاؤ، اگر ثبوت نہیں لاؤ گے تو تمہیں قتل کر دیں گے، قضاء کا یہ حکم ہے۔

چونکہ کعب بن اشرف واضح طور پر شاتم رسول ﷺ تھا اور مباح الدم ہو گیا تھا، لہٰذا دیانۃً ہر مسلمان کے لئے اس کو قتل کرنا جائز تھا، چاہے جس طریقے سے بھی ہو، اگر تھوڑا سا دھوکہ دینا پڑے تو بھی صحیح ہے، کیونکہ مباح الدم ہے، تو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کی ایک توجیہ یہ بھی ہے، یہ تین توجیہات ہوئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ایک یہ کہ اہل حرب میں سے تھا۔

دوسرا یہ کہ اہل ذمہ میں تھا، ذمہ منتقض ہونے کے لئے قانونی کارروائی غیر نبی کے لئے ضروری ہوتی ہے نبی کے لئے ضروری نہیں کیونکہ ان کو وحی کے ذریعے یقین ہو گیا تھا، آج البتہ اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

تیسرا یہ کہ یہ شاتم رسول تھا، شاتم رسول ہونے کی وجہ سے ہر مسلمان پر دیانۃً اس کو قتل کرنا جائز تھا، چاہے جس طریقے سے بھی ہو سکے۔ [۲۲]

---

[۲۲] فتح الباری، ج:۷، ص: ۳۴۰ والصارم المسلول علی شاتم الرسول ﷺ، ص بص:۹۱،۷۰

(۱۶) باب قتل ابی رافع عبدالله ابن ابی الحقیق، ویقال: سلام بن أبی الحقیق. کان بخیبر ویقال: فی حصن له بأرض الحجاز

ابورافع عبداللہ بن ابی حقیق کے قتل کا قصہ،

بعض اسکو سلام بن ابی الحقیق کہتے ہیں۔ وہ خیبر میں رہتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ وہ حجاز میں واقع قلعہ میں رہتا تھا

گستاخ رسول ابورافع کا قتل

اسی قسم کا ایک واقعہ ابورافع کے قتل کا ہے جو اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔

ابورافع کا نام بعض روایتوں میں عبداللہ ابن ابی الحقیق اور بعض روایتوں میں سلام بن ابی الحقیق آیا ہے، یہ بنونضیر سے تھا، جب بنونضیر جلاوطن کئے گئے تو یہ بھی جلاوطن ہوا اور خیبر سے کچھ فاصلے پر اس نے اپنا قلعہ بنایا، وہیں یہ رہتا تھا۔ اس کا معاملہ بھی کعب بن اشرف سے اس لحاظ سے ملتا جلتا تھا کہ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا تھا اور کفار کو مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کرتا رہتا تھا۔

طبری نے اپنی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ غزوۂ احزاب (خندق) میں بنی غطفان کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کیلئے آمادہ کرنے پر سب سے زیادہ دخل اسی ابورافع سلام بن ابی الحقیق کا تھا اور حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخیاں اور طرح طرح کی سازشیں اس سے ثابت ہوئی ہیں۔ کعب بن اشرف کا قلعہ مدینہ منورہ کے برابر میں تھا اور ابورافع کا قلعہ خیبر سے کچھ فاصلے پر تھا تو جب کعب بن اشرف کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور انہوں نے بڑا کارنامہ انجام دیا اس وجہ سے قبیلۂ اوس کے لئے ایک بڑی قابل فخر بات ہوئی کہ ان کے قبیلہ کے ایک شخص نے اتنا بڑا کارنامہ انجام دیا، بنوخزرج کے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے وہ اس فکر میں تھے کہ ہم سے بھی کوئی اسی قسم کا کارنامہ سرانجام دیں اور یہ طبعی بات ہوتی ہے اور نیکیوں کے بارے میں یہ بھی کہا گیا کہ "فاستبقوا الخیرات" کہ نیکیوں میں مسابقت کرو تو نیکیوں کی

مسابقت میں کوئی مضائقہ نہیں ہوتا، تو بنوخزرج کے حضرات اس فکر میں تھے کہ کوئی موقع ہمیں ایسا ملے کہ ہمیں بھی اس قسم کی فضیلت حاصل ہو جائے۔

لہٰذا حضور اقدس ﷺ کے ذہن میں یہ آتا تھا کہ ابورافع بھی اسی قسم کا آدمی ہے، لہٰذا اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ ہو تو اچھا ہے، تو حضور اقدس ﷺ کو اس کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے کہ ابورافع یوں کر رہا ہے اور یوں کر رہا ہے اور پھر حضور اقدس ﷺ سے اس کے قتل کی اجازت بھی لی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ جو بنوخزرج کے تھے، انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے ذکر کیا کہ اگر آپ اجازت دیں تو ابورافع کا میں کام تمام کر دوں؟، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تنہا یہ کام کرنا مشکل ہوگا کیونکہ جگہ دور ہے اور اس کا قلعہ بھی بڑا مضبوط ہے، اس واسطے تم اپنے ساتھ کچھ آدمی رکھو اور پھر کچھ لوگوں کو حضور اقدس ﷺ نے ان کے ساتھ کر دیا۔

یہ حضرات مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر خیبر ابورافع کے قلعے کے قریب پہنچے تو شام کا وقت ہو رہا تھا غروب آفتاب ہو چکا تھا۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں ذرا کچھ دیکھتا ہوں تاکہ قلعے کے اندر جانے کی کوئی تدبیر نکلے تو ساتھیوں کو ٹھہرایا، جب قلعے کے دروازے کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ چرواہے اپنی بکریاں وغیرہ لے کر شام کے وقت قلعے کے اندر واپس جا رہے تھے اور دربان شام کو دروازے کو تالا لگا دیتے تھے، جس نے آنا ہوتا وہ آتا تھا، اس کے بعد پھر دروازہ بند کیا جاتا تھا، تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ آ جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنے آپ کو چھپانے کی غرض سے ایک جگہ وہیں دیوار کے پاس کپڑا اوڑھ کر بیٹھ گئے، ایسے بیٹھ گئے جیسے آدمی قضائے حاجت کیلئے بیٹھتا ہے جب سارے مویشی وغیرہ اندر چلے گئے تو سارے قلعے میں آ گئے جب باہر کوئی نہ رہا سوائے ان کے، یہ بیٹھے ہوئے تھے تو دربان نے یہ سمجھا کہ یہ بھی قلعے کے آدمیوں میں سے کوئی ہے جو قضائے حاجت کر رہا ہے تو اس نے کہا کہ بھئی! دروازہ بند کر رہا ہوں آنا ہو تو جلدی سے آ جاؤ، یہ جناب اٹھ کر چپکے سے اندر داخل ہو گئے۔

اندر داخل ہونے کے بعد یہ کہیں کسی کمرے، حجرے میں جا کر چھپ گئے، اب دیکھتے رہے کہ کیا ہوتا ہے تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں اور چابیاں ابورافع کے اندر کے مکان کے کمروں کی تھیں، وہ اس دربان نے لٹکا دیں تو انہوں نے دیکھ لیا جب رات کو سب لوگ سو گئے اور ابورافع کا معمول یہ تھا کہ لوگ کھانے کے بعد اس کے پاس جمع ہوتے تھے اور گپ شپ ہوتی تھی چنانچہ بہت دیر تک گپ شپ ہوتی رہی یہاں تک کہ جب محفل ختم ہوگئی اور لوگ چلے گئے۔

تو عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے چابیوں کا گچھا جہاں دربان نے لٹکایا تھا، انہوں نے وہاں سے اتارا اور دروازوں کے تالے کھولتے چلے گئے، ایک دروازے کا تالا کھولا اندر داخل ہوئے اندر سے اس کی کنڈی لگا دی،

دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا اندر داخل ہوئے اندر سے اس کی کنڈی لگادی، یہاں تک کہ ہوتے ہوتے ابورافع کی خواب گاہ تک پہنچ گئے۔ کنڈی اس لئے لگائی کہ کوئی باہر سے آنا چاہے تو وہ نہ آسکے۔

وہاں تک پہنچے تو اندھیرا تھا اور نظر نہیں آرہا تھا کہ ابورافع کہاں ہے؟ تو انہوں نے باقاعدہ آواز دی کہ اے ابورافع! جب اس کا جواب آیا تو انہوں نے اسی جواب کی سمت پر وار کیا لیکن وہ وار خالی گیا، وہ بڑبڑا کر اٹھا تو یہ پھر باہر نکلے اور پھر دوبارہ اس طرف سے آئے اور آواز دی کہ ابورافع کیا بات ہوئی؟ تو اس نے کہا کہ کسی نے میرے اوپر تلوار کا حملہ کیا ہے۔ اب آواز زیادہ واضح ہوگئی اور سمت بھی زیادہ واضح ہوگئی تو پھر انہوں نے وار کیا، وہ وار اس کے اوپر لگا لیکن وہ مرا نہیں لیکن چیخا، پھر یہ دوبارہ پہنچے اور آواز لگائی کیا ہوگیا؟ کیا ہوگیا؟ بالکل قریب پہنچ گئے یہاں تک کہ تلوار اس کے اوپر رکھی اور زور سے اس کو دبایا تو وہ آر پار ہوگئی اور اس کے نتیجے میں کام تمام ہوگیا۔

پھر یہ اس کو چھوڑ کر نیچے چلے آئے جب اتر رہے تھے تو کہتے ہیں کہ آخری سیڑھیوں کے اوپر میں سمجھا کہ سیڑھیاں ختم ہوگئی ہیں اب اترنے کی ضرورت نہیں ہے، اس واسطے میں نے پاؤں رکھا تو پاؤں پھسل گیا اور پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، میں نے اس کو عمامہ سے باندھا اور اسی حالت میں اترتا چلا گیا اور جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جاؤ جا کر حضور اقدس ﷺ کو خوش خبری دے دو، لیکن میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ وہ مر گیا ہے یعنی اس کی موت کا اعلان ہو جائے۔ تو یہ بیٹھے رہے یہاں تک کہ صبح کے وقت اس قلعے میں اعلان ہوا کہ ابورافع مر گیا ہے پھر وہاں سے واپس آئے۔ ان کے پنڈلی پر جہاں زخم لگا تھا حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اس پر مسح فرمایا، کہتے ہیں ایسا ہوگیا جیسے کبھی کوئی بیماری تھی ہی نہیں، ابو رافع کے قتل کا یہ واقعہ ہے۔

"وقال الزهري: هو بعد كعب بن الأشرف".

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ نے کہا کہ ابورافع کو کعب بن اشرف کے بعد قتل کیا گیا۔

زمانۂ قتل ابورافع

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے نے کہا ہے کہ ابورافع کا قتل کعب ابن اشرف کے قتل کے بعد ہوا تھا۔

ابورافع کے قتل کے زمانے کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں، بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ رجب ۳ھ کا واقعہ ہے، بعض میں آتا ہے ذوالحجہ ۴ھ کا واقعہ ہے، بعض میں آتا ہے ۵ھ کا واقعہ ہے، طبری میں ہے

کہ ابورافع کا قتل ماہِ رمضان ۶ھ میں ہوا۔

مختلف روایتیں ہیں لیکن اگر طبری کی وہ روایت تسلیم کی جائے کہ ابورافع ان لوگوں میں سے تھا جس نے بنوغطفان کو غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آمادہ کیا تھا تو پھر یہ واقعہ غزوۂ احزاب کے بعد کا ہوگا۔ ۲۳

۴۰۳۸ ـ حدثني إسحاق بن نصر: حدثنا يحيى بن آدم: حدثنا ابن أبي زائدة، عن أبيه، عن أبيه إسحاق، عن البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: بعث رسول الله ﷺ رهطا الى أبي رافع فدخل عليه عبدالله بن عتيك بيته ليلا وهو نائم فقتله. [راجع: ۳۰۲۲]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند آدمیوں کو ابورافع کے پاس بھیجا، عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ رات کو اس کے گھر میں گھسے وہ سو رہا تھا اور انہوں نے اس کو اسی حالت میں قتل کر دیا۔

۴۰۳۹ ـ حدثنا يوسف بن موسى: حدثنا عبيدالله بن موسى، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء بن عازب قال: بعث رسول الله ﷺ إلى أبي رافع اليهودي رجالا من الأنصار فأمر عليهم عبد الله بن عتيك. وكان أبو رافع يؤذي رسول الله ﷺ ويعين عليه. وكان في حصن له بأرض الحجاز، فلما دنوا منه وقد غربت الشمس وراح الناس بسرحهم، فقال عبدالله لأصحابه: اجلسوا مكانكم، فإني منطلق ومتلطف للبواب لعلي أن أدخل. فأقبل حتى دنا من الباب، ثم تقنع بثوبه كأنه يقضي حاجة، وقد دخل الناس فهتف به البواب: ياعبد الله، إن كنت تريد أن تدخل فادخل، فإني أريد أن أغلق الباب. فدخلت فكمنت فلما دخل الناس أغلق الباب ثم علق الأغاليق على ود، قال: فقمت إلى الأقاليد فأخذتها ففتحت الباب وكان أبو رافع يسمر عنده وكان في علالي له. فلما ذهب عنه أهل سمره صعدت إليه فجعلت كلما فتحت بابا أغلقت علي من داخل، قلت: إن القوم نذروا بي لم يخلصوا إلي حتى أقتله، فانتهيت إليه، فإذا هو في بيت مظلم وسط عياله لا أدري أين هو من البيت. فقلت: يا أبا رافع، فقال: من هذا؟ فأهويت نحو الصوت فأضربه ضربة بالسيف. وأنا دهش فما أغنيت شيئا، وصاح فخرجت من البيت فأمكث غير بعيد،

---

۲۳ عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۱۹۳، وفتح الباري، ج: ۷، ص: ۳۴۲، و شرح الزرقاني، ج: ۳، ص: ۱۴۱، وتاريخ الطبري، ج: ۲، ص: ۴۹۵

ثم دخلت إليه، فقلت: ما هذا الصوت يا أبا رافع! فقال: لأمك الويل إن رجلا في البيت ضربني قبل بالسيف، قال: فأضربه ضربة أثخنته ولم أقتله، ثم وضعت ضبيب السيف في بطنه حتى أخذ في ظهره، فعرفت أني قتلته، فجعلت أفتح الأبواب باباً باباً، حتى انتهيت إلى درجة له فوضعت رجلي وأنا أرى أني قد انتهيت إلى الأرض فوقعت في ليلة مقمرة فانكسرت ساقي فعصبتها بعمامة ثم انطلقت حتى جلست على الباب، فقلت: لا أخرج الليلة حتى أعلم أقتلته؟ فلما صاح الديك قام الناعي على السور فقال: أنعى أبا رافع تاجرَ أهل الحجازِ. فانطلقت إلى أصحابي فقلتُ النَّجاءَ، فقد قتل اللّٰه أبا رافعٍ. فانتهيت إلى النبي ﷺ فحدثته، فقال لي: ((ابسط رجلك))، فبسطت رجلي فمسحها فكأنها لم أشتكها قط. [راجع: ۳۰۲۲]

ترجمہ وتشریح

ابو اسحاق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں۔

"بعث رسول اللہ ﷺ .... فامر علیھم عبداللہ بن عتیک" رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع کی طرف عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی امارت میں انصار کے قبیلے خزرج میں سے چند صحابہ کو روانہ فرمایا۔

"وکان ابو رافع .... بأرض الحجاز" ابو رافع دشمن رسول تھا اور مخالفین رسول کی مدد کرتا تھا اس کا قلعہ حجاز میں تھا، وہ اسی میں رہا کرتا تھا۔

"فلما دنوا .... وراح الناس بسرحھم" جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اپنے ساتھی صحابہ کے ہمراہ اس کے قلعہ کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہوگیا تھا اور لوگ اپنے جانوروں کو شام ہونے کی وجہ سے واپس قلعہ میں لا رہے تھے۔

"سرح" کے معنی مویشی کے ہیں۔

"فقال عبداللہ .... لعلی أن أدخل" عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھہرو، میں جاتا ہوں اور دربان سے کوئی بہانہ کر کے اندر داخل ہونے کی کوئی کوشش کروں گا۔

"فاقبل حتی دنی .... وقد دخل الناس" چنانچہ عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ گئے اور دروازہ کے قریب پہنچ گئے پھر خود کو اپنے کپڑوں میں اس طرح چھپایا جیسے کوئی کوئی رفع حاجت کیلئے بیٹھتا ہے، قلعہ والے سب لوگ اندر جا چکے تھے۔

"**فهتف به البواب .... أغلق الباب**" دربان نے عبداللہ کو یہ خیال کر کے کہ ہمارا ہی آدمی ہے آواز دی اور کہا اے اللہ کے بندے اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آجا، کیونکہ میں دروازہ بند کرنا چاہتا ہوں۔
یہاں عبداللہ انکا نام لینا مقصد نہیں تھا حالانکہ نام بھی انکا عبداللہ ہی تھا، عمومی مقصد تھا اے اللہ کے بندے۔

"**فدخلت فكمنت .... على ود**" عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر اندر گیا اور چھپ گیا اور دربان نے دروازہ بند کر کے اس نے چابیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں۔

"**اغاليق**" ـ "**أغلق**" کی جمع ہے اس کے معنی ہیں چابی بند کرنے کا آلہ اور بعض روایتوں میں "**مقاليد**" آیا ہے یا "**اقاليد**" آیا ہے سب کے معنی ایک ہی ہیں یعنی چابیاں اور "**ود**" کھونٹی کو کہتے ہیں تو ان کو لٹکا دیا۔

"**قال: فقمت .... ففتحت الباب**" جب دربان سو گیا یا وہاں سے چلا گیا، تو میں نے اٹھ کر چابیاں اتار لیں اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا تا کہ بھاگنے میں آسانی ہو۔

"**وكان ابو رافع .... ذهب عنه أهل سمره**" ابورافع کا معمول تھا کہ اسکے پاس رات کو قصہ گوئی کی محفل جمتی تھی، وہ اپنے بالاخانے پر بیٹھا داستان سن رہا تھا، جب داستان کہنے والے چلے گئے، ابورافع سو گیا۔

"**سمر**" بعد از عشاء قصہ گوئی کو کہتے ہیں "**علالى**" جمع ہے "**على**" کے جس کے معنی بالاخانہ کے ہیں۔

"**صعدت اليه .... فانتهيت إليه**" تو میں بالاخانہ پر چڑھا اور جس دروازہ میں داخل ہوتا تھا اس کو اندر سے بند کر لیتا تھا، اور اس سے میری یہ غرض تھی میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر قوم یعنی ابورافع کے ساتھی جو قلعے کے اندر رہ رہے ہیں اگر ان کو میرا پتہ لگ بھی جائے تو مجھ تک نہ پہنچ سکیں جب تک کہ میں اس کو قتل نہ کر دوں، غرض میں ابورافع تک پہنچ گیا۔

"**لو نذرونى ـ نذر ينذر**" سے نکلا ہے معنی ہیں پتہ لگ جانا، علم ہو جانا۔

"**فاذا هو فى بيت مظلم .... أين هو من البيت**" وہ ایک اندھیری کمرے میں اپنے بچوں کے ساتھ سو رہا تھا، اور مجھے اندھیرے کی وجہ سے پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کمرے کے کس حصے میں ہے۔

"**قلت يا ابا رافع .... فاضربه ضربة بالسيف**" میں نے اس کو ابورافع کہہ کر پکارا، اس نے کہا کون ہے؟، تو جس طرف سے آواز آرہی تھی میں نے اس آواز کی طرف قصد کیا اور اس پر تلوار کی ضرب لگائی۔

"وانادهش فما اغنیت شیئا" میں نے اس طرح تلوار مار تو دی لیکن میری طبیعت میں دہشت تھی یعنی حیرت تھی کہ کیا کروں پتہ نہیں، لگے یا نہ لگے، تو میں نے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا یعنی میرے اس وار نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا بے کار گیا۔

"وصاح فخرجت من البیت .... ثم دخلت الیہ" وہ چیخ اٹھا تو میں کمرے سے باہر نکلا اور تھوڑی دیر رُکنے کے بعد میں پھر سے دوبارہ اس کے کمرے میں گیا۔

"فقلت ماھذا .... قبل بالسیف" میں نے پوچھا اے ابورافع! یہ کیسی آواز آئی تھی؟ اس نے کہا تیری ماں کا ناس ہو ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک آدمی نے کمرے میں آکر مجھ پر تلوار سے وار کیا ہے۔

"قال فاضربه .... ولم اقتله" جب اس نے یہ جملہ بولا تو آواز کا تعین تو ہو گیا تھا تو اب میں نے ایسا وار اس کو مارا جس نے اس کو خوب زخمی کر دیا لیکن وہ ابھی قتل نہیں ہوا۔

"الثخنه" کے معنی ہیں زخمی کر دینا، خون نکال دینا، خون بہا دینا۔

"ثم وضعت .... فعرفت إنی قتلته" پھر میں نے تلوار کی دھار اس کے پیٹ پر رکھ دی اور زور سے دبائی، یہاں تک وہ چیرتی ہوئی پیٹھ تک پہنچ گئی، اب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ہلاک ہو گیا ہے۔

اگلی جو روایت آرہی ہے اس میں یہ ہے کہ میں پھر ایک مرتبہ باہر گیا اور جا کر دوبارہ کہا کہ بھئی! کیا قصہ ہے کیا ہو گیا وغیرہ، جب دوبارہ گیا تو اس وقت میں نے تلوار کی دھار اس کے اوپر رکھی اور قتل کیا۔

"فجعلت افتح .... فوضعت رجله" پھر میں واپس لوٹا اور سارے دروازے ایک ایک کر کے کھولتا چلا گیا اور سیڑھیوں سے اترتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب آخری سیڑھی تک پہنچا اور میں نے پاؤں رکھا۔

"وانا أری .... فی لیلة مقمرة" اور میرا گمان یہ تھا کہ میں زمین تک پہنچ گیا ہوں، لیکن میں ایک چاندنی رات میں گر پڑا۔

"فنکسرت ساقی .... جلست علی الباب" اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی تو میں نے اس کو اپنے عمامے سے باندھ لیا پھر چل کر گیا اور قلعہ سے باہر آکر دروازہ پر بیٹھ گیا۔

"فقلت: لا أخرج .... فلما صاح الدیک" اور دل میں طے کر لیا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک ابورافع کے مرنے کا یقین نہ ہو جائے: آخر صبح ہوئی مرغ نے آذان دی۔

"قام الناعی .... انعی ابارافع" تو موت کی خبر دینے والا فصیل کے اوپر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ لوگو! میں ابورافع حجاز کے سوداگر کی موت کی خبر سناتا ہوں۔

"فانطلقت .... فقد قتل الله ابارافع" میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور میں نے کہا

بھاگو کیونکہ اللہ نے ابورافع کو قتل کر دیا ہے۔

"النجاء" یہ مصدر ہے "نجا۔ ینجو۔ نجوا" کے معنی تیز دوڑنا۔

"فانتهيت الى رسول الله ﷺ فحدثته" میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور آپ کو یہ سارا واقعہ سنایا۔

"فقال لي: ابسط .... لم اشتكها قط" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنا پاؤں پھیلاؤ، میں نے پاؤں پھیلا دیا، آپ ﷺ نے اس پاؤں کے اوپر مسح فرمایا تو وہ ایسا ہو گیا کہ جیسا کبھی اس میں شکایت ہی پیش نہ آئی ہو۔

اگلی حدیث میں بھی یہی واقعہ ہے اس میں بعض جگہ الفاظ میں تھوڑا سا فرق ہے۔

۴۰۴۰ ۔ حدثنا أحمد بن عثمان: حدثنا شريح هو ابن مسلمة: حدثنا إبراهيم بن يوسف، عن أبيه، عن أبي اسحاق قال: سمعت البراء ﷺ قال: بعث رسول الله ﷺ إلى أبي رافع عبد الله بن عتيك، وعبد الله بن عتبة في ناس معهم فانطلقوا حتى دنوا من الحصن فقال لهم عبدالله بن عتيك: امكثوا أنتم حتى انطلق أنا فأنظر، قال فتلطفت أن ادخل الحصن ففقدوا حمارا لهم قال فخرجوا بقبس يطلبونه، قال: فخشيت أن أعرف، فغطيت راسي ورجلي كأني أقضي حاجة ثم نادى صاحب الباب: من أراد أن يدخل فليدخل قبل أن أغلقه. فدخلت ثم اختبأت في مربط حمار عند باب الحصن ،فتعشوا عند أبي رافع وتحدثوا حتى ذهبت ساعة من الليل ،ثم رجعوا إلى بيوتهم .فلما هدأت الأصوات ولا أسمع حركة خرجت ،قال: ورأيت صاحب الباب حيث وضع مفتاح الحصن في كوة فأخذته ففتحت به باب الحصن .قال : قلت : إن نذر بي القوم انطلقت على مهل .ثم عمدت إلى أبواب بيوتهم فغلقتها عليهم من ظاهر ،ثم صعدت إلى أبي رافع في سلم فإذا البيت مظلم قد طفئ سراجه فلم أدر أين الرجل ؟ فقلت : يا أبا رافع ،قال: من هذا؟ قال: فعمدت نحو الصوت فأضربه وصاح ،فلم تغن شيئا .قال : ثم جئت كأني أغيثه ،فقلت : مالك يا أبا رافع؟ وغيرت صوتي . فقال: الا أعجبك ؟ لأمك الويل ، دخل علي رجل فضربني بالسيف،قال: فعمدت له أيضا فاضربه أخرى فلم تغن شيئا ،فصاح وقام أهله ،قال: ثم جئت وغيرت صوتي كهيئة المغيث ،فإذا هو مستلق على ظهره فأضع السيف في بطنه ثم انكفئ عليه حتى سمعت صوت العظم ثم خرجت دهشا حتى أتيت السلم أريد أن أنزل فأسقط منه فانخلعت رجلي فعصبتها ثم أتيت أصحابي أحجل .فقلت

لهم : انطلقوا فبشروا رسول الله ﷺ فإني لا أبرح حتى أسمع الناعية . فلما كان في وجه الصبح صعد الناعية ، فقال : أنعى أبارافع ، قال : فقمت أمشي ، مابي قلبة ، فأدركت أصحابي قبل أن يأتوا النبي ﷺ فبشرته . [راجع : ۳۰۲۲]

ترجمہ: یوسف بن اسحٰق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت براء بن عازب ؓ کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو رافع یہودی کے مارنے کے لئے حضرت عبد اللہ بن عتیک ، حضرت عبد اللہ بن عتبہ اور کئی صحابہ ؓ کو روانہ فرمایا، یہ لوگ جب اس قلعہ کے قریب پہنچے تو ابن عتیک نے ساتھیوں سے کہا کہ تم سب یہیں ٹھہرو میں جا کر موقع دیکھتا ہوں، ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں گیا اور دربان کو ملنے کی تدبیر کر رہا تھا کہ اتنے میں قلعہ والوں کا گدھا گم ہوگیا، اور وہ اسے روشنی لیکر تلاش کرنے نکلے میں ڈرا کہ کہیں مجھ کو پہچان نہ لیں، لہٰذا میں نے اپنا سر چھپالیا اور اس طرح بیٹھ گیا جس طرح کوئی رفع حاجت کے لئے بیٹھتا ہے، اتنے میں دربان نے آواز دی کہ دروازہ بند ہوتا ہے جو اندر آنا چاہے آجائے، چنانچہ میں جلدی سے اندر داخل ہوگیا اور گدھوں کے باندھنے کی جگہ پر چھپ گیا، قلعہ والوں نے ابو رافع کے ساتھ کھانا کھایا اور پھر کچھ رات گئے تک باتیں کرتے رہے، جب سب چلے گئے اور ہر طرف سناٹا چھا گیا، میں نکلا اور دربان نے جہاں دروازہ کی چابی رکھی تھی وہاں سے اٹھالی اور قلعہ کا دروازہ کھول دیا تا کہ آسانی سے بھاگ سکوں، اس کے بعد میں جو مکانات تھے ان کے پاس گیا اور باہر سے سب کی زنجیر لگادی، پھر میں ابو رافع کی سیڑھیوں پر چڑھا، کیا دیکھتا ہوں کہ کمرہ میں اندھیرا ہے، مجھے اس کا مقام معلوم نہ ہوسکا، آخر میں نے ابو رافع کہہ کر پکارا، اس نے پوچھا کون ہے؟ میں نے بڑھ کر آواز پر تلوار کا ہاتھ مارا، وہ چیخا مگر وار اوچھا پڑا، میں تھوڑی دیر ٹھہر کر قریب گیا اور دریافت کیا اے ابو رافع کیا حال ہے! اس نے سمجھا کہ شاید میرا کوئی آدمی میری مدد کو آیا ہے، اس لئے اس نے کہا ارے تیری ماں مرے، کسی نے میرے اوپر تلوار سے وار کیا ہے، یہ سنتے ہی میں نے پھر وار کیا، مگر ہلکا لگا اس کی بیوی بھاگی اور وہ چیخا، میں نے پھر آواز بدلی اور مددگار کی حیثیت سے اس کے قریب گیا وہ چت پڑا تھا میں نے تلوار پیٹ پر رکھ کر زور سے دبادی، اب ہڈیاں کو کٹنے کی آواز میں نے سنی، اب میں اس کا کام تمام کر کے ڈرتا ہوا گھبراہٹ میں چاہتا تھا کہ نیچے اتروں، مگر جلدی میں گر پڑا، اور پاؤں کا جوڑ نکل گیا، میں نے پاؤں کو کپڑے سے باندھ لیا، اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ تم سب رسول اللہ ﷺ کو اس کے قتل کی خبر سناؤ، میں اس کی موت کی یقینی خبر سننے تک یہیں رہتا ہوں، آخر صبح کے قریب ایک شخص نے دیوار پر چڑھ کر کہا کہ لوگو! میں ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں۔ ابن عتیک کہتے ہیں کہ میں چلنے کے لئے اٹھا مگر خوشی کی وجہ سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی، میں تیزی سے چلا اور ساتھیوں کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی ان کو پکڑ لیا اور پھر خود ہی آپ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی۔

تشریح

پچھلی حدیث میں اور اس حدیث میں چند الفاظ کا فرق ہے۔

"فـفـقـدوا حمارا .... بقبس يطلبونه" قلعہ والوں کا کوئی گدھا گم ہو گیا تھا تو آگ کا شعلہ لے کر اس کو ڈھونڈنے چلا یعنی روشنی لیکر اس کی تلاش میں قلعہ سے باہر آئے۔

"الا اعجبک" اس کے معنی مختلف ہو سکتے ہیں کیا میں تمہیں تعجب میں نہ ڈالوں۔

اور بعض روایتوں میں ہے کہ **"عـلـى اعـجبک"** کیا میں تمہیں جلدی سے نہ بتاؤں یا کیا میں تمہیں جلدی میں مبتلا نہ کروں کہ اب جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کر د۔

" ثم أتيت أصحابي أحجل " پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔

"حـجـل ــ يحجل" کے معنی ہیں ایک ٹانگ پر چلنا جیسے آدمی لنگڑا کر چلتا ہے کہ ایک ٹانگ پر زور دے اور دوسری ٹانگ پر زور نہ دے۔

"حـجـل" اصل میں بیڑی کو کہتے ہیں، جو پاؤں میں بیڑی ڈالی جاتی ہے تو گویا اس طرح چل رہا ہے جیسے کسی کے پاؤں میں بیڑی پڑی ہوئی ہو تو وہ جس طرح چلتا ہے۔

" فـقـمت أمشى ،مابي قلبة " جب میں نے یہ سن لیا کہ ابو رافع کی موت کا اعلان ہو گیا میں چلنے کے لئے اٹھا مگر خوشی کی وجہ سے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی، یعنی اگر چہ پاؤں کے اندر ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی جس کی وجہ سے تکلیف تو بہت سخت تھی لیکن اس وقت جو مسرت واطمینان مجھے حاصل ہوا اس کی وجہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی تکلیف نہیں۔

"قلبة" کے معنی بیماری۔

باب
غزوة أحد

(۱۷) باب غزوۃ أحد

غزوۂ احد کا بیان

غزوۂ احد کا پس منظر

یہاں سے باب غزوۂ احد قائم کیا اور غزوۂ احد سے متعلق کئی ابواب اور متعدد احادیث لائے ہیں، اس غزوہ کا پہلے مختصر حال سن لیجئے اس کے بعد جو احادیث آرہی ہے ان کو سمجھنا آسان ہوگا۔

غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کو ابتداً ابوسفیان کی لشکر تجارت پر حملہ کرنا تھا اور کرنا چاہا تھا لیکن ابوسفیان بچ نکلنے میں کامیاب رہا اور اپنا قافلۂ تجارت صحیح سلامت مکہ مکرمہ پہنچا دیا۔ ابوجہل کا لشکر بدر کے اندر مقابلہ کیلئے آیا، مقابلہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی اور کافروں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تو بدر کی شکست سے سارے مکہ کے کافر بلبلائے ہوئے تھے کہ ایسا زخم لگا ہے کہ جس کا کبھی تصور بھی نہ تھا، جتنے بڑے بڑے سردار تھے وہ مارے گئے اور زبردست نقصان ہوا، سب اس فکر میں تھے کہ کسی وقت اس کا بدلہ لینا ہے۔

جنگ کا منصوبہ

سب نے دارالندوہ میں مشورہ کیا کہ کیا کریں، مشورہ میں یہ طے پایا کہ ابوسفیان جو قافلۂ تجارت لے کر آئے ہیں (قافلہ میں مکہ مکرمہ کے ہر ایک فرد نے کچھ نہ کچھ رقم شامل کر کے بھیجا تھا تاکہ اس سے نفع کمائے اور سامان تجارت لے کر آئے)، جن جن لوگوں نے اس قافلہ کے اندر رقم بھیجی تھی تو رأس المال تو ان کو واپس کر دیا جائے اور جو کچھ منافع ہوا وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے۔

یہ ایک ہزار اونٹ پر مشتمل قافلہ تھا اور یہ بھی مؤرخین نے لکھا ہے کہ سو فی صد منافع لے کے آیا تھا یعنی ایک دینار کے بدلہ ایک دینار تو اگر کسی نے پچاس دینار بھیجے تھے، تو سو دینار ہو گئے تو سو فی صد نفع لے کر آیا تھا ، تو اس سے معلوم ہوا کہ سارے منافع کی رقم اس کام پر لگا دی کہ جنگی بجٹ میں اضافہ ہو اور وہ ساری رقم مسلمانوں کے خلاف تیاری میں خرچ ہو۔

چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس رقم سے اسلحہ مہیا کیا اور اگلے سال شوال ۳ھ میں انہوں نے تین ہزار افراد پر مشتمل لشکر تیار کیا، بدر میں ایک ہزار اور نو سو کے درمیان تھے اور احد کے موقع پر انہوں نے تین ہزار

پر مشتمل لشکر تیار کیا اور اس میں تقریباً ایک ہزار سے زیادہ زرہ پوش لوگ تھے اور زمانۂ جنگ میں جتنا ساز وسامان درکار ہوتا تھا وہ سارا ان کے پاس مہیا تھا اور ابوسفیان کی سرکردگی میں یہ لشکر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا تا کہ مدینہ پر حملہ کریں اور مدینہ کو تاخت وتاراج کریں۔

حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ اگرچہ اس وقت تک مکہ مکرمہ میں تھے، بدر میں خود قید ہو کر آئے تھے، لیکن بہرحال حضور ﷺ کے ساتھ ہمدردی تھی اور کچھ ایمان بھی دل میں آرہا تھا تو اس واسطے انہوں نے مکہ سے ایک خفیہ پیغام کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کو پیغام بھیج دیا کہ اتنا لشکر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوا ہے اور عنقریب آپ کے پاس پہنچنا چاہتا ہے۔

تو حضور اقدس ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تیار کیا اور دو صاحبان کو ایک کا نام انس تھا اور ایک کا نام مونس تھا دونوں کو بھیجا کہ جا کر خبر لو یہ لشکر اب کس جگہ ہے اور کتنے افراد ہیں اور کیا صورتحال ہے؟ تو یہ دونوں حضرات نکلے اور جا کر مشاہدہ کر کے آئے اور بتایا کہ تقریباً تین ہزار افراد کا لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونا چاہ رہا ہے تو اب کسی وقت بھی مدینہ منورہ پر حملہ ہو سکتا ہے۔

مدینہ کی حفاظت کیلئے پہرہ داری

فوری طور پر انتظام تو یہ کیا گیا کہ مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے جو راستے تھے ان پر پہرہ لگا دیا گیا۔ دستے متعین کر دیئے گئے تا کہ رات کے وقت میں کوئی اچانک داخل نہ ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کے حجرہ شریفہ پر سعد بن معاذ، اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے تمام رات کو پہرہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ

اگلے دن لشکر کے اور زیادہ قریب آنے کا امکان ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اتنا بڑا لشکر آرہا ہے اب اس سے مقابلہ کے دو راستے ہو سکتے ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ ہم مدینہ منورہ میں محصور ہو کر ان کا مقابلہ کریں، یعنی وہ آئیں گے تو مدینہ منورہ کا محاصرہ کرنا چاہیں گے اور جب محاصرہ کریں گے تو ہم محصور ہو کر ان سے لڑیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مدینہ منورہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کریں۔

خود آنحضرت ﷺ کا دلی میلان اس رائے کی طرف تھا کہ اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جارہی ہے، جس کی تعبیر یہ ہے

کہ مدینہ بمنزلہ زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہوں گے لہذا میری رائے میں مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ اکابر مہاجرین وانصار صحابۂ کرام ﷺ کی رائے بھی یہ تھی کہ مدینہ میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کرنا بہتر ہے۔[1]

عبداللہ بن ابی تھا تو منافق لیکن حضور ﷺ اسکے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا کرتے تھے ان سے بھی مشورہ کیا اس نے کہا کہ ہمارا تجربہ ہے کہ ایسی صورت میں اندر رہ کر لڑنا مناسب ہوتا ہے بنسبت اس کے کہ باہر نکل جائیں۔

لیکن کچھ جوشیلے صحابۂ کرام ﷺ تھے، کچھ تو نوجوان تھے اور کچھ وہ حضرات تھے جن کو واقعۂ بدر میں موقع نہیں ملا تھا ان کے دل میں جوش جہاد ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور شوق شہادت بہت زیادہ تھا تو انہوں نے کہا کہ پتہ نہیں کہ دوبارہ موقع ملے یا نہ ملے اب یہ ایک ایسا موقع ہاتھ آیا ہے کہ اس میں اپنے جذبات جہاد کی تسکین کر سکتے ہیں، لہٰذا باہر نکل کے لڑنا چاہئے اور محصور ہو کر لڑنے میں کچھ اپنی کمزوری کا اظہار ہوگا، لہٰذا باہر نکل کے کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔

یہ دوسری رائے اس طرح غالب آئی کہ لوگوں کی اکثریت اسی طرف ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اچھا چلو باہر نکل کر مقابلہ کریں گے۔

اس غرض کے لئے آپ ﷺ گھر کے اندر تشریف لے گئے اور گھر سے آپ زرہ پہن کر تشریف لائے، جب آپ ﷺ مسلح ہو کر باہر تشریف لائے، اس وقت ان صحابۂ کرام ﷺ کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی اصل رائے کے خلاف ایک دوسری رائے کے اوپر اصرار کیا اور اس کے نتیجے میں حضور ﷺ اس طرح مسلح ہو کر نکلے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے غلطی کی ہو اور حضور ﷺ کی مخالفت کا وبال نہ ہو۔

انہوں نے کہا کہ یارسول اللہ! ہم نے اپنے دلوں کے جذبات میں یہ تو کہہ دیا تھا لیکن ہم آپ کی مرضی کے تابع ہیں اور آپ چاہیں تو اندر ہی رہ کر مقابلہ کریں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب نبی ہتھیار پہن لیتا ہے تو پھر واپس نہیں جاتا، لہٰذا اب جب باہر نکلنے کا فیصلہ ہو چکا تو باہر ہی نکل کے مقابلہ کریں گے، یہ کہہ کر آپ ﷺ مغرب کی نماز پڑھ کر احد کی طرف روانہ ہوئے۔

---

[1] ورای رسول اللہ لیلۃ الجمعۃ رؤیا، فلما اصبح قال: رأیت البارحۃ فی منامی بقرا تذبح، واللہ خیر وابقی، ورأیت سیفی ذالفقار انقصم من عند ظبۃ اوقال بہ فلول فکرھتہ وھما مصیبتان، ورأیت انی فی درع حصینۃ وانی مردف کبشا. قالوا: وما اولتھا؟ قال: اولت البقر بقرا یکون فینا، واولت الکبش کبش الکتیبۃ، واولت الدرع الحصینۃ المدینۃ. فتح الباری، ج: ۷، ص: ۳۴۶ و کتاب المغازی الواقدی، ج: ۱، ۲۰۹

احد اس وقت مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا اب مدینہ کا حصہ بن گیا ہے، جب آپ ﷺ نکلے تو چونکہ مغرب کا وقت ہو گیا تھا تو کچھ فاصلہ پر شیخین نامی ایک جگہ ہے وہاں آج کل ایک مسجد بھی بنی ہوئی ہے تو رات کو آپ نے وہاں پر قیام فرمایا جب صبح ہوئی تو لشکر کو لے کر آپ ﷺ روانہ ہوئے۔

منافقین کی علیحدگی

اس وقت عبداللہ بن ابی اڑ گیا اور اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلا گیا کہ جب ہماری بات نہیں مانی جاتی تو ہم کیوں جائیں؟ ہم نے کہا تھا کہ اندر رہ کر مقابلہ کی جائے اور آپ ﷺ باہر نکل کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ لہٰذا ہماری بات نہیں مانی گئی تو ہم لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے اور واپس جاتے ہیں۔

بہت سے صحابۂ کرام ﷺ نے سمجھایا کہ بھئی! اس موقع پر اس طرح چھوڑ جانا بہت غلط بات ہے تو اس وقت اس نے کہا کہ یہ لڑائی نہیں ہے خودکشی ہے، اگر یہ قتال ہوتا تو ہم ضرور لڑتے، تو یہ لڑائی نہیں ہو رہی خودکشی ہو رہی ہے۔

تین سو آدمی اس طرح نکل گئے تو اس مرحلہ پر انصاری صحابہ کے دو گروہ تھے، ان کے دل میں یہ بات آئی کہ جس طرح عبداللہ بن ابی نکل کر چلا گیا ہے ہم بھی نکل جائیں ان میں ایک خزرج کے قبیلہ بنو سلمہ تھے اور دوسرے اوس کے قبیلہ بنو حارثہ تھے، ان کے دل میں بھی یہ خیال آیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو استحکام بخشا اور پھر وہ نہیں گئے اور اسی کا ذکر آیت کریمہ میں آیا ہے:

﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ [۳]

ترجمہ: جب تمہی میں سے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی وناصر تھا۔

تو وہ صحابہ کرام ﷺ جو بنو سلمہ اور بنو حارثہ سے تعلق رکھتے تھے وہ کہتے تھے کہ اگرچہ قرآن میں ہماری کم ہمتی کا ذکر ہے کہ ہمارے دل میں ہمت ہار بیٹھنے کا خیال پیدا ہوا لیکن اس کے باوجود ہمیں غم اس لئے نہیں کہ آگے لفظ ہے "وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا" تو اس واسطے اب ہمیں کوئی ڈر نہیں چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری بھی ساتھ دے دی۔

---

[۳] [آل عمران: ۱۲۲]

یوں عبداللہ بن ابی الگ ہوگیا اور مسلمانوں کے لشکر میں سات سو افراد باقی رہ گئے، تو آنحضرت ﷺ قریش کے تین ہزار افراد کے مقابلہ میں سات سو افراد کو لے کر تشریف لے گئے۔

اس غزوہ میں بھی بے سروسامانی کا عالم بالکل بدر جیسا تو نہیں تھا لیکن اس کے قریب قریب تھا، بدر کے مقام پر تو اچانک مقابلہ ہوگیا تھا لیکن یہ اچانک تو نہیں تھا، وہاں پر ان کے پاس ساز وسامان اور یہاں پر بھی انہوں نے تمام منافع لگایا ہوا تھا جس طرح دو گھوڑے بدر میں تھے تو احد میں بھی دو ہی گھوڑے تھے ایک حضور اقدس ﷺ کا اور دوسرا شاید ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا تھا، تو دو گھوڑے تھے اور باقی سب پیدل اور زرہیں بھی کم اور جنگی ساز وسامان بھی کم۔

لیکن نبی کریم ﷺ نے مقابلہ اس طرح فرمایا کہ احد کو اپنی پشت پر رکھا اور مدینہ منورہ سامنے تاکہ شہر کی حفاظت کی جاسکے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ لوگ شہر کے اندر گھس جائیں اس واسطے مدینہ منورہ کو اپنے آنکھوں کے سامنے رکھا اور احد کو پشت پر رکھا اور قریش سامنے کی طرف سے مقابلہ کے لئے آئے، آنحضرت ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ ہم تو کفار کا مقابلہ کر رہے ہوں لیکن ہمارا عقب محفوظ ہونا چاہئے یعنی پچھلے حصے سے کوئی اچانک حملہ آور نہ ہو جائے۔

لہٰذا وہاں ایک ٹیلہ تھا جس کے اوپر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک دستہ مقرر فرمایا اور کہا کہ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ عقب کی حفاظت کرو، کوئی دشمن ادھر ادھر سے آتا ہو تو اس کو روکو اور ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اس کو چھوڑو، بس یہاں پر قائم رہو۔

مبارزتِ طلبی

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، جنگ میں ابتدا میں وہی طریقہ جو مبارزطلبی کا ہوتا تھا وہ ہوا، ابوسفیان یہ چاہتا تھا کہ اکا دکا مقابلہ نہ ہو بلکہ سیدھا حملہ ہوجائے اور حملہ ہو کر ایک مرتبہ میں سارا لشکر مسلمانوں کے لشکر پر پل پڑے اور گھمسان کا رن پڑ جائے اور بالآخر تین ہزار کا لشکر سات سو پر غالب آجائے۔

لیکن ان کا علم بردار طلحہ، جو بنو عبد الدار کا ایک فرد تھا، اس نے ابوسفیان کی مخالفت کی کہ ہمیں اپنی بہادری کے جوہر انفرادی مقابلہ میں دکھانے دیں، پھر اسکے بعد چاہے جو کچھ بھی ہو، ابوسفیان نے بہت سمجھایا کہ یہ موقع بہادری دکھانے کا نہیں ہے، لیکن وہ اپنی بات پر قائم رہا، یہاں تک کہ سب سے پہلے خود ہی مقابلہ پر آیا اور مبارز طلب کیا۔

مسلمانوں کے لشکر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلہ پر تشریف لے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ طلحہ سے ہوا اور

تھوڑا سا مکالمہ بھی ہوا، طلحہ بڑے طرب وحرب کے ساتھ آیا تھا لوہے میں غرق اور ساتھ طنز وتعریض کرتا ہوا کہ ہم نے سنا ہے کہ تم بہت جنت کے شوقین ہو اور حوروں کے ساتھ ملنے کی بڑی آرزو ہے تو آج میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہارے اس شوق کو پورا کردوں اور تمہیں حوروں سے ملوا دوں۔

حضرت علی ﷜ نے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس کا وقت آیا اور کس کا نہیں آیا، باتیں بنانے کا وقت نہیں ہے، اگر کوئی کام دکھانا ہے تو دکھاؤ، یہ کہہ کر مقابلہ ہوا اور بالآخر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی ﷜ کی مدد فرمائی انہوں نے ایک وار کیا حالانکہ سر پر خود تھا لیکن تلوار ماری تو پھر گلے سے نکالی اور وہ زمین پر گر پڑا اور وہ جو ازار پہن کر آیا تھا تو وہ ازار ہٹ گئی تھی اور اس کی وجہ سے لاش عریاں ہونے لگا تو حضرت علی ﷜ نے جب دیکھا کہ وہ عریاں ہو رہا ہے تو خود اس کے ستر کو ڈھانپ دیا۔ [۳]

پہلے ہی مرحلہ میں یہ جو منظر دیکھا کہ علم بردار مارا گیا، اس طریقہ سے مقابلہ پر مقابلہ کیلئے اس کا بھائی شیبہ آیا تو اس نے آکر مبارز طلب کیا اور یہ کہا کہ طلحہ میرا بھائی ہے بوڑھا آدمی تھا اور حضرت علی ﷜ نوجوان تھے تو مقابلہ برابر کا نہیں تھا تو جوان نے بوڑھے کو مار دیا، یہ نہ سمجھو کہ اس کی وجہ سے تم لوگ غالب آگئے ہو اب میرا مقابلہ کرو۔

حضرت علی ﷜ نے حضور اقدس ﷺ سے پھر اجازت طلب کی کہ اجازت ہو تو پھر اس کا بھی جواب دوں، وہ ابھی کچھ بات کر ہی رہے تھے کہ حضرت حمزہ ﷜ آگے بڑھے اور انہوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ! ایک طرف تو یہ بات ہے کہ جس دن مدینہ منورہ پر حملہ کی خبر آئی تھی تو یہ قسم کھائی تھی کہ جب تک جنگ کا فیصلہ نہیں ہو جاتا یا حمزہ کی جان قربان نہیں ہو جاتی روزہ رکھوں گا کچھ کھاؤں گا نہیں تو اس واسطے روزے سے ہوں اور دوسری بات یہ ہے کہ اس کو شکایت ہے کہ طلحہ بوڑھا تھا اور علی نوجوان ہے، لہٰذا اب مناسب یہ ہے کہ اس کو اپنی جوانی کا جوش ہے تو اب میں بوڑھا جاتا ہوں۔

حضرت حمزہ ﷜ کی اس بات پر حضور ﷺ نے ان کو اجازت دی اور حضرت حمزہ ﷜ اس کے مقابلہ کیلئے آگے بڑھے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت حمزہ ﷜ جب جا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو بلا کر ان سے معانقہ فرمایا، ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کچھ ایسے کلمات ارشاد فرمائے کہ اب شاید دوسری بار ملاقات نہ ہو۔

حضرت حمزہ ﷜ آگے بڑھے اور شیبہ سے مقابلہ ہوا اور اس مقابلہ کے اندر بھی اللہ تعالیٰ نے بالآخر فیصلہ حضرت حمزہ ﷜ کے حق میں فرمایا، حضرت علی ﷜ نے سر پر تلوار ماری تھی اور حلق سے نکل گئی تھی اور حضرت حمزہ ﷜ نے جو تلوار ماری تو بالکل اوپر سے دو ٹکڑے کر دیئے جب یہ منظر دیکھا تو قریش کے لشکر میں سراسیمگی پھیل گئی۔

---

[۳] کتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص: ۲۲۸، ۲۲۷

عمومی جنگ کا آغاز

ابوسفیان نے کہا کہ میں اب کسی کو جانے نہیں دوں گا، اب تو بس سب اکٹھے مل کر حملہ کریں، سب نے اکٹھے مل کر حملہ کیا زبردست گھمسان کارن ہوا اس دوران طلحہ جو کہ علم بردار تھا اس کا جھنڈا زمین پر گرا ہوا تھا، تو جھنڈا اٹھانے کیلئے جب بھی کوئی آگے بڑھتا تو جو بھی آگے بڑھتا تو اس کے اوپر کوئی نہ کوئی مسلمانوں کی طرف سے وار ہوتا اور وہ ٹھنڈا ہو جاتا۔

لیکن بہرحال ان انفرادی مقابلوں کے بعد ابوسفیان نے ایک ریلے کی شکل میں حملہ کرنے کو ترجیح دی اور پھر آپس میں دونوں لشکر گتھم گتھا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خصوصی نصرت سے نوازا، اسکے نتیجے میں ابوسفیان کا لشکر پیچھے ہٹنے لگا اور پیچھے ہٹ کر تقریباً میدان چھوڑ گیا، جب میدان چھوڑ گیا اور وہاں پر صرف مسلمان باقی رہ گئے تو یہ کھلی فتح تھی کہ دشمن بھاگ گئے اور مسلمان غالب آ گئے تو اب مسلمانوں نے ان کا مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا۔

حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو جس ٹیلہ پر تیرانداز دستے کے ساتھ مقرر فرمایا تھا کہ مسلمانوں کے عقب کی حفاظت کرے، ان کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ لوگوں سے میدان خالی ہو چکا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مال غنیمت جمع کر رہے ہیں، کچھ لوگ پہاڑوں پر چڑھ رہے ہیں تو انہوں نے دیکھا کہ جنگ ختم ہو چکی ہے، لہٰذا انہوں نے کہا کہ ہمیں بھی مال غنیمت جمع کرنے میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہونا چاہیے اور اب ہمیں ٹیلہ پر رہنے کی ضرورت نہیں ہے واپس جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ ان کے سربراہ تھے انہوں نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تھا کہ کیسی بھی حالت ہو یہاں پڑے رہنا، لہٰذا میں تو اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلنا چاہتا جب تک کہ خود رسول کریم ﷺ ہمیں یہاں سے بلا نہ لیں۔

اجتہادی اختلاف

اب یہ اجتہادی اختلاف تھا، ان صحابہ نے سمجھا کہ ہم کو یہاں روکنے کی علت جنگ تھی اور جنگ اب ختم ہو چکی ہے اور زوال علت سے حکم بھی ختم ہو گیا اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں فرمایا تھا کہ ہر حالت میں یہاں پر رہنا، تو ابھی علت ختم نہیں ہوئی جب تک کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے کوئی ناسخ حکم نہ آ جائے اس وقت تک ہمیں یہاں رہنا چاہیے۔

جن حضرات صحابۂ کرام ﷺ کی پہلی والی رائے تھی وہ تعداد میں زیادہ تھے تو بالآخر انہوں یہ فیصلہ کیا کہ ہم تو جاتے ہیں چنانچہ چالیس تیر اندازوں کا دستہ تھا ان میں سے اکثر حضرات چلے گئے اور ٹیلہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کے ساتھ بہت کم افراد رہ گئے۔

دوسری طرف خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور غزوۂ اُحد میں کفار کی طرف سے آئے تھے وہ جنگی چالوں اور تدبیروں کے پہلے ہی سے ماہر تھے تو ان کو بھی پہلے ہی احساس تھا کہ یہ ٹیلہ بھی ایک دفاعی چوکی ہے۔ [۳]

جنگ کے دوران بھی بعض روایتوں میں آتا ہے کہ وہ بار بار اس ٹیلہ کی طرف دیکھتے تھے کہ کہیں سے یہ ٹیلہ اگر خالی ملے تو میں یہاں سے مسلمانوں کے اوپر حملہ آور ہوں تو جب ابوسفیان کا لشکر پیچھے ہٹ گیا اور چلا گیا اور ان کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، تو خالد بن ولید نے آخری بار یہ سوچا کہ چلو چلتے چلتے یہ دیکھ لوں کہ اس ٹیلہ کی کیا پوزیشن ہے تو وہاں سے پلٹ کر آئے آکر ٹیلہ دیکھا تو ان کی باچھیں کھل گئی کہ اب آدمی چالیس کے بجائے چند افراد رہ گئے تھے تو خالد بن ولید نے موقع غنیمت سمجھ کر پیچھے سے اس ٹیلہ کے اوپر حملہ کیا۔

ٹیلہ پر دس بارہ صحابہ تھے انہوں نے تیروں کے ذریعہ خالد بن ولید کے دستے کو روکنے کی کوشش کی اور ان کے اوپر تیر اندازی کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے سارے تیر ختم ہو گئے اور خالد بن ولید کا لشکر زیادہ افراد پر مشتمل تھا تو وہ اوپر چلا آرہا تھا جب سارے تیر ختم ہوئے، تو حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اب کوئی اور راستہ نہیں تو خالد بن ولید کے لشکر کے اوپر پتھر بھی اٹھانے شروع کئے۔

لیکن ظاہر ہے کہ دس بارہ آدمی کب تک اتنے بڑے لشکر کو روکیں گے، بالآخر خالد بن ولید اوپر چڑھ آئے اور حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ اور ان کے ساتھی وہیں پر شہید ہوئے، ٹیلہ خالی ہوگیا اور یہ مسلمانوں کا عقب تھا۔

مسلمانوں پر عقب سے حملہ اور ظاہری شکست

لہٰذا عقب سے خالد بن ولید نے حملہ کیا اور مسلمانوں کیلئے یہ حملہ بالکل غیر متوقع تھا، کیونکہ ان کے خیال میں یہ جنگ ختم ہو چکی تھی، دشمن بھاگ چکا تھا، مال غنیمت جمع کر رہے تھے، پیچھے سے آکر ایک دم سے وہ حملہ

---

[۳] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۲۰۲، وفتح الباری، ج:۷، ص:۳۴۶، وکتاب المغازی للواقدی، ج:۱، ص:۲۳۰،۲۲۹

آدر ہوئے تو سراسیمگی کا عالم طاری ہو گیا اور مسلمانوں کے پاؤں ڈگمگا گئے۔ ابوسفیان نے بھی دیکھا کہ خالد بن ولید کی یہ تدبیر کارگر ہو گئی ہے تو وہ بھی اپنے باقی لشکر کو لے آیا اور اس کے نتیجے میں مسلمانوں کو تھوڑی سی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

مصعب بن عمیرؓ کی شہادت

اس شکست کے عالم میں اس واقعہ نے جلتی ہوئی آگ کا کام دیا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ جو مسلمانوں کے علم بردار تھے، ان کے اوپر ابن قمیہ نے حملہ کیا اور اس طرح حملہ کیا کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ اس حملہ سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے اور ان کے بائیں ہاتھ میں علم تھا اور دائیں ہاتھ میں تلوار تھی تو اس نے آکر تلوار والے ہاتھ پر حملہ کیا اور ہاتھ کٹ گیا تو اب ایک ہی ہاتھ باقی ہے اور اسی میں علم اٹھایا ہوا ہے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے علم کو اپنی گردن میں تھاما اور تلوار کو اپنے بائیں ہاتھ میں لے کر مقابلہ کرنے کی کوشش کی، بالآخر اس نے دوسرے ہاتھ پر حملہ کیا اور دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا تو حضرت مصعب بن عمیرؓ نے گردن سے چمٹا کر علم کی حفاظت کرنے کی کوشش کی لیکن تیسرے وار میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کو شہید کر دیا۔

آپ ﷺ کی شہادت کی افواہ

حضرت مصعب بن عمیرؓ ان صحابہ کرامؓ میں سے تھے جو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ صورت میں بہت مشابہت رکھتے تھے تو جب ابن قمیہ نے حضرت مصعبؓ کو شہید کیا تو صورت میں حضور ﷺ کے مشابہ تھے اس لئے اس نے نعرہ یہ لگا دیا کہ میں نے محمد کو شہید کر دیا۔

یہ افواہ پورے لشکر کے اندر پھیل گئی کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا۔ ایک طرف تو ناگہانی حملہ جس سے پریشانی کھڑی ہوئی تھی اور اس سے کہیں زیادہ پریشانی اس خبر نے پھیلا دی کہ جناب رسول ﷺ شہید کر دیئے گئے۔

اب بہت صحابۂ کرامؓ وہ تھے کہ اس موقع کے اوپر ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے کہا کہ جب رسول کریم ﷺ ہی نہ رہے تو کس لئے لڑیں اور کیوں لڑیں تو وہ میدان سے پیچھے ہٹ گئے۔

دوسرے وہ صحابہ کرامؓ تھے کہ اس خبر کے سننے کے بعد سکتے کے عالم میں تھے کہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں، لہٰذا خاموش ہو کر ایک جگہ کھڑے ہو گئے جن میں حضرت عمر بن خطابؓ بھی داخل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی اس وقت لڑتے لڑتے ایک سکتہ کا عالم طاری ہو گیا اور وہ لڑائی سے ہٹ کر کھڑے ہو گئے یعنی پیچھے بھاگے بھی نہیں لیکن ایک سکتہ کے عالم میں بے حس وحرکت کھڑے ہو گئے۔

تیسرے وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے، جنہوں نے یہ سوچا کہ چاہے یہ خبر صحیح ہو یا غلط، لیکن جس کام پر رسول کریم ﷺ لگا کر گئے ہم تو وہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم جان دیدیں گے، چنانچہ وہ بے جگری کے ساتھ لڑتے رہے اور کفار کا مقابلہ کرتے رہے۔

آنحضرت ﷺ کے دفاع میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایثار و جانثاری

صرف چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول کریم ﷺ کے اردگرد تھے ان کو صحیح صورت حال کا پتہ بھی تھا کہ یہ خبر غلط ہے اور حضور اقدس ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں اور وہ حضرات حضور اکرم ﷺ کے اوپر چاروں طرف سے ہونے والے حملوں کا دفاع کررہے تھے۔

اس وقت حضور ﷺ نے بھی بھاگنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی اور ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کہ آؤ نبی کریم ﷺ یہاں تشریف فرما ہیں تو ان کو آواز پہنچی نہیں یا گھبراہٹ کے عالم میں اس پر توجہ نہ ہوئی تو بعض نے اس کے باوجود بھی پیچھے ہٹنے کا عمل جاری رکھا اور بعض حضرات سن کر واپس آگئے اور اس وقت کفار کا بہت بڑا ریلہ جناب نبی کریم ﷺ پر حملہ آور تھا، اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فداء کاری کی مثالیں قائم کیں۔

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ جن کو نبی کریم ﷺ نے اسی جنگ میں اپنی تلوار عطا فرمائی تھی، نہایت شجاع اور بہادر تھے۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم کے سامنے اس طرح کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے اوپر ہونے والے تیروں کو اپنے جسم پر روک رہے تھے کہ پشت تیروں کی طرف کی ہوئی ہے اور چہرہ نبی کریم ﷺ کی طرف کہ اس عالم میں بھی سرکار دوعالم ﷺ کی طرف پشت نہ ہو، اس کا اہتمام کرتے ہوئے سارے تیر آپ نے پشت پر لئے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سرکار دوعالم ﷺ کی طرف آنے والے سارے تیروں کو اپنے ہاتھوں پر روک رہے تھے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ جس سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو غزوہ اُحد کے دن بچایا تھا، وہ بالکل شل ہو گیا تھا۔ اُحد کے دن طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر ستر سے زائد زخم لگے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تیر اندازی کررہے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ کے قریب تھے اسی حالت میں ان کی کمان ٹوٹ جاتی ہے تو سرکار دوعالم ﷺ نے قریب سے شاخ لے کر حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کو دی اور فرمایا کہ "ارم فداک أبی و امی" اے سعد! تیر برساؤ میرے ماں باپ تم پر فداء ہوں۔

یہ لفظ شاید کسی اور صحابی کے لئے ثابت نہیں ہے، جو نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر حضرت سعد

بن وقاص ﷺ کیلئے فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ کے دندان مبارک شہید ہونا

ان تمام حالات میں ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی طرف ایک پتھر پھینک کر مارا تو نبی کریم ﷺ کے خود کے اوپر لگا اور اس سے آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے، آنحضرت ﷺ چونکہ زخمی ہو گئے تھے تو حضرات صحابۂ کرام ﷺ حضور اقدس ﷺ کو قریب ایک پہاڑ کے ایک غار میں لے گئے۔

اس دوران حالات کسی قدر قابو میں آگئے تھے اور جو کفار کے حملہ کی شدت تھی وہ کم ہوگئی تھی اور اس وقت اگرچہ صحابۂ کرام ﷺ کی بڑی تعداد شہید ہوئی لیکن پھر بالآخر ابوسفیان کو میدان سے ہٹنا پڑا۔

حضرت عمر ﷺ کا ابوسفیان کی للکار کا جواب

جب سرکار دو عالم ﷺ وہاں غار کے اندر تشریف فرما تھے جہاں پر آپ ﷺ کے زخموں کا علاج کیا جارہا تھا، اُس وقت ابوسفیان قریب سے گزرے اور نبی کریم ﷺ کا نام لے کر کہا کہ آج ہم نے محمد (ﷺ) کو شہید کردیا۔ **العیاذ باللہ۔** ابوبکر کہاں ہے؟ اور عمر کہاں ہے؟ علی کہاں ہے؟ نام لے کر سب کا پوچھا۔

شروع میں صحابہ کرام ﷺ کو آپ ﷺ نے خاموش رہنے کا حکم فرمایا۔

بالآخر حضرت فاروق اعظم ﷺ سے رہا نہیں گیا انہوں نے کہا کہ یاد رکھو! تمہیں خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں ہے محمد بھی موجود ہیں اور ہم اب بھی آپ اردگرد موجود ہیں۔

تو اس نے نعرہ لگایا **"اعل ھُبل" "ھبل"** ان کا بت تھا، سو اس کی تعظیم کے طور پر نعرہ لگایا۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو جواب دو تو صحابۂ کرام ﷺ نے فرمایا کیا جواب دیں؟

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا **"اللہ اعلی و اجل"** اللہ ہی بلند و برتر ہے، چنانچہ صحابۂ کرام ﷺ نے یہ فرمایا۔

پھر اس نے کہا **"لنا العزی ولا عزی لکم"** تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا جواب دو اور جواب پھر آپ ﷺ نے خود ہی تلقین فرمایا **"اللہ مولنا و لا مولی لکم"** اللہ ہی ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

پھر اس نے یہ کہا **"یوم بیوم بدر الحرب سجال"** کہ آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ اسی طرح ہوتی ہے۔ کبھی تمہارے ہاتھ میں اور کبھی ہمارے ہاتھ میں۔

۱

اور پھر کہا آج تم اس جنگ کے دوران بعض لوگوں کا مثلہ بھی پاؤ گے کہ بعض لوگوں کو مثلہ کیا گیا ہے، اشارہ حضرت حمزہ ﷺ کی طرف تھا، تو اس مثلہ کا نہ تو میں نے حکم دیا تھا اور نہ مجھے اتنا برا لگا، کسی نے میرے حکم کے بغیر مثلہ کر دیا ہے، تو مجھے کچھ ناگوار بھی نہیں ہے، اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

یہ غزوۂ احد کا خلاصہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ غزوۂ اُحد کے مختلف واقعات آگے روایت فرما رہے ہیں، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے۔

وقول اللہ تعالیٰ:

﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر! جنگِ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جما رہے تھے، اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے۔

"غدوت من اھلک" سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کے وقت میں نکلے تھے، حالانکہ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی سے مغرب کے قریب روانہ ہوئے تھے۔

اس کے معنی بعض حضرات نے یہ بیان کئے ہیں کہ رات کو شیخین کے مقام پر قیام فرمایا تھا اور وہیں پر آپ ﷺ کا خیمہ بھی نصب تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی تشریف فرما تھیں تو اگلے دن صبح کے وقت نکلے تھے، تو اس وقت کا ذکر ہے۔

"مقاعد للقتال" سے مراد ہے جنگ کے لئے صفیں ترتیب دینا۔

وقولہ تعالیٰ جل ذکرہ:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ○ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ○ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ٥ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴾ ۵

ترجمہ: (مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سربلند ہوگے۔ اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔ یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے ، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیامیٹ کر ڈالے ۔ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ اور تم خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں سے اسے دیکھ لیا ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا .... قَرْحٌ مِّثْلُهُ﴾ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کو جو نقصان اُٹھانا پڑا اس پہ تسلی کیلئے آیات نازل ہوئیں کہ مایوس اور شکستہ دل مت ہو، اگر تم ایمان والے ہو تو تم ہی فتح یاب ہوگے۔

پھر اس بعد یہ فرمایا کہ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچا ہے تو ان مشرکین کو بھی تو اسی جیسا زخم پہنچ چکا ہے، یعنی جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفارِ مکہ کے بڑے بڑے سردار قتل اور گرفتار کیے گئے تھے۔

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ .... الْكَافِرِينَ﴾ مطلب یہ کہ اس جنگ کے اندر مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی، صدمہ پہنچا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی بڑی تعداد شہید ہوئی تو وہ اس لئے تا کہ ہم مؤمنوں کو پاک صاف کر دیں۔

---

۵ [آل عمران: ۱۳۹-۱۴۳، ۱۲۱]

یعنی اس کے ذریعہ جو زخم لگا اس سے ان کے گناہ زائل ہوئے، اس سے ان کی تربیت ہوئی، اس سے ان کا تزکیۂ اخلاق ہوا۔ ان سب باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

"مَحَّصَ" کے معنی ہوتے ہیں پاک کرنا، کسی چیز کے میل کچیل کا زائل کرنا۔

﴿وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ......... وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ﴾ اس آیت میں اشارہ ہے ان صحابۂ کرام ﷺ کی طرف جو جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے، وہ شہدائے بدر کی فضیلت سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی شہادت کا رُتبہ حاصل ہو، اب تم نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اس موت کو کہ کیسے آئی۔

اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لقاء عدد کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آجائے تو ثابت قدم رہو۔

وقوله:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ [ے]

ترجمہ: اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا۔ تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دُنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے۔ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رُخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

ے [آل عمران: ۱۵۲]

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُم .... بِإِذْنِهِ﴾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا جب تم ان کی بیخ کنی کررہے تھے۔

''بیخ کنی'' کرنے سے مراد ''جڑ سے اکھاڑ دینا'' ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُم .... مَا تُحِبُّونَ﴾ یہاں تیراندازوں کی اس جماعت کا ذکر ہے جن کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ''ٹیلہ پر ثابت قدم رہنا''۔ جب اللہ نے تم کو دکھائی وہ چیز جو تم پسند کررہے تھے یعنی جب دیکھا فتح ہوگئی تو اکثر حضرات اپنے امیر کے حکم کے خلاف ٹیلہ چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے کیلئے چلے گئے۔

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو اُن سے پھیر دیا یعنی شکست دی تا کہ اللہ رب العزت تمہیں آزمائے۔

﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ﴾ آخر میں فرمایا کہ جو کچھ تم سے لغزش ہوئی اس کو اللہ رب العزت نے معاف کردیا، اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ غزوۂ احد کے متعلق نازل ہونے والی آیات کے ذکر کرنے کے بعد اب روایات کو بیان کرنا شروع کررہے ہیں۔

۴۰۴۱ ۔ حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا عبدالوهاب، حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال النبي ﷺ يوم أحد: ((هذا جبريل آخذ برأس فرسه عليه أداة الحرب)). [راجع: ۳۹۹۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسالت مآب ﷺ نے اُحد کے دن فرمایا: (دیکھو!) یہ جبرئیل علیہ السلام آگئے ہیں، اپنے گھوڑے کا سر پکڑے اور ہتھیار لگائے۔

تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن فرمایا کہ **''هذا جبريل آخذ برأس الخ''** دیکھو! یہ جبرئیل علیہ السلام ہے کہ انہوں نے اپنے گھوڑے کا سر پکڑا ہوا ہے اور ان پر سامانِ حرب ہے جو مسلح ہو کر آئے ہیں یعنی جنگ کی تیاری کرکے آئے ہیں۔

غزوۂ بدر کے موقع پر تو فرشتوں کا لشکر آیا تھا اور باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا تھا، لیکن غزوۂ اُحد کے موقع پر فرشتوں کا لشکر اس طرح نہیں آیا۔ ہاں البتہ حضور اقدس ﷺ کی ہمرکابی کے لئے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو اس طرح بھیجا گیا تھا۔

۴۰۴۲ ۔ حدثنا محمد بن عبدالرحیم: أخبرنا زکریا بن عدی: أخبرنا ابن المبارک، عن حیوة، عن یزید بن أبی حبیب، عن أبی الخیر، عن عقبة بن عامر قال: صلی رسول اللہ ﷺ علی قتلی أحد بعد ثمانی سنین کالمودع للأحیاء والأموات، ثم طلع المنبر فقال: ((إنی بین أیدیکم فرط، وأنا علیکم شهید، وإن موعدکم الحوض، وإنی لأنظر إلیه من مقامی هذا، وإنی لست أخشی علیکم أن تشرکوا ولکنی أخشی علیکم الدنیا أن تنافسوها)). قال: فکانت آخر نظرة نظرتها إلی رسول اللہ ﷺ. [راجع: ۱۳۴۴]

ترجمہ: ابوالخیر رحمہ اللہ، حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے آٹھ برس کے بعد اُحد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے کوئی زندوں اور مُردوں کو رُخصت کرتا ہے، پھر واپس آ کر منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارا پیش خیمہ ہوں، تمہارے اعمال کا گواہ ہوں، میری اور تمہاری ملاقات حوضِ کوثر پر ہوگی، اور میں تو اسی جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں، مجھے اس کا ڈر بالکل نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، البتہ میں اس بات کا مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے گی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا دنیا میں نبی ﷺ کو یہ آخری بار دیکھنا تھا۔

شہداءِ اُحد پر نمازِ جنازہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے احد کے شہداء پر آٹھ سال کے بعد نماز جنازہ پڑھی یعنی ۳ھ میں غزوۂ احد ہوا تھا اور اس کے آٹھ سال کے بعد ربیع الاول ۱۱ھ میں آپ کی وفات ہوئی ہے تو وفات سے کچھ عرصہ پہلے آپ نے شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔

یہ ایسا تھا کہ گویا کہ آپ زندوں کو بھی اور مُردوں کو بھی رخصت کر رہے ہیں کہ جو زندہ لوگ تھے ان سے بھی آپ ﷺ ملاقات فرما رہے تھے کہ گویا اب دنیا سے جانے والے ہیں اور اموات سے بھی کہ آپ ﷺ جانے والے ہیں، تو ان پر نماز جنازہ پڑھی، یہ نماز جنازہ شہداء احد کی خصوصیت تھی۔

حنفیہ کا مؤقف

حنفیہ کا صحیح مؤقف یہ ہے جیسا کہ آپ "کتاب الجنائز" میں پڑھیں گے کہ حضور اکرم ﷺ نے غزوۂ احد کے موقع پر یوں کیا تھا کہ شہید ہونے والے دس دس صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز جنازہ ایک ساتھ ادا فرمائی تھی اور ہر نماز میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

لہٰذا شہداء پر نماز ہ جنازہ پڑھنے کے حوالے سے روایتوں میں اختلاف ہو گیا۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سوائے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے کسی اور صحابی پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔

بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔

تو وجہ یہ پیش آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سوا کسی پر نہیں پڑھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ انفرادی طور پر کسی پر نہیں پڑھی۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ نماز پڑھی اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتماعی طور سے پڑھی، اور آخر میں آٹھ سال کے بعد تو پڑھی ہی پڑھی۔

اس واسطے حنفیہ کہتے ہیں کہ شہید پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

بعض حنفیہ نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور یہ کہا کہ درحقیقت یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ آپ ﷺ نے شروع میں ہی شہدائے اُحد پر نماز نہیں پڑھی تھی، کیونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے شروع میں ہی شہدائے اُحد پر نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ [۸]

امام شافعی رحمہ اللہ کا مؤقف

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہید پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی تأویل

وہ حدیث باب میں یہ تأویل کرتے ہیں کہ یہاں "صلی" سے مراد دعا ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے اُحد کے لئے دعاء فرمائی لہٰذا اس سے شہید کی نمازِ جنازہ ثابت نہیں ہوتی۔ [۹]

---

[۸] ولنا معاشر الحنفية ان نرجع مذهبنا بأمور، الأول: ان حديث عقبة الآتي ذكره مثبت وكذا غيره من الصلاة على الشهيد، وحديث جابر نافٍ والمثبت أولىٰ. الثاني: أن جابراً كان مشغولاً بقتل ابيه وعمه، على مايجئ، فذهب الى المدينة ليدبر حملهم، فلما سمع المنادى بأن القتلى تدفن فى مصارعهم سرع لدفنهم، فدل على انه لم يكن حاضراً حين الصلاة، عمدة القارى، ج:٦، ص: ۲۱۴ – مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: باب الصلاة على الشهيد، انعام البارى، ج: ۴، ص: ۵۱۲

[۹] الأم للشافعي، كتاب الجنائز، باب مايفعل بالشهيد، ج: ۱، ص: ۳۰۵

لیکن دوسری روایتوں میں **"صلوته على الميت"** بھی آیا ہے کہ ایسی نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھی جاتی ہے، لہٰذا یہ تاویل صحیح نہیں اور جو آٹھ سال کے بعد آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو خود صحابی فرمار ہے ہیں جیسا کہ آپ رخصت کر رہے ہیں، آخری ملاقات کرنے جارہے ہیں، زندوں سے بھی کی اور شہداء سے بھی کی۔ [۱۰]

"ثم طلع المنبر الخ" پھر آپ ﷺ منبر پر چڑھے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے لئے پیش خیمہ کے طور پر جارہا ہوں۔ **"فرط"** وہ آدمی جو قافلہ سے آگے یہ دیکھنے کیلئے جاتا ہے کہ کہاں پر پانی ہے، کہاں پر اترنا مناسب ہوگا اور کہاں مناسب نہیں ہوگا، اس کو فرط کہتے ہیں۔ تو میں تم سے پہلے آخرت کی طرف **"فرط"** بن کے جارہا ہوں تاکہ تمہارے لئے راستہ ہموار کروں۔

"وانا عليكم الخ" اور میں تمہارے اوپر گواہی دوں گا، تم سے میری حوض کوثر پر ملاقات ہوگی اور میں حوض کوثر کو اس جگہ سے دیکھ رہا ہوں اور مجھے اس بات کے اوپر اندیشہ نہیں ہے کہ تم شرک کا ارتکاب کروگے کہ ایک مرتبہ جب اللہ نے توحید کی، ایمان کی حلاوت عطا فرمادی تو تم انشاء اللہ شرک کی طرف نہیں لوٹو گے۔

"لكني اخشى الخ" لیکن مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم پر دنیا پھیلادی جائے گی اور پھر تم اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے۔ تو اس سے ہوشیار رہنا کہ دنیا کے اندر، مال و دولت کے اندر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی مسابقت اور ہم چشمی یہ وہ چیزیں ہیں جو فتنہ اور تمہاری گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔

"فكان آخر الخ" حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ میرا رسول اللہ ﷺ کا آخری دیدار تھا اس کے بعد مجھے آپ کے دیدار کا شرف حاصل نہیں ہوا یہاں تک آپ ﷺ کا وصال ہوگیا۔

۴۰۴۳ - حدثنا عبيد الله بن موسى، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء رضي الله عنه قال: لقينا المشركين يومئذ وأجلس النبي ﷺ جيشا من الرماة، وأمر عليهم عبدالله وقال: ((لا تبرحوا، إن رأيتمونا ظهرنا عليهم فلا تبرحوا، وإن رأيتموهم ظهروا علينا فلا تعينونا)). فلما لقينا هربوا حتى رأيت النساء يشتددن في الجبل، رفعن عن سوقهن، قد بدت خلاخلهن فأخذوا يقولون: الغنيمة الغنيمة، فقال عبدالله بن جبير: عهد إلي

---

[۱۰] وقلت: حفظ شيئاً وغابت عنه أشياء فكيف تحمل الصلاة على المعنى اللغوي وفي رواية للبخاري ومسلم في حديث عقبة بن عامر: أن النبي خرج يوماً فصلى على شهداء أحد صلاته على الميت، ثم انصرف؟ ويقول الحنفية: جاء عن ابن عباس وابن الزبير وعقبة بن عامر وعكرمة وسعيد بن المسيب والحسن البصري ومكحول والثوري والأوزاعي والمزني وأحمد في رواية، واختارها الخلال. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۲۰۴،۲۰۳

قد بدت خلاخلهن فأخذوا يقولون: الغنيمة الغنيمة، فقال عبدالله بن جبير: عهد إلى النبي ﷺ أن لا تبرحوا فأبوا، فلما أبوا صرف وجوههم فأصيب سبعون قتيلا وأشرف أبو سفيان فقال: أفي القوم محمد؟ فقال: ((لا تجيبوه))، فقال: أفي القوم ابن أبي قحافة؟ قال: ((لا تجيبوه))، فقال: أفي القوم ابن الخطاب؟ فقال: إن هؤلاء قتلوا، فلو كانوا أحياء لأجابوا، فلم يملك عمر نفسه، فقال له: كذبت يا عدو الله، أبقى الله عليك ما يحزنك، قال أبو سفيان: اعل هبل، فقال النبي ﷺ: ((أجيبوه))، قالوا: ما نقول؟ قال: ((قولوا: الله أعلى وأجل))، قال أبو سفيان: لنا العزى ولا عزى لكم، فقال النبي ﷺ: ((أجيبوه))، قالوا: ما نقول؟ قال: ((قالوا: الله مولانا ولا مولى لكم)). قال أبو سفيان: يوم بيوم بدر والحرب سجال. وتجدون مثلة لم آمر بها ولم تسؤني. [راجع: ۳۰۳۹]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے فرمایا ہے کہ احد کے دن جب مشرکوں کے مقابلہ پر گئے۔ تو نبی ﷺ نے تیراندازوں کی ایک جماعت پر عبداللہ بن جبیر ﷺ کو سردار مقرر فرما کر ان سے فرمایا کہ تم کو اس جگہ سے کسی حال میں نہ سرکنا چاہئے، تم ہم کو غالب دیکھو یا مغلوب اور ہماری مدد کے لئے بھی نہ آنا۔ جب ہماری اور کافروں کی ٹکر ہوئی تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے، میں نے ان کی عورتوں کو دیکھا کہ پنڈلیاں کھولے اور پائنچے چڑھائی پہاڑ پر بھاگ رہی ہیں اوران کی پازیبیں چمک رہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کے ساتھیوں نے کہا دوڑ و اور مال غنیمت لوٹو، عبداللہ نے منع کیا کہ دیکھو، حضور اکرم ﷺ نے ہدایت کی ہے کہ کسی حال میں اپنی جگہ مت چھوڑنا مگر کسی نے نہ مانا آخر مسلمانوں کے منہ پھر گئے اور ستر مسلمان شہید ہوگئے۔ ابوسفیان نے ایک بلند جگہ پر چڑھ کر پکارا اے مسلمانو! کیا محمد زندہ ہیں! حضور ﷺ نے فرمایا خاموش رہو، جواب نہ دو پھر کہنے لگا اچھا ابو قحافہ کے بیٹے ابوبکر زندہ ہیں، آپ نے فرمایا چپ رہو جواب مت دو پھر کہا کہ اچھا خطاب کے بیٹے عمر زندہ ہیں، پھر کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب مارے گئے، اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے، یہ سن کر حضرت عمر ﷺ سے ضبط نہ ہوسکا اور کہنے لگے او دشمن خدا! تو جھوٹا ہے اللہ نے تجھے ذلیل کرنے کے لئے ان کو قائم رکھا ہے۔ ابوسفیان نے نعرہ لگایا اے ہبل! تو بلند اور اونچا ہے ہماری مدد کر، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم بھی جواب دو پوچھا کیا جواب دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہو خدا بلند و بالا اور بزرگ ہے، ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا مددگار عزی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو، پوچھا کیا جواب دیں؟ فرمایا کہ کہو اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا مددگار کوئی نہیں، ابوسفیان نے کہا بدر کا بدلہ ہوگیا، لڑائی ڈول کی طرح ہے، ہار جیت رہتی ہے، کہا تم کو میدان میں بہت سی لاشیں ملیں گی جن کے ناک کان کٹے ہوں گے میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا اور نہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

تشریح

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ اس دن یعنی احد کے دن ہمارا مشرکین سے سامنا ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے ایک جیش (دستہ) تیراندازوں کا بٹھادیا تھا اوران پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا تھا اور فرمایا تھا کہ **"لاتبرحوا، إن رأیتمونا ظهرنا الخ"** تم یہاں سے نہیں ہٹنا اگر تم ہم کو دیکھو کہ ہم غالب آگئے ہیں تب بھی یہاں سے نہ ہٹو اور اگر ان کو دیکھو کہ وہ ہم پر غالب آگئے ہیں تو ہماری مدد کیلئے بھی نہ آنا، یہیں پر کھڑے رہو۔

"فلما لقینا الخ" جب ہمارا کفار سے مقابلہ ہوا اور سامنا ہوا یعنی دوبدو جنگ ہوئی تو مشرکین شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ کی طرف بھاگی جارہی ہیں اور بھاگنے کیلئے اپنی پنڈلیوں سے کپڑے اٹھائے ہوئے ہیں اور ان کی پازیبیں ظاہر ہوگئی۔

"فأخذوا یقولون: الغنیمة الخ" حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی، یعنی تیرانداز دستہ والے لوگ کہنے لگے دوڑو، چلو غنیمت کی طرف، چلو غنیمت کی طرف۔

"الغنیمة الغنیمة" یہ منصوب علی الاغراء ہے، یعنی چلو مال غنیمت لینے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ **"عهد إلی النبی ﷺ أن لا تبرحوا فأبوا"** دیکھو، حضور اکرم ﷺ نے ہدایت کی ہے کہ کسی حال میں اپنے جگہ مت چھوڑنا اور یہیں پر ڈٹے رہنا، لیکن انہوں نے انکار کیا۔

"فلما أبوا صرف وجوههم الخ" جب انہوں نے انکار کیا تو ان کے چہرے پھیر دیئے گئے یعنی مشرکین کے مقابلہ میں پھر ان کو پسپا ہونا پڑا کہ ستر شہداء شہید ہوئے۔

اور ابوسفیان ایک بلند جگہ پر چڑھا **"فقال: أفی القوم محمد؟ الخ"** اور کہا کہ کیا اس قوم میں محمد موجود ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جواب نہ دیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ یعنی صدیق اکبر ہے؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ جواب نہ دیں۔ پھر کہا کہ کیا تم میں خطاب کا بیٹا موجود ہے؟ کوئی جواب نہ دیا۔

"فقال: إن هؤلاء قتلوا، فلو کانوا الخ" جب کوئی جواب نہ آیا، تو کہنے لگا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب مارے گئے ہیں، اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔

"فلم یملک عمر نفسه، فقال له: کذبت یا عدو اللہ الخ" بالآخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے، انہوں نے ابوسفیان کو کہا اے اللہ کے دشمن! تو جھوٹ بول رہا ہے، اللہ نے ان کو تیرے

لئے زندہ رکھا ہے جو تیرے رسوا کرنے کے لئے کافی ہیں، وہ لوگ الحمدللہ سب زندہ ہیں۔

"قال ابو سفيا ن الخ" ابوسفیان نے ہبل کی تعظیم کا نعرہ لگایا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم بھی جواب دو۔ تو صحابہ نے پوچھا کیا جواب دیں؟، **"قال: قولوا: الله اعلى واجل"** آپ ﷺ نے فرمایا کہو خدا بلند و بالا اور بزرگ ہے۔

"قال أبو سفيان: لنا العزى الخ" ابوسفیان نے کہا کہ ہمارا مددگار عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں ہے، حضور ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو، پوچھا کیا جواب دیں؟

"قال: قالوا: الله مولانا ولا مولى لكم" آپ ﷺ نے فرمایا کہ کہو اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا مددگار کوئی نہیں۔

"قال أبو سفيان: يوم بيوم بدر الخ" ابوسفیان نے کہا کہ آج کے دن بدر کا بدلہ ہو گیا، لڑائی ڈول کی طرح ہے، ہار جیت ہوتی رہتی ہے، **"وتجدون مثلة لم آمر الخ"** اور تم بعض مقتولین میں مثلہ پاؤ گے کہ ان کے اعضاء کٹے ہوئے ہیں، اس کا میں نے حکم نہیں دیا تھا اور مجھے کچھ ناگوار بھی نہیں۔

۴۰۴۴ - أخبرني عبدالله بن محمد: حدثنا سفيان، عن عمرو، عن جابر قال: اصطبح الخمر يوم أحد ناس ثم قتلوا شهداء. [راجع: ۲۸۱۵]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ نے کہا اُحد کے دن بعض لوگوں نے صبح کو شراب پی اور پھر جنگ میں شہید ہوئے۔

شراب کا حکم

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ صبح کے وقت احد کے دن کچھ لوگوں نے شراب پی تھی اور وہ غزوۂ احد کے موقع پر شہید ہو گئے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت اُحد کے بعد ہوئی تھی۔ [۱۱]

تو اس پر بعض صحابہ کو شبہ ہوا تھا کہ شراب پیٹ میں تھی اور اس حالت میں شہید ہوئے تو کہیں مؤاخذہ نہ ہو تو آیت نازل ہوئی:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

---

[۱۱] ((اصطبح الخمر)) أى: شربه صبوحاً. والحديث دل على أن تحريم الخمر ما كان بعد أحد. عمدة القارى، ج: ۱۷، ص: ۲۰۶

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا
مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ
اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِينَ﴾ [۳۲]

ترجمہ: جولوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے، بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں، اور اس کے بعد بھی تقویٰ اور احسان کو اپنائیں۔ اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ [۳۳]

۴۰۴۵ ۔ حدثنا عبدان: حدثنا عبدالله بن المبارک: أخبرنا شعبة، عن سعد بن إبراهيم عن أبيه أبراهيم: أن عبدالرحمن بن عوف أتي بطعام وكان صائما فقال: قتل مصعب بن عمير وهو خير مني، كفن في بردة إن غطي رأسه بدت رجلاه، وإن غطي رجلاه بدا رأسه. وأراه قال: وقتل حمزة وهو خير مني ثم بسط لنا من الدنيا ما بسط، أو قال: أعطينا من الدنيا ما أعطينا وقد خشينا أن تكون حسناتنا عجلت لنا، ثم جعل يبكي حتى ترک الطعام. [راجع: ۱۲۷۴]

ترجمہ: سعد بن ابراہیم اپنے والد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا

---

[۳۲] [المائدہ: ۹۳]

[۳۳] [نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم خمر کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ کرام نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! ان مسلمانوں کا کیا ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ اُحد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہی ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لئے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی خصال کے ساتھ متصف ہوں۔ فائدہ نمبر: ۱ (المائدہ: ۹۳ تفسیر عثمانی)]

روزہ تھا، شام کو ان کے پاس کھانا لایا گیا تو کہنے لگے، مصعب بن عمیر ﷺ اُحد کے دن شہید ہوئے، وہ مجھ سے اچھے تھے، ایک چادر میں ان کو دفن کیا گیا اگر سر چھپاتے تو پیر کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا، ابراہیم کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ حمزہ بن عبد المطلب ﷺ بھی اسی دن شہید ہوئے، وہ بھی مجھ سے اچھے تھے، پھر ہم لوگوں کو دنیا کی فراخی دکھائی گئی اور کیسی دی گئی، ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری نیکیوں کا ثواب جلدی ہی دنیا میں نہ مل گیا ہو، اس کے بعد رونے لگے، اور اتنا روئے کہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔

بے سروسامانی کے عالم میں کفنِ کفایہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ کے پاس افطار کے وقت میں کھانا لایا گیا جب کہ وہ روزے سے تھے، **"فقال: قتل مصعب بن عمیر وھو خیر منی الخ"** اچھا کھانا دیکھ کر پرانی باتیں یاد آئیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت مصعب بن عمیر ﷺ احد میں شہید ہوئے جب کہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔ ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا اس طرح کہ اگر سر ڈھکا جاتا تو پاؤں ظاہر ہو جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بعض کے لئے یہ کفن بھی میسر نہ آیا تھا، تو دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا اور دو دو اور تین تین کو ملا کر ایک قبر ہی میں دفن کیا گیا تدفین کے وقت حضور اکرم ﷺ یہ دریافت فرماتے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے؟

جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسی کو قبلہ رخ لحد میں آگے رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے کہ **"انا شھید علی ھولاء یوم القیامة"** قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دونگا۔ [37]

ابراہیم جو عبدالرحمٰن بن عوف ﷺ سے روایت کر رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ **"وقتل حمزۃ الخ"** کہ حضرت حمزہ ﷺ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بہتر تھے، **"اعطینا من الدنیا الخ"** پھر دنیا ہمارے لئے پھیلا دی گئی جتنی کہ پھیلا دی گئی۔

---

[37] ویستفاد منه انه اذا لم یوجد ما تر البعة أنه یغطی جمیعه بالاذخر، فان لم یوجد فیما تیسر من نبات الارض، وسیأتی فی کتاب الحج قول العباس "الا الا ذخر فانه لبیوتنا وقبورنا" فکأنها کانت عادة لهم استعماله فی القبور، قال المهلب: وانما استحب لهم النبی ﷺ التکفین فی تلک الثیاب التی لیست سابغة لانهم قتلوا فیها انتهى. فتح الباری، ج: ۳، ص: ۱۴۲

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خشیت

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو جب یہ مشکلات یاد آئیں تو فرمانے لگے کہ **"وقد خشينا أن تكون الخ"** اور ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری اچھی چیزیں ہم کو دنیا میں جلدی دے دی گئی ہو، کہ دنیا میں جو کچھ مال اسباب ہمیں مل رہا ہے اور جو خوشحالی ہمیں میسر آرہی ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آخرت میں ملنے والی خوشحالی کا حصہ ہمیں یہیں پردے دیا گیا ہو اور آخرت میں نہ ملے۔

یہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خشیت ہے۔

"ثم جعل يبكي الخ" پھر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ رونے لگے یہاں تک کہ کھانا چھوڑ دیا یعنی اس خشیت کے غلبہ میں اتنا رونا آیا کہ کھانا بھی ترک فرمادیا۔

۴۰۴۶ ـ حدثنا عبدالله محمد: حدثنا سفيان، عن عمرو: سمع جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: قال رجل للنبي ﷺ يوم أحد: أرأيت إن قتلت فأين أنا؟ قال: ((في الجنة)). فألقى تمرات في يده، ثم قاتل حتى قتل. [۱۵]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بواسطہ عمرو روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ انہوں نے فرمایا کہ اُحد کے دن ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ ﷺ مجھے بتائیے کہ اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جنت میں۔ وہ سن کر ایسا ہوگیا کہ کھجوریں جو کھا رہا تھا ان کو پھینک دیا اور پھر لڑتے ہوئے شہید ہوگیا۔

تشریح

یہ صاحب جن کا نام روایات سے حضرت عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ معلوم ہوتا، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے احد کے دن کہا تھا کہ یہ بتائیے کہ میں اگر جنگ میں قتل ہوگیا تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ٹھکانہ جنت میں ہوگا۔

---

[۱۵] وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب ثبوت الجنة للشهيد، رقم: ۳۵۱۸، وسنن النسائي، كتاب الجهاد، باب ثواب من قتل في سبيل الله عزوجل، رقم: ۳۱۰۳، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۷۹۴، ومؤطا مالک، کتاب الجهاد، باب الترغيب في الجهاد، رقم: ۸۸۵

یہ سن کر انہوں نے ہاتھ میں جو کچھ کھجوریں تھیں وہ پھینک دی اور پھر لڑائی میں شامل ہوئے، یہاں تک لڑتے لڑتے شہید ہوگئے۔

اسلام لاتے ہی رتبۂ شہادت سے فیضیاب

اس میں دو ایسے شہید ہونے والے حضرات کا ذکر آتا ہے ایک عمیر بن حمام رضی اللہ عنہ، دوسرے عمرو بن عقیت رضی اللہ عنہ جو اس طرح شہید ہوئے کہ اسلام لاتے ہی ان کو نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملا اور جنگ میں شامل ہوئے اور اسی میں شہید ہوئے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان پر تعجب فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے اللہ کے لئے کوئی سجدہ نہیں کیا اور اس کے باوجود سیدھے جنت میں گئے۔ [۱۷]

۴۰۴۷ ـ حدثنا احمد بن یونس: حدثنا زهير: حدثنا الأعمش عن شقيق، عن خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ قال: هاجرنا مع رسول الله ﷺ نبتغي وجه الله، فوجب أجرنا على الله. ومنا من مضى أو ذهب لم يأكل من أجره شيئا، كا ن منهم: مصعب بن عمير قتل يوم أحد لم يترک إلا نمرة، كنا إذا غطينا بها رأسه خرجت رجلاه، وإذا غطى بها رجلاه خرج رأسه. فقال لنا النبي ﷺ: ((غطوا بها رأسه واجعلوا على رجله الإذخر، أو قال: ألقوا على رجله من الإذخر)). ومنا من أينعت له ثمرته فهو يهدبها. [راجع: ۱۲۷۶]

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور محض رضا الٰہی کے لئے اب ہمارا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگیا، ہم میں بعض ایسے ہیں جو گزر گئے، اور وہ دنیا میں کوئی بدلہ نہ پاسکے، انہی لوگوں میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جو اُحد کے دن شہید ہوئے تھے، انہوں نے صرف ایک دھاری دار کملی چھوڑی، جب ہم اس سے ان کا سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کا سر چھپادو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو، اور ہم میں بعض ایسے ہیں کہ ان کا میوہ خوب پکا اور اس کو چُن رہے ہیں۔

---

[۱۷] ((قال رجل)) زعم ابن بشكوال أنه عمير بن الحمام، بضم الحاء المهملة وتخفيف الميم، قال صاحب ((التوضيح)) أيضاً: انه عمير بن الحمام بن الجموح بن زيد الأنصاري، وليس في الصحابة عمير بن الحمام سواه، وهو قد تبع في ذلک صاحب ((التلويح))، وقيل: وقع التصريح في حديث أنس بان ذلک كان يوم بدر، وهنا التصريح بانه يوم أحد، فالظاهر أنهما قضيتان وقعتا لرجلين، وهذا هو الصواب. عمدة القارى، ج: ۱۷، ص: ۲۰۷

مصعب بن عمیر ﷺ کی دین اسلام کیلئے قربانی

حضرت خباب بن الأرت ﷺ فرماتے ہیں "هاجرنا مع رسول الله ﷺ الخ" ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ ہجرت کا مقصد اللہ کی رضا جوئی تھا اور اللہ نے ہمارا اجر اپنے ذمہ لے لیا۔

" ومنا من مضى الخ" ہم میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے اپنے اجر کا کوئی حصہ دنیا میں نہیں کھایا۔ "كان منهم الخ" انہی لوگوں میں سے مصعب بن عمیر ﷺ بھی وہ اپنے مال واسباب میں کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے سوائے ایک چادر کے۔

"كنا إذا غطينا الخ" تو جب اُحد کے روز ان کی شہادت ہوئی اور ہم ان کی تدفین کر رہے تھے، اس وقت جب ان کے سر کو ڈھانپتے تھے تو پاؤں نکل جاتے تھے، اور پاؤں ڈھانپتے تو سر نکل جاتا تھا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس چادر سے اس کا سر ڈھک دو اور فرمایا کہ پاؤں کے اوپر "اذخر" گھاس رکھ دو۔

حضرت خباب بن الأرت ﷺ فرماتے ہیں کہ کچھ تو وہ تھے کہ جن کو دنیا میں اجر نہ ملا، سب کچھ آخرت میں ملے گا اور کچھ وہ ہیں کہ جس کا پھل یہاں دنیا میں پک گیا ہے تو وہ اس پھل کو چن رہا ہے یعنی دنیا میں ہی سب کچھ مل گیا ہے جن کو وہ چن رہا ہے۔

۴۰۴۸ ۔ أخبرنا حسان بن حسان: حدثنا محمد بن طلحة: حدثنا حميد، عن أنس ﷺ: أنه غاب عن بدر فقال: غبت عن أول قتال النبي ﷺ، لئن أشهدني الله مع النبي ﷺ ليرين الله ما أجد، فلقي يوم أحد فهزم الناس فقال: اللّهم إني أعتذر إليك مما صنع هؤلاء، يعني المسلمين، وأبرأ إليك مما جاء به المشركون. فتقدم بسيفه فلقي سعد بن معاذ فقال: أين يا سعد؟ إني ريح الجنة دون أحد، فمضى فقتل فما عرف حتى عرفته أخته بشامة أو ببنانه وبه بضع وثمانون من طعنة وضربة ورمية بسهم. [راجع: ۲۸۰۵]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ ان کے چچا انس بن نضر ﷺ بدر کی لڑائی میں غیر حاضر تھے، کہنے لگے میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ پہلی جنگ میں شریک نہیں ہوسکا، خیر اب اگر اللہ نے مجھ کو لڑائی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک ہونے کا موقع دیا تو اللہ دیکھ لے گا کہ میں کیسی کوشش کرتا ہوں، جب اُحد کا دن آیا اور مسلمان بھاگنے لگے تو انس بن نضر ﷺ نے کہا یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں عذر کرتا ہوں جو ان مسلمانوں نے کیا، اور مشرکین نے جو کچھ کیا اس سے بیزار ہوں پھر تلوار لے کر میدان میں بڑھے راستہ میں سعد بن معاذ ﷺ ملے (جو بھاگے آرہے تھے) انس نے کہا، کیوں سعد کہاں بھاگے جاتے ہو؟ میں تو اُحد پہاڑ کے پیچھے سے

جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں، غرض انس ﷺ اس قدر لڑے کہ شہید ہو گئے، (زخموں کی کثرت سے) ان کی لاش پہچانی نہیں جاتی تھی، ان کی بہن نے ایک تل اور پاؤں کی انگلی کے نشان سے ان کو پہچانا، اسی سے زیادہ زخم تلوار وغیرہ کے جسم پر لگے تھے۔

زخموں کی کثرت وشدت سے پہچان ختم

خادمِ رسول انس ﷺ فرماتے ہیں ان کے چچا انس بن نضر ﷺ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔

"فقال: غبت عن أول قتال النبي ﷺ الخ" تو وہ یہ کہا کرتے تھے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پہلے قتال سے غائب رہا، اب اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ کسی قتال میں حاضر کر دیا تو میں کتنی محنت کروں گا اللہ تعالیٰ دیکھ لیں گے یعنی اپنے عزم کا اظہار کر رہے تھے کہ پہلے قتال میں تو حاضری کی نوبت نہ آسکی لیکن اب آئندہ حضور ﷺ کے ساتھ کسی قتال میں شریک ہوا تو انشاء اللہ خوب جی بھر کر لڑوں گا۔

"فلقي يوم أحد فهزم الناس" چنانچہ ان کا مشرکین سے غزوۂ اُحد کے دن سامنا ہوا اور جب مسلمانوں کو شکست ہوئی، **"فقال: اللّٰهم إني أعتذر إليك مما صنع هؤلاء الخ"** تو اس وقت حضرت انس بن نضر ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اس عمل سے جو ان لوگوں نے کیا۔ ان تیر اندازوں کی طرف اشارہ ہے جو اپنی جگہ سے واپس آگئے تھے یا ان حضرات کی طرف جو میدان کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

"وأبرأ إليك مما جاء به المشركون الخ" اور میں آپ کی طرف برأت کا اظہار کرتا ہوں اس سے جو مشرکین لے کر آئے ہیں، تو اس کے بعد آپ تلوار لے کر آگے بڑھے، راستہ میں حضرت سعد بن معاذ ﷺ سے ملاقات ہوگئی تو وہ بھی جنگ سے کنارہ کش ہو گئے تھے، تو سعد سے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ مجھے تو احد کے اس پار جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو واقعی آرہی تھی یا پھر یہ اس بات سے کنایہ اور استعارہ ہے کہ جو کوئی بھی احد کی وادی میں شہید ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو جنت عطا فرمائیں گے۔

"فمضى فقتل فما عرف" تو یہ کہہ کر آگے بڑھے یہاں تک کہ شہید ہو گئے، زخموں کی شدت کی وجہ سے پہچانے نہیں جا سکے۔ **"حتى عرفته أخته بشامة الخ"** یہاں تک ان کی بہن ربیعہ بنت نضر رضی اللہ عنہا نے چہرے میں اور جسم کے دوسرے حصوں میں ایک تل کے ذریعہ ان کو پہچانا یا ان کی انگلی کے پوروں سے پہچانا، پہچان کی کوئی علامت باقی نہیں تھی صرف ایک تل تھا جس سے ان کی بہن نے پہچانا۔

"وبه بضع وثمانون من الخ" ان کے جسم پر نیزہ، تلوار اور تیر کے مختلف انواع واقسام کے اسی

سے زائد زخم تھے۔

"طعنۃ" نیزے کو، "ضربۃ" تلوار کو، "رمیۃ" تیر کو کہتے ہیں۔

۴۰۴۹ ۔ حدثنا موسی بن إسماعیل: حدثنا ابن شهاب: أخبرنی خارجة بن زید ابن ثابت: أنه سمع زید بن ثابت ﷺ یقول: فقدت آیة من الأحزاب حین نسخنا المصحف، کنت أسمع رسول الله ﷺ یقرؤها . فالتمسنا ها فوجدنا ها مع خزیمة بن ثابت الأنصاری ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ فألحقنا ها فی سورتها فی المصحف .[راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن کریم جمع کر رہے تھے، تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی، میں نے اس کو آنحضرت ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا تھا، آخر وہ مجھے خزیمہ بن ثابت انصاری ﷺ کے پاس ملی جو یہ ہے ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ الخ﴾ لہٰذا ہم نے اس آیت کو مصحف میں درج کر دیا۔

اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے والے

حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی جس وقت ہم قرآن لکھ رہے تھے اس آیت کو میں نے حضور کریم کو پڑھتے ہوئے سنا تھا یعنی جب حضرت ابو بکر کے دورِ خلافت میں پہلی مرتبہ جب قرآن کو لکھ رہے تو یہ آیت لکھی ہوئی نہیں لیکن پڑھتے تھے، پھر یہ آیت ہمیں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ﷺ کے پاس سے ملی۔ اس آیت کریمہ میں شہدائے احد کی تعریف کی گئی ہے۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ [۱۷]

ترجمہ: ایمان والوں میں وہ لوگ جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا، اُسے سچ کر دکھایا۔ پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ (عہد) پورا کر دیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور اُنہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔

---

[۱۷] [الأحزاب: ۲۳]

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ﴾ یعنی مؤمنوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کردکھایا جو انہوں نے اللہ کے ساتھ کیا تھا اور شہید ہو گئے جیسے حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر و دیگر شہدائے اُحد ﷺ۔

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ اور بعض وہ ہیں جو انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب اللہ تعالیٰ یہ مرتبہ عطا فرماتے ہیں جیسے حضرت عثمان وطلحہ اور دوسرے صحابہ کرام ﷺ۔

یہ حدیث تفصیل کے ساتھ کتاب فضائل القرآن میں آئے گی۔

۴۰۵۰ ـ حدثنا أبو الولید: حدثنا شعبة، عن عدی بن ثابت قال: سمعت عبد اللہ بن یزید، یحدث عن زید بن ثابت ﷺ قال: لما خرج النبی ﷺ إلی غزوۃ أحد رجع ناس ممن خرج معه وکان أصحاب النبی ﷺ فرقتین: فرقة تقول: نقاتلهم، وفرقة تقول: لانقاتلهم، فنزلت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾ وقال: ((إنها طیبة تنفی الذنوب کما تنفی النار خبث الفضة)).[راجع: ۱۸۸۴]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ اُحد کی لڑائی کے لئے نکلے تو کچھ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے واپس لوٹ گئے، صحابہ کرام ﷺ میں ان کے متعلق دوگروہ ہو گئے، ایک گروہ کا خیال تھا کہ ان کو قتل کرنا چاہئے، دوسرے گروہ نے کہا نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا﴾ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مدینہ، طیبہ ہے، یہ گناہ گاروں کو اس طرح نکال پھینک دیتا ہے جیسے بھٹی چاندی کا میل نکال دیتی ہے۔

منافقین کی علیحدگی اور ان کے بارے میں رائے

حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ **"لما خرج النبی ﷺ إلی غزوۃ أحد الخ"** جب آپ ﷺ کفارِ مکہ سے جنگ کے ارادے سے مدینہ منورہ سے اُحد کی جانب لشکرِ اسلام کو لیکر نکلے تو کچھ لوگ یعنی منافقین عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف واپس لوٹ گئے تھے۔

ان لوگوں کے بارے میں صحابہ کرام ﷺ کے دوگروہ ہو گئے تھے۔

"فرقة تقول: نقاتلهم" ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم ان سے لڑیں گے جو واپس چلے گئے ہیں۔

"وفرقة تقول: لانقاتلهم" دوسرا گروہ کہتا تھا کہ ہم نہیں لڑیں گے، بہرحال اسلام کا کلمہ پڑھے ہوئے ہیں، لہٰذا ان سے قتال نہیں کرنا چاہئے۔

تو اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا﴾ [۱۸]

ترجمہ: پھر تمہیں کیا ہوگیا کہ منافقین کے بارے میں تم دوگروہ بن گئے؟ حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔ [۱۹]

﴿وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا﴾ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بناء پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے یعنی وہ ایسے بدعمل تھے کہ ان کا جہاد میں شامل ہونا پسند ہی نہیں تھا واپس چلے گئے تھے۔

"**إنها طيبة تنفي الذنوب الخ**" پھر نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی فضیلت بیان فرمائی کہ یہ مدینہ طیبہ ہے، یعنی اچھا ہے، گناہوں کو اس طرح دور کر دیتا ہے، جیسے آگ چاندی کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔

(۱۸) باب: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنكُمْ أَن تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ [۲۰]

باب: جب تمہی میں سے دوگروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں، حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا

---

[۱۸] [النساء: ۸۸]

[۱۹] [ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضور اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں، جب مسلمانوں کو معلوم ہوگیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے کہ دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہئے تاکہ ہم سے جدا ہو جائیں اور بعضوں نے کہا ان سے ملے جائیں شاید یہ ایمان لے آئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت دگمراہی اللہ کے قبضے میں ہے تم اس کا ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہئے جو آئندہ مذکور ہے، دو فریق مت بنو۔ فائدہ نمبر: ۲ (النساء: ۸۸، تفسیر عثمانی)]

[۲۰] [آل عمران: ۱۲۲]

﴿باب: إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ الخ﴾ یہ باب اس آیت کریمہ کی تفصیل کے بیان میں ہے، اس میں باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم میں سے دوگروہوں نے بے ہمتی کا ارادہ کیا تھا۔

"فشل یفشل" بے ہمتی کا مظاہرہ کرنا، بعض لوگ بزدلی سے بھی تعبیر کرتے ہیں، تو اس وقت کو یاد کرو کہ تم میں دوگروہوں نے بے ہمتی کا مظاہرہ کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

﴿واللہ ولیھما﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کا حامی وناصر تھا۔

اس سے اس طرف اشارہ ہے جو میں نے عرض کیا تھا بنوسلمہ اور بنوحارثہ جو دو قبیلے تھے، بنوسلمہ خزرج کی شاخ اور بنوحارثہ اوس کی شاخ تھی۔ جب عبداللہ بن ابی اپنے ہمراہیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو ان کے دل میں بھی کچھ خیال پیدا ہوا تھا کہ ہم بھی واپس چلے جائیں لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کا دل جما دیا اور پھر یہ نہیں گئے تو اس کی طرف اشارہ ہے۔

اب اس میں اس آیت کے تحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔

۴۰۵۱ ۔ حدثنا محمد بن یوسف ، حدثنا ابن عیینة ،عن عمرو ،عن جابر رضی اللہ عنہ قال: نزلت هذه الآیة فینا ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾ بنی سلمة وبنی حارثة وما أحب أنها لم تنزل والله یقول ﴿وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾. [انظر: ۴۵۵۸] [۱]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سورۂ آل عمران کی یہ آیت ہمارے بارے نازل ہوئی **﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ أَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا﴾** بنی سلمہ اور بنی حارثہ مراد ہیں اور یہ آیت نازل ہونا مجھے پسند ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے۔

تشریح

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی یعنی بنی سلمہ و بنی حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی، اور مجھے یہ بات پسند نہیں تھی کہ یہ نازل نہ ہوتی جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ **﴿واللہ ولیھما﴾**۔

ایک طرف ہمارے "**فشل**" بے ہمتی کا ذکر ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ اللہ ان کا حامی وناصر ہے، یہ اتنا بڑا اعزاز بخش دیا کہ مجھے پسند نہیں ہے کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی۔

---

[۱] وفی صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الأنصار، رقم: ۴۵۶۰

۴۰۵۲ ۔ حدثنا قتیبة: حدثنا سفیان: أخبرنا عمرو، عن جابر قال: قال لی رسول اللہ ﷺ: ((ھل نکحت یا جابر؟)) قلت: نعم، قال: ((ماذا؟ أبکرا أم ثیبا؟)) قلت: لا بل ثیبا، قال: ((فھلا جاریة تلاعبک؟)) قلت: یارسول اللہ، إن ابی قتل یوم أحد وترک تسع بنات کن لی تسع أخوات فکرھت أن أجمع إلیھن جاریة خرقاء مثلھن ولکن امرأة تمشطھن وتقوم علیھن، قال: ((أصبت)). [راجع: ۴۴۳]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ سے پوچھا جابر کیا تم نے نکاح کرلیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا کنواری سے یا بیوہ سے، میں نے عرض کیا بیوہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا کنواری (یعنی کم عمر والی) سے کرتے تو وہ تمہارا دل خوش کیا کرتی، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے والد اُحد میں شہید ہوئے اور نو بیٹیاں اپنے بعد چھوڑیں، لہٰذا نو بہنوں کی موجودگی میں یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ان کی طرح ایک اور نادان لڑکی کا ان میں اضافہ کردیا جائے، میں نے چاہا کہ ایک لمبی عمر والی سمجھ دار عورت لاؤں تاکہ وہ ان کی کنگھی چوٹی خدمت کرسکے، آپ ﷺ نے فرمایا تم نے بہت اچھا کیا۔

اُمورِ خانہ داری میں تدبر کی تعلیم

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ "**ھل نکحت یا جابر؟ الخ**" یہ لمبا واقعہ ہے جو غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر پیش آیا ہے اور متعدد مقامات پر یہ حدیث آئے گی، اس کے مختلف حصے آئیں گے۔ یہاں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے پوچھا کہ جابر کیا تم نے نکاح کرلیا ہے؟ تو حضرت جابر ؓ نے کہا کہ جی ہاں! نکاح کیا ہے۔

"**قال ماذا الخ**" باکرہ سے کیا یا ثیبہ سے؟ تو میں نے عرض کیا ثیبہ سے کیا ہے (جس کی پہلے شادی ہوئی ہو)۔ **قال فھلا الخ**" کوئی کم عمر باکرہ سے کیوں نہیں کیا کہ تمہارے ساتھ کھیلتی۔

"**قلت: یارسول اللہ، إن ابی قتل یوم أحد الخ**" میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے والد حضرت عبداللہ ؓ اُحد کے دن شہید ہوگئے تھے اور نو لڑکیاں چھوڑ کر گئے، یعنی میری نو بہنیں ہیں جن کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، تو میں نے یہ بات ناپسند سمجھی کہ میں ان کے ساتھ ایک ایسی لڑکی کو جوڑ دوں جو انہی جیسی ناتجربہ کار اناڑی ہو یعنی میں ایسی کوئی باکرہ لڑکی لے آتا جو ان جیسی ناتجربہ کار اور ناپختہ ہوتی تو گھر کا معاملہ نہیں سنبھلتا۔ تو اس لئے میں نے ثیبہ سے نکاح کیا تاکہ ان کی نگرانی کرے، تو آپ ﷺ نے تسلیم فرمایا کہ اچھا کیا۔

کا ہاتھ ہے اور آپ نے دائیں ہاتھ کو عثمان ﷺ کا ہاتھ قرار دے کر اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا "ھــــذہ لعثمان" کہ یہ عثمان ﷺ کی بیعت ہے، تو اس سے بڑی اور کیا فضیلت ہوگی۔

پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص سے فرمایا کہ "اذھب کان الخ" ابھی جو کچھ میں نے بتایا یہ لے کر چلے جاؤ۔

یعنی تم جو خوب بغلیں بجا رہے تھے کہ میں نے اپنا مقصود حاصل کرلیا اور حضرت عثمان ﷺ کی منقصت ہوگئی، تو یہ سب فضول بات ہیں، میں نے جو کچھ کہا یہ سب حقیقت ہے اس کو لے جاؤ یہ حضرت عثمان ﷺ کی فضیلت ہے۔

(۲۰) باب ﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ﴾ الی قولہ ﴿بِمَا تَعْمَلُونَ﴾

یہ باب اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ مبارک کی تفصیل کے بیان میں ہے

﴿إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ [۲۸]

ترجمہ: (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اُٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں (رسول کو غم (دینے) کے بدلے (شکست) کا غم دیا، تا کہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو۔ نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

---

[۲۸] [آل عمران: ۱۵۳]

مذکورہ آیت کی تفسیر

تصعدون: تذهبون، أصعد وصعد فوق البيت.

ترجمہ: "**تصعدون**" کے معنی "**تذهبون**" کے ہیں، یعنی چلے جارہے تھے، گھر کے اوپر چڑھ گیا۔

یہ باب اس آیت کریمہ کی تشریح کے بارے میں ہے کہ جس میں باری تعالیٰ نے فرمایا ﴿**إِذْ تُصْعِدُوْنَ الـخ**﴾ جب تم چڑھتے چلے جارہے تھے۔ چڑھنے سے یہاں پر مراد کسی سیڑھی یا پہاڑ پر چڑھنا نہیں ہے بلکہ آدمی جب کسی طرف روانہ ہوا اور مسلسل چلتا جائے تو اس وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

﴿**وَلَا تَلْـوٗون الـخ**﴾ اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہارے پیچھے سے تم کو پکار رہے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک غم دوسرے غم کے بدلہ میں دیا یعنی تم نے جو غم نبی کریم ﷺ کو پہنچایا تھا اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے تم کو غم پہنچایا تا کہ آئندہ تم غمگین نہ ہو اس بات پر جو تم سے چھوٹ جائیں اور نہ اس صدمہ پر جو تم کو پہنچ جائے۔

تو "**تُصْعِدُوْن**" کی تفسیر "**تُذْهِبُوْن**" سے کردی۔

۴۰۶۷ ۔ حدثني عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو أسحاق قال: سمعت البراء بن عازب رضي الله عنهما قال: جعل النبي ﷺ على الرجالة يوم أحد عبدالله ابن جبير وأقبلوا منهزمين فذاک: ﴿إِذْ يَدْعُوْهُمُ الرَّسُوْلُ فِي أُخْرَاهُمْ﴾. [راجع: ۳۰۳۹]

ترجمہ: ابو اسحٰق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نے احد کے دن پیدل لشکر کا سردار حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کو مقرر فرمایا چنانچہ تمام لشکر مدینہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور آنحضرت ﷺ ان کو پکار رہے تھے (چنانچہ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی **وَالـرَّسُـوْلُ يَدْعُوْكُمْ الـخ**)۔

نبی بدستور اپنی جگہ کھڑا ۔ تم کو اپنی طرف بُلا رہا تھا

اس میں حضرت براء بن عازب ﷺ کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پیادہ لوگوں کے اوپر احد کے دن عبداللہ بن جبیر ﷺ کو مقرر کیا تھا اور مدینہ منورہ کی طرف کچھ لوگ شکست کھا کے جانے لگے۔

"**اقبلوا**" کی ضمیر دوسرے لوگوں کی طرف ہے، حضرت عبداللہ بن جبیر ﷺ کی طرف نہیں ہے۔ تو یہ وہ آیت ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پکار رہے تھے ﴿**وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ**﴾۔

(۲۱) باب ﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا﴾

باب: پھراس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانیت نازل کی، ایک اُونگھ

اس باب میں اس آیت کریمہ کی تفسیر مقصود ہے، باری تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے کہ

﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ [۴۹]

ترجمہ: پھراس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانیت نازل کی، ایک اُونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی! اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کررہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''کیا ہمیں کوئی اختیار حاصل ہے؟'' کہہ دو کہ: ''اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔'' یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

---

[۴۹] [آل عمران ۱۵۴]

کہتے ہیں کہ: "اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ
ہوتے۔" کہہ دو کہ: "اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب
بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر
اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔ اور یہ سب اس لئے
ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے،
اور جو تمہارے دِلوں میں اس کا میل کچیل دُور کر دے۔ اللہ
دِلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔

اُونگھ مسلط کرنے کی حکمت

﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا الخ﴾ کہ پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تمہارے اوپر اونگھ بھیجی جو تمہارے لئے امن کا پیغام اور تسکین کا باعث تھی۔

اس آیت میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جب مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس قسم کی خبر مشہور ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ شہید کر دیئے گئے ہیں تو اس سے جو صدمہ مسلمانوں کو پہنچا تھا وہ نا قابل برداشت تھا ،اس صدمہ کی تلافی اور اس صدمہ کو کم کرنے کے لئے ان پر ایک اونگھ مسلط کر دی۔

اور یہ تجربہ ہے کہ اگر آدمی شدید غم یا تکلیف میں مبتلا ہو اور اس حالت میں نیند کی تھوڑی سی اونگھ آجائے تو شدت کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ دور ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کا ذکر فرما رہے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر غم کے بعد اونگھ نازل کیا تمہیں امن میں لانے کے لئے اور تمہیں تسلی اور تسکین دینے کے لئے۔

"أمنة نعاسا" کی نحوی ترکیب

"أمنة نعاسا" کی ترکیب مختلف طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

ایک ترکیب وہ کہ جس کا میں نے ابھی ترجمہ کیا کہ "نعاساً" - "أنزل" کا مفعول بہ اور "أمنة" اس کا مفعول لہ ہے کہ ہم نے یہ نعاس تمہارے اوپر نازل کی، تمہیں تسکین دینے کے لئے۔

دوسری ترکیب یہ ممکن ہے کہ "أمنة" مبدل منہ ہو اور "نعاساً" اس سے بدل ہوا، مبدل منہ اور بدل مل کر "انزل" کا مفعول بہ واقع ہو رہا ہو کہ ہم نے تم پر تسکین نازل کی یعنی اونگھ، تو یہ ترکیب بھی ممکن ہے اور یہ اونگھ تم میں سے ایک طائفہ کو ڈھانپ رہی تھی۔

﴿وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُم الخ﴾ اور ایک طائفہ ان لوگوں کا تھا جن کو فکر میں ڈال دیا تھا خود ان کی اپنی جانوں نے یعنی ان کو سب سے بڑی فکر اپنی جان کی تھی کہ کس طرح جان بچائیں گے۔

﴿يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الخ﴾ اور وہ اللہ کے اوپر ناحق باتوں کا گمان کر رہے تھے۔

﴿ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ جاہلیت کا گمان اور کہہ رہے تھے کہ ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ یعنی وہ منافقین تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ باہر نکل کر مقابلہ نہ کرو بلکہ اندر لڑو اور باہر نکل کر مقابلہ کرنے میں شکست کا اندیشہ ہے لیکن ہماری بات نہیں مانی گئی تو کیا ہمارا کوئی اختیار ہے۔

﴿قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ الخ﴾ کہہ دیجئے کہ معاملہ تو سارا اللہ ہی کے اختیار میں ہے یعنی صرف تمہاری خصوصیت نہیں ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ اختیار نہیں ہے بلکہ دنیا میں کسی بھی مخلوق کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں، اختیار تو جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہی ہے۔

﴿يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ الخ﴾ وہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں وہ بات جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے، کیا چھپاتے ہیں؟ کہہ رہے ہیں کہ ہمارا کوئی اختیار نہیں، تو یہ چھپا رہے ہیں کہ اگر ہماری بات مانتے تو اس وقت یہ مسئلہ پیش نہ آتا۔ تو کہتے ہیں اگر کچھ اختیار ہمارے پاس ہوتا تو آج ہم یہاں پر قتل نہ ہوتے۔

﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ الخ﴾ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی قسمت میں قتل لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنے گھروں سے اپنے مرنے کی جگہوں تک آتے اور یہ جو کچھ ہم نے کیا کہ تھوڑی سی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ آزمائے اس چیز کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور میل کچیل سے پاک صاف کردے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یعنی تمہارے دلوں میں جو تھوڑا بہت مال غنیمت کی طرف التفات تھا وہ اس واقعہ کے بعد ان شاء اللہ باقی نہ رہے گا۔

۴۰۶۸ ـ وقال لي خليفة: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس، عن أبي طلحة رضي الله عنهما قال: كنت فيمن تغشاه النعاس يوم أحد، حتى سقط سيفي من يدي مرارا، يسقط وآخذه، ويسقط فآخذه [أنظر: ۴۵۶۲] ۳۰

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن کو اُحد کے دن اونگھ نے دبا لیا تھا، مجھ کو ایسی اونگھ آئی (یعنی ایسی نیند کا عالم طاری ہوا) کہ کئی مرتبہ

---

۳۰ وفي سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۳۴، ومسند أحمد، أوّل مسند المدنيين أجمعين، باب حديث أبي طلحة زيد بن سهل الأنصاري، رقم: ۱۵۷۶۴

میرے ہاتھ سے میری تلوار گر پڑی، وہ گرتی تھی اور میں اٹھاتا تھا۔

مذاکرہ۔ اصطلاحِ حدیث

"وقال لی خلیفة" امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث روایت کی ہے، اور یہاں یوں نہیں کہا کہ **"حدثنا خلیفة"** بلکہ **" قال لی خلیفة : حدثنا"** اس طرح اور یہ وہی بات ہے جو میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ بسا اوقات امام بخاری رحمہ اللہ کو کوئی حدیث اپنے کسی استاد سے حالت مذاکرہ میں نہ کہ مجلس درس میں پہنچتی ہے۔

تو ایسی صورت میں وہ **"حدثنا"** نہیں کہتے بلکہ احتیاط کے پیش نظر **"قال"** کہتے ہیں کہ انہوں نے باقاعدہ درس حدیث دینے کے انداز میں مجھے یہ حدیث نہیں سنائی تھی بلکہ گفتگو کے دوران ذکر آگیا تو انہوں نے مذاکرہ میں یہ حدیث سنادی۔

(۲۲) باب: ﴿ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ﴾[۱۲]

باب: (اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

یہ باب یہاں پر اس لئے قائم کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے کے مطابق یہ آیت کریمہ غزوۂ احد کے ہی سیاق میں نازل ہوئی تھی۔

قال حميد وثابت، عن أنس: شج النبي ﷺ يوم أحد فقال: كيف يفلح قوم شجوا نبيهم؟ فنزلت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے سر میں زخم آیا، اس وقت آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا بھلا اس قوم کو کیا ترقی وفلاح حاصل ہوسکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا

---

[۱۲] [آل عمران: ۱۲۸]

چنانچہ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ ۔

تشریح

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو احد کے دن زخمی کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جنہوں نے اپنے نبی کو زخمی کیا۔

"فنزلت" تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ کہ آپ کو اس معاملہ کا کوئی اختیار نہیں ہے کہ یہ کہے کہ کسی کو عذاب ہو یا نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو ان کی توبہ قبول کرلیں، چاہیں تو ان کو عذاب دے دیں۔ یہی بات اگلی حدیث میں بھی آئی ہے۔

۴۰۶۹ ۔ حدثنا يحي بن عبدالله السلمي: أخبرنا عبدالله : أخبرنا معمر، عن الزهري: حدثني سالم، عن أبيه أنه سمع رسول الله ﷺ إذا رفع رأسه من الركوع من الركعة الأخيرة من الفجر يقول: ((اللهم العن فلانا وفلانا وفلانا))، بعد ما يقول: ((سمع الله لمن حمده، ربنا ولك الحمد))، فأنزل الله عزوجل ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ إلى قوله: ﴿فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ﴾ [انظر: ۴۰۷۰، ۴۵۵۹، ۷۳۴۶] [۳۲]

ترجمہ: سالم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا کہ جب آپ ﷺ فجر کی نماز میں اخیر رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو اس طرح دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج، یہ دعا آپ ﷺ **"سمع الله لمن حمده ۔ ربنا لك الحمد"** کہنے کے بعد کرتے تھے، اس وقت یہ آیت ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ آخر تک نازل ہوئی۔

تشریح

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کو سنا کہ جب آپ اپنا سر

---

[۳۲] وفي سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة آل عمران، رقم: ۲۹۳۱، وسنن النسائي، كتاب التطبيق، باب لعن المنافقين في القنوت، رقم: ۱۰۶۸، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب باقي المسند السابق، رقم: ۵۴۱۶، ۵۵۵۰، ۵۷۲۵، ۶۰۶۴

اقدس فجر کی آخری رکعت میں رکوع سے اٹھاتے تو رکوع کے بعد، آپ ﷺ یہ دعا کرتے تھے "اللّٰھم العن فلانا و فلانا و فلانا" اے اللہ فلاں، فلاں اور فلاں پر لعنت بھیج۔

فلاں فلاں سے مراد وہ نام بھی ہو سکتے ہیں جو اگلی روایت میں آرہے ہیں، اور بئر معونہ کے قاتل بھی ہو سکتے ہیں کہ، ان کے اوپر لعنت بھیجی۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر یہ آیت اتاری ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ﴾۔

۴۰۷۰ ۔ وعن حنظلة بن أبي سفيان قال: سمعت سالم بن عبدالله يقول: كان رسول الله ﷺ يدعو على صفوان بن أمية وسهيل بن عمرو والحارث بن هشام فنزلت ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ﴾ إلى قوله: ﴿فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ﴾. [راجع: ۴۰۶۹]

ترجمہ: حنظلہ بن ابی سفیان روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ جب غزوۂ اُحد کے دن زخمی ہوئے تو آپ ﷺ صفوان بن اُمیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے لئے بددعا کرنے لگے، تو اس وقت یہ آیت ﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ﴾ آخر تک نازل ہوئی۔

تشریح

حنظلہ بن ابی سفیان سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام ان تینوں پر بددعا کرتے تھے۔

اسی طرح غزوۂ اُحد کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے متعدد کفار کے حق میں بددعا فرمائی اور یہ فرمایا کہ وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے نبی کو اس طرح زخمی کیا ہو۔

پھر کسی وقت قنوت نازلہ کے طور پر آپ ﷺ نے نماز فجر کے اندر بھی نام لے کر بددعا کی تو اس پر سورۂ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَیْسَ لَکَ مِنَ الْأَمْرِ شَیْءٌ أَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ أَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ﴾

ترجمہ: (اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرنے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

یعنی آپ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ پہلے سے فیصلہ کرلیں کہ فلاں آدمی جہنمی ہو اور فلاں آدمی جنتی ہو، اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ چاہے تو ان کی توبہ قبول کرلے یا چاہے تو ان کو عذاب دیں۔

چنانچہ جن تین آدمیوں کا ذکر ہے وہ تینوں بعد میں مسلمان ہو گئے اور تینوں کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی اور اس کے بعد پھر یہ صحابۂ کرام ﷺ میں سے قرار پائے۔ [۳۴]

زیادہ صحیح قول یہی ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ احد کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں اور بھی اقوال ہیں کہ یہ بیئر معونہ کے غزوہ میں نازل ہوئی یا کسی اور موقع پر لیکن زیادہ محقق بات یہی ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اختیار کیا۔

(۲۳) باب: ذكر أم سليط

باب: حضرت اُم سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ذکر

۴۰۷۱ ـ حدثنا يحي بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب، وقال ثعلبة بن أبي مالك: إن عمر بن الخطاب ﷺ قسم مروطابين نساء من نساء أهل المدينة فبقي منها مرط جيد، فقال له بعض من عنده: يا أمير المؤمنين، أعط هذا بنت رسول الله ﷺ التي عندك، يريدون أم كلثوم بنت علي، فقال عمر: أم سليط أحق به منها ـ وأم سليط من نساء الأنصار ممن بايع رسول الله ﷺ ـ قال عمر: فإنها كانت تزفر لنا القرب يوم أحد. [راجع: ۲۸۸۱]

---

[۳۴] اما صفوان بن أمية بن خلف الجمحي القرشي فانّه هرب يوم الفتح ثم رجع إلى رسُول الله ﷺ، فشهد معه حنيناً والطائف وهو كافر ثمّ اسلم بعد ذلك ومات بمكة سنة اثنين وأربعين في أول خلافة مُعاوية ﷺ وأما سهيل بن عمرو بن عبد شمس القرشي العامري فإنّه كان أحد الأشراف من قريش وساداتهم في الجاهلية واسر يوم بدر كافرًا ثمّ اسلم وحسن إسلامه وكان كثير الصّلاة والصّوم والصّدقة وخرج إلى الشام مُجاهدًا ومات هُناك. وأما الحارث بن هشام بن المُغيرة القرشي المخزُومي فإنّه شهد بدرًا كافرًا مع أخيه شقيقه أبي جهل وفرحنيئذٍ وقتل أخوهُ ثم غزا أحدا مع المُشركين أيضا ثم أسلم يوم الفتح وحسن إسلامه وكان من فضلاء الصّحابة وخيارهم ثم خرج إليه الشّام مُجاهدًا وَلم يزل في الجهاد حتى مات في طاعون عمواس سنة ثمان عشرَة ﷺ . عمدة القارى، ج: ۱۷، ص: ۲۲۴

ترجمہ: ثعلبہ بن ابی مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے مدینہ کی عورتوں کو چادریں تقسیم فرمائیں، تو ایک چادر عمدہ قسم کی بچ رہی تو بعض لوگوں نے جو ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے عرض کیا کہ امیر المؤمنین! یہ چادر آپ آنحضرت ﷺ کی نواسی کو دے دیجئے جو آپ ﷺ کی بی بی ہیں، یعنی اُم کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا کو، تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا نہیں، اُم سلیط رضی اللہ عنہا اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ اُم سلیط مدینہ کی انصاریہ تھیں اور آنحضرت ﷺ سے بیعت کی تھی، اور یہ اُحد کے دن مشک میں پانی بھر کر ہمارے لئے لایا کرتی تھیں۔

خدمت کی قدردانی کی کہ چادر ام سلیط کو بھجوائی

"**قسم مروطا بین نساء الخ**" حضرت عمر بن خطاب ﷺ نے اہل مدینہ کی عورتوں کے درمیان کچھ چادریں تقسیم فرمائی۔، ایک اچھی چادر باقی رہ گئی۔

"**فقال له بعض من عنده: یا أمیر المؤمنین الخ**" تو جو لوگ آپ کے پاس موجود تھے ان میں سے کسی نے کہا، اے امیر المؤمنین! یہ چادر رسول اللہ ﷺ کی اس صاحبزادی/نواسی کو دے دیجئے جو آپ کے پاس ہیں۔

ان حضرات کی مراد یہ تھی کہ حضرت ام کلثوم بنت علی، حضرت علی ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم تھیں، جو حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے نکاح میں تھیں، تو حضرت علی ﷺ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے ان کو بنت رسول اللہ ﷺ قرار دیا۔

"**فقال عمر: أم سلیط أحق به منها الخ**" تو حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ ام سلیط اس کی زیادہ حقدار ہے ام سلیط انصار کی خواتین میں سے تھی جنہوں نے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی تھی۔

حضرت عمر ﷺ نے فرمایا "**فإنها کانت تزفر لنا الخ**" کہ وہ ہمارے لئے احد کے دن، پیاسوں کو پانی پلانے کے لئے مشکیزے اٹھایا کرتی تھی، تو وہ زیادہ حقدار ہیں اس بات کی کہ یہ چادر ان کو دی جائے تو آپ ﷺ نے ام کلثوم بنت علی کے بجائے ان کو (ام سلیط کو) بھجوائی۔

روایت باب سے مقصود بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ روایت یہاں لانے کا منشأ یہ ہے کہ ام سلیط رضی اللہ عنہا غزوۂ احد میں شریک تھیں اور مشکیزے اٹھایا کرتی تھیں۔

روافض ہوشیار رہیں

اس کے ساتھ ہی یہ روایت اس بات میں صریح ہے کہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا، جو حضرت علی ﷺ کی صاحبزادی ہیں، حضرت عمر ﷺ کے نکاح میں تھیں اور یہ اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان تعلقات بڑے اچھے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت علی ﷺ اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر ﷺ سے کیسے کر سکتے تھے؟

یہ بات روافض کو بہت کھلتی ہے یوں کہا جائے کہ حضرت علی ﷺ کی بیٹی حضرت عمر ﷺ کے نکاح میں تھی، تو وہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حضرت علی ﷺ نے اپنی بیٹی کا نکاح حضرت عمر ﷺ سے نہیں کرایا تھا۔

شروع میں تو بعض لوگ یہ انکار ہی کر دیتے ہیں لیکن جب ان کی اپنی کتابوں میں اس کی روایات ملتی ہیں خود ان کی کتاب مستند ترین کتاب ''فروع کافی'' میں موجود ہے، اب اس کی تردید کا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، تو کہتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے زبردستی نکاح کر لیا تھا **(العیاذ باللہ)**۔

یہاں تک کا لفظ استعمال کیا ہے **"ھو اوّل فرج غصب"** **(العیاذ باللہ العلی العظیم)** تو اب اس سے اندازہ لگائیے کہ اس سے حضرت علی ﷺ کا کیا مرتبہ سامنے آتا ہے کہ وہ بیٹی کی زبردستی قبضہ کر لینے پر خاموش تماشائی بنے دیکھتے رہے، ایسی فضول باتیں کرتے رہے۔ [۳۵]

(۲۴) باب قتل حمزة بن عبدالمطلب ﷺ

حمزہ بن عبدالمطلب ﷺ کی شہادت کے بیان میں

۴۰۷۲ ـ حدثنی أبو جعفر محمد بن عبداللہ: حدثنا حجین بن المثنی: حدثنا عبد العزیز بن عبداللہ أبی سلمة، عن عبداللہ بن الفضل، عن سلیمان بن یسار، عن جعفر بن عمرو بن امیة قال: خرجت مع عبید اللہ بن عدی بن الخیار، فلما: قدمنا حمص، قال لی

---

[۳۵] عن ابی عبداللہ فی تزویج ام کلثوم فقال ان ذلک فرج غصبناہ. فروع الکافی، کتاب النکاح، باب تزویج ام کلثوم، ج:۵، ص:۳۴۶ والمبسوط فی فقه الامامیة. کتاب الصداق، ج:۴، ص:۲۷۲

عبيد الله بن عدى: هل لک فی وحشى نسأله عن قتل حمزة؟ قلت: نعم – وكان وحشى يسكن حمص – فسألنا عنه، فقيل لنا: هو ذاک فی ظل قصره، كأنه حميت، قال: فجئنا حتى وقفنا عليه بيسير فسلمنا، فرد السلام. قال: وعبيد الله معتجر بعمامته ما يرى وحشى إلا عينيه ورجليه. فقال عبيد الله: يا وحشى، أتعرفنى؟ قال: فنظر إليه ثم قال: لا والله، إلا أنى أعلم أن عدى بن الخيار تزوج امرأة يقال لها: أم قتال بنت أبى العيص، فولدت له غلاما بمكة فكنت أسترضع له. فحملت ذلک الغلام مع أمه فناولتها إياه فلكأنى نظرت إلى قدميک. قال: فكشف عبيد الله عن وجهه ثم قال: ألا تخبرنا بقتل حمزة قال: نعم، إن حمزة قتل طعيمة بن عدى بن الخيار ببدر، فقال لى مولاى جبير بن مطعم: إن قتلت حمزة بعمى فأنت حر، قال: فلما أن خرج الناس عام عينين – وعينين جبل بحيال أحد بينه وبينه واد– خرجت مع الناس إلى القتال فلما اصطفوا للقتال خرج سباع فقال: هل من مبارز؟ قال: فخرج إليه حمزة بن عبد المطلب فقال: ياسباع، يا ابن أم أنمار مقطعة البظور، أتحاد الله ورسوله ﷺ؟ قال: ثم شد عليه فكان كأمس الذاهب قال: وكمنت لحمزة تحت صخرة فلما دنا منى رميته بحربتى فأضعها فى ثنته حتى خرجت من بين وركيه، قال: فكان ذاک العهد به. فلما رجع الناس رجعت معهم فأقمت بمكة حتى فشا فيها الإسلام ثم خرجت إلى الطائف، فأرسلوا إلى رسول الله ﷺ رسلا فقيل لى: إنه لا يهيج الرسل، قال: فخرجت معهم حتى قدمت على رسول الله ﷺ فلما رآنى قال: ((آنت وحشى؟)) قلت: نعم، قال: ((أنت قتلت حمزة))، قلت: قد كان من الأمر ما قد بلغک، قال: ((فهل تستطيع أن تغيب وجهک عنى))، قال: فخرجت. فلما قبض رسول الله ﷺ فخرج مسيلمة الكذاب قلت: لأخرجن إلى مسيلمة لعلى أقتله فأكافئ به حمزة، قال: فخرجت مع الناس فكان من أمره ما كان، فإذا رجل قائم فى ثلمة جدار كأنه جمل أورق ثائر الرأس، قال: فرميته بحربتى فوضعتها بين ثدييه حتى خرجت من بين كتفيه، قال: ووثب إليه رجل من الأنصار فضربه بالسيف على هامته.

قال عبدالله بن الفضل: فأخبرنى سليمان بن يسار: أنه سمع عبدا لله بن عمر يقول: فقالت جارية على ظهر بيت: وا أمير المؤمنين، قتله العبد الأسود. [۳۶]

---

[۳۶] وفى مسند أحمد، مسند المكيين، باب حديث وحشى الحبشى عن النبى، رقم: ۱۵۳۹۷

ترجمہ: جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری نے کہا کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ سفر کیلئے نکلا جب ہم لوگ حمص پہنچے تو عبیداللہ بن عدی نے کہا کہ چلو وحشی بن حرب سے مل کر حضرت حمزہ ﷛ کا حال پوچھیں، میں نے کہا چلو، وحشی حمص ہی میں رہتا تھا، چنانچہ ہم نے لوگوں سے پتہ معلوم کیا تو بتایا گیا دیکھو! وہ اپنے مکان کے سایہ کے نیچے مشک کی طرح پھولا ہوا بیٹھا ہے، جعفر کہتے ہیں کہ ہم وحشی کے قریب گئے اور سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا، اس وقت عبیداللہ اپنا عمامہ سر پر اس طرح لپیٹے ہوئے تھے کہ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں، وحشی کو اس سے زیادہ کچھ نظر نہیں آرہا تھا کہ وہ ان کی آنکھیں اور پیر دیکھ رہا تھا، آخر عبیداللہ نے پوچھا وحشی مجھے پہچانتے ہو، وحشی نے ان کو دیکھا اور کہا خدا کی قسم! میں اتنا جانتا ہوں کہ عدی بن خیار نے ایک عورت ام قتال بنت ابی العیص سے شادی کی تھی، ام قتال کے ہاں مکہ میں جب ایک لڑکا پیدا ہوا تو میں اس بچہ کے لئے انا کو تلاش کر رہا تھا کہ اچانک اس بچہ کو اس کی ماں کے پاس لے گیا اور وہ بچہ اس کو دیدیا، میں نے اس کے دونوں پیر دیکھے تھے گویا اب بھی میں اس کے پاؤں دیکھ رہا ہوں۔ جعفر کہتے ہیں کہ عبیداللہ نے منہ پر سے پردہ ہٹا دیا اور وحشی سے کہا کہ ذرا حمزہ ﷛ کے قتل کا حال تو بیان کرو، وحشی نے کہا بات یہ ہے کہ بدر کے دن حمزہ ﷛ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو مارڈالا تھا، جبیر بن مطعم نے جو کہ میرے مالک تھے مجھ سے یہ کہا کہ اگر تو حمزہ کو میرے چچا طعیمہ کے بدلے مارڈالے تو تو آزاد ہے، وحشی نے بیان کیا کہ جب لوگ عینین کی لڑائی کے سال نکلے جو اُحد کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے، اُحد اور اس کے درمیان ایک نالہ ہے، اس وقت میں بھی لڑنے والوں کے ساتھ نکلا، جب لڑائی کے لئے صفیں درست ہو چکیں تو سباع بن عبدالعزی نے آگے نکل کر کہا کہ کیا کوئی لڑنے والا ہے؟ حمزہ بن عبدالمطلب ﷛ نے اس کے بالمقابل پہنچ کر کہا او سباع! ام نمارہ کے بیٹے جو بچوں کا ختنہ کیا کرتی تھی، کیا تو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے، پھر حمزہ ﷛ نے سباع کو گزرے ہوئے دن کی طرح بنا دیا۔ وحشی نے کہا پھر میں قتل حمزہ کو قتل کرنے کی فکر میں ایک پتھر کی آڑ میں بیٹھ گیا، جب حمزہ ﷛ میرے قریب آئے میں نے ان کو اپنا ہتھیار پھینک کر مار دیا اور آخر میرا بھالا ان کے زیر ناف ایسا لگا کہ وہ سرین سے پار ہو گیا، وحشی نے کہا یہ ان کا آخری وقت تھا۔ جب اہل قریش مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ہمراہ مکہ آگیا، جب فتح مکہ کے بعد مکہ میں اسلام پھیل گیا، تو میں طائف میں جا کر مقیم ہو گیا، اس کے بعد طائف والوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس قاصد بھیجے اور مجھ سے کہا کہ وہ قاصدوں کو نہیں ستاتے، تو پھر میں بحیثیت قاصد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، آپ ﷺ نے مجھ کو دیکھ کر کہا کہ کیا تم ہی وحشی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، آپ ﷺ نے پوچھا کیا حمزہ کو تم ہی نے شہید کیا تھا؟ میں نے کہا جی ہاں، آپ ﷺ کو تو سب کیفیت معلوم ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اپنا منہ مجھ سے چھپا سکتے ہو؟ میں یہ بات سن کر باہر آگیا۔ اور پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو میں نے سوچا کہ مسلمانوں کے ساتھ مسیلمہ کو مارنے جاؤں گا، شاید اس کو مار کر حمزہ ﷛ کے قتل کا کفارہ ہو سکے،

میں مسلمانوں کے ساتھ مسیلمہ کے مقابلہ پر نکلا، مسیلمہ کے لوگوں نے جو کچھ کیا وہ میں دیکھ رہا تھا، اس کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ مسیلمہ کذاب ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا ہے، سر پریشان اور اونٹ کا سا رنگ ہے، میں نے وہی حربہ جو حضرت حمزہ ؓ کے لئے استعمال کیا تھا نکالا اور اس کو مار دیا جو اس کی دونوں چھاتیوں کے درمیان سے ہوتا ہوا دونوں مونڈھوں سے پار نکل گیا، اتنے میں ایک انصاری کود کر اس کی طرف گیا اور میں نے اس کی کھوپڑی پر ایک تلوار بھی لگائی۔

عبداللہ بن فضیل اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے سلمان بن یسار نے ان کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ جب مسیلمہ مارا گیا تو ایک باندی مکان کی چھت پر چڑھ کر کہنے لگی ہائے امیر المؤمنین (مسیلمہ) کو ایک کالے غلام نے مار ڈالا۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کی شہادت

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ؓ کی شہادت کے واقعہ کے بارے میں یہ باب قائم کیا ہے اور اس میں یہ روایت نقل کی ہے۔

"عن جعفر بن عمر بن امیہ الخ" جعفر بن عمر بن امیہ کہتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ سفر پر نکلا، **"فلما قدمنا حمص، قال لی الخ"** جب ہم حمص شہر پہنچے تو عبیداللہ نے کہا کہ کیا آپ کو رغبت ہے کہ ہم وحشی سے جا کر ملیں اور ان سے حضرت حمزہ ؓ کے قتل کے بارے میں پوچھیں؟ یہ وہی وحشی ہے جس نے حضرت حمزہ ؓ کو شہید کیا تھا۔ نام ہی ان کا وحشی ہے اور یہ سیاہ فام تھے اور حمص میں رہتے تھے، تو میں نے کہا ہاں۔

"فقیل لنا الخ" ہم نے لوگوں سے ان کا پتہ پوچھا، تو ہمیں بتایا گیا کہ وہ اپنے محل کے سائے میں بیٹھے ہوئے ہیں، **"کأنہ حمیت"** جیسے کہ وہ ایک بھری ہوئی مشک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کا جسم ذرا بے ڈول قسم کا موٹا تھا اور سیاہ تھا تو مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے نظر آئے تھے جیسے کہ ایک بھری ہوئی مشک رکھی ہوئی ہے۔

"قال: فجئنا، حتی وقفنا الخ" کہتے ہیں کہ ہم گئے اور ہم جا کر تھوڑے سے فاصلہ پر ان کے سامنے کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔

عرب کا قیافہ اور حافظہ

"وعبید اللہ معتجر بعمامتہ الخ" عبیداللہ بن عدی بن خیار جو میرے ساتھی تھے انہوں نے عمامہ

اس طرح باندھا ہوا تھا کہ آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ چہرہ نظر نہیں آرہا تھا آنکھیں نظر آرہی تھی اور پاؤں نظر آرہے تھے۔

"فقال عبید اللہ یا وحشی الخ" انہوں نے وحشی سے کہا کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟

"قال فنظر الیہ ثم قال: لا واللہ، إلا انی أعلم الخ" تو وحشی نے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمہیں پہچان تو نہیں رہا لیکن ایک واقعہ مجھے یاد آرہا ہے، وہ یہ کہ عدی بن خیار نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا جس کا نام ام قتال بنت ابی العیص تھا، اس کے ہاں مکہ میں ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، میں اس بچہ کو دودھ پلانے والی تلاش کرتا تھا کہ کہیں سے اس کو دودھ پلانے والی مل جائے۔

"فحملت ذلک الغلام مع أمہ الخ" تو میں اس لڑکے کو اس کی ماں کے ساتھ لے گیا اور میں نے اٹھا کر وہ بچہ اس دودھ پلانے والی عورت کو دیا تھا، اس وقت مجھے اس بچے کے قدم نظر آئے تھے۔ اب لگتا ہے کہ میں تیرے قدموں کو دیکھ رہا ہوں یعنی تیرے قدم اس بچہ کے قدم کے مطابق ہے۔ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا مجھے یاد ہے۔

دیکھیں! عرب کے لوگ ایسے ذہین قیافہ شناس تھے کہ اس واقعہ کو چالیس، پچاس سال کا عرصہ گذر چکا تھا کیونکہ یہ پیدا ہوئے، دودھ پلایا گیا، بڑے ہوئے، جوان ہوئے، یہاں تک کہ چالیس سال کے بعد یہ واقعہ پیش آیا تو چالیس سال پہلے کا واقعہ نہ صرف یاد ہے بلکہ پاؤں کی بناوٹ تک یاد ہے تو قیافہ اور حافظہ دونوں کس بلا کے تھے۔

"قال فکشف الخ" اس پر عبید اللہ بن عدی نے اپنا چہرہ کھول دیا کہ ہاں تم نے صحیح پہچانا میں وہی ہوں، پھر انہوں نے کہا **"الا تخبرنا بقتل حمزۃ"** کہ کیا تم ہمیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بتاؤ گے؟

"قال نعم الخ" تو انہوں نے کہا کہ اچھا بتاتا ہوں۔

"إن حمزۃ قتل طعیمۃ بن عدی بن الخیار ببدر الخ" حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر کے دن قتل کیا تھا، یہ عبید اللہ کے بھائی ہوئے، جبیر بن مطعم بن عدی جو میرے مولی تھے، یہ بھی بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، تو انہوں نے کہا کہ اگر تم حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں قتل کر دو تو تم آزاد ہو۔

"فلما ان خرج الخ" جب لوگ عینین والے سال نکلے اور عینین کی وضاحت کر دی کہ **"عینین جبل بحیال احد"** احد کے قریب ایک پہاڑ ہے اس کو عینین کہتے ہیں اور اس کی طرف اس لئے منسوب کیا کہ کفار کا لشکر اس جبل عینین کے پاس جا کر فروکش ہوا تھا، تو میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لئے نکلا۔

"فلما اصطفوا للقتال خرج سباع" جب قتال کیلئے جب صف بندی ہوئی تو مبارز طلب کرنے کے لئے سباع نامی شخص نکلا، **"فقال ھل من مبارز؟ الخ"** تو اس نے کہا کہ تم میں کوئی مقابلہ کرنیوالا موجود

ہے؟ تو حضرت حمزہ ﷺ اس کے مقابلہ پر آئے۔

جس شخص سے حضرت حمزہ ﷺ نے مبارزطلبی میں مقابلہ کیا تھا یہاں پر اس کا نام سباع ہے، جبکہ بعض دوسری روایتوں میں دوسرا نام آیا ہے، اسی طرح ابوشیبہ کا نام بھی آیا ہے لیکن اس روایت میں سباع کا نام ہے۔

حضرت حمزہ ﷺ نکلے اور انہوں نے اس کو کہا کہ **"یا سباع یا ابن ام أنمار مقطعة البظور"** اے سباع! اے ام انمار کے بیٹے! جو لڑکیوں کی بظر کاٹنے والی ہے۔

"بظور" بظر عورتوں کی شرمگاہ کے اندر گوشت کی بوٹی جیسی ہوتی ہے، عربوں کے رواج کے مطابق جب بچیوں کا ختنہ ہوتا تھا اس کو کاٹا جاتا تھا، اس کو بظر کہتے ہیں، **"بظور"** اس کی جمع ہے۔

اے ابن ام انمار، جو بچیوں کی بظر کاٹنے والی تھی، اس طرف اشارہ کیا کہ سباع کی ماں خاتنہ تھی یعنی لڑکیوں کا ختنہ کیا کرتی تھی اور یہ اچھا پیشہ نہیں سمجھا جاتا تھا تو اس واسطے اس کو ایک طرح سے عیب کے انداز میں ذکر کیا کہ اے ام انمار کے بیٹے جو بظر کاٹنے والی تھی۔

"أتحاد الله ورسوله ﷺ؟" کیا تو اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلہ پر آتا ہے؟ یعنی تیری کیا اوقات اور مجال ہے کہ تو اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے پر آئے۔

"ثم شد عليه فكان كأمس الذاهب" حضرت حمزہ ﷺ نے اس پر حملہ کیا، تو وہ ایسا ہو گیا کہ گذری ہوئی کل، یعنی قتل ہو گیا۔ **"قال: وكمنت لحمزة تحت صخرة الخ"** وحشی نے کہا کہ میں حضرت حمزہ ﷺ کیلئے ایک چٹان کے نیچے گھات لگا کر بیٹھ گیا، **"رميته بحربتي فأضعها في ثنته"** جب حضرت حمزہ ﷺ میرے پاس آئے تو میں نے ان کو اپنے نیزے سے مارا، پھر میں نے وہ نیزہ لے جا کر ان کے مثانے پر رکھ دیا، **"حتى خرجت من بين وركيه"** یہاں تک اس طرح میں نے مارا کہ وہ ان کے کولہوں کے درمیان سے نکل گیا یعنی ان کے بدن سے آر پار ہو گیا، **"فكان ذاك العهد به"** تو یہی بات حضرت حمزہ ﷺ کی آخری بات تھی یعنی آخری بار جوان کو زندہ دیکھا گیا وہ اس وقت تھا۔

"فلما رجع الناس رجعت الخ" جب کفار قریش مقام احد کے پاس سے واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ واپس آیا اور آ کر مکہ مکرمہ میں مقیم ہو گیا یہاں تک کہ وہاں اسلام پھیل گیا، پھر میں طائف چلا گیا تو طائف کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت سے ایلچی، قاصد بھیجے، **"فقيل لي: إنه لا يهيج الرسل الخ"** تو مجھ سے کہا گیا کہ رسول کریم ﷺ ایلچیوں کے اوپر جوش میں نہیں آتے یعنی رسول کریم ﷺ ایلچیوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ تو میں بھی ایلچیوں کے ساتھ چلا گیا۔

"فلما رآني قال: آنت وحشي؟ الخ" جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھا تو پوچھا کیا تم ہی وحشی؟ میں نے کہا ہاں! پھر آنحضرت ﷺ فرمایا کہ کیا تم نے حمزہ کو قتل کیا ہے؟، تو میں نے کہا کہ بلاوجہ کی سختی کی

کیا ضرورت ہے صرف اتنا کہہ دیا کہ جو بات آپ کو پہنچی ہے وہ درست ہے یعنی یہ نہیں کہا کہ میں نے قتل کیا۔

"قال: فهل تستطيع أن تغيب الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ایسا کر سکتے ہو کہ اپنے چہرے کو مجھ سے غائب رکھ سکو؟ میں یہ بات سن کر باہر آ گیا۔

معافی اختیاری فعل ہے

یعنی معاف تو فرمادیا **"الاسلام يهدي ما كان قبله"** لیکن چچا کو اس طرح بے دردی کے ساتھ ہلاک کرنے والا آنکھوں کے سامنے ہو تو آدمی کو وہ واقعہ یاد آ ہی جاتا ہے، تو اس کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ میرے دل میں کوئی کدورت ایسی نہ آ جائے کہ جو تمہارے لئے نقصان دہ ہو، اس واسطے اپنے چہرہ کو مجھ سے دور رکھنا۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ معاف کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس شخص کو معاف کیا گیا اس کے ساتھ خوشگوار تعلقات بھی قائم ہو جائے۔

معاف کردیا اس کے معنی میں ہے کہ آخرت میں انتقام نہیں لیں گے لیکن دل مل جانا، طبیعت میں خوشگواری کا داعیہ پیدا ہو جانا یہ کوئی ضروری نہیں کیونکہ یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے۔

"فلما قبض رسول الله ﷺ فخرج مسيلمة الخ" جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تو میں نے کہا کہ نکل کے اس کے پاس جاؤں گا، شاید اس کے قتل کرنے کا موقع مل جائے تو کم از کم حضرت حمزہ ؓ کے قتل کا جو مجھ سے سرزد ہوا تھا اس کی کچھ تلافی ہو جائے، تو میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ یمامہ میں لڑنے کیلئے گیا۔

"فكان من أمره ما كان" اس لڑائی کا جو کچھ قصہ تھا وہ یہ تھا کہ **"فاذا رجل قائم في ثلمة جدار الخ"** اچانک میں نے دیکھا کہ ایک شخص جو ایک دیوار کے شگاف میں کھڑا ہوا ہے اور وہ ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے کوئی سانولے رنگ کا اونٹ ہو، سر کے بال بکھرے ہوئے تھے، **"فرميته بحربتي فوضعتها بين ثدييه الخ"** میں نے اس کو نیزہ مارا یہاں تک کہ اس کے کندھوں کے درمیان سے نکل گیا، **"ووثب إليه رجل من الأنصار الخ"** اسی وقت ایک انصاری صحابی چھلانگ لگا کر اسکی طرف گئے اور اسکی کھوپڑی پر ایک تلوار ماری جس سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔

عبداللہ بن فضل کہتے ہیں کہ مجھے سلیمان بن یسار نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ وہ فرما رہے ہیں کہ **"فقالت جارية على ظهر بيت"** جب مسیلمہ کذاب کے قتل کا واقعہ ہوا تو ایک جاریہ / باندی جو اپنے گھر کے چھت پر کھڑی تھی، اس نے کہا **"وا أمير المؤمنين، قتل**

العبد الاسود" افسوس ہے امیر المؤمنین پر کہ ایک کالے غلام نے قتل کر دیا، اس نے مسیلمہ کذاب کو امیر المؤمنین کہا۔

سب سے پہلے امیر المؤمنین کا لقب کس کو ملا؟

بعض لوگوں کو اس روایت کی صحت پر اس لئے تأمل ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیلمہ کا جو متبعین ہے وہ اس کا نام امیر المؤمنین رکھتے ہوں کیونکہ اس کو رسول کہتے تھے۔

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ مسیلمہ کذاب کو جاریہ نے امیر المؤمنین کہا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں اس واسطے کہ وہ بیچاری لڑکی ہے وہ اپنے پیشوا کے لئے جو چاہے لفظ استعمال کرے ہم کون ہیں اس کو روکنے والے۔ اس نے اپنے ظن سے اس کو امیر المؤمنین کہہ دیا اس لحاظ سے کہ وہ پورے لشکر کی قیادت کر رہا تھا تو یہ کوئی ایسی اعتراض کی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اس روایت کو رد کیا جائے۔

امیر المؤمنین لقب کے بارے میں تاریخ میں آتا ہے کہ بطور خلیفہ سب سے پہلے یہ لقب حضرت عمرؓ نے اپنایا اور انہی کو دیا گیا۔ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے بطور خلیفہ امیر المؤمنین کا لقب استعمال نہیں کیا تھا۔ [۳۷]

بعض روایات میں ہے کہ وحشی کو ہندہ زوجۂ ابی سفیان نے حضرت حمزہؓ کے قتل پر مأمور کیا تھا۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ ابتدا میں تو جبیر بن مطعم نے کیا تھا لیکن جب ہندہ کو پتہ لگا تو وہ بھی حضرت حمزہؓ سے خار کھائی ہوئی تھی، کیونکہ اسکے بہت سے رشتہ دار مارے گئے تھے ہندہ نے قسم کھائی تھی کہ ان کا کلیجہ کچا چباؤں گی۔ تو اس واسطے ان سے بات کی کہ جب تم قتل کرو تو پھر ان کا کلیجہ میرے لئے لے آنا اور واقعی اس نے اس کو چبایا۔

(۲۵) باب ما أصاب النبی ﷺ من الجراح یوم أحد

یوم اُحد میں رسول اکرم ﷺ کے زخمی ہونے کا بیان

حضور ﷺ کو احد کے دن جو زخم پہنچے، اس باب میں اس کا بیان مقصود ہے۔

---

[۳۷] عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۲۹

۴۰۷۳ ۔ حدثنا إسحاق بن نصر: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن همام: سمع أبا هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((اشتد غضب الله على قوم فعلوا بنبيه - يشير إلى رباعيته - اشتد غضب الله على رجل يقتله رسول الله في سبيل الله)). [۳۸]

ترجمہ: ہمام کہتے ہیں کہ میں سنا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمار ہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ کا سخت غضب ہے اس قوم پر جس نے اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ کیا (دانتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)، اللہ سخت غصے ہوا اس شخص پر جس کو اللہ کے پیغمبر ﷺ نے اللہ کے راستے میں مارا۔

۴۰۷۴ ۔ حدثني مخلد بن مالك: حدثنا يحي بن سعيد الأموي: حدثنا ابن جريج، عن عمرو بن دينار، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: اشتد غضب الله على من قتله النبي ﷺ في سبيل الله، اشتد غضب الله على قوم دموا وجه نبي الله ﷺ. [انظر: ۴۰۷٦] [۳۹]

ترجمہ: عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا سخت غصہ اس پر ہے جس کو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ماردیں، اللہ تعالیٰ کا سخت غضب اس قوم پر ہے جو اپنے پیغمبر ﷺ کے چہرہ کو خون آلود کریں۔

تشریح

ان دونوں روایات میں اس بات کا ذکر ہے جب غزوۂ اُحد میں نبی کریم ﷺ قریش کے حملے میں زخمی ہوئے تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے بدؑعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قوم پر یعنی قریش پر اللہ کا غضب بڑا شدید ہو جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے رباعیہ یعنی دندان مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص کے اوپر بڑا شدید ہے جس کو اللہ کا رسول اللہ کے راستے میں قتل کردے۔

---

[۳۸] وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب اشتداد غضب الله على من قتله رسول الله، رقم: ۳۳۴۸، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم: ۷۸٦٦

[۳۹] وفي مسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۲۴۷۸

یہ احد کے موقع پر ہوا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے امیہ بن خلف کو قتل کیا اور بعض میں رکانہ کا ذکر آتا ہے تو بہرحال اس کی طرف اشارہ ہے۔

۴۰۷۵ ۔ حدثنا قتیبة بن سعید : حدثنا یعقوب ، عن أبی حازم : أنه سمع سهل بن سعد وهو یسأل عن جرح رسول الله ﷺ فقال : أما والله إنی لأعرف من كان یغسل جرح رسول الله ﷺ ومن كان یسكب الماء وبما دووی ، قال : كانت فاطمة بنت رسول الله ﷺ تغسله ، وعلی بن أبی طالب یسكب الماء بالمجن ، فلما رأت فاطمة أن الماء لا یزید الدم إلا كثرة أخذت قطعة من حصیر و أحرقتها وألصقتها فاستمسك الدم وكسرت رباعیته یومئذ وجرح وجهه وكسرت البیضة علی رأسه. [راجع: ۲۴۳]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ؓ سے کسی نے نبی ﷺ کے زخمی ہونے کا حال پوچھا، سہل بن سعد ؓ نے کہا خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کا زخم کون دھور ہا تھا اور کون پانی ڈال رہا تھا، اور کون سی دوا لگائی گئی، ہوا یہ کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ آپ کا زخم دھو رہی تھیں، اور علی ؓ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے، جب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ خون کسی طرح بند نہیں ہوتا ہے تو انہوں نے بوریئے کا ایک ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھر دی، خون بند ہو گیا، یہی دن تھا جب کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک شہید ہوئے اور چہرہ مبارک زخمی کیا گیا اور خود کو پتھر مار کر سر پر توڑا گیا۔

تشریح

کسی شخص نے حضرت سہل بن سعد ؓ سے غزوہ اُحد کے لگنے والے رسول ﷺ کے زخموں کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ مجھے پتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زخم کون دھو رہا تھا اور کون پانی بہار ہا تھا اور کس چیز سے آپ کا علاج کیا گیا۔

"كانت فاطمة بنت رسول الخ" پھر فرمایا کہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ آپ کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علی ؓ ڈھال کے اندر پانی لے کر بہا رہے تھے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ خون اور زیادہ بہا جا رہا ہے اور پانی ڈالنے سے خون نہیں رک رہا۔

"أخذت قطعة من حصیر و أحرقتها وألصقتها الخ" تو چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اس کو جلایا اور اس کو وہاں خون کی جگہ پر رکھا تو خون بند ہو گیا۔

غزوہ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ کے دندان مبارک بھی شہید ہوئے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور پر بھی زخم

آئے اور آپ ﷺ کے سرِ اقدس پر جو خود تھا وہ بھی پتھر مار کر توڑ گیا اس کی وجہ سے اس کے کچھ حلقے، کڑیاں چہرے میں گھس گئے تھے۔

۴۰۷۶ - حدثني عمرو بن علي: حدثنا أبو عاصم: حدثنا ابن جريج، عن عمرو ابن دينار، عن عكرمة، عن ابن عباس قال: اشتد غضب الله على من قتله نبي، واشتد غضب الله على من دمى وجه رسول الله ﷺ. [راجع: ۴۰۷۴]

ترجمہ: عکرمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ کا سخت غضب اس شخص پر ہے جس کو خود اللہ کا پیغمبر ﷺ قتل کردے اور سخت غضب ہے خدا کا اس پر جس نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کے چہرہ مبارک کو خون آلود کیا۔

(۲۶) باب ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ﴾
باب: جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانا

غزوۂ حمراء الاسد

اس باب میں غزوۂ حمراء الاسد کا بیان کرنا مقصود ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب جنگ ختم ہوگئی اور ابوسفیان اپنے لوگوں کو لے کر چلے گئے تو اس وقت آنحضرت ﷺ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان لوگوں کا بھروسہ نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ کسی وقت پلٹ کر آجائیں، لہٰذا ان کا کچھ تعاقب کرنا چاہئے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس مرحلہ پر ہی آپ ﷺ کو بعض ذرائع سے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ قریش کا لشکر مقام روحاء میں جا کر ٹھہر گیا ہے اور دوبارہ حملہ کی تیاری کر رہا ہے۔

اس واسطے آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ سے فرمایا کہ کچھ لوگ تعاقب کے لئے چلے جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں کہ جو معرکۂ اُحد میں شریک تھے۔

حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والد اُحد میں شہید ہوئے بہنوں کی خبر گیری کی وجہ سے میں اُحد میں شریک نہ ہوسکا۔ اب میں ساتھ چلنے کی اجازت چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے ساتھ چلنے کی اجازت دی۔

اس خروج سے آپ کا ایک مقصد یہ تھا کہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔

صحابۂ کرام ﷺ کی بہادری اور حوصلہ

باوجود یہ کہ صحابہ کرام ﷺ خستہ اور نیم جان ہو چکے تھے اور ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا کہ آپ کی ایک آواز پر پھر نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ صحابۂ کرام ﷺ کا انتخاب ہوا اور آنحضرت ﷺ ستر صحابۂ کرام ﷺ کو لیکر آگے روانہ ہوئے۔

جب حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو بنوخزاعہ (بعد میں یہ قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بنا، اس وقت یہ قبیلہ مسلمان تو نہیں ہوا تھا لیکن مسلمانوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہمدردی رکھتا تھا) کے ایک سردار تعزیت کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان صحابہ کی تعزیت کی جو اُحد میں شہید ہوئے تھے۔

مسلمانوں سے رخصت ہونے کے بعد بنوخزاعہ کے یہ سردار ابوسفیان سے ملاقات کے لئے بھی گئے، جو اپنے لشکر کے ساتھ روحا کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، وہاں کفار نے آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ہم تو اچھی خاصی جیتی ہوئی جنگ ہار کے آگئے، مسلمانوں کے بہت سے بڑے لوگ ہم نے شہید تو کر دیئے لیکن کیا ہی اچھا ہوتا کہ سب ہی کو ختم کر دیتے، تو لوگوں نے کہا کہ ابھی بھی کچھ نہیں گیا تو چلو واپس چلتے ہیں اور جا کر دوبارہ حملہ کرتے ہیں اور جو باقی رہ گئے ہیں ان کو بھی نمٹاتے ہیں۔ یہ بات ان کے دل میں طے ہونے لگی اس کے لئے وہ لشکر جمع کرنے لگے۔

تو بنوخزاعہ کے سردار نے کہا کہ کس فکر میں ہو تمہیں پتہ نہیں کہ محمد مدینہ منورہ سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر روانہ ہو چکے ہیں اور عنقریب تمہارے اوپر حملہ آور ہونے والے ہیں تم تو کہتے ہو کہ ان کو جا کر ختم کر دیں اب تو اپنی خیر مناؤ۔

ابوسفیان نے جب یہ سنا کہ مسلمان آ رہے ہیں تو پھر اپنے ساتھیوں سے دوبارہ مشورہ کیا اور پھر فیصلہ یہ کیا کہ واپس ہی چلتے ہیں جو کچھ ہو گیا ہے وہی بہتر ہے، اس سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔

حمراء الاسد سے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام ﷺ کی بہادری اور ان کے حوصلے کا ذکر فرمایا ہے:

﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا
أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا
أَجْرٌ عَظِيمٌ ○ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ
جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۚ وَقَالُوا

﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ [۶۰]

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کیلئے زبردست اجر ہے۔ وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: یہ (مکہ کے کافر) لوگ (تمہارے) مقابلے کیلئے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہذا ان سے ڈرتے رہنا، تو اس (خبر) نے اُن کے ایمان میں اور اضافہ کر دیا اور وہ بول اُٹھے کہ: ''ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے''۔

قرآن کی اس آیت میں اسی حمراء الاسد کے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعریف کی ہے جنہوں نے اللہ ورسول کی بات مانی، ان کی دعوت پر لبیک کہا ﴿مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ﴾ جبکہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا یعنی احد کے واقعہ میں بہت سے صحابۂ کرام ﷡ شہید وزخمی ہوئے تھے اور دل غمزدہ تھے، تھکن سے دوچار تھے ایسی حالت میں پھر دوبارہ اسی لشکر کے تعاقب میں جانا اور لڑائی کیلئے تیار ہو جانا یہ بڑی جوانمردی کی بات تھی اور اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں ایسا کرنے والے کو خوش خبری سنائی گئی۔

چنانچہ جب حضور اقدس ﷺ حمراء الاسد کے مقام پر تشریف لے گئے اور وہیں پر اُس شخص نے صحابہ کو یہ کہہ کر ڈرایا ﴿إِنَّ النَّاسَ قَدْ الخ﴾ اس پر صحابہ ﷡ نے ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ فرمایا۔ [۶۱]

۴۰۷۷ ۔ حدثني محمد: حدثنا أبومعاوية، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ قالت لعروة: يا ابن أختي، كان أبوك منهم: الزبير وأبوبكر لما أصاب رسول الله ﷺ ما أصاب يوم أحد وانصرف المشركون خاف أن يرجعوا، قال: ((من يذهب في إثرهم؟)) فانتدب منهم سبعون رجلا، قال: كان فيهم أبوبكر والزبير. [۶۲]

---

[۶۰] [آل عمران: ۱۷۳،۱۷۲]

[۶۱] فتح الباری، ج:۷، ص:۳۷۳ وكتاب المغازي للواقدي، ج: ۱، ۳۳۷

[۶۲] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير، رقم: ۴۴۳۱، وسنن ابن ماجة، كتاب المقدمة، باب فضل الزبير، رقم: ۱۲۱

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۔الخ﴾ جن لوگوں نے زخمی ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا، ان میں جو نیک اور پرہیزگار ہیں ان کو بہت ثواب ملے گا۔ اے میرے بھانجے! تمہارے والد زبیر رضی اللہ عنہ اور نانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انہی لوگوں میں سے تھے، بات یہ ہوئی کہ اُحد کے دن رسول اکرم ﷺ کو جو صدمہ پہنچا تھا، اور کافر مکہ کو واپس گئے تو آپ ﷺ کو یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کافر کہیں پھر لوٹ نہ آئیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کافروں کا تعاقب کون کرتا ہے؟ یہ حکم سُن کر ستر حضرات نے اس حکم کی تعمیل کی، حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں میں زبیر اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے۔

واپس لوٹنے والوں کے تعاقب کا حکم

اس روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غزوۂ حمراء الاسد کا واقعہ بیان کر رہی ہیں۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی "﴿الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۔الخ﴾ یعنی وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اُجر ہے۔

آیت پڑھنے کے بعد کر حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ "**یا ابن أختي، کان أبوک منهم: الزبیر وأبوبکر**" اے بھانجے! تمہارے والد اور نانا بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کی تعریف اس آیت میں آئی ہے کہ ایک تمہارے باپ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ اور دوسرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

لما أصاب رسول اللہ ﷺ ما أصاب یوم أحد" اور وجہ یہ تھی کہ جب رسول کریم ﷺ کو احد کے دن پہنچا وہ معاملہ جو پہنچا یعنی آپ ﷺ کے بہت سے صحابہ شہید ہوئے۔

"**وانصرف المشرکون خاف أن یرجعوا**" اور جب مشرکین واپس چلے گئے تو آپ ﷺ کے دل میں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ لوٹ کر نہ آجائیں اور دوبارہ سے مدینہ پر حملہ نہ کردیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "**من یذھب في إثرھم؟**" کون ہے جو کفار کے لشکر کے تعاقب میں جائے گا؟

"**فانتدب منهم سبعون رجلا**" تو ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی اس پکار پر لبیک کہا اور قریش کے تعاقب میں جانے کے لئے تیار ہوگئے باوجود اس کے غمگین تھے اور بہت تھکے ہوئے تھے۔

"**قال: کان فیھم أبوبکر والزبیر**" حضرت عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں میں

حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی شامل تھے، یعنی ان کے والد حضرت زبیر بن عوام ﷛ اور نانا حضرت ابوبکر صدیق اکبر ﷛ بھی شامل تھے تعاقب میں جانے والے لشکر میں۔

(۲۷) باب من قتل من المسلمین یوم أحد

اُحد کے روز شہید ہونے والے مسلمانوں کا بیان

منهم: حمزة بن عبدالمطلب، والیمان، وأنس بن النضر، ومصعب بن عمیر.

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اُحد کے روز شہید ہونے والے مسلمانوں کا ذکر فرمایا ہے: جیسے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت یمان، حضرت انس بن نضر اور حضرت مصعب بن عمیر ﷛۔

۴۰۷۸ ۔ حدثنا عمرو بن علي: حدثنا معاذ بن هشام قال: حدثني أبي، عن قتادة قال: ما نعلم حیا من أحیاء العرب أکثر شهیدا اعز یوم القیامة من الأنصار.

قال قتادة: وحدثنا أنس بن مالک أنه قتل منهم یوم أحد سبعون، ویوم بئر معونة سبعون، ویوم الیمامة سبعون. قال: وکان بئر معونة علی عهد رسول اللہ ﷺ، ویوم الیمامة علی عهد ابی بکر، ویوم مسیلمة الکذاب. [۴۳]

ترجمہ: قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نہیں سمجھتے کہ عرب کے تمام قبائل میں انصار سے زیادہ شہید کسی قبیلے کے ہوں، ان سے سے زیادہ عزت والا کوئی قیامت کے دن ہو۔

قتادہ کہتے ہیں کہ مجھ سے انس بن مالک ﷛ نے کہا کہ اُحد کے دن ستر آدمی انصار کے شہید ہوئے، اور اتنے ہی بیر معونہ کے دن اور اتنے ہی جنگ یمامہ کے دن، اور بیر معونہ کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی حیات میں ہوا تھا، اور یمامہ کا واقعہ خلافت صدیقی میں ہوا، جس دن مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا۔

جنگ اُحد اور انصار کی فضیلت

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلہ کو نہیں جانتا جس کے شہیدوں کی تعداد انصار سے زیادہ ہو اور قیامت کے دن ان سے زیادہ عزت والا کوئی ہو یعنی انصار نے بہت شہید پیش کئے۔

---

[۴۳] انفرد به البخاری

چنانچہ غزوۂ احد میں مہاجرین میں شہید ہونے والوں کی تعداد چھ سات سے زیادہ نہیں تھی باقی سارے انصاری صحابہ ﷺ تھے اور آگے بھی مختلف غزوات میں آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جتنے شہید انصار میں سے ہوئے اتنے اور کسی قبیلہ میں نہیں ہوئے ہیں۔

احد میں ستر صحابہ جو انصار میں سے شہید ہوئے تھے یہ تعداد تغلیباً ہے، اس واسطے کہ احد میں شہید ہونے والے کل صحابۂ کرام ﷺ ستر تھے اور ان میں سے چھ سات صحابہ مہاجرین میں، باقی تریسٹھ کے قریب انصار تھے۔

اہلِ عرب اکثر وبیشتر کسر کا لحاظ نہیں کرتے، کسر کو حذف کردیتے ہیں یا اس میں اضافہ کردیتے ہیں تو تریسٹھ کو ستر کہہ دینا محاورۂ عرب کے مطابق ہے۔ [۴۳]

۴۰۷۹ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا الليث، عن ابن شهاب، عن عبدالرحمن ابن كعب بن مالك: أن جابر بن عبد الله رضى الله عنهما أخبره أن رسول الله ﷺ كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد فى ثوب واحد، ثم يقول: ((أيهم أكثر أخذا للقرآن؟)) فإذا أشير له إلى أحد قدمه فى اللحد وقال: ((أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة))، وأمر بدفنهم بدمائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا. [راجع: ۱۳۴۳]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اُحد کے دن دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹتے اور پوچھتے کہ ان دونوں میں قرآن کریم کس کو زیادہ یاد تھا، جب آپ ﷺ کو اشارہ سے بتایا جاتا تو آپ ﷺ اس کو قبلہ کی سمت آگے کرتے اور فرماتے میں قیامت کے دن اُن لوگوں کا گواہ ہوں گا، اور آپ ﷺ نے فرمایا ان کو اسی طرح خون آلودہ بلا غسل و نماز دفن کردیا جائے۔

شہدائے اُحد اور حفاظِ قرآن کی فضیلت

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ "**أن رسول الله ﷺ كان يجمع بين الرجلين الخ**" رسول اللہ ﷺ احد کے شہداء میں سے دو آدمیوں کو کفن دینے کیلئے ایک کپڑے کے اندر جمع کرتے تھے، کپڑوں کی قلت تھی تو اس واسطے ایک ہی کپڑے میں دو دو شہداء کو جمع فرماتے تھے۔

"**ثم يقول أيهم أكثر أخذا للقرآن؟ الخ**" پھر رسول اللہ ﷺ فرماتے کہ ان میں سے قرآن

---

[۴۳] فمن قال قتل منهم سبعون ألغى الكسر، والله أعلم، فتح البارى، ج: ۷، ص: ۳۷۶

کریم کا زیادہ علم حاصل کرنے والا کون ہے یعنی ان میں سے کس کو قرآن زیادہ یاد تھا؟ تو جب ان میں سے کسی کی طرف اشارہ کیا جاتا کہ ان کو قرآن زیادہ یاد تھا تو آپ ﷺ اس کو لحد میں آگے رکھتے تھے۔

"أمر بدفنهم بدمائهم" اور آپ ﷺ ان کو ان کے خون کے ساتھ ہی دفن کرنے کا حکم دیا۔

"ولم يصل عليهم ولم يغسلوا" اور ان پر نماز بھی نہیں پڑھی اور غسل بھی نہیں دیا۔

شہید کی نماز جنازہ کا حکم

غسل نہ دینا تو متفق علیہ ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا۔

نماز جنازہ کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شہید کے اوپر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔

جبکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

یہ اختلاف اس وجہ سے ہوا کہ غزوۂ اُحد کے شہدا کے بارے میں روایتیں مختلف ہیں:

بعض روایتوں میں شہید پر نماز کی نفی آئی ہے اور بعض میں اثبات آئی ہے۔

تو حنفیہ کہتے ہیں کہ مثبت مقدم ہے نافی پر۔

تطبیق دونوں میں وہی ہے جو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہر ایک شہید پر الگ الگ نماز نہیں پڑھی گئی، دس دس کے مجموعہ پر پڑھی گئی اور حضرت حمزہ ﷺ ہر ایک میں ساتھ ہوتے تھے تو اس واسطے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ پڑھی، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ نہیں پڑھی اور بعض میں آیا کہ صرف حمزہ ﷺ پر پڑھی گئی۔ [۵۵]

۴۰۸۰ ــ وقال أبو الوليد، عن شعبة، عن ابن المنكدر قال: سمعت جابرا قال: لما قتل أبي جعلت أبكي وأكشف الثوب عن وجهه، فجعل أصحاب النبي ﷺ ينهوني والنبي ﷺ لم ينه. وقال النبي ﷺ: ((لا تبكيه أو ما تبكيه ما زالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفع)). [راجع: ۱۲۴۴]

ترجمہ: محمد بن منکدر کہتے ہیں میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ جب میرے والد عبداللہ ﷺ اُحد کے دن شہید ہوئے تو میں ان کی لاش کو دیکھ کر روتا تھا اور چہرہ سے کپڑا ہٹا کر دیکھتا تو آنحضرت ﷺ کے اصحاب ﷺ مجھ کو رونے سے منع کرتے، مگر آپ ﷺ نے منع نہیں کیا، آپ ﷺ نے فاطمہ بنت عمرو (میری

---

[۵۵] حدیث نمبر: ۴۰۴۳ کی تشریح میں حضرت حمزہ ﷺ پر نماز جنازہ کے حوالے سے تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

پھوپھی) سے فرمایا تم عبداللہ پر مت رو، اس پر تو فرشتے جنازہ اٹھانے تک سایہ کئے رہے۔

موت پر بے اختیاری بکاء ممنوع نہیں

ابن منکدر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہما کو کہتے ہوئے سنا کہ جب غزوہ احد پر جب میرے والد شہید ہوئے تو میں رونے لگا اور کپڑا چہرہ پر سے اتار کر رونے لگا، تو صحابۂ کرام ﷺ مجھے رونے سے روکنے لگے اور آنحضرت ﷺ نے نہیں روکا۔ اس واسطے کہ بے اختیار جو رونا آئے وہ منع نہیں ہے۔

اس روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو رونے سے ممانعت کا ذکر نہیں ہے، البتہ دوسری روایتوں میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تم باپ پر مت روؤ۔ میری جو پھوپھی تھیں فاطمہ بنت عمروان سے آپ ﷺ نے فرمایا کہا کہ **"لا تبکیہ أو ما تبکیہ ما زالت الملائکۃ الخ"** تم عبداللہ پر مت رو، کہ ملائکہ اپنے پروں سے ان پر مسلسل سایہ فگن ہیں یہاں تک کہ جنازہ اٹھ جائے۔ [۴۶]

۴۰۸۱ ۔ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن برید بن عبداللہ بن أبی بردۃ، عن جدہ أبی بردۃ، عن أبی موسی ﷺ، أری عن النبی ﷺ قال: ((رأیت فی رؤیای انی ھززت سیفا فانقطع صدرہ فإذا ھو ما أصیب من المؤمنین یوم أحد، ثم ھززتہ أخری فعاد أحسن ما کان فإذا ھو ما جاء بہ اللہ من الفتح واجتماع المؤمنین. ورأیت فیھا بقرا، واللہ خیر، فإذا ھم المؤمنون یوم أحد)). [راجع: ۳۶۲۲]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے ایک بار تلوار ہلائی تو اس کی نوک ٹوٹ گئی، اس کی تعبیر یہی تھی کہ مسلمان اُحد کے دن شہید ہوئے، پھر دوسری مرتبہ ہلائی تو ٹھیک ہوگئی، اس کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آخر میں فتح دیدی، اور ان میں اتحاد پیدا کردیا، اور میں نے خواب میں گائیں دیکھیں (جو ذبح ہورہی تھیں) اور اللہ تعالیٰ کے سب کام بہتر ہیں اس کی تعبیر بھی یہی تھی کہ مسلمان اُحد کے دن شہید ہوئے۔

---

[۴۶] "لاتبکیہ" کذا ھنا، وظاھرہ أنہ نھی جابر، ولیس کذلک، وانما ھو نھی لفاطمۃ بنت عمرو عمۃ جابر، وقد اخرجہ مسلم من طریق غندر عن شعبۃ بلفظ قتل أبی – فذکر الحدیث الی – وجعلت فاطمۃ بنت عمرو عمتی تبکیہ، فقال النبی ﷺ: لا تبکیہ، وکذا تقدم عند المصنف فی الجنائز نحو ھذا، ومن طریق ابن عیینۃ عن ابن المنکدر نحوہ. فتح الباری، ج:۷، ص: ۳۷۶

"أری" کہنے کا مقصد

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کی روایت ذکر رہے ہیں، اس روایت میں لفظِ "أری" یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا جملہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے نبی کریم ﷺ سے یہ مرفوعاً روایت کیا ہے یعنی "أری" کا لفظ اس لئے کہا کہ پوری طرح یاد نہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے مرفوعاً کہا تھا یا اپنی طرف سے موقوفاً روایت کیا تھا لیکن غالب گمان چونکہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کہا تھا اس واسطے کہا "أری عن النبی ﷺ"۔

آنحضرت ﷺ کا خواب اور غزوۂ احد

یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کی روایت ہے فرماتے ہیں کہ "قال: رأیت فی رؤیای أنی هززت الخ" نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے ایک تلوار کو حرکت دی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا، "فإذا هو ما أصیب من الخ" تو بعد میں پتہ لگا کہ تلوار کا اگلا حصہ ٹوٹ جانا اس کی تعبیر یہ تھی جو مسلمانوں کو احد کے دن پہنچی یعنی مسلمانوں کی بڑی تعداد شہید ہوئی۔

"ثم هززته أخری الخ" پھر میں نے دوسری بار اس تلوار کو حرکت دی تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ بہتر ہوگئی، "فإذا هو ما جاء به الله الخ" اس کی تعبیر یہ تھی کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتوحات عطا فرمائیں اور مسلمانوں کو کامیابیاں نصیب فرمائیں۔

"ورأیت فیه بقر" اور میں نے اس خواب میں ایک گائے دیکھی۔

بعض دوسری روایتوں میں آتا ہے کہ اس گائے کو نحر، ذبح کیا جا رہا تھا۔

"والله خیر" اس جملہ کی تشریح میں شراح کے مختلف اقوال ہیں:

بعض کہتے ہیں کہ اس مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ کلمہ کہیں لکھا ہوا دیکھا یا کسی کو کہتے ہوئے سنا۔

بعض کا کہنا ہے کہ یہ "وصنع الله خیر" کہ اللہ کا کام بہتر ہے یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بعد میں عطا فرمایا وہ اس شکست کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر تھا جو احد کے اندر واقع ہوئی تھی۔

اور بعض نے کہا کہ یہ "واؤ قسمیه" ہے کہ اللہ کی قسم! یہ سارا خواب مسلمانوں کے لئے بہتر ہی تھا۔

"فإذا هم المؤمنون الخ" پتہ چلا کہ یہ جو گائے کو ذبح ہوتے ہوئے دیکھا تھا اس کا مطلب یہ ہے

کہ یہ وہ مسلمان ہیں جو احد کے اندر شہید ہوئے تھے۔ ۲۷

۴۰۸۲ - حدثنا أحمد بن یونس: حدثنا زهیر: حدثنا الأعمش، عن شقیق، عن خباب ﷺ قال: هاجرنا مع النبي ﷺ ونحن نبتغي وجه الله فوجب أجرنا على الله، فمنا من مضى - أو ذهب - لم یأكل من أجره شیئا كان منهم مصعب بن عمیر، قتل یوم أحد ولم یترک إلا نمرة، كنا إذا غطینا بها رأسه خرجت رجلاه، وإذا غطي بها رجلیه خرج رأسه، فقال لنا النبي ﷺ: غطوا بها رأسه، واجعلوا على رجلیه الإذخر، أو قال: ألقوا على رجلیه من الإذخر ومنا من أینعت له ثمرته فهو یهدبها. [راجع: ۱۲۷۶]

ترجمہ: حضرت خباب بن ارت ﷺ نے کہا کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور محض رضا الٰہی کے لئے اب ہمارا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گیا، ہم میں بعض ایسے ہیں جو گزر گئے، اور وہ دنیا میں کوئی بدلہ نہ پا سکے، انہی لوگوں میں مصعب بن عمیر ﷺ بھی ہیں، جو اُحد کے دن شہید ہوئے تھے، انہوں نے صرف ایک دھاری دار کملی چھوڑی، جب ہم اس سے ان کا سر چھپاتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ان کا سر چھپا دو اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دو، اور ہم میں بعض ایسے ہیں کہ ان کا میوہ خوب پکا اور اس کو چُن رہے ہیں۔ ۲۸

(۲۹) باب: أحد جبل یحبنا ونحبه

باب: جبل احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں

قاله عباس بن سهل، عن أبي حمید عن النبي ﷺ.

ترجمہ: عباس بن سہل کہتے ہیں کہ انہوں نے ابوحمید سے، انہوں نے نبی ﷺ سے روایت کی۔

---

۲۷ ((والله خیر)) كذا بالرفع فیهما على انه مبتدأ وخبر وفیه حذف تقدیره: وثواب الله خیر، اوصنع الله بالمقتولین خیر لهم من بقائهم في الدنیا، وقال السهیلي: معناه رأیت بقراً تنحر والله عنده خیر، وفي روایة ابن اسحاق: إني رأیت والله خیراً، رأیت بقراً، قال النووي: جاء في روایة: رأیت بقراً تنحر، وبهذه الزیادة یتم تأویل الرؤیا: إذ نحر البقر هو قتل الصحابة بأحد، عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۳۶ وفتح الباري، ج:۷، ص:۳۷۷

۲۸ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: کتاب الجنائز، رقم: ۱۲۷۶، انعام الباری، ج:۴، ص:۴۳۶

۴۰۸۳ ـ حدثني نصر بن علي قال: أخبرني أبي، عن قرة بن خالد، عن قتادة: سمعت أنسا رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: ((هذا جبل يحبنا ونحبه)). [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: قتادہ نے کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا یہ پہاڑ (احد) ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

۴۰۸۴ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن عمرو مولی المطلب، عن أنس بن مالک رضي الله عنه: أن رسول اللہ ﷺ طلع له أحد فقال: ((هذا جبل يحبنا ونحبه، اللّٰهم إن إبراهيم حرم مكة وإني حرمت المدينة مابين لابتيها)). [راجع: ۳۷۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ تبوک سے واپس آتے ہوئے جب اُحد کا نظر آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ اُحد ایک پہاڑ ہے، جو ہمیں دوست رکھتا ہے، اور ہم اس کو دوست رکھتے ہیں، یا اللہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ کو دو پتھریلے علاقوں کے درمیان حرم بناتا ہوں۔

"ما بين اللابتين" سے مراد

"لابتيها" یہ تثنیہ ہے "لابة" کا۔ "لابة" اور "حرہ" ایک خاص قسم کی زمین کو کہا جاتا ہے، جس میں کالے پتھر زمین میں گڑھے ہوتے ہیں یعنی ایسی زمین جس میں کالے پتھر جھاڑیوں کی طرح ہوں اور وہ زمین کے اندر گڑھے ہوئے ہوتے ہیں، پتھریلی زمین ہوتی ہے اس کو حرہ بھی کہتے ہیں اور لابہ بھی کہتے ہیں۔ [۲۹]

مدینہ منورہ کے اطراف میں بہت سے لابہ اور حرہ ہیں ان میں ایک حرہ قباء کی جانب ہے اور ایک حرہ احد کی جانب، اگر چہ مشرق میں بھی ہیں اور مغرب میں بھی لیکن شمال اور جنوب میں جو حرہ ہیں یعنی ایک قباء اور دوسرا احد میں اس کو "لابتین" کہتے ہیں۔

اور "مابين لابتين" کے معنی "مابين حدود المدينة" ہیں، اس سے مدینہ منورہ کی حدود متعین کی گئی ہے تو "مابين اللابتين" کے معنی مدینہ منورہ کی حدود ہیں۔

"ما بين اللابتين" کیا حرم ہے؟

حنفیہ کے نزدیک حرمت "مابين لابتين" کی یہ حرمت معنوی ہے یعنی یہ مقام عظمت وتقدس والا ہے۔

---

[۲۹] لابة: بتخفيف الباء الموحدة، وهي الحرة، عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۳۷

لیکن ائمہ ثلاثہ اس کو حرم کے معنی میں ہونے پر محمول کرتے ہیں کہ جس طرح مکہ مکرمہ کے ساتھ حرم ہے اسی طرح یہاں پر بھی حرم ہے۔ تفصیل اس کی انشاء اللہ کتاب الحج میں آئے گی۔ [۵۰]

۴۰۸۵ ۔ حدثني عمرو بن خالد: حدثنا الليث عن يزيد بن أبي حبيب عن أبي الخير عن عقبة عن النبي ﷺ خرج يوما فصلى على أهل أحد صلوته على الميت ثم انصرف إلى المنبر فقال إني فرط لكم وأنا شهيد عليكم وإني لأنظر إلى حوضي الآن وإني أعطيت مفاتيح خزائن الأرض أو مفاتيح الأرض إني والله ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدي ولكني أخاف عليكم أن تنافسوا فيها. [۵۱]

ترجمہ: حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن اُحد کی طرف گئے، شہداء اُحد پر مثل نماز جنازہ پڑھی، پھر منبر پر آکر فرمایا میں تمہارے واسطے کام درست کرنے کے لئے آگے چلنے والا ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، میں حوض کو دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں یا یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں دی گئیں، اور بات یہ ہے مجھے اپنے بعد بخدا تمہارے لئے مشرک ہوجانے کا اندیشہ نہیں ہے، ہاں یہ ڈر ضرور ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔

شہداء پر نماز کی صراحت

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ **"خرج یوما فصلی علی أهل أحد صلوته علی المیت"** ایک روز اہل اُحد کی طرف گئے، اور شہداء اُحد پر نماز پڑھی اور نماز جنازہ کی طرح تھی۔

پیچھے احادیث میں جن حضرات نے تأویل کی تھی کہ "**صلاۃ**" سے مراد مطلق "**دعا**" ہے۔ اس تأویل کی اس حدیث سے تردید ہوگئی کہ یہاں پر میت پر روایت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے شہداء پر جو نماز پڑھی وہ میت کی نماز کی طرح پڑھی۔

---

[۵۰] باب لابتی المدینة، عمدة القاری، ج: ۱۰، ص: ۳۵۱، ۳۵۰

[۵۱] وفی صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، رقم: ۴۲۹۶، وسنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب المیت یصلی علی قبره بعد حنین، رقم: ۳۲۲۳، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، الصلاة علی الشهداء، رقم: ۱۹۵۴، ومسند احمد، مسند الشامیین، حدیث عقبة بن عامر الجهنی عن النبی ﷺ، رقم: ۱۷۳۴۴، ۱۷۳۹۶، ۱۷۴۰۲

اپنی امت پر مال کے فتنے کا اندیشہ

"ثم انصرف إلى المنبر فقال: إني فرط الخ" پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے واسطے کام درست کرنے کیلئے آگے چلنے والا ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، اور بے شک میں اپنی اس جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔

وہ آدمی جو قافلہ سے آگے یہ دیکھنے کیلئے جاتا ہے کہ کہاں پر پانی ہے، کہاں اترنا مناسب ہوگا اور کہاں مناسب نہیں ہوگا، اس کو "فــــــرط" کہتے ہیں، یعنی میں تم سے پہلے جارہا ہوں تا کہ تمہارے لئے راستہ ہموار کروں۔

"وإني أعطيت مفاتيح خزائن الخ" پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں یا یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں دی گئیں۔

"إني واللّٰه ما أخاف عليكم أن الخ" اور بلاشبہ مجھ کو تم لوگوں سے اس بات پر کوئی خوف وخطر نہیں ہے کہ تم مشرک ہو جاؤ گے، ہاں یہ ڈر ضرور ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ یعنی اس بات کا ڈر ہے کہ تم دنیا کو حاصل کرنے کی رغبت کرو گے۔ جب مال ودولت کی فراوانی اس طرح ہوگی کہ چاروں طرف پانی کی مانند بہتی پھرے گی اور لوگ اپنی ضرورت وحاجات سے کہیں زیادہ دولت کے مالک ہونگے۔ جس کے ذریعے نسلِ انسانی مال ودولت کی فراوانی میں غرق ہو جائے گی۔

باب غزوة الرجيع و بئر معونة

(۲۹) باب غزوة الرجيع، ورعل، وذكوان، وبئر معونة، وحديث: عضل، والقارة، وعاصم بن ثابت، وخبيب وأصحابه

غزوہ رجیع اور رعل، ذکوان، بیر معونہ کے بیان میں اور عضل، قارہ، اور عاصم بن ثابت، خبیب اوران کے اصحاب کا قصہ

دوغزوات ایک باب میں ذکر کرنے کی وجوہات

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دوغزوات کوایک ساتھ جمع کیا ہے، ایک غزوۂ رجیع اور دوسرا غزوۂ بئر معونہ، حالانکہ یہ دونوں الگ الگ غزوے ہیں۔

دونوں غزوات کوایک ساتھ ذکر کرنے کی مختلف وجوہ ہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ دونوں غزوے کب پیش آئے؟

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ جومشہور صاحب السیر ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ غزوۂ رجیع ۳ھ میں پیش آیا اور غزوۂ بیر معونہ ۴ھ میں پیش آیا۔

اور دوسرے مؤرخین ابن سعد اور واقدی کا کہنا یہ ہے کہ دونوں غزوات ۳ھ میں ہی پیش آئے۔

دونوں غزوات کوایک ساتھ ذکر کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ ابن سعد اور واقدی کی رائے کو ترجیح دے رہے ہیں کہ یہ دونوں غزوات ایک ہی سال ۳ھ میں پیش آئے ہیں اور قریب قریب واقع ہوئے ہیں۔[۱]

---

[۱] وقال الواقدی: الرجيع على ثمانية أميال من عسفان وكانت في صفر من سنة أربع، وجزم ابن التين بأن غزوة الرجيع في آخر سنة ثلاث، وغزوة بئر معونة سنة أربع، وغزوة بني لحيان سنة خمس. عمدة القاری، ج:۱۷، ص: ۲۳۸ وفتح الباری، ج:۷، ۳۸۰ وكتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص ۳۴۶

دوسری وجہ: دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی یہ بھی ہے کہ دونوں واقعات میں صحابۂ کرام ﷺ کی شہادت کے اسباب ایک جیسے ہیں، کیونکہ دونوں واقعات میں حضور اکرم ﷺ نے کچھ صحابۂ کرام ﷺ کو دین کے احکام کی تبلیغ وتعلیم کے لئے اور لوگوں کو دعوت اسلام کے لئے بھیجے تھے اور جن لوگوں کے پاس بھیجے گئے تھے انہوں نے خود درخواست کی تھی کہ ہمارے پاس کچھ افراد اسلام کی دعوت کے لئے بھیجے جائیں۔

دونوں غزوات میں فرمائش کرنے والوں نے غداری کی اور ان حضرات کو جو اسلام کی دعوت کے لئے گئے تھے شہید کر دیا، لہٰذا واقعات ایک جیسے ہیں۔

تیسری وجہ: یہ ہے کہ ان دونوں غزوات میں جو صحابۂ کرام ﷺ شہید ہوئے تھے رسول کریم ﷺ کو ان کی شہادت پر بہت زیادہ صدمہ ہوا تھا اور اس صدمہ کی وجہ سے ایک مہینہ تک قنوت نازلہ پڑھی۔

اس قنوت نازلہ میں جن لوگوں پر آپ ﷺ نے بددعا فرمائی اس بددعا میں دونوں غزوہ کے غدار لوگ تھے ان کا بیک وقت ذکر فرمایا۔ غزوہ بیئر معونہ میں رعل اور ذکوان کے لوگوں نے غداری کی تھی اور غزوۂ رجیع کے واقعہ میں عضل، قارہ اور بنولحیان نے غداری کی تھی، چنانچہ قنوت نازلہ میں آنحضرت ﷺ نے جب غزوۂ بیئر معونہ کے غداروں کے خلاف بددعا فرمائی تو غزوۂ رجیع میں غداری کرنے والے بنولحیان کے لوگوں کے خلاف بھی بددعا فرمائی۔

تو یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں غزوے ایک ساتھ ذکر فرمادئے۔

غزوہ پر اشکال

اشکال یہ ہوتا ہے کہ غزوہ اصطلاحِ سیرت میں اُس لڑائی کو کہتے ہیں، جس میں نبی کریم ﷺ بذات خود شامل ہوں اور جس میں آپ خود شامل نہ ہوں، اس کو سریہ کہتے ہیں۔

یہ بات تمام روایات سے ثابت ہے کہ خواہ رجیع کی لڑائی ہو یا بئر معونہ کی لڑائی ہو، کسی میں بھی نبی کریم ﷺ بنفس نفیس شریک نہیں ہوئے تھے۔ تو سیرت کے قاعدہ کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کو **"سریۃ الرجیع"** ۔ **"سریۃ بئر معونۃ"** کہا جاتا لیکن کہا جا رہا ہے کہ **"غزوۃ الرجیع"** ۔ **"غزوۃ بئر معونۃ"** اس کی کیا وجہ تھی؟

اشکال کا جواب

جواب یہ ہے کہ اگرچہ اصحاب سیر نے یہ اصطلاح بیان کی ہے کہ غزوہ اس کو کہتے ہیں کہ جس میں نبی کریم ﷺ بذات خود شامل ہوں اور سریہ اس کو کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بذات خود شریک نہ ہوں بلکہ صحابۂ کرام ﷺ

کو بھیجا ہو، لیکن یہ اکثری اصطلاح ہے یعنی اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہوا ہے اور غزوہ کا لفظ ایسی لڑائی پر بھی بول دیا جاتا ہے جس میں رسول کریم ﷺ خود لڑائی میں شامل نہ ہوں لیکن اس لڑائی کی اہمیت اور اس کی عظیم الشان ہونے پر دلالت کرنے کے لئے اس کو غزوہ کہہ دیا جاتا ہے جیسے غزوۂ موتہ۔

غزوہ موتہ وہ غزوہ تھا جس میں رسول اکرم ﷺ خود تشریف نہیں لے گئے تھے، حضرت جعفر طیار ﷺ، حضرت زید بن حارثہ ﷺ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ﷺ کو امیر بنایا اور پھر آخر میں حضرت خالد بن ولید ﷺ کو لوگوں نے امیر بنالیا تھا لیکن اس کے باوجود اس کو غزوۂ موتہ کہا جاتا ہے۔

تو اس واسطے یہاں رجیع اور بیر معونہ پر غزوہ کا اطلاق اس معنی میں ہوا ہے۔

ترجمۃ الباب پر اشکال

دوسرا اشکال اس ترجمۃ الباب پر یہ ہے کہ یہاں یوں کہا" **باب غزوۃ رجیع ورعل وذکوان وبئر معونۃ، وحدیث عضل والقارۃ**" اس کی ظاہری ترتیب سے یوں لگتا ہے کہ غزوۂ رجیع کا تعلق رعل اور ذکوان سے ہے اور بیئر معونہ کا تعلق عضل اور قارہ سے ہے۔

حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے غزوۂ رجیع میں جو لڑائی ہوئی وہ عضل اور قارہ سے ہوئی تھی اور بئر معونہ میں جو لڑائی ہوئی وہ رعل اور ذکوان سے تھی، تو ترتیب میں اس کے برعکس لگتا ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اصل میں ترجمۃ الباب کا صحیح تجزیہ یوں ہے "**باب غزوۃ الرجیع**" پر وقفہ ہے "**ورعل وذکوان وبئر معونۃ**" رعل اور زکوان کو بیر معونہ کے ساتھ ملا کر پڑھیں گے، پھر بیر معونہ پر وقف، پھر "**وحدیث عضل وقارہ وعاصم بن ثابت، وخبیب وأصحابه**" اور عضل، قارہ، عاصم بن ثابت اور خبیب یہ سب ایک ساتھ ہے اور ان کا تعلق غزوۂ رجیع سے ہے۔

اس طرح ترجمۃ الباب کے اس تجزیہ سے یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے۔ [۲]

---

[۲] واعلم ان غزوة الرجيع، كانت سرية عاصم وخبيب في عشرة أنفس وهي مع عضل، والقارة، وبئر معونة كانت سرية القراء السبعين، وهي مع رعل وذكوان، واعلم أيضاً أنه لم يقع ذكر عضل والقارة عند البخاري صريحاً، وانما وقع ذلك عند ابن اسحاق. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۳۸

یہاں تک بات ہوئی ترجمۃ الباب کے متعلق اس پر ہونے والے اشکالات اور ان کے جوابات اور ان غزوات کے زمانہ وقوع کے متعلق اقوال وغیرہ۔

اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ پھر محمد ابن اسحاق کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال ابن إسحاق: حدثنا عاصم بن عمر أنها بعد أحد.

ترجمہ: ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ہم سے عاصم بن عمرو نے بیان کیا کہ (غزوہ رجیع) اُحد کے بعد ہوا۔

اب اس کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد احادیث روایت کی ہیں ان میں سے صرف پہلی حدیث غزوۂ رجیع سے متعلق ہے اور باقی ساری حدیثیں بئر معونہ سے متعلق ہیں۔

غزوہ رجیع کے واقعات کی تفصیل میں پہلے بیان کر چکا ہوں اور یہ پہلی حدیث پوری گذر چکی ہے، لہٰذا نہ اس غزوۂ رجیع کے واقعات کو بیان کرنے کی دوبارہ حاجت ہے اور نہ اس حدیث کا تشریح دوبارہ کرنے کی حاجت ہے، لہٰذا صرف اس کی عبارت ملاحظہ تو تطبیق وترتیب واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ۔

۴۰۸۶ ـ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف، عن معمر، عن الزهري، عن عمرو بن أبي سفيان الثقفي، عن أبي هريرة ﷺ قال: بعث النبي ﷺ سرية عينا وأمر عليهم عاصم بن ثابت، وهو جد عاصم بن عمر بن الخطاب. فانطلقوا حتى إذا كان بين عسفان ومكة ذكروا لحي من هذيل يقال لهم: بنو لحيان فتبعوهم بقريب من مائة رام فاقتصوا آثارهم حتى أتوا منزلا نزلوه فوجدوا فيه نوى تمر تزودوه من المدينة فقالوا: هذا تمر يثرب، فتبعوا آثارهم حتى لحقوهم فلما انتهى عاصم وأصحابه لجؤا إلى فدفد وجاء القوم فأحاطوا بهم فقالوا: لكم العهد والميثاق إن نزلتم إلينا أن لا نقتل منكم رجلا، فقال عاصم: أما أنا فلا أنزل في ذمة كافر، اللّٰهم أخبر عنا نبيك، فقاتلوهم حتى قتلوا عاصما في سبعة نفر بالنبل. وبقي خبيب وزيد ورجل آخر فأعطوهم العهد والميثاق، فلما أعطوهم العهد والميثاق نزلوا إليهم فلما استمكنوا منهم حلوا أوتار قسيهم فربطوهم بها، فقال الرجل الثالث الذي معهما: هذا أول الغدر فأبى أن يصحبهم فجرروه وعالجوه على أن يصحبهم فلم يفعل فقتلوه، وانطلقوا بخبيب وزيد حتى باعوهما بمكة فاشترى خبيبا بنو الحارث بن عامر بن نوفل، وكان خبيب هو قتل الحارث بن عامر يوم بدر فمكث عندهم أسيرا حتى إذا أجمعوا قتله استعار موسى من بعض بنات الحارث ليستحد بها فأعارته، قالت: فغفلت عن صبي لي فدرج إليه حتى أتاه فوضعه على فخذه فلما رأيته فزعت فزعة عرف ذاك مني وفي يده الموسى. فقال: أتخشين أن أقتله؟

ما کنت لأفعل ذلک إن شاء الله تعالى. وكانت تقول: ما رأيت أسيرا قط خيراً من خبيب، لقد رأيته يأكل من قطف عنب، وما بمكة يومئذ ثمرة، وإنه لموثق في الحديد، وما كان إلا رزق رزقه الله. فخرجوا به من الحرم ليقتلوه، فقال: دعوني أصل ركعتين، ثم انصرف إليهم فقال: لو لا أن تروا أن ما بي جزع من الموت لزدت. فكان أول من سن الركعتين عند القتل هو، ثم قال: اللّهم أحصهم عددا ثم قال:

ما إن أبالي حين أقتل مسلما على أي شق كان لله مصرعي

وذلک في ذات الإله وإن يشاء يبارک على أوصال شلو ممزع

ثم قام إليه عقبة بن الحارث فقتله. وبعثت قريش إلى عاصم ليؤتوا بشيء من جسده يعرفونه، وكان عاصم قتل عظيما من عظمائهم يوم بدر فبعث الله عليه مثل الظلة من الدبر فحمته من رسلهم فلم يقدروا منه على شيء. [راجع: ۳۰۴۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک جماعت جاسوسی کی غرض سے قریش کی خبر لانے کو بھیجی، اور اس کا امیر عاصم بن ثابت انصاری ؓ کو بنایا جو کہ عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا تھے، یہ لوگ چل کر جب مکہ اور عسفان کے درمیان پہنچے، تو حذیل قبیلہ کے خاندان بنی لحیان کو ان کی خبر ہوگئی تو انہوں نے ایک سو تیر اندازوں کو ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا، اور یہ لوگ تلاش کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں یہ مقیم تھے اور وہاں انہوں نے مدینہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ہوئی دیکھیں اور پھر وہاں سے ان کے پیروں کے نشانات پر چلتے ہوئے مسلمانوں کو پکڑ لیا، مسلمان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک ٹیلہ پر چڑھ گئے، کافروں نے گھیر لیا اور کہنے لگے کہ ہم عہد کرتے ہیں کہ اگر تم نے خود کو ہمارے حوالہ کر دیا تو ہم کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے، عاصم ؓ نے کہا کہ میں کافروں کے وعدہ پر بھروسہ نہیں کرتا ہرگز نیچے نہیں اتروں گا، اے اللہ! اپنے پیغمبر کو ہمارے حال کی خبر کر دے، اور کافروں نے حملہ کر دیا اور تیر برسانے لگے، یہاں تک کے حضرت عاصم ؓ اپنے سات ہمراہیوں کے ساتھ شہید ہو گئے، صرف خبیب، زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک دوسرے مسلمان بچ رہے، کافروں نے ان کو امان کا یقین دلایا اور یہ ان کے پاس اتر آئے، کافروں نے ان پر قابو پالیا اور کمان کی تانت سے ان کی مشکیں باندھ لیں، تیسرے مسلمان نے کہا یہ ان کی پہلی عہد شکنی ہے اور اس نے جانے سے انکار کر دیا، کافروں نے کھینچ کر لے جانے کی کوشش کی، اور جب پریشان ہو گئے تو اس کو قتل کر دیا، اور خبیب ؓ اور زید ؓ کو ساتھ لے گئے، اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا، خبیب ؓ کو حارث بن عامر بن نوفل کے بیٹوں نے خریدا، کیونکہ خبیب ؓ نے بدر میں حارث کو قتل کیا تھا۔

حضرت خبیب ؓ عرصہ تک ان کے پاس مقید رہے یہاں تک کہ انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا،

ایک دن اسی درمیان میں خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کی بیٹی سے صفائی کے لئے استرا مانگا، وہ کہتی ہے کہ میرا خیال کسی اور طرف ہو گیا کہ اتنے میں میرا بچہ خبیب کے پاس چلا گیا، خبیب نے محبت سے اسے اپنی ران پر بٹھالیا، میں نے جب یہ حالت دیکھی تو گھبرا گئی خبیب نے میری گھبراہٹ پہچان لی، استرا اس کے ہاتھ میں تھا وہ کہنے لگے کیا خوف کرتی ہے یہ کہ میں بچہ کو مار ڈالوں گا؟ خدا نے چاہا تو ایسا کام مجھ سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ زینب کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب سے زیادہ کسی قیدی کو نیک نہیں دیکھا میں نے خود دیکھا ہے کہ انگوروں کا خوشہ ہاتھ میں لئے کھا رہے تھے، حالاں کہ اس وقت مکہ میں میوہ نہیں تھا، اور وہ لوہے میں جکڑے ہوئے تھے، یہ خدا کا رزق تھا جو اس نے خبیب کو عنایت فرمایا تھا۔

جب کافر خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے حدود حرم سے باہر لے گئے، تو حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں دو رکعت نماز ادا کرلوں، اجازت مل گئی نماز سے فارغ ہو کر خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر یہ خیال نہ کرتے کہ میں مرنے سے ڈرتا ہوں تو اور نماز پڑھتا، غرض قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کا طریقہ خبیب رضی اللہ عنہ نے قائم کیا، پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کافروں کے لئے اس طرح دعا کی کہ اے اللہ! ان سب کو چن چن کر تباہ کردے کوئی باقی نہ رہے، پھر یہ اشعار پڑھے:

جب میں مسلمان مر رہا ہوں تو کوئی فکر نہیں ہے کسی بھی کروٹ پر مروں میں خدا کی راہ میں مر رہا ہوں
بدن اگرچہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو اس کے جوڑوں پر برکت ہوگی

اس کے بعد عقبہ بن حارث نے کھڑے ہو کر خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا اور دوسری طرف یہ ہوا کہ قریش نے لوگوں کو بھیجا کہ عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ کی لاش کا ایک ٹکڑا کاٹ کر لاؤ تاکہ ہم پہچان سکیں، کیونکہ عاصم رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن قریش کے ایک بڑے آدمی عقبہ بن ابی معیط کو قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پر بھڑوں کی فوج نازل کردی، جس نے عاصم رضی اللہ عنہ کو بچالیا اور قریشی لوگ لاش کے قریب بھی نہ آسکے۔

غزوۂ بئر معونہ

یہاں سے جو احادیث شروع ہو رہی ہیں وہ غزوۂ بئر معونہ سے متعلق ہیں۔

غزوۂ بئر معونہ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ بنو عامر نامی ایک قبیلہ تھا، اس کا ایک شخص عامر بن مالک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ ہدیہ لے کر حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے نہ تو فوری طور پر اسلام قبول کیا اور نہ رد کیا بلکہ یہ کہا کہ آپ ایسا کریں کہ کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو میرے ساتھ میرے قبیلہ میں بھیج دیجئے، تاکہ وہ وہاں اسلام کی دعوت دیں اور مجھے امید ہے کہ اگر اسلام کی دعوت دیں گے تو میرے

قبیلہ کے لوگ سنجیدگی سے ساتھ غور کریں گے اور مسلمان ہونے کی توقع ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس کا ہدیہ تو قبول نہیں فرمایا لیکن اس کی یہ دعوت قبول کرنے کا ارادہ کیا کہ میں صحابہ کی جماعت بھیج دوں گا لیکن ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میرے صحابہ کو اپنے علاقہ میں لیجانے کی بات کررہے ہو لیکن مجھے اہل نجد سے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں میرے صحابہ کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ عامر بن مالک نے کہا کہ میں ان کو امان دیتا ہوں۔

جاہلیت کے زمانہ میں باوجود یہ کہ قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوتے تھے لیکن کوئی شخص یہ کہہ دیتا کہ میں نے فلاں کو امان دے دی تو عام طور سے کتنا ہی برے سے برا آدمی ہو وہ اپنے اس عہد کا پاس رکھتا تھا، بلکہ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ ایسے شخص نے اپنی جان دے دی اور جس کو امان دے دی تھی اس کو تکلیف نہ پہنچنے دی۔

اس واقعہ میں بھی باوجود یہ کہ اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا لیکن امان دے دی تھی، تو رسول کریم ﷺ نے اس کی اس یقین دہانی پر کچھ صحابۂ کرام ﷺ کو روانہ کردیا اور ان صحابۂ کرام ﷺ کو روانہ کیا جو اس وقت قرآن کریم کے بڑے عالم تھے، اس لئے ان کو قراء کہا جاتا تھا، علوم قرآن کریم ان لوگوں کے پاس دوسرے لوگوں سے زیادہ تھا۔

ان صحابہ کرام ﷺ کی تعداد بعض روایتوں میں چالیس آتی ہے اور بعض روایتوں میں ستر آتی ہے۔

ایک واقعہ تو یہ ہے۔

دوسرا واقعہ

دوسری طرف خود امام بخاری رحمہ اللہ نے **"کتاب الجهاد"** میں یہ روایت نقل کی ہے کہ بنو رعل اور بنو ذکوان قبیلے کے لوگ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر آنحضرت ﷺ سے مدد طلب کی یعنی ایک طرف اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا اور دوسری طرف مدد بھی طلب کی کہ ہمارے دشمن ہمیں نقصان پہنچاتے ہیں، لہٰذا آپ کچھ لوگوں کو ہماری مدد کے لئے بھیج دیجئے، تو آنحضرت ﷺ نے ستر صحابۂ کرام ﷺ کو ان کی فرمائش پر روانہ فرمادیا۔

دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے کہ دونوں واقعات پیش آئے ہیں۔

ایک طرف عامر بن مالک آیا اور اس نے آکر درخواست کی، آپ ﷺ نے اس کو منظور فرمایا۔

دوسری طرف بنو رعل اور بنو ذکوان کے لوگ آئے تو ان کی درخواست کو بھی منظور فرمایا تو دونوں کی

فرمائشوں کی تعمیل میں آپ ﷺ نے ستر صحابۂ کرام ؓ کو روانہ کر دیا۔

منذر بن عمرو ؓ کی امارت میں روانگی

ستر صحابہ کرام ؓ میں اگر چہ حضرت منذر بن عمرو ؓ کو امیر بنایا لیکن اسی لشکر میں حضرت انس ؓ کے ماموں حضرت حرام بن ملحان ؓ تھے، جن کو بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کی طرف دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا تھا، عامر بن طفیل یہ عامر بن مالک کا چچا تھا، یہ خط حضرت حرام بن ملحان ؓ کے حوالہ فرمایا تھا کہ تم جا کر اس کو دے دینا۔ یہ سب حضرات صحابہ کرام ؓ اکٹھے روانہ ہوئے یہاں تک کہ عسفان اور مکہ کے درمیان ایک جگہ بئر معونہ کہلاتی ہے وہاں جا کر ان حضرات نے پڑاؤ ڈالا۔

اب دونوں روایتوں یا ساری روایتوں کو یکجا کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستر صحابہ کرام ؓ بھیجے گئے تھے لیکن ایک طرف عامر بن مالک کی درخواست تھی، ایک طرف بنو رعل اور بنو ذکوان کی درخواست تھی۔

اگر چہ روایات میں صراحت نہیں ہے لیکن تمام روایتوں کو جمع کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بیر معونہ پہ پڑاؤ ڈالنے کے بعد ارادہ یہ تھا کہ کچھ لوگ بنو عامر کے پاس جائیں گے تا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں اور کچھ لوگ بنو رعل اور بنو ذکوان کے پاس جائیں گے تا کہ ان کی فرمائش پوری کریں یعنی وہاں سے لشکر جدا ہونے والا تھا۔

اب اس لشکر کے جدا ہونے سے پہلے حرام بن ملحان ؓ جن کو آپ ﷺ نے بنو عامر کے سردار عامر بن طفیل کے نام خط دیا تھا ان کو تھوڑا سا یہ اندیشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کچھ غداری ہو، اس واسطے انہوں نے یہ کہا کہ میں پہلے جاتا ہوں اور جا کر خط پیش کرتا ہوں پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

تو اپنے ساتھ دو آدمی لے کر بئر معونہ سے روانہ ہوئے اور اپنے جو دو آدمی تھے ان کو بھی بنو عامر کی بستی آنے سے کچھ پہلے کہا کہ آپ لوگ ذرا یہاں رک جاؤ، میں جا کر خط پیش کروں گا اگر اس نے دعوت قبول کر لی تو ٹھیک ہے اور اگر اس نے کوئی غداری کا معاملہ کیا تو پھر تم ایسا کرنا کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس جانا اور پھر وہاں سے واپس چلے جانا۔

حرام بن ملحان ؓ کی شہادت

اب یہ حرام بن ملحان ؓ روانہ ہوئے اور بنو عامر میں پہنچے اور عامر بن طفیل کو خط پیش کیا، عامر بن طفیل نے بظاہر خط لے لیا اور پڑھنا شروع کیا اور ساتھ ہی اس نے اپنے کسی آدمی کو اشارہ کر دیا کہ وہ حرام بن

ملحان پر حملہ کردے، حضرت حرام بن ملحان ﷜ پیٹھ موڑے ہوئے بے خبر کھڑے تھے کہ پیچھے سے ایک آدمی نے آکر نیزہ سے وار کیا تو نیزے کا وار ہونے کی وجہ سے خون کا فوارہ نکلا۔ ایک دم سے خون دیکھا اور جب خون دیکھا تو خون دیکھتے ہی اس خون کے کچھ حصہ کو اپنے چہرے سے ملتے ہی کہا "فزت ورب الکعبۃ" رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

مطلب یہ ہے کہ اتنی جلدی شہید ہونے کی توقع نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے اتنی جلدی شہادت کا مرتبہ عطا فرمایا اور اسی میں وہ شہید ہو گئے۔ جب وہ شہید ہو گئے تو عامر بن طفیل نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو ابھارا کہ ان کے جو باقی ساتھی ہیں ان کے اوپر جا کے حملہ کرو، ان کو بھی شہید کرو۔

بنو عامر کے انکار پر بنو رعل اور ذکوان کا حملہ

عامر بن مالک جو حضور اکرم ﷺ کے پاس آیا تھا اس نے کہا کہ میں ہرگز اس کی اجازت نہیں دوں گا اور میں نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے ان سب حضرات کو پناہ دی ہے، لہٰذا میں غداری کا ارتکاب نہیں کروں گا اور نہ اس کی اجازت دوں گا۔ عامر بن طفیل نے اس کی بات ٹھکرا کر اپنے قبیلے کے دوسرے لوگوں سے کہا کہ تم میرے ساتھ چلو اور ان لوگوں کو جا کر قتل کریں تو بنو عامر کے لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جائیں گے جب ہمارے ایک آدمی نے ان کو امان دے دی ہے تو ہم کسی بھی صورت میں ان سے لڑائی کر کے غداری کا معاملہ نہیں کریں گے۔

جب عامر بن طفیل ان سے مایوس ہو گیا تو اس نے بنو رعل اور بنو ذکوان سے رابطہ کیا اور ان سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ چلو اور جا کر ان لوگوں کو شہید کریں، چنانچہ بنو رعل اور بنو ذکوان کے لوگ اس کی اس بات کو ماننے پر آمادہ ہو گئے اور جا کر انہوں نے بیر معونہ کے مقام پر جہاں صحابۂ کرام ﷜ مقیم تھے وہاں حملہ کر دیا۔

جتنے صحابۂ کرام ﷜ وہاں تھے ان غداروں کے ہاتھوں سب شہید ہوئے، صرف تین صحابہ ﷜ تھے جو بچے اور یہ تینوں اس وقت اس لشکر میں نہیں تھے بلکہ جنگل میں گئے ہوئے تھے، کوئی کہتا ہے کہ لکڑیاں کاٹنے اور مویشی چرانے کو گئے تھے اور کوئی کہتا ہے کہ شکار کیلئے گئے تھے۔

یہ تینوں حضرات جب واپس لشکر کی طرف آرہے تھے تو انہوں نے آسمان پر پرندوں کا غول دیکھا، جو عام طور پر لاشوں کے اوپر آیا کرتے تھے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ بہت سارے لوگ مر گئے ہیں، جب پرندوں کا غول دیکھا تو ان حضرات کا ماتھا ٹھنکا۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوئی غیر معمولی حادثہ معلوم ہوتا ہے تو تیزی سے روانہ ہو کر آئے تو دیکھا کہ جتنے ساتھی تھے وہ سب بئر معونہ پر شہید پڑے ہوئے ہیں۔

ان حضرات کے لئے یہ بڑا ہی غیر متوقع اور ناگہانی حادثہ تھا، تو ان میں سے ایک نے یعنی حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ کو جا کر یہ صورتحال بتائیں، تو ان کے ایک ساتھی منذر رضی اللہ عنہ تھے، ان کا نام بھی منذر تھا اور اس جماعت کے سردار کا نام بھی منذر تھا، تو انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے ان ساتھیوں کو چھوڑ کر جانا گوارا نہیں کرتا، جب میرے سردار منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں تو میں جی کر کیا کروں گا، لہٰذا شہادت کا مرتبہ ان لوگوں نے حاصل کیا تو میں بھی شہادت کا مرتبہ کیوں نہ حاصل کروں، یہ کہہ کر وہ کفار سے لڑنے کے لئے آگے بڑھے، لڑے اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

ایک صاحب کعب رضی اللہ عنہ واپس آئے اور تیسرے عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ان کو عامر بن طفیل نے پکڑ لیا اور گرفتار کرنے کے نتیجے میں غلام بنا لینے کا دستور تھا تو غلام بنایا، سر مونڈھا پھر اس کی ماں نے نذر مانی ہوئی تھی کہ ایک غلام آزاد کروں گی تو اس نذر کو پورا کرنے کیلئے اس غلام کو آزاد کر دیا، اس طرح وہ بھی زندہ بچ گئے۔

عامر بن طفیل کا انجام بالآخر یہ ہوا کہ وہ طاعون میں مبتلا ہو کر بری طرح مرا لیکن بہرحال یہ واقعہ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کا پیش آیا۔ رسول کریم ﷺ کو جب اطلاع ملی تو بے انتہا صدمہ ہوا اور اس کے نتیجے میں ایک مہینہ تک قنوت نازلہ پڑھی، جس میں ان قبائل کے اوپر بددعا فرمائی، یہ غزوۂ بئر معونہ کا خلاصہ ہے۔

اس کے متفرق حصے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں روایت کئے ہیں۔

۴۰۸۸ ـ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا عبدالعزيز، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: بعث النبی ﷺ سبعين رجلا لحاجة. يقال لهم: القراء، فعرض لهم حيان من بني سليم: رعل وذكوان، عند بئر يقال لها: بئر معونة. فقال القوم: والله ما اياكم أردنا، إنما نحن مجتازون في حاجة للنبي ﷺ فقتلوهم. فدعا النبي ﷺ عليهم شهرا في صلاة الغداة وذلك بدء القنوت وما كنا نقنت. قال عبدالعزيز: وسأل رجل أنسا عن القنوت، أبعد الركوع أو عند فراغ من القراءة؟ قال: لا، بل عند فراغ من القراءة. [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن کو ہم قاری کہتے تھے، کسی کام کے لئے بھیجا، بنو سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان نے بیر معونہ کے پاس ان کو گھیر لیا اور مارنے لگے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا خدا کی قسم! ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے، بلکہ ہم کو رسول اکرم ﷺ نے کسی کام کی غرض سے روانہ کیا ہے، مگر کفار نے کوئی دھیان نہیں دیا، اور سب کو شہید کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں بددعا فرمائی، یہاں سے قنوت کی ابتدا ہوتی ہے، اس سے قبل ہم قنوت نہیں پڑھتے تھے، عبدالعزیز (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد، آپ نے جواب دیا قرأت سے فارغ ہو کر رکوع سے پہلے۔

تشریح

پہلی روایت حضرت انس ﷜ کی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کسی کام کیلئے ستر افراد بھیجے تھے۔
یہاں تفصیل بیان نہیں ہوئی جو واقعہ میں نے تفصیل سے بیان کیا ہے وہ محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق ہے، جو سیرت محمد بن اسحاق اور سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے اور علامہ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں بھی وہی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ [۶]
ایک کنواں جس کا نام بئر معونہ تھا، اس کے پاس ان صحابۂ کرام ﷺ کی جماعت کے سامنے بنو سلیم کے دو قبیلے جن کے نام رعل اور ذکوان تھے، لڑائی کی نیت سے آ گئے، تو ان مسلمانوں نے کہا کہ اللہ کی قسم ہمارا ارادہ آپ سے لڑنے کا نہیں ہے، ہم تو نبی کریم ﷺ کا ایک کام کرنے کے لئے گزر رہے تھے۔

ایک شبہ

اب یہاں پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ یہ تو روانہ ہی بنو رعل اور بنو ذکوان کی فرمائش پر ہوئے تھے، تا کہ ان کے پاس جا کر ان کی مدد کریں جیسا کہ صحیح بخاری - کتاب الجہاد کی روایت میں ہے تو پھر یہ کیسے کہہ دیا کہ ہم تو کہیں اور جا رہے ہیں؟

توجیہ

اس کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کے کہنے والے وہ لوگ ہیں جو بنو عامر کی طرف بھیجے گئے تھے، انہوں نے کہا کہ بھئی! ہم تو آپ سے ملنے نہیں آئے ہیں ہم تو کسی اور کام سے جا رہے ہیں یا اگر وہ حضرات ہیں جو رعل اور ذکوان کی طرف بھیجے گئے تھے تو بات یہ ہے کہ بئر معونہ تو رعل اور ذکوان کی براہ راست جگہ تھی نہیں۔
رعل اور ذکوان کی بستیاں تو یہاں سے دور تھی اور یہ لوگ ہوسکتا ہے کہ جو حملہ آور ہیں ان کو پہچان نہ سکے ہوں کہ یہ رعل اور ذکوان کے لوگ ہیں جن کی طرف ہم بھیجے گئے ہیں۔
کیونکہ رعل اور ذکوان کے جو لوگ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے ہوں وہ کچھ اور ہوں، اس واسطے

---

[۶] سیرۃ ابن ہشام: ذکر یوم الرجیع فی سنۃ ثلاث وحدیث بئر معونۃ فی صفر سنۃ اربع، ج: ۲، ص: ۱۸۳ ۔ ۱۶۹ و فی عیون الأثر: بعث الرجیع وقصۃ بئر معونۃ، ج: ۲، ص: ۶۴ ۔ ۵۸

انہوں نے کہا کہ ہم تو کہیں اور جارہے ہیں تمہارے سے لڑنا ہمارا مقصد نہیں ہے واللہ اعلم، لیکن حملہ آوروں نے ان کو قتل کردیا۔

قنوتِ نازلہ کی ابتدا

نبی کریم ﷺ نے ان پر ایک مہینہ تک صبح کی نماز میں بددعا فرمائی، **"وذلک بدء القنوت"** اور یہ قنوت فجر یعنی قنوت نازلہ کی ابتدا تھی **"وما کنا نقنت"** اس سے پہلے ہم قنوت نہیں پڑھا کرتے تھے۔

یہاں بیر معونہ والی بات ختم ہوگئی۔

آگے عبدالعزیز بن سہیل رحمہ اللہ جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں وہ اضافہ کرتے ہیں، اس بات کا تعلق سابق روایت سے نہیں ہے۔

ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع سے پہلے ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا **"لا، بل عند فراغ من القراءة"** رکوع کے بعد نہیں ہے بلکہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔

یہاں ماقبل والی روایت کے ساتھ اس روایت کو متصلاً ذکر کرنے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی قنوت کا ذکر کررہے ہیں جو قنوت نازلہ آپ ﷺ نے بئر معونہ کے شہداء کے سلسلہ میں پڑھی تھی اور اس سے شبہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ یہ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے ہے حالانکہ قنوت نازلہ رکوع کے بعد ہوتا ہے رکوع سے پہلے نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہاں عبدالعزیز بن سہیل نے اس روایت کو صرف ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ذکر کردیا ہے۔ سوال کرنے والے کا سوال قنوت نازلہ کے بارے میں نہیں تھا بلکہ قنوت وتر کے بارے میں تھا کہ وتر کا قنوت رکوع کے بعد ہے یا رکوع سے پہلے ہے؟

تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کا حکم بیان کیا کہ قنوت وتر رکوع کے بعد نہیں بلکہ رکوع سے پہلے قرأت کے بعد ہے۔ تو انہوں نے قنوت وتر کا حکم بیان کیا نہ کہ قنوت نازلہ کا۔

دلیل اس کی یہ ہے کہ آگے خود روایت آرہی ہے باب کے بالکل آخر میں دیکھئے۔

۴۰۸۹ ۔ حدثنا مسلم: حدثنا هشام: حدثنا قتادة، عن أنس قال: قنت رسول الله ﷺ شهرا بعد الركوع يدعو على أحياء من العرب. [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: قتادہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک

ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھی اور آپ ﷺ نے عرب کے چند قبیلوں کے لئے بددعاء فرماتے تھے۔

۴۰۹۰ ۔ حدثني عبد الأعلى بن حماد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس بن مالك ﷺ: أن رعلا وذكوان وعصية وبني لحيان استمدوا رسول الله ﷺ على عدو فأمدهم بسبعين من الأنصار كنا نسميهم القراء في زمانهم، كانوا يحتطبون بالنهار، ويصلون بالليل، حتى كانوا ببئر معونة قتلوهم وغدروا بهم. فبلغ النبي ﷺ ذلك فقنت شهرا يدعوا في الصبح على أحياء من أحياء العرب، على رعل وذكوان وعصية وبني لحيان. قال أنس: فقرأنا فيهم قرآنا ثم إن ذلك رفع :بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا.

وعن قتادة، عن أنس بن مالك حدثه أن نبي الله ﷺ قنت شهرا في صلاة الصبح يدعو على أحياء من أحياء العرب، على رعل وذكوان وعصية وبني لحيان.

زاد خليفة: حدثنا ابن زريع، حدثنا سعيد، عن قتادة: حدثنا أنس: أن أولئك السبعين من الأنصار قتلوا ببئر معونة. قرآنا: كتابا، نحوه [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ﷺ کہتے ہیں کہ رعل و ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان نے رسول اکرم ﷺ سے اپنے دشمنوں کے مقابل میں مدد چاہی، آپ ﷺ نے ستر اصحاب ﷺ کو انصار سے ان کی مدد کے لئے روانہ کیا، ہم ان کو قاری کہا کرتے تھے، یہ لوگ دن کو لکڑیاں لاتے اور رات کو عبادت کیا کرتے تھے، یہ حضرات جب بیر معونہ پہنچے تو قبیلے کے آدمیوں نے ان کو دھوکے سے مار ڈالا، رسول اکرم ﷺ کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں ان قبیلے والوں کے لئے بددعا فرمائی یعنی رعل، ذکوان، عصیہ اور بنی لحیان پر۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نے تو ان کے صدمہ میں کئی آیتیں پڑھیں، پھر ان کی تلاوت موقوف ہوگئی، وہ آیات یہ تھیں "**بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا**" ہم اپنے پروردگار سے مل گئے اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے صبح کی نماز میں ایک مہینہ تک قنوت پڑھی، آپ ﷺ عرب کے چند قبیلوں پر بددعا فرماتے تھے یعنی بنو رعل، بنو ذکوان، بنو عصیہ اور بنی لحیان پر۔

خلیفہ (بن خیاط شیخ بخاریؒ) نے اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ہم سے ابن زریع نے ان سے سعید بن ابی عروہ نے انہوں نے قتادہ سے سنا کہ حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ یہ ستر قاری بیر معونہ پر شہید کئے گئے، یہ سب انصاری تھے، اس حدیث میں **قرآناً** سے **کتاباً** مراد ہے یعنی اللہ کی کتاب۔

بنولحیان کو ساتھ ذکر کرنے کا منشاء

حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ رعل، ذکوان اور عصیہ اور بنولحیان نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دشمن کے خلاف مدد طلب کی۔

اس میں رعل، ذکوان اور عصیہ ان تینوں کا ذکر تو صحیح ہے کہ یہ بئر معونہ سے تعلق رکھتے تھے لیکن بنولحیان کا جو یہاں پر ذکر آ گیا ہے یہ راوی کا وہم ہے کیونکہ بنولحیان کا کوئی تعلق بئر معونہ سے نہیں ہے بلکہ ان کا تعلق غزوۂ رجیع سے ہے، جس کا واقعہ پہلے حدیث میں گذر گیا ہے، لہٰذا کسی راوی سے وہم ہوا کہ اس نے یہاں پر **"بنی لحیان"** کا لفظ بڑھا دیا۔

بظاہر اس وہم کا منشأ یہ ہے کہ اسی روایت میں آگے آ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب قنوت نازلہ پڑھا تو اس میں جن لوگوں پر لعنت فرمائی یا بددعا فرمائی ان میں رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان ان چاروں پر فرمائی، اور وہاں بنی لحیان کا ذکر صحیح ہے کیونکہ بددعا جب آپ ﷺ نے فرمائی تو چاروں پر ایک ساتھ فرمائی، لیکن اس وجہ سے نہیں کہ بنولحیان غزوہ معونہ میں حصہ دار تھے بلکہ اس وجہ سے کہ انہوں نے غزوہ رجیع میں صحابۂ کرام ﷺ کی خون ریزی کی تھی، تو چاروں کا ذکر قنوت نازلہ کے سلسلے میں آیا تو کسی راوی کو وہم ہوا تو اس نے یہاں پر بھی بنولحیان کا لفظ بڑھا دیا۔

"استمدوا رسول اللہ علی عدو الخ" انہوں نے اپنے دشمن مقابل مدد طلب کی تو آپ ﷺ نے ان کو ستر انصاری صحابہ کی مدد بھیجی۔

شہداء بئر معونہ کے صفات وکمالات

"کنا نسمیھم القراء فی زمانھم الخ" حضرت انس ﷺ اس جماعت صحابہ کے متعلق بتا رہے ہیں کہ ان کو اس زمانے میں قراء کہا کرتے تھے، یہ حضرات مقدس ایسے تھے کہ دن میں لکڑیاں چنتے اور رات کو نمازیں پڑھتے تھے، ان کی عام عادت بیان کی ہے کہ دن میں رزق حلال حاصل کرنے کی جستجو کرتے اور رات میں فکرِ آخرت کرتے، یہاں تک وہ بئر معونہ پر پہنچے، تو ان قبیلوں والوں نے غداری کر کے ان کو قتل کر دیا۔

"قال انس" حضرت انس ﷺ یہ واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں، ہم نے ان کے بارے میں قرآن کی کچھ آیتیں پڑھیں، معنی یہ ہے کہ قرآن کی ایک آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو ہم کچھ دن تک پڑھتے رہے اور بعد میں منسوخ ہو گئی، منسوخ التلاوۃ ہو گئی۔

"بلغوا عنا قومنا أنا قد لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا " یعنی یہ بئر معونہ کے شہداء کہہ رہے ہیں کہ ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام دیدو کہ ہم اپنے پروردگار سے جا ملے تو وہ ہم سے خوش ہوگیا اور ہم بھی خوش ہوگئے ۔ یہ بطور ایک آیت کے یہ جملہ نازل ہوا تھا اور اس کو بطور قرآن کچھ دن تک ہم پڑھتے رہے، بعد میں اس کی تلاوت منسوخ ہوگئی۔ [۳]

حکمت

اس کی حکمت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات شہداء بئر معونہ کا اکرام مقصود تھا کہ اس اکرام کے طور پر ایک آیت نازل کی لیکن وہ اکرام اور وہ مقصود اس کا ہمیشہ قرآن میں رکھنا نہیں تھا، ہمیشہ اس کو رکھنے کی اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ضرورت نہیں سمجھی تو کچھ عرصہ تک اس کو قرآن کا حصہ سمجھ کر تلاوت کیا گیا، بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کردی گی۔

۴۰۹۱ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا همام، عن إسحاق بن عبدالله بن أبي طلحة قال: حدثني انس أن النبي ﷺ بعث خاله أخا أم سليم في سبعين راكبا وكان رئيس المشركين عامر بن الطفيل خير بين ثلاث خصال فقال: يكون لك أهل السهل ولي أهل المدر، أو أكون خليفتك، أو أغزوك بأهل غطفان بألف وألف. فطعن عامر في بيت أم فلان فقال: غدة كغدة البكر في بيت امرأة من آل بني فلان، ائتوني بفرسي فمات على ظهر فرسه. فانطلق حرام أخو أم سليم وهو رجل أعرج، ورجل من بني فلان قال: كونا قريبا حتى آتيهم فإن آمنوني كنتم وإن قتلوني أتيتم أصحابكم . فقال: أتؤمنوني أبلغ رسالة رسول الله ﷺ؟ فجعل يحدثهم وأومؤا إلى رجل فأتاه من خلفه فطعنه ، قال همام : أحسبه حتى أنفذه بالرمح، قال: الله اكبر، فزت ورب الكعبة. فلحق الرجل فقتلوا كلهم غير الأعرج كان في رأس جبل. فأنزل الله تعالى علينا ثم كان من المنسوخ: إنا قد لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا، فدعا النبي ﷺ عليهم ثلاثين صباحا، على رعل وذكوان وبني لحيان وعصية الذين عصوا الله ورسوله ﷺ . [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی (حرام

---

[۳] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۳۶

بن ملحان ﷺ) یعنی انس ﷺ کے ماموں کو ستر سواروں کے ساتھ بنی عامر کے پاس بھیجا، وجہ یہ ہوئی کہ مشرکوں کے سردار عامر بن طفیل نے آنحضرت ﷺ کو تین باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیا تھا، اس نے کہا یا تو یہ ہونا چاہئے کہ گنوار اور دیہاتیوں پر آپ ﷺ حکومت کریں اور شہر والوں پر میں حکومت کروں، یا میں آپ ﷺ کا خلیفہ یعنی جانشین بنوں، یا پھر میں دو ہزار غطفانی لشکر سے آپ پر چڑھائی کروں، رسول اکرم ﷺ نے اس کے لئے بددعاء فرمائی اور کہا اے اللہ تو مجھے عامر کے شر سے بچانا! چنانچہ اس دعا کے بعد عامر ایک عورت ام فلاں کے گھر طاعون میں مبتلا ہو گیا اور کہنے لگا کہ فلاں خاندان کے گھر کے یہاں اونٹ کے غدود کی طرح میرے بھی غدود نکل آیا، پھر اس نے کہا میرا گھوڑا لاؤ، جب گھوڑا آیا تو وہ اس کی پیٹھ پر بیٹھتے ہی مر گیا۔ حرام بن ملحان ﷺ ایک لنگڑے آدمی کے ساتھ عامر کے پاس گئے، حرام نے ان دونوں سے کہا تم دونوں میرے قریب ہی رہنا، پہلے میں ان کے پاس جاتا ہوں، اگر کافروں نے مجھے امن دے دیا، تو تم ٹھہرے رہنا، اور اگر مار ڈالیں تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا، چنانچہ حرام نے کافروں سے جا کر کہا کیا تم مجھ کو امن دیتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث تمہارے سامنے بیان کروں، پھر حرام ﷺ حدیث بیان کرنے لگے ان لوگوں نے ایک آدمی کو اشارہ کیا، اس نے پیچھے سے آ کر حرام ﷺ کے ایک نیزہ مارا (ہمام راوی کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اسحٰق نے اس طرح کہا کہ وہ نیزہ ان کے آر پار نکل گیا) نیزہ لگتے ہی حرام ﷺ نے کہا اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا (اس کے بعد شہید ہو گئے)، پھر وہ لوگ حرام ﷺ کے ساتھیوں کے پیچھے لگے، حتیٰ کہ سب مارے گئے، صرف ایک لنگڑا باقی رہ گیا جو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جو کہ بعد میں منسوخ ہوگئی: ''ہم اپنے پروردگار سے مل گئے وہ ہم سے راضی ہم اس سے راضی''۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تیس دن تک رعل، ذکوان، بنی لحیان اور بنی عصیہ کے لئے بددعا فرمائی جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی۔

حدیث کی تشریح

حضرت انس ﷺ کی روایت ہے کہ **"ان النبی ﷺ بعث خاله اخا ام سلیم الخ"** کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے ماموں کو بھی بھیجا تھا اور درمیان میں ان کے ماموں کا تعارف کر دیا ام سلیم رضی اللہ عنہا جو حضرت انس ﷺ کی والدہ ہیں، ان کے بھائی تھے اور ان کا نام حرام بن ملحان ﷺ تھا، تو ان کو ستر سواروں کے ساتھ بھیجا تھا۔ [۵]

---

[۵] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۴۵

"وكان رئيس المشركين عامر بن طفيل الخ" یہ رئیس المشرکین عامر بن طفیل کا ذکر ہے اس نے تین باتوں کے درمیان اختیار دیا تھا، یعنی اس بدبخت نے رسول کریم ﷺ کے پاس تین باتیں بھیجی تھی کہ تین باتوں میں کوئی ایک اختیار کر لیجئے۔

"يكون لك اهل السهل" آپ کیلئے سہل، **سهل** کہتے ہیں نرم زمین کو، مراد ہے صحراء اور صحراء کے اندر آباد ہونے والی آبادی جو دیہات کی شکل میں ہوتی ہے وہ آپ ﷺ کی ہو۔

"ولی أهل المدر" ڈھیلے سے بنے ہوئے مکانات والی آبادیاں میرے لئے ہوں یعنی شہر۔

"أو أكون خليفتك" یا یہ کہ میں آپ کا خلیفہ بن جاؤں۔

"او اغزوك باهل غطفان بالف والف" میں غطفان کے قبیلہ کو لیکر آپ سے جنگ کروں، **"بالف والف"** ہزار اور ہزار کے ساتھ، یہ تاکیداً کہا کہ ہزاروں آدمی لے کر آؤں گا یا یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہزار سفید گھوڑے اور ایک ہزار بھورے گھوڑے، تو گھوڑے دو ہزار ہوئے تو آدمی بھی دو ہزار ہوں گے تو ان کو لے کر آپ سے لڑوں گا۔

عامر بن طفیل کی سینہ زوری

بدبخت نے آنحضرت ﷺ کو جو تین باتیں کہیں ان کا خلاصہ یہ نکلتا ہے:

پہلی بات یہ کہ صحراء اور دیہات پر تو آپ کی حکومت ہو اور شہروں پر میری حکومت ہو۔

دوسری بات یہ کہ اگر یہ بات نہیں مانتے تو یہ بات مان لیں کہ میں آپ کا خلیفہ بنوں، یعنی آپ کے بعد حکومت میری ہو۔

تیسری بات یہ کہ اگر یہ بھی نہ ہو تو میں قبیلہ غطفان کے لوگوں کو لے کر آپ پر حملہ کر دوں گا۔

بدبخت نے یہ تین شرائط پیش کی تھیں۔

بدبخت پہلے سڑا پھر مرا

"فطعن عامر في بيت أم فلان" اب درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر بتا رہے ہیں یعنی یہ واقعہ تو بعد میں پیش آیا کہ عامر کو ام فلان کے گھر میں طاعون ہو گیا۔ کسی عورت کا نام لیا کہ اس عورت کے گھر میں اس کو طاعون لاحق ہو گیا۔

"فقال: غدة كغدة البكر الخ" تو اس نے اس کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو ایسی گٹھلی نکل آئی جیسے کہ اونٹ

کی نکلتی ہے وہ سمجھ گیا کہ یہ طاعون کی گٹھلی ہے تو اس واسطے میری موت قریب ہے۔ تو یہ ایسا غدہ نکل آیا ہے فلاں بن فلاں عورت کے گھر میں۔

"ائتونی بفرسی فمات الخ" تو اس نے کہا میرا گھوڑا لاؤ، جب گھوڑا آیا تو وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہوتے ہی مر گیا، مطلب یہ ہے کہ اگر اس حالت میں اس گھر میں مروں گا تو بڑی ذلت کی بات ہوگی، لہٰذا میرا گھوڑا لے کر آؤ تا کہ اگر مروں تو گھوڑے پر مروں یا کہیں اور عزت کی جگہ جا کر مروں۔ تو گھوڑا منگوایا تو اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے اس کا انتقال ہو گیا۔

یہ جملہ معترضہ ہے، واقعہ کے اس سیاق میں داخل نہیں ہے، یہ واقعہ بعد میں پیش آیا۔

عبارت کی تشریح

اب اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں کہ حضرت حرام ﷺ کو نبی کریم ﷺ نے خط دے کر بھیجا تھا، **"فانطلق حرام الخ"** تو حرام بن ملحان سفر کے لئے چل پڑے، اور یہ حضرت انس بن مالک ﷺ کی والدہ محترمہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

"وھو رجل اعرج الخ" یہاں راوی سے وہم ہو گیا ہے جو الفاظ لکھے ہوئے ہیں اس کا مطلب تو یوں نکلتا ہے کہ حضرت حرام ﷺ چلے جو ام سلیم کے بھائی تھے اور وہ لنگڑے آدمی تھے، حالانکہ حضرت حرام ﷺ لنگڑے نہیں تھے۔

لہٰذا صحیح عبارت یوں ہے **"فانطلق حرام أخ أم سلیم ھو ورجل اعرج"** کہ حضرت حرام ﷺ چلے اور ایک دوسرا شخص جو کہ اعرج تھا **"ورجل بنو فلان"** اور بنو فلاں کا ایک آدمی گویا تین آدمی تھے، اور جو عبارت یہاں نظر آرہی ہے اس سے دو بنتے ہیں، حرام ﷺ لنگڑے آدمی تھے اور ان کے ساتھ فلاں قبیلہ کا ایک آدمی تھا تو دو بنے۔

حالانکہ یہ بات ثابت ہے کہ وہ کل تین آدمی تھے تو یوں تھا **"ھو ورجل اعرج ورجل من بنی فلان"** جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے فرمارہے ہیں **"قال: کونا قریبا"** کہ حضرت حرام بن ملحان ﷺ نے کہا اپنے ساتھیوں سے کہ تم دونوں قریب رہو۔

اگر وہ اعرج آدمی یہی ہوتے تو دوسرا آدمی پھر ایک ہوتا اور اس کے لئے **"کن"** کہتے، لیکن اس سے معلوم ہوا کہ دو آدمی تھے۔

"قال: کونا قریبا حتی آتیھم الخ" قریب رہو یہاں تک کہ میں ان کے پاس پہنچ جاؤں یعنی

بنوعامر کے پاس پہنچنے تک تم دونوں میرے ساتھ سفر کرو، اگر انہوں نے مجھے امن دیا پھر تو تم ہو، مطلب یہ ہے کہ پھر تم اپنی جگہ پر رہو جہاں میں بنوعامر کے علاقے میں داخل ہونے سے پہلے تم دونوں کو اپنے ساتھ جانے سے روک دوں، وہاں ٹھیک ٹھاک رہو، اور اگر مجھے قتل کر دیا تو "اتیتم اصحابکم" تو تم اپنے ساتھیوں کے پاس چلے جانا، جو بئر معونہ میں ہیں۔

"فقال: أتؤمنونی أبلغ رسالة الخ" اب یہ حرام ﷺ تنہا روانہ ہوئے اور جا کر عامر بن طفیل سے کہا کہ کیا تم مجھے امان دیتے ہو کہ میں تمہیں رسول کریم ﷺ کا خط پہنچا دوں؟ یعنی رسول اللہ ﷺ نے جو پیغام دے کر بھیجا تھا وہ سنا دوں، تو حضرت حرام ﷺ اس سے بات کرنے لگے۔

نیزہ سے خون کا رفتار و گفتار

"وأومؤا إلی رجل الخ" اس نے یعنی عامر بن طفیل نے ایک شخص کو اشارہ کیا، تو وہ پیچھے سے حرام بن ملحان ﷺ کے پاس آیا اور ان کو نیزہ مار دیا۔ "قال همام: أحسبه" ہمام کہتے ہیں کہ میرا یہ گمان ہے کہ راوی نے یہ بھی کہا تھا کہ "حتی أنفذه بالرمح" یہاں تک کہ نیزہ ان کے پار کر دیا۔

"قال: الله اکبر! فزت ورب الکعبة" اس شخص نے جب حضرت حرام ﷺ کو نیزہ مارا تو انہوں نے فرمایا: "اللہ اکبر! رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا"۔

یہ نظیریں بھی حضرات صحابہ کرام ﷺ نے پیش کیں اور دنیا میں کوئی پیش نہ کر سکا کہ خون کا فوارہ نکلے اور کہے کہ میں کامیاب ہوگیا۔

"لحق الرجل" کی تفسیر میں احتمالات

"فلحق الرجل" اب یہاں "لحق الرجل" کی تفسیر میں کئی احتمالات ہیں۔

ایک تو یہ ہے "لحق" کو معروف پڑھیں، اس صورت میں یہ ممکن ہے "لحق" کا فاعل جو "الرجل" ہے اس سے مراد حضرت حرام ﷺ کا ساتھی ہو، اور مطلب یہ ہے "فلحق ذالک الرجل بالمسلمین" یہ تو شہید ہوگئے اور جو ان کا ساتھی تھا وہ مسلمانوں سے جا ملا۔

دوسرا اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ "الرجل" سے مراد حضرت حرام ﷺ کا قاتل ہے، "فلحق الرجل" یعنی وہ شخص جس نے حضرت حرام ﷺ کو قتل کیا تھا، وہ قتل کرنے کے بعد اپنے مشرکین سے جا ملا۔

اور

بعض حضرات اس کو " لُحِقَ ۔ بالضم اللام و کسر الحاء و بنصب المجھول" پڑھتے ہیں تو"لحق الرجل" کے معنی یہ ہوئے کہ "الرجل" سے مراد خود حضرت حرام ﷺ ہیں اور "لحق" کا فاعل ان کی "اجل" موت ہے یعنی "لحق حراما أجله ،فلحق" تو"لحق الرجل" یعنی حضرت حرام کو ان کی موت/شہادت نے آلیا۔

"فقتلوا کلّهم غیر الأعرج کان فی رأس جبل الخ" کہتے ہیں کہ سوائے اعرج کے اور سب کے سب قتل ہوگئے اور جو لنگڑے صحابی تھے وہ ایک پہاڑ پر چڑھ گئے جس کی وجہ سے قتل ہونے سے بچ گئے۔

تو اب دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے جو پاؤں والے ہیں وہ سب شہید ہوگئے اور "اعـــــرج" لنگڑے کو اللہ نے بچالیا۔

"فأنزل الله تعالی علینا ثم کان من المنسوخ: إنا قد الخ" سو اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے متعلق یہ آیتِ مبارکہ نازل فرمائی جو بعد میں منسوخ کردی گئی، وہ آیت یہ ہے کہ ہم اپنے پروردگار سے مل گئے اس حال میں کہ وہ ہم سے راضی ہے اور ہم اس سے راضی ہیں یعنی ہماری خوشی اسی بات میں ہے کہ ہمارا رب ہم سے راضی ہوجائے۔

"فدعا النبی ﷺ علیهم ثلاثین صباحا، علی رعل الخ " اس واقعہ کے بعد نبی کریم ﷺ نے قبائل رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان پر جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی اور ان سے غداری کی تھی ان پر تیس دن صبح کی نماز میں بدعاء فرمائی۔

۴۰۹۲ ۔ حدثنی حبان: أخبرنا عبدالله :أخبرنا معمر:قال: حدثنی ثمامة بن عبدالله بن أنس: أنه سمع أنس بن مالک ﷺ یقول: لما طعن حرام بن ملحان ۔ وکان خاله ۔ یوم بئر معونة قال بالدم هکذا فنضحه علی وجهه ورأسه، ثم قال: فزت ورب الکعبة.
[راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حرام بن ملحان ﷺ جو کہ میرے ماموں تھے، بئر معونہ کے واقعہ کے دن نیزہ سے شہید کئے گئے، تو انہوں نے اپنا خون اپنے ہاتھ سے اپنے چہرہ پر مل لیا اور کہا رب کعبہ کی قسم! میں اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

"قال بدم هکذا الخ" یہاں معنی "فعل" کے ہیں کہ جو خون نکلا تھا اس کو لے کر اپنے چہرے پر ملا۔

۴۰۹۳ ۔ حدثنا عبید بن إسماعیل: حدثنا أبو أسامة،عن هشام،عن أبیه،عن عائشة رضی الله عنها قالت: استأذن النبی ﷺ أبو بکر فی الخروج حین اشتد علیه الأذی. فقال له: ((أقم))، فقال: یا رسول الله، أتطمع أن یؤذن لک؟ فکان رسول الله ﷺ یقول: ((إ

لی لأرجو ذلک))، قالت: فانتظره أبو بکر ،فأتاه رسول الله ﷺ ذات یوم ظهرا فناداه فقال: ((أخرج من عندک))، فقال أبو بکر :إنما هما ابنتای،فقال: ((أشعرت أنه قد أذن لی فی الخروج؟)) فقال: یا رسول الله ﷺ الصحبة، فقال النبی ﷺ:((الصحبة)).قال: یارسول الله،عندی ناقتان، قد کنت أعددتهما للخروج، فأعطی النبی ﷺ إحداهما وهی الجدعاء فرکبا فانطلقا حتی أتیا الغار وهو بثور فتواریا فیه ،فکان عامر بن فهیرة غلاما لعبد الله بن الطفیل بن سخبرة أخو عائشة لأمها، وکانت لأبی بکر منحة، فکان یروح بها ویغدو علیهم ویصبح فیدلج إلیهما ثم یسرح فلا یفطن به أحد من الرعاء. فلما خرج خرج معهما یعقبانه حتی قدما المدینة فقتل عامر ابن فهیرة یوم بئر معونة. وعن أبی أسامة قال: قال لی هشام بن عروة :فأخبرنی أبی قال: لماقتل الذین ببئر معونة وأسر عمرو بن أمیة الضمری قال له عامر بن الطفیل : من هذا ؟ فأشار إلی قتیل ،فقال له عمرو بن أمیة: هذا عامر بن فهیرة،فقال: لقد رأیته بعدما قتل رفع إلی السماء حتی إنی لأنظر إلی السماء بینه وبین الأرض .ثم وضع فأتی النبی ﷺ خبرهم فنعاهم فقال:((إن أصحابکم قد أصیبوا وإنهم قدسألوا ربهم فقالوا : ربنا أخبر عنا إخواننا بما رضینا عنک ورضیت عنا))، فأخبرهم عنهم وأصیب فیهم یومئذ عروة بن أسماء بن الصلت، فسمی عروة به، ومنذر بن عمرو وسمی به منذرا.[راجع :۴۷۶]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے ابوبکر ؓ نے مکہ والوں کی ایذا دیکھتے ہوئے مکہ سے باہر جانے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہر جاؤ! حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس وقت تک ٹھہروں کہ آپ کو بھی چلنے کی اجازت مل جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! مجھے اپنے رب سے اس کی اُمید ہے۔ ابوبکر ؓ انتظار کرتے رہے، ایک دن ظہر کے وقت حضور اکرم ﷺ ابوبکر ؓ کے پاس آئے، آواز دی اور فرمایا تمہارے پاس کوئی ہو تو اسے ہٹا دو۔ ابو بکر ؓ نے عرض کیا کوئی نہیں ہے، میری دو لڑکیاں (عائشہ اور اسماء) ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا تم کو معلوم ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے، ابوبکر ؓ نے کہا کہ میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھی بات ہے، ابوبکر ؓ نے عرض کیا میرے پاس دو اونٹنیاں تیز رفتار ہیں، جن کو سفر کے لئے خوب تیار کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں سے ایک اونٹنی جس کا نام جدعا تھا، حضور ﷺ کو دیدی، اور پھر خود بھی سوار ہو کر حضور ﷺ کے ہمراہ چل دیئے، اور غار ثور میں آکر روپوش ہو گئے، عامر بن فہیرہ، عبداللہ بن طفیل کا غلام تھا، عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماں جائے بھائی تھے اور ابوبکر ؓ کے پاس دودھ والی اونٹنی صبح شام لاتے تھے، اور

رات کو بھی ان کے پاس آتے جاتے تھے، کوئی چرواہا اس راز سے آگاہ نہ تھا، جب حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر ؓ اس غار سے برآمد ہوئے تو ان کو ہمراہ لے لیا، اور یہ دونوں راستہ بتاتے جاتے تھے، راستہ میں حضور اکرم ﷺ اور ابو بکر ؓ باری باری ان کو اپنی سواری پر بٹھاتے رہے، یہ عامر بن فہیرہ ؓ بیر معونہ کے دن شہید ہوئے۔ ابو اسامہ روایت کرتے ہیں کہ ہشام بن عروہ نے کہا کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب عامر بن فہیرہ ؓ بیر معونہ کے دن شہید کئے گئے اور عمرو بن امیہ ضمری ؓ قید کئے گئے تو عامر بن طفیل نے اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ یہ لاش کس کی ہے، انہوں نے کہا کہ یہ عامر بن فہیرہ ہیں، پھر (عامر بن طفیل) نے کہا کہ جب یہ قتل ہوئے تو اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی نعش آسمان پر اٹھائی گئی، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ یہ آسمان سے بھی اوپر چلی گئی اور آسمان درمیان میں آگیا اور پھر زمین پر رکھ دی گئی۔ حضور اکرم ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام نے اس واقعہ کی خبر دی، آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا تمہارے بھائی شہید کئے گئے، اور انہوں نے وقت شہادت یہ دعا مانگی: یا اللہ! ہماری خبر ہمارے بھائیوں کو کردے کہ ہم تجھ سے راضی ہوئے اور تو ہم سے خوش ہوا، اللہ نے آپ ﷺ کی خبر مسلمانوں کو پہنچادی۔ عروہ بن زبیر نے ہمیں خبر دی کہ انہی شہیدوں میں عروہ بن اسماء بن صلت ؓ بھی تھے، اسی لئے عروہ بن زبیر ؓ جب پیدا ہوئے تو ان کا نام عروہ رکھا گیا، اور انہی شہیدوں میں منذر بن عمرو ؓ بھی تھے، چنانچہ اسی وجہ سے منذر (بن زبیر) نام رکھا گیا۔

روایتِ باب سے مقصودِ بخاری رحمہ اللہ

اب یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ لیکر آرہے ہیں، اس کے لانے کی وجہ یہ ہے کہ بئر معونہ کے شہداء میں حضرت عامر بن فہیرہ ؓ ایک بزرگ تھے، اصل میں وہ بھی اس بئر معونہ کے غزوہ میں شہید ہوئے تھے اور ان کی شہادت کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے۔ لیکن شہادت کا واقعہ بیان کرنے سے پہلے چونکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کے سفر میں انہوں نے مدد کی تھی، تو اس کا ذکر بھی شروع میں کیا ہے بعد میں بئر معونہ کے اندر ان کی شہادت کا واقعہ بیان کیا۔

ہجرت کا عزم اور وحی کا انتظار

"استأذن النبی ﷺ ابوبکر فی الخ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت صدیق اکبر ؓ نے نبی کریم ﷺ سے خروج کی اجازت طلب کی، خروج سے مراد ہجرت ہے۔

یہ اس واقعہ کے بعد کی بات ہے جب ابن الدغنہ ان کو راستے میں ملے تھے اور پھر واپس لے آئے

تھے، اس کے بعد پھر کفار نے ان کو تکالیف پہنچانے شروع کئے تھے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کی، جب تکلیفیں سخت ہوگئیں۔

"فقال لہ: أقم، فقال: یا رسول اللہ الخ" نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ابھی ٹھہرو، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! کیا آپ کو اس بات کی امید ہے کہ آپ کو ہجرت کرنے کی اجازت ملے گی؟

"فکان رسول اللہ ﷺ یقول إنی لأرجو ذلک" آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے اس بات کی امید ہے کہ مجھے اس بات کی اجازت ملے گی یعنی اس بات کی امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کا حکم ملے گا۔

"قالت: فانتظرہ أبوبکر، فأتاہ الخ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انتظار میں تھے کہ کب حکم آئے گا اور حضور ﷺ کو ہجرت کی اجازت مل جائے گی تو میں آپ ﷺ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کروں گا، ایک دن حضور ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ظہر کے وقت تشریف لائے، اور ان کو پکارا فرمایا کہ باہر نکلو۔

"أخرج من عندک" اگر تمہارے پاس کوئی اور ہو تو اس کو بھی باہر نکال دو، مطلب یہ ہے کہ کوئی خفیہ بات کرنی ہے کہ جس میں دوسرا شامل نہ ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گھر میں صرف دو بیٹیاں ہیں عائشہ اور اسماء۔

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ **"أشعرت أنہ قد أذن لی الخ"** کیا تمہیں اندازہ ہوا ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں صحبت کی درخواست کرتا ہوں، جب آپ ہجرت کے سفر پر تشریف لے جائیں تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ جاؤں۔

"فقال النبی ﷺ: الصحبۃ" یا تو آپ ﷺ نے اسی بات کو دہرایا، یا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست کو قبول فرمایا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ **"قال یا رسول اللہ عندی ناقتان"** یا رسول اللہ! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں، جن کو میں نے ہجرت کیلئے تیار کیا ہوا تھا، اور آنحضرت ﷺ کو ان میں سے ایک اونٹنی جدعاء دے دی۔

یہ اونٹنی جس کا نام جدعاء تھا، جدعاء اصل میں ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جن کے کان کٹے ہوئے ہوں۔ بعض حضرات نے کہا کہ کان تو کٹے ہوئے نہیں تھے لیکن نام اس کا جدعاء تھا۔

آنحضرت ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں اس پر سوار ہوئے، **"فانطلقا حتی أتیا الغار الخ"** سفر شروع کیا یہاں تک کہ غار ثور میں تشریف لے گئے اور اس میں جا کر چھپ گئے۔

اس کا مفصل واقعہ ہجرت کے باب میں ان شاء اللہ آئے گا۔

عامر بن فہیرہ ﷺ ـ ہجرت کی سعادت بھی

دودھ اور خبر پہنچانے کا انتظام بھی

"فکان عامر بن فهيرة غلاما الخ" حضرت عامر بن فہیرہ ﷺ، عبداللہ بن طفیل کے غلام تھے، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی تھے۔

یہاں راوی سے ذرا وہم ہوا ہے نام ذکر کر دیا عبداللہ بن طفیل بن سخبرہ، اصل میں ہے طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ۔ صورتحال یوں تھی کہ عبداللہ بن سخبرہ یہ ام رومان کے شوہر تھے، صدیق اکبر ﷺ کی اہلیہ کا نام اُم رومان رضی اللہ عنہا تھا، صدیق اکبر ﷺ کے نکاح میں آنے سے پہلے یہ عبداللہ بن سخبرہ کے نکاح میں تھیں۔ ان سے طفیل پیدا ہوئے تھے، تو طفیل بن عبداللہ ام رومان کے بیٹے تھے، بعد میں ام رومان نے صدیق اکبر ﷺ سے نکاح کر لیا۔

ان سے حضرت عائشہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ﷺ پیدا ہوئے، اس طرح طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہوئے۔ [۷]

تو عامر بن فہیرہ، طفیل بن عبداللہ کے غلام تھے۔

"وكانت لأبي بكر منحة فكان يروح بها الخ" حضرت ابوبکر صدیق اکبر ﷺ کی ایک دودھ دینے والی اونٹنی تھی، عامر بن فہیرہ [illegible]۔ کر شام کے وقت میں چرانے کے لئے مکہ سے باہر جاتے تھے اور صبح کو مکہ کے پاس چلے آتے تھے۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی اونٹنی لے کر چرانے کے بہانے نکلتے اور رات کے اندھیرے میں غار ثور چلے جاتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کو دودھ بھی مل جاتا اور مکہ مکرمہ کی خبریں بھی مل جائیں جو دن بھر ہوتی تھیں، پھر سویرے پو پھٹنے سے پہلے ہی واپس آجاتے تھے کسی کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ کہاں گئے اور کہاں سے آئے۔

---

[۷] وقال الواقدی: وكانت ام رومان ام عائشة تحت عبدالله بن الحارث بن سخبرة الأزدي، وكان قدم بها فحالف ابابكر قبل الاسلام وتوفي عن أم رومان وقد ولدت له الطفيل، ثم خلف عليها ابوبكر ﷺ فولدت له عبدالرحمن وعائشة، فهما أخو الطفيل هذا لأمه. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۲۴۸

"**فلما خرج معها یعقبانه الخ**" پھر جب حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ جانے کیلئے غارثور سے نکلے، تو عامر بن فہیرہ ؓ بھی راستہ بتانے کے لئے ساتھ نکلے، تو اس طرح سے دونوں حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر ؓ، ان کو باری باری اپنے اونٹ پر سوار کرتے تھے مثلاً کچھ دیر حضور اکرم ﷺ کے اونٹ پر سواری کی اور کچھ دیر تک حضرت صدیق اکبر ؓ کے اونٹ پر سواری کی، یہاں تک کہ مدینہ منورہ اسی طرح پہنچ گئے۔

بہر حال عامر بن فہیرہ سفر میں ساتھ رہے، تو حضرت عامر بن فہیرہ ؓ کی یہ سعادت تھی۔

یہاں تک تو واقعہ بئر معونہ سے نہیں تھا، ہجرت کا واقعہ سنانے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "**فقتل عامر بن فهيرة يوم بئر معونة**" عامر بن فہیرہ ؓ بئر معونہ کے دن شہید ہوئے۔

عامر بن فہیرہ ؓ کی شہادت

"**وعن أبي أسامة الخ**" پہلی روایت میں تو یہاں تک بات ختم ہوگئی لیکن یہی ابواسامہ نے ہشام بن عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے اور انہوں نے کہا کہ میرے والد عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مجھے بعد میں بتایا، یعنی اوپر کی ساری روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی تھی اب جو آرہی ہے وہ عروہ بن زبیر ؓ کا اپنا قول ہے۔

"**لما قتل الذين في بئر معونة الخ**" وہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کی تفصیل بیان کرتے ہیں کہ بئر معونہ میں جب صحابۂ کرام شہید ہوگئے، اور عمرو بن اُمیہ ضمری ؓ کو گرفتار کیا گیا۔

"**قال له عامر بن طفيل الخ**" تو عامر بن طفیل (یہ وہ شخص ہے جو بنو عامر کا سردار تھا جس نے غداری کی تھی اور جس نے حضرت حرام بن ملحان ؓ کو شہید کیا تھا) نے ایک لاش کی طرف اشارہ کرکے عمرو بن امیہ ضمری سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ان کا نام عامر بن فہیرہ ہے۔

تو عامر بن طفیل نے کہا میں نے ان کے متعلق اس لئے پوچھا کہ "**لقد رأيته بعد ما قتل رفع إلى السماء الخ**" جب قتل ہونے کے بعد میں ان کو دیکھا تو ان کی لاش ایک دم اوپر چلی گئی اور اتنی اوپر چلی گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ یہ آسمان سے بھی اوپر چلی گئی اور آسمان درمیان میں آگیا یعنی یہ لاش اوپر چلی گئی ان کے اور زمین کے درمیان آسمان حائل ہوگیا اور بعد میں لاکر اس کو یہیں رکھ دیا گیا۔

بعض حضرات نے یہ لفظ "**حتى إني لأنظر الخ**" اس کا ترجمہ یوں کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہاں تک کہ میں دیکھ رہا تھا کہ ان کی لاش معلق تھی آسمان اور زمین کے درمیان۔

یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ "**بينه**" کی ضمیر خود عامر بن فہیرہ ؓ کی طرف راجع ہو رہی ہے کہ عامر بن

طفیل نے آسمان کو دیکھا عامر بن فہیرہ اور زمین کے درمیان۔ یعنی عامر بن فہیرہ ﷺ کی لاش اوپر چلی گئی اور اسی کی تائید ہوتی ہے محمد بن اسحاق کی روایت سے جو علامہ ابن سید الناس نے عیون الاثر میں روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس میں صاف صاف ہے کہ میں دیکھ رہا تھا کہ آسمان پیچھے رہ گیا اور ان کی لاش اوپر چلی گئی۔ [۷]

دوسرا "ثم وضع" اس میں صراحت ہے کہ دوبارہ لا کر رکھ دی گئی اور بعض روایت میں ہے کہ ان کی لاش کا پتہ نہیں چلا اوپر ہی کہیں رہ گئی۔ تو یہ بات اس لئے صحیح نہیں معلوم ہوتی ہے کہ اشارہ کرکے پوچھا ہے کہ یہ کون ہے؟ اگر یہ لاش نہ آئی ہوتی تو پوچھنے کے کوئی معنی نہ ہوتے، اور "ثم وضع" کہ بعد میں لا کر رکھ دی گئی۔

"فاتی النبی ﷺ خبرهم الخ" آپ ﷺ کو شہداء بئر معونہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو ان کی موت کی خبر سنائی اور فرمایا تمہارے بھائی شہید کئے گئے، اور انہوں نے وقت شہادت یہ دعا مانگی: یا اللہ! ہماری خبر ہمارے بھائیوں کو کردے کہ ہم تجھ سے راضی ہوئے اور تو ہم سے خوش ہوا۔

"فاخبرهم عنهم واصيب فيهم يومئذ عروة الخ" پھر حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عروہ بن اسماء بن صلت ﷺ بھی اسی غزوہ بئر معونہ میں شہید ہوئے تھے تو عروہ بن زبیر کا نام تبرکاً ان کے نام پر رکھا گیا اور اسی دن غزوہ بئر معونہ میں منذر بن عمرو ﷺ بھی شہید ہوئے تھے تو حضرت زبیر بن عوام ﷺ کے دوسرے بیٹے تھے منذر بن زبیر ﷺ تو ان کا نام منذر انہی کے نام پر رکھا گیا۔

۴۰۹۴ ۔ حدثنا محمد: أخبرنا عبدالله: أخبرنا سليمان التيمي، عن أبي مجلز، عن أنس ﷺ قال: قنت النبي ﷺ بعد الركوع شهرا ،يدعو على رعل وذكوان ويقول: ((عصية عصت الله ورسوله)). [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھتے رہے، آپ ﷺ نے رعل اور ذکوان کے لئے بددعا کی اور فرمایا انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

۴۰۹۵ ۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا مالك، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، عن أنس بن مالك قال: دعا النبي ﷺ على الذين قتلوا يعني أصحابه ببئر معونة ثلاثين صباحا حين يدعو على رعل ولحيان وعصية عصت الله ورسوله ﷺ، قال أنس: فأنزل الله تعالى لنبيه ﷺ في الذين قتلوا أصحاب بئر معونة قرآنا قرأناه حتى نسخ بعد:

---

[۷] عن ابن اسحاق عن هشام عروة عن ابيه قال: لما قدم عامر بن الطفيل على رسول الله ﷺ قال له: من الرجل الذى لما قُتِل رأيته رُفِعَ بين السماء والارض حتى رأيت السماء دُونه، ثم وضع فقال له: هو عامر بن فهيرة. عيون الاثر، قصة بئر معونة، ج: ۲، ص: ۶۷ وفتح البارى، ج: ۷، ص: ۳۸۷

بلغوا قومنا فقد لقينا ربنا فرضي عنا ورضينا عنه. [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ تیس دن تک ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بیر معونہ پر آپ ﷺ کے اصحاب کو شہید کیا تھا، یعنی رعل، ذکوان اور بنی لحیان کے لئے بد دعا فرماتے رہے اور فرمایا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر ان شہداء بیر معونہ کے حق میں آیات نازل فرمائیں، مگر بعد کو ان کا پڑھنا موقوف ہو گیا وہ آیات یہ ہیں "بلغوا عنا قومنا لقد لقينا ربنا فرضي عنا ورضينا عنه" یا اللہ! ہماری خبر ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے کہ جب ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی تو ہم اس سے راضی ہوئے اور وہ ہم سے خوش ہوا۔

۴۰۹۶ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا عبدالواحد: حدثنا عاصم الأحول قال: سألت أنس بن مالک ﷺ عن القنوت في الصلاة فقال: نعم، فقلت: كان قبل الركوع أو بعده؟ قال: قبله، قلت: فإن فلانا أخبرني عنک انک قلت: بعده، قال: كذب، إنما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا أنه كان بعث ناسا يقال لهم: القراء، وهم سبعون رجلا، إلى ناس من المشركين وبينهم وبين رسول الله ﷺ عهد قبلهم فظهر هؤلاء الذين كان بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا يدعو عليهم. [راجع: ۱۰۰۱]

ترجمہ: عاصم بن سلیمان روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ﷺ سے دریافت کیا کہ نماز میں قنوت پڑھنا کیسا ہے، انہوں نے کہا ٹھیک ہے، میں نے کہا کہ فلاں صاحب (محمد بن سیرین یا کوئی اور) تو آپ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ آپ نے کہا کہ رکوع کے بعد، انس ﷺ نے کہا کہ وہ غلط کہتے ہیں، رکوع کے بعد آنحضرت ﷺ نے صرف ایک ماہ تک قنوت پڑھی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ نے ستر قاریوں کو مشرکوں کی طرف بھیجا تھا کیونکہ ان سے اور آپ ﷺ سے عہد تھا، ان معاہدین کفار نے عہد توڑ دیا اور دھوکہ سے ان قاریوں کو شہید کر ڈالا چنانچہ اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھتے رہے اور ان کے لئے بد دعا فرماتے رہے۔

قنوت وتر رکوع سے پہلے

اس حدیث میں حضرت انس بن مالک ﷺ نے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنے کا بیان فرمایا ہے۔

آگے راوی عاصم، حضرت انس بن مالک ﷺ سے کہتے ہیں "قلت: فإن فلانا أخبرني عنک

الخ" کہ فلاں نے تو مجھے یہ بتایا کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ قنوت رکوع کے بعد ہے۔

فلاں سے مراد یہاں محمد ابن سیرین رحمہ اللہ ہیں یا کوئی اور صاحب مراد ہیں۔

"قال: كذب" حضرت انس ﷺ نے جواب دیا کہ انہوں نے غلط کہا ہے، یعنی میری طرف اس بات کی غلط نسبت کی کہ میں نے قنوت بعد الرکوع کہا۔

" إنما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع الخ" ہاں البتہ ایک مہینہ رکوع کے بعد قنوت پڑھا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجا تھا،**"يقال لهم : القراء، وهم سبعون رجل الخ"** ان صحابہ کو قراء کہا جاتا تھا اور ان کی تعداد ستر تھی، آپ ﷺ نے ان کو ان مشرکین کی جانب روانہ فرمایا تھا جن کے ساتھ معاہدہ تھا یعنی حفظ وامان کی ذمہ داری تھی۔

"فظهر هؤلاء الذين كان الخ" پھر غالب آگئے وہ جن کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا یعنی کفار نے عہد توڑ دیا اور دھوکہ سے ان قاریوں کو شہید کر ڈالا۔**"فقنت رسول الله ﷺ بعد الركوع الخ"** تو رسول اللہ ﷺ نے رکوع کے بعد ایک مہینہ تک قنوت پڑھتے رہے اور ان کفار کیلئے بددعا کی اور یہ غزوہ بئر معونہ کے بارے میں ہے۔

یہاں صراحت آگئی کہ حضرت انس ﷺ خود یہ کہتے تھے کہ قنوت رکوع کے بعد ہے، لہٰذا یہ سوال قنوت نازلہ کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ قنوت وتر کے بارے میں ہے۔ [۵]

---

۵ مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری، کتاب الوتر، باب القنوت قبل الرکوع وبعده، رقم: ۱۰۰۱، ج:۴، ص:۲۰۳-۲۰۱۲

باب
غزوة الخندق

(۳۰) باب غزوة الخندق وهی الأحزاب

باب: غزوہ خندق کا بیان، اسے احزاب بھی کہتے ہیں

پس منظر

غزوۂ خندق کے پیش آنے کا واقعہ یہ ہوا کہ جب حضور ﷺ نے بنونضیر کو مدینہ سے جلاوطن کیا تو یہ لوگ خیبر چلے گئے، پھر وہاں سے ان کا ایک وفد مکہ پہنچا اور اہل مکہ کو حضور ﷺ کیخلاف جنگ کرنے پر ابھارا اور ساتھ ہی اپنی مدد کا بھی یقین دلایا، اسی طرح دوسرے بعض قبائل کو بھی اس بات پر آمادہ کیا، چنانچہ دس ہزار کا لشکرِ جرار مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے چلا۔

ادھر حضور ﷺ نے مدینہ کی حفاظت کی غرض سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خندق کھودنے کا حکم دیا بالآخر کفار ناکام ونامراد ہو کر واپس چلے گئے۔

واقعہ غزوۂ خندق

یہاں سے غزوۂ خندق کی احادیث بیان کرنی مقصود ہے اور غزوۂ خندق کا واقعہ مختصراً یہ ہے پیچھے گذر چکا ہے کہ بنونضیر کو جب جلاوطن کیا گیا تھا تو یہ لوگ جا کر خیبر میں آباد ہو گئے تھے۔

خیبر میں ان کے تین بڑے سردار تھے۔ ایک حیی بن اخطب، ایک سلام بن ابی حقیق، اور تیسرا کنانہ بن ربیع اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمانوں سے خار کھاتے تھے، رسول کریم ﷺ کو ہر طریقہ سے زک پہنچانے، تکلیفیں دینے اور دشمنی کرنے کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، جب ان کو جلاوطن کر دیا گیا اور مسلمانوں کو احد میں تھوڑی بہت شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا اور بالآخر ابوسفیان واپس لوٹ گئے۔

یہ تینوں سردار مکہ مکرمہ گئے اور جا کر کہا کہ اس طرح کی کچھ جنگیں محمد کے ساتھ ہو چکیں لیکن ابھی تک کوئی معاملہ صحیح نہیں بنا، تو اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ سب مل کر اکٹھے حملہ کریں تاکہ ایک مرتبہ میں قصہ ختم ہو جائے اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ ہم دوسرے قبائل کو بھی تیار کریں گے۔

چنانچہ اُدھر تو قریش کو آمادہ کیا، اِدھر کنانہ بن ربیع غطفان قبیلہ کے پاس گیا اور ان سے کہا بھئی! یہ مسلمانوں کا مسئلہ سنگین ہونے والا ہے اور اگر ابھی سے اس کا سد باب نہ کیا تو مشکل ہو جائے گی، قریش بھی تیار

ہو رہے ہیں لہٰذا تم لوگ بھی لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

غطفان کے حلیف بنو اسد تھے انہوں نے بھی حامی بھر لی اور کہا ٹھیک ہے کہ ہم بھی چلیں گے۔ پھر ان کی ترغیب اور ترہیب سے بنو سلیم کے نام سے ایک قبیلہ تھا وہ بھی تیار ہو گئے، بنو سعید بھی تیار ہو گئے، تو کئی قبائلِ عرب نے مل کر دس ہزار افراد پر مشتمل لشکر تیار کیا اور پھر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے۔

حضورِ اقدس ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ نے صحابۂ کرام ﷺ مشورہ کیا کہ کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ تو حضرت سلمان فارسی ﷺ نے مشورہ دیا کہ ہمارے ہاں یہ طریقہ ہوتا تھا کہ خندق بنائی جاتی تھی اور وہ خندق حملہ آور کے لئے رکاوٹ ہوتی تھی تو میری رائے یہ ہے کہ خندق کھودی جائے۔

چنانچہ مدینہ کے تین طرف تو آبادی تھی ایک طرف کھلا علاقہ تھا جہاں سے حملہ کا زیادہ اندیشہ تھا۔ تو وہاں پر پانچ گز گہری، تین میل لمبی خندق کھودی گئی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے خود اس کے حدود قائم فرمائے اور خط کھینچا، اس کھودنے کے عمل میں تمام صحابۂ کرام ﷺ شریک رہے اور دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرما کر سب کے ذمہ کر دیا اور حضور ﷺ نے بھی اپنے ذمہ بھی کچھ حصہ لیا۔

سخت سردی کا موسم تھا، فقر و فاقہ کا زمانہ تھا، ہوائیں تیز چل رہی تھی، اسی حالت میں یہ خندق کھودی گئی، چھ دن میں مکمل ہوئی اور بعض روایتوں میں زیادہ دن بھی آئے ہیں پندرہ دن وغیرہ لیکن زیادہ صحیح روایت یہ ہے کہ چھ دن لگے۔

قریش اور کنانہ کا لشکر آیا تو انہوں نے دیکھا کہ خندق کھودی ہوئی ہے اور پہلے کبھی ایسی چیز دیکھی نہیں تھی تو پریشان ہوئے کہ کیا کریں اور وہیں سے تیر اندازی شروع کر دی۔ خندق کے پاس سے تیر پھینکتے، پتھر پھینکتے، صحابۂ کرام ﷺ یہاں سے تیر پھینکتے تو تیر اندازی کا مقابلہ ہوتا رہا۔

جب کئی دن گذر گئے تو اس کے بعد قریش کا ایک پہلوان شخص عمرو بن عبدود کہلاتا تھا اور اپنی بہادری میں بڑا مشہور تھا۔ اس نے کہا کہ میں جا کر مبارز طلب کرتا ہوں، تو خندق عبور کر کے آیا اور اس نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علی ﷺ نے حضورِ اکرم ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علی! یہ عمرو ہے، اشارہ اس کی طرف تھا کہ تم ناتجربہ کار نوجوان ہو، چھوٹے ہو، یہ پرانا گھاگ آدمی ہے اور بہادری میں مشہور ہے۔

حضرت علی ﷺ نے کہا کہ جانتا ہوں کہ یہ عمرو ہے میں جانا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ یہ عمرو ہے، تین مرتبہ ایسے ہوا، اس کے باوجود حضرت علی ﷺ نے اشتیاق ظاہر کیا تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور یہ جا کر سامنے کھڑے ہوئے تو عمرو بن عبدود نے کہا کہ میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا، تم چھوٹے ہو اور ابھی تم نے دنیا دیکھی نہیں تو ابھی سے مجھے تمہیں قتل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں، لہٰذا کسی بڑے آدمی کو بھیجو میں تمہیں قتل کرنا نہیں چاہتا، حضرت علی ﷺ نے فرمایا مگر میں تمہیں قتل کرنا چاہتا ہوں، تو اس سے وہ غصہ میں آیا اور پھر علی ﷺ

پر ایک وار کیا، علی ﷺ نے ڈھال سے روکا لیکن پیشانی پر ایک زخم لگ گیا۔ اس کے بعد علی ﷺ نے دوسرا وار کیا تو اس وار کے نتیجے میں عمرو بن عبدود وہیں ڈھیر ہوگیا۔ دوسرے ساتھی جو اس کے بعد آئے تھے وہ یہ دیکھ کر بھاگ گئے، ان میں ایک خندق میں گر گیا، حضرت علی ﷺ نے اس کا بھی کام تمام کیا اور دوسرا بھاگ کر واپس اپنے لشکر کی طرف چلا گیا۔

جب یہ سب قصے ہوگئے تو اس کے بعد پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک آندھی ان کے اوپر مسلط کردی، جس کا قرآن شریف میں بھی ذکر ہے اور پھر وہ واپس چلے گئے۔

خندق سے متعلق جو خلاصہ ہے وہ تو اتنا ہی ہے باقی قریظہ سے متعلق ہے وہ آگے ان شاء اللہ آئے گا۔

غزوۂ خندق کب پیش آیا؟

"قال موسى بن عقبة: كانت في شوال سنة أربع."

ترجمہ: موسیٰ بن عقبہ کہتے ہیں کہ شوال ۴ھ میں یہ غزوہ پیش آیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار فرمایا ہے اور یہی قول زیادہ راجح ہے۔

جبکہ بعض حضرات اس کو تین ہجری میں بھی کہتے ہیں، محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک پانچ ہجری میں ہوا جبکہ ابنِ سعد اور واقدی کہتے ہیں کہ ذوالقعدہ ۵ھ میں ہوا، لیکن صحیح یہ ہے کہ چار ہجری میں ہوا۔ [۱]

۴۰۹۷ ۔ حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا يحي بن سعيد، عن عبيدالله قال: أخبرني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ عرضه يوم أحد وهو ابن أربع عشرة سنة فلم يجزه. وعرضه يوم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة فأجازه. [راجع: ۲۶۶۴]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ اُحد کے دن میں حضور اکرم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، اس وقت میں ۱۴ برس کا تھا، آپ ﷺ نے مجھے لڑائی میں حصہ لینے سے روک دیا، لیکن خندق میں جب کہ میں پندرہ برس کا تھا، آپ ﷺ نے دیکھا اور شریک جنگ ہونے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

---

[۱] قوله: كانت، أي: غزوة الخندق في شهر شوال سنة أربع من الهجرة، واتبعه على ذلك مالك، أخرجه أحمد عن موسى بن داؤ عنه، وقال ابن اسحاق: سنة خمس، وقال ابن سعد: كانت في ذي القعدة يوم الاثنين لثمان ليال مضين منها سنة خمس. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۵۳

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک راجح قول

امام بخاری رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ کے قول کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے فرمائی ہے۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں ایک سال کا وقفہ ہے اور یہ مسلّم ہے کہ غزوۂ اُحد ۳ھ میں ہوا، لہٰذا غزوۂ خندق ۴ھ میں ثابت ہوا۔

جبکہ جمہور ائمہ مغازی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غزوۂ خندق ۵ھ میں ہوا۔ اس لئے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عجب نہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما غزوۂ اُحد کے وقت پورے چودہ سال کے نہیں ہوں بلکہ چودھویں سال کا آغاز ہوا اور غزوۂ خندق کے وقت پورے پندرہ سال کے ہوں، اس اعتبار سے غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں دو سال کا وقفہ ہوسکتا ہے۔

نیز غزوۂ اُحد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے کہا تھا کہ آئندہ سال بدر پر ہمارا اور تمہارا مقابلہ ہوگا، یہ وعدہ کر کے مکہ واپس ہوا، جب آئندہ سال ایفائے وعدہ کا وقت آیا تو ابوسفیان یہ کہہ کر راستہ سے واپس ہوا کہ یہ زمانہ قحط سالی کا ہے جنگ کیلئے مناسب نہیں۔ اسکے ایک سال بعد دس ہزار آدمیوں کی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوا۔

ان تمام واقعات سے معلوم ہوا کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق میں دو سال کا وقفہ ہے، جو جمہور علمائے سیر کے قول کا مؤید ہے۔ [۲]

---

۲ وقال ابن اسحاق: كانت في شوال سنة خمس، وبذلك جزم غيره من أهل المغازي، ومال المصنف الى قول موسى بن عقبة وقواه بما أخرجه أول أحاديث الباب من قول ابن عمر انه عرض يوم أحد وهو ابن أربع عشرة ويوم الخندق وهو ابن خمس عشرة فيكون بينهما سنة واحدة، وأحد كانت سنة ثلاث، فيكون الخندق سنة أربع، ولا حجة فيه اذا ثبت أنها كانت سنة خمس لاحتمال أن يكون ابن عمر في أحد كان في أول ما طعن في الرابعة عشر وكان في الاحزاب قد استكمل الخمس عشرة، وبهذا أجاب البيهقي، ويؤيد قول ابن اسحاق أن أبا سفيان قال للمسلمين لما رجع من أحد: موعدكم العام المقبل ببدر فخرج النبي من السنة المقبلة الى بدر، فتأخر مجيء أبي سفيان تلك السنة للجدب الذي كان حينئذ، وقال لقومه انما يصلح الغزو في سنة الخصب، فرجعوا بعد أن وصلوا الى عسفان أو دونها، ذكر ذلك ابن اسحاق وغيره من أهل المغازي. فتح الباری، ج:۷، ص:۳۹۳

بچہ کب بالغ شمار ہوگا؟

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی چودہ سال عمر تھی اور یہ احد کی جنگ کے لئے پیش کئے گئے، تو آپ ﷺ نے ان کو غزوہ میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی۔

اور ان کو غزوۂ خندق کے موقع پر پیش کیا گیا جب کہ ان کی عمر پندرہ سال تھی تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی، تو اس سے پتہ لگا کہ پندرہ سال کی عمر میں بچہ کو بالغ تصور کیا جائے گا۔

۴۰۹۸ ۔ حدثني قتيبة: حدثنا عبد العزيز، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد ﷺ قال: كنا مع رسول الله ﷺ في الخندق وهم يحفرون، ونحن ننقل التراب على أكنادنا، فقال رسول الله ﷺ: ((اللّٰهم لا عيش إلا عيش الآخرة. فاغفر للمهاجرين والأنصار)). ؏

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ خندق کھود رہے تھے اور مٹی کاندھوں پر اٹھا رہے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اے اللہ! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی اچھی نہیں، تو مہاجرین اور انصار کو بخش دے اور ان پر مہربانی فرما۔

۴۰۹۹ ۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا معاوية بن عمرو: حدثنا أبو إسحاق عن حميد: سمعت أنسا ﷺ يقول: خرج رسول الله ﷺ إلى الخندق، فإذا المهاجرون والأنصار يحفرون في غداة باردة فلم يكن لهم عبيد يعملون ذلك لهم، فلما رأى ما بهم من النصب والجوع قال: ((اللّٰهم إن العيش عيش الآخرة، فاغفر الأنصار والمهاجره)). فقالوا مجيبين له:

نحن الذين بايعوا محمدا ... على الجهاد ما بقينا أبدا

[راجع: ۲۸۳۴]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب خندق کی طرف تشریف لے گئے، تو کیا دیکھتے ہیں کہ مہاجرین وانصار سردی میں خندق کھود رہے ہیں ان کے پاس یہ کام لینے کے لئے غلام

؏ وفي صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب غزوة الأحزاب وهي غزوة الخندق، رقم: ۱۸۰۴ وسنن الترمذي، أبواب المناقب، باب مناقب أبي موسى الأشعري ﷺ، رقم: ۳۸۵۶ ومسند أحمد، تتمة مسند الأنصار، حديث أبي مالك سهل بن سعد الساعدي، رقم: ۲۲۸۱۵

بھی نہیں تھے، آنحضرت ﷺ ان کی تکلیف اور بھوک کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ اے اللہ! بے شک زندگی تو آخرت ہی کی بہتر ہے تو مہاجرین وانصار کو بخش دے، مسلمانوں نے یہ سن کر جواب دیا:

ہم تو وہ لوگ ہیں جو محمد ﷺ سے بیعت کر چکے ہیں — کہ جب تک جان جسم میں ہے جہاد کرتے رہیں گے۔

۴۱۰۰ ـ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث، عن عبد العزيز، عن أنس ﷺ قال: جعل المهاجرون والأنصار يحفرون الخندق حول المدينة وينقلون التراب على متونهم وهم يقولون:

نحن الذين بايعوا محمدا — على الإسلام ما بقينا أبدا

قال: يقول النبي ﷺ وهو يجيبهم: ((اللّهم إنه لا خير إلا خير الآخرة، فبارك في الأنصار والمهاجرة)). قال: يؤتون بملء كفي من الشعير فيصنع لهم بإهالة سنخة توضع بين يدي القوم والقوم جياع وهي بشعة في الحلق ولها ريح منتن. [راجع: ۲۸۳۴]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار، مدینہ کے اطراف میں خندق کھودر ہے تھے اور مٹی اپنے کاندھوں پر ڈھور ہے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ

ہم وہ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے — کہ عمر بھر کے لئے اسلام پر قائم رہیں گے

آنحضرت ﷺ ان کے جواب میں فرماتے اے اللہ! فائدہ تو آخرت ہی کا بہتر ہے انصار اور مہاجرین میں برکت عطا فرما۔ حضرت انس ﷺ کہتے ہیں کہ ایک ایک مٹھی جو آتے، پھر ان کو بدمزہ چربی میں پکا کر سب مل کر کھالیتے، حالانکہ وہ حلق کو پکڑتی تھی اور اس میں سے بو آتی تھی۔

۴۱۰۱ ـ حدثنا خلاد بن يحيى: حدثنا عبد الواحد بن أيمن، عن أبيه قال: أتيت جابرا ﷺ فقال: إنا يوم الخندق نحفر فعرضت كيدة شديدة فجاؤا النبي ﷺ فقالوا: هذه كدية عرضت في الخندق، فقال: ((أنا نازل)) ثم قام وبطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثة أيام لا نذوق ذواقا فأخذ النبي ﷺ المعول فضرب في الكدية فعاد كثيبا أهيل أو أهيم. فقلت: يارسول الله، ائذن لي إلى البيت، فقلت لامرأتي: رأيت بالنبي ﷺ شيئا ما كان في ذلك صبر، فعندك شيء؟ قالت: عندي شعير وعناق، فذبحت العناق، وطحنت الشعير حتى جعلنا اللحم في البرمة. ثم جئت النبي ﷺ والعجين قد انكسر والبرمة بين الأثافي قد كادت أن تنضج، فقلت: طعيم لي فقم أنت يا رسول الله ورجل أو رجلان، قال: ((كم هو؟)) فذكرت له، قال: ((كثير طيب))، قال: ((قل لها لا تنزع البرمة ولا الخبز من التنور حتى آتي)). فقال: ((قوموا))، فقام المهاجرون والأنصار. فلما دخل على امرأته

قال: ويحك، جاء النبي ﷺ بالمهاجرين والأنصار ومن معهم، قالت: هل سالك؟ قلت: نعم، فقال: ((ادخلوا ولا تضاغطوا)). فجعل يكسر الخبز ويجعل عليه اللحم ويخمر البرمة والتنور إذا أخذ منه ويقرب إلى أصحابه ثم ينزع. فلم يزل يكسر الخبز ويغرف حتى شبعوا وبقي بقية. قال: ((كلي هذا وأهدي، فإن الناس أصابتهم مجاعة)).
[راجع: ۳۰۷۰]

ترجمہ: عبدالواحد بن ایمن اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کے پاس آیا، انہوں نے فرمایا ہم خندق کھودرہے تھے کہ اتنے میں ایک سخت پتھر نکلا، ہم نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ایک سخت پتھر خندق میں نکل آیا، کیا کرنا چاہئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھہرو، میں خود خندق میں اترتا ہوں، پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ کے پیٹ سے پتھر بندھا ہوا تھا، اور تین دن کے بھوکے پیاسے تھے، ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا، آپ نے کدال ہاتھ میں لیکر اس پتھر کے سخت قطعہ پر ماری، پتھر ریتی کی طرح بہنے لگا (ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا) راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے "اھیل" یا "اھیم" لفظ کہا۔ آخر میں نے اجازت مانگی کہ گھر تک جانے دیا جائے، میں گھر آیا اور اپنی بیوی (سہلا بنت مسعود) سے کہا کہ آج میں نے ایسی بات دیکھی کہ صبر کرنا دشوار ہوگیا، یعنی حضور ﷺ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ بیوی نے کہا تھوڑے سے جو ہیں اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا، بیوی نے جو پیسے اور گوشت ہانڈی میں پکنے کو رکھ دیا، آٹا خمیر ہورہا تھا اور ہانڈی پکنے کے قریب تھی۔ اس وقت میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے، آپ ﷺ تشریف لے چلیں، اور ایک دو آدمیوں کو ساتھ لے لیجئے، آپ ﷺ نے پوچھا کتنا کھانا تیار ہے؟ میں نے عرض کیا ایک صاع جو اور ایک بکری کا بچہ پکایا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کافی ہے اور اچھا ہے، تم جاؤ اور اپنی بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتاریں، اور روٹی تنور سے نہ نکالیں، میں آتا ہوں، پھر آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا اٹھو، جابر کی دعوت میں چلو، مہاجر وانصار کھڑے ہوگئے۔ مگر جابر ؓ نے اس کیفیت کو دیکھا تو بیوی کے پاس جاکر کہنے لگے اب کیا ہوگا؟ آپ ﷺ مہاجرین وانصار اور ساتھ والے سب کو لے کر آرہے ہیں، بیوی نے کہا کیا آپ ﷺ نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟ کہنے لگے ہاں پوچھا تھا، پھر آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے، اور سب سے فرمایا اندر چلو، اور گڑ بڑ مت کرو، پھر آپ ﷺ نے روٹیاں توڑ کر اور ان پر گوشت رکھ کر سب کے سامنے رکھتے، اور تنور وہانڈی کو بند کردیتے، برابر اسی طرح کرتے رہے، یہاں تک کہ سب نے پیٹ بھر کر کھا لیا، پھر بھی تھوڑا کھانا بچ رہا، پھر آپ ﷺ نے جابر ؓ کی بیوی سے فرمایا تم بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ، کیونکہ آج کل سب لوگ بھوک سے پریشان ہورہے ہیں۔

خندق کھودنے کا واقعہ

یہ غزوۂ خندق کے متعلق احادیث چل رہی ہیں اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہم غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودرہے تھے، **"فعرضت الخ"** تو ہمارے سامنے ایک بہت سخت چٹان آگئی۔

"فجاؤاالخ" تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکراس پریشانی کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں آتا ہوں، **"ثم قام وبطنه معصوب بحجر الخ"** پھراس حالت میں تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بطن مبارک ایک پتھر سے بندھا ہوا تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن مبارک پرایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ تین دن ہمارے اوپر ایسے گذر چکے تھے کہ چکھنے کی کوئی چیز ہم نے نہیں چکھی تھی۔

سردی کا موسم مدینہ منورہ میں بڑا سخت ہوتا ہے، جب سردی سخت پڑتی ہے اور ہوائیں بہت تیز چلتی ہیں تو بڑی شدید سردی ہوتی ہے اور یہ سردی ہڈیوں تک گھس جاتی ہے اور دوسری طرف اس سردی کے عالم میں بھوک بہت شدید لگتی ہے تو یہ دونوں حالتیں غزوۂ احزاب کے موقع پر تھیں، سخت سردی کا موسم تھا اور اس کی وجہ سے بھوک بھی شدید لگی تھی اور تین دن تک کچھ کھانا نہیں کھایا تھا۔

"فاخذالنبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال لی، **"فضرب"** اوراس چٹان پر ماری، تو یہ ایسی ہوگئی جیسے کہ ریتلا ٹیلا، یعنی وہ چٹان اتنی سخت تھی کہ کدال اثر نہیں کررہی تھی مارا تو یا تو ایسا ہوگیا جیسے ریت کا ٹیلا یعنی بالکل بکھر گیا یا یہ کہ وہ ایک جگہ پر قرار پکڑی ہوئی نہ ہو بلکہ متحرک ہو۔

قیصر وکسریٰ کو فتح کرنے کی بشارتیں

خندق کھودتے کھودتے ایک سخت چٹان آگئی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ٹھہرو میں خود اترتا ہوں اور بھوک کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا اور ہم نے بھی تین دن سے کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال دستِ مبارک میں پکڑی اوراس چٹان پر ماری تو چٹان دفعۃً ایک تودہ ریگ تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو وہ چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ اکبر! مجھ کو ملکِ شام کی کنجیاں عطاء کی گئیں، خدا کی قسم! شام کے سرخ محلوں کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ اکبر!

فارس کی کنجیاں مجھ کو عطاء ہوئیں، خدا کی قسم! مدائن کے قصر ابیض کو اس وقت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

تیسری بار آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اکبر! یمن کی کنجیاں مجھ کو عطاء ہوئیں، خدا کی قسم! صنعاء کے کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے اس جگہ کھڑا دیکھ رہا ہوں۔

روایت میں آئی ہے کہ پہلی بار کدال مارنے سے ایک بجلی چمکی جس سے شام کے محل روشن ہوگئے، آپ ﷺ نے اللہ اکبر کہا اور صحابہ کرام ﷺ نے بھی تکبیر کہی اور ارشاد فرمایا کہ جبرائیل امین نے مجھ کو خبر دی ہے کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔ [۶]

"فقلت: یا رسول اللہ، ائذن لی إلی البیت" میں نے رسول اللہ ﷺ سے گھر جانے کی اجازت مانگی کیونکہ میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر یا آپ ﷺ کی ذات میں ایسی چیز دیکھی ہے کہ اب اس کے بعد کوئی صبر نہیں یعنی وہ چیز بھوک کی وجہ سے کمزوری کے آثار دیکھ کر اب صبر نہیں آتا۔

"فقلت لامرأتی: رأیت بالنبی ﷺ شیئا ما کان الخ" میں گھر آیا اور اپنی بیوی سہلا بنت مسعود سے کہا کہ آج میں نے ایسی بات دیکھی کہ صبر کرنا دشوار ہوگیا، یعنی حضور ﷺ بھوکے ہیں، کیا تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟

---

[۶] ووقع عند أحمد والنسائي في هذه القصة زيادة بإسناد حسن من حديث البراء بن عازب قال ((لما كان حين أمرنا رسول الله ﷺ بحفر الخندق عرضت لنا في بعض الخندق صخرة لاتأخذ فيها المعاول، فاشتكينا ذلك الى النبي ﷺ، فجاء فأخذ المعول فقال: بسم الله، فضرب ضربة فكسر ثلثها، وقال الله اكبر أعطيت مفاتيح الشام، والله انى لأبصر قصورها الحمر الساعة، ثم ضرب الثانية فقطع الثلث الآخر فقال: الله اكبر أعطيت مفاتيح فارس، والله انى لأبصر قصر المدائن ابيض، ثم ضرب الثالثة وقال: بسم الله، فقطع بقية الحجر فقال: الله اكبر أعطيت مفاتيح اليمن، والله انى لأبصر أبواب صنعاء من مكاني هذا الساعة.)) وللطبراني من حديث عبدالله بن عمرو نحوه، وأخرجه البيهقي مطولا من طريق كثير بن عبدالرحمن بن عمرو بن عوف عن أبيه عن جده وفي أوله ((خط رسول الله ﷺ الخندق لكل عشرة أناس عشرة أذرع -وفيه- فمرت بنا صخرة بيضاء كسرت معاولنا فأردنا أن نعدل عنها فقلنا: حتى نشاور رسول الله ﷺ، فأرسلنا اليه سلمان -وفيه- فضرب ضربة صدع الصخرة وبرق منها برقة فكبر وكبر المسلمون -وفيه- رأيناك تكبر فكبرنا بتكبيرك فقال: ان البرقة الأولى اضاءت لها قصور الشام، فأخبرني جبريل ان أمتي ظاهرة عليهم -وفي آخره- ففرح المسلمون واستبشروا)). كذا ذكره الحافظ ابن الحجر عسقلاني في: فتح الباري، ج:۷، ص:۳۹۷، و مسند أحمد، مسند المدنيين، حديث البراء بن عازب، رقم:۱۸۶۹۴، والسنن الكبرى للنسائي، كتاب السير، حفر الخندق، رقم:۸۸۰۷

"قالت: عندی شعیر وعناق، فذبحت العناق الخ" تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا کہ میرے پاس کچھ جَو رکھے ہوئے ہیں اور ایک بکری کا بچہ ہے، تو میں نے اس بکری کے بچے کو ذبح کر دیا اور میری بیوی نے جَو کو پیسا اور اس کا آٹا بنایا، اور ہم نے اس گوشت کو ہانڈی پہ چڑھا دیا۔

"ثم جئت النبی ﷺ والعجین قد انکسر الخ" پھر میں حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا اس حالت میں کہ "عجین" یعنی گوندھا ہوا آٹا "منکسر" یعنی خمیر ہو گیا تھا اور ہانڈی چولہے کی اینٹوں کے درمیان پکنے کے لئے رکھی ہوئی تھی، "قد کادت الخ" اور قریب تھا کہ وہ پک جائے، مطلب یہ کہ کھانے کا انتظام کرنے کے بعد میں آنحضرت ﷺ کے پاس کھانے کی دعوت دینے کی غرض سے آیا۔

"فقلت: طعیم لی الخ" حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے پاس تھوڑا سا کھانا ہے، آپ ﷺ اور ساتھ میں ایک دو آدمی ہمارے ساتھ گھر میں تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمالیں، "قال: ((کم ھو؟)) فذکرت لہ" آپ ﷺ نے پوچھا کہ کھانا کتنا ہے؟ تو میں نے کہا کہ ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ہے، وہ ذبح کر دیا تھا اور کچھ تھوڑا سا جو تھا جسکو پیس کر آٹا بنالیا تھا۔

"قال: کثیر طیب، قال: قل لھا لا تنزع الخ" آپ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ ہے اور بہت اچھا ہے، پھر فرمایا کہ ان سے کہو یعنی اپنی بیوی سے کہئے کہ جب تک میں نہ آ جاؤں اس وقت تک وہ ہانڈی اپنے چولہے سے نہیں اٹھائے اور تنور سے روٹی نہ نکالے۔

آپ ﷺ کا معجزہ

"فقال قوموا الخ" آپ ﷺ نے سارے صحابہ کو دعوت دے دی اور تمام مہاجرین اور انصار کھڑے ہو گئے۔ حضرت جابر گھر آئے تو اپنی اہلیہ سے کہا کہ آپ ﷺ نے تو سارے مہاجرین اور انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے ہیں۔

"قالت ھل سألک الخ" اہلیہ نے کہا کہ کیا آپ سے حضور ﷺ نے پوچھا تھا کہ کھانا کتنا ہے؟

"قلت نعم" میں نے کہا کہ ہاں! پوچھا تھا۔

ان کی اہلیہ کے سوال کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر آپ نے بتا دیا تھا کہ کھانا اتنا ہے پھر بھی خود ہی یعنی حضور اکرم ﷺ کا کوئی نہ کوئی معجزہ ظاہر ہوگا اور کھانا سب کے لئے کافی ہوگا اور پریشانی کی ضرورت نہیں لیکن آپ ﷺ کو بتایا نہیں تو پھر گڑبڑ کا معاملہ ہے۔

"فقال ادخلوا الخ" آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ داخل ہو جاؤ اور دھکم پیل نہ کرو۔

"فجعل يكسر الخبز ويجعل عليه اللحم الخ" تو آپ ﷺ نے یہ کیا کہ روٹی کو توڑتے اور اس کے اوپر گوشت رکھتے اور ہانڈی کو ڈھک دیتے اور تنور میں سے ایک روٹی لی اور اس کے اوپر گوشت رکھا اور اس کو ڈھک دیا، پھر کسی کو دے دیا، اور آپ مسلسل روٹی توڑتے رہے اور آپ نکال نکال کر دیتے رہے، اور ہر بار آپ ہانڈی کے ڈھک دیتے یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے، پھر بھی کھانا بچ گیا۔

"كلي هذا واهدي الخ" پھر آپ ﷺ نے حضرت جابر ﷺ کی اہلیہ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ اور اپنی دیگر پڑوسن وغیرہ کو بھی دے دو۔ قحط کی وجہ سے لوگوں کو ضرورت تھی کہ جو بچ گیا ہے وہ خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ کیونکہ اس سال قحط پڑ گیا ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا۔

۴۱۰۲ ـ حدثني عمرو بن علي: حدثنا أبو عاصم: أخبرنا حنظلة بن أبي سفيان: أخبرنا سعيد بن ميناء قال: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قال: لما حفر الخندق رأيت بالنبي ﷺ خمصا شديدا فانكفيت إلى امرأتي. فقلت: هل عندك شيء؟ فإني رأيت برسول الله ﷺ خمصا شديدا. فأخرجت إلي جرابا فيه صاع من شعير ولنا بهيمة داجن فذبحتها. وطحنت الشعير، ففرغت إلى فراغي وقطعتها في برمتها ثم وليت إلى رسول الله ﷺ فقالت: لا تفضحني برسول الله ﷺ وبمن معه، فجئته فساررته، فقلت: يا رسول الله، ذبحنا بهيمة لنا وطحنا صاعا من شعير كان عندنا، فتعال أنت ونفر معك، فصاح النبي ﷺ فقال: ((يا أهل الخندق، إن جابرا قد صنع سورا فحيهلا بكم)). فقال رسول الله ﷺ: ((لا تنزلن برمتكم ولا تخبزن عجينكم حتى أجيء)). فجئت وجاء رسول الله ﷺ يقدم الناس حتى جئت امرأتي فقالت: بك، وبك، فقلت: قد فعلت الذي قلت. فأخرجت له عجينا فبصق فيه وبارك ثم عمد إلى برمتنا فبصق وبارك ثم قال: ((ادع خابزة فلتخبز معك واقدحي من برمتكم ولا تنزلوها))، وهم ألف. فأقسم بالله لقد أكلوا حتى تركوه وانحرفوا، وإن برمتنا لتغط كما هي وإن عجيننا ليخبز كما هو.

[راجع: ۳۰۷۰]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ سخت بھوکے ہیں، میں گھر آیا اور بیوی سے پوچھا کچھ کھانے کو ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ بھوکے معلوم ہوتے ہیں، بیوی نے بوری سے جو نکالے جو ایک صاع تھے، گھر میں بکری کا ایک بچہ پلا ہوا تھا، وہ میں نے ذبح کیا، اتنے میں بیوی نے آٹا پیس لیا اور گوشت کاٹ کر ہانڈی میں چڑھا دیا۔ پھر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا، بیوی نے چلتے وقت کہا تھا کہ دیکھو کہ مجھے حضور ﷺ اور ان کے اصحاب کے سامنے شرمندہ

مت کرنا کہ بہت سے آدمی آجائیں اور کھانا تھوڑا ہو جائے، میں نے رسول اکرم ﷺ سے چپکے سے عرض کیا میں نے ایک بکری کا بچہ کاٹا ہے اور ایک صاع کا آٹا پیسا ہے، آپ ﷺ اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر چلئے، آپ ﷺ نے آواز دی اے خندق والو! جلدی چلو جابر نے کھانا پکایا ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا تم چلو مگر میرے آنے تک نہ ہانڈی اتارنا اور نہ خمیر کی روٹیاں پکانا، آنحضرت ﷺ بھی لوگوں کو لے کر آنے کے لئے تیار ہونے لگے، میں نے آکر بیوی سے سب باتیں کہہ دیں، تو وہ گھبرا گئی اور کہا تم نے یہ کیا کیا، میں نے کہا میں نے تمہاری بات بھی حضور اکرم ﷺ سے کہہ دی تھی۔ غرض آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور خمیر میں لعاب دہن ملایا اور دعائے برکت فرمائی پھر فرمایا اے جابر! روٹی پکانے والی کو بلاؤ، وہ میرے پاس روٹی پکائے اور ہانڈی سے گوشت نکالے اور اسے چولہے سے نہ اتارے، آخر سب نے پیٹ بھر کر کھایا، ہانڈی اسی طرح پک رہی اور ابل رہی تھی اور روٹیاں پکائی جارہی تھیں، جابر ؓ کہتے ہیں خدا کی قسم! کھانے والے ایک ہزار تھے، سب نے کھایا اور پھر بھی ہانڈی بچی رہی، ہانڈی میں گوشت بھرا ہوا تھا اور روٹیاں برابر پک رہی تھی۔

تشریح

"داجن" کا معنی بکری کا بچہ، جو گھر میں پالا جائے یعنی پالتو۔

۴۱۰۳ ـ حدثني عثمان بن أبي شيبة: حدثنا عبدة، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها ﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ﴾ قالت: كان ذاك يوم الخندق. [۵]

ترجمہ: ہشام اپنے والد حضرت عروہ ؓ سے روایت کی انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

﴿إِذْ جَاءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ الخ﴾ [۶]

ترجمہ: جب کفار نے تمہارے اوپر اور نیچے سے چڑھائی کی اور تمہاری آنکھیں دشمنوں کو دیکھ کر پتھرا گئیں تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا یہ جنگ خندق کے دن کا حال ہے۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب التفسير، رقم: ۳۰۲۰

۶ [الاحزاب: ۱۰]

۴۱۰۴ ۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن البراء ﷺ قال: كان النبي ﷺ ينقل التراب يوم الخندق حتى أغمر بطنه أو اغبر بطنه، يقول:

والله لولا الله ما اهتدينا	**ولا تصدقنا ولا صلينا**
فأنزلن سكينة علينا	**وثبت الأقدام إن لاقينا**
إن الأولى قد بغوا علينا	**إذا أرادوا فتنة أبينا**

ويرفع بها صوته: ((أبينا أبينا)). [راجع: ۲۸۳۶]

ترجمہ: حضرت براء ﷺ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ خندق کے دن بذات خود مٹی اٹھا رہے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے شکم مبارک کو مٹی نے چھپالیا تھا یا گرد آلود ہو گیا تھا اور آپ یہ اشعار پڑھ رہے تھے۔

اللہ کی قسم! اگر اللہ کی توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے	اور ہم نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
اے اللہ! ہم پر سکون اور اطمینان نازل فرما	اور لڑائی کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے، یہ اگر ہمیں	کسی فتنہ میں ڈالیں تو ہم اسکو قبول نہ کریں گے

آپ ﷺ ابینا ابینا میں اپنی آواز کو بلند فرماتے۔

۴۱۰۵ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى بن سعيد، عن شعبة قال: حدثني الحكم، عن مجاهد، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((نصرت بالصبا، وأهلكت عاد بالدبور)). [راجع: ۱۰۳۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے پورب ہوا سے مدد دی گئی ہے، اور قوم عاد کو پچھوا ہوا سے ہلاک کیا گیا ہے۔

تیز آندھی کے ذریعے نُصرت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پورب ہوا کے ذریعہ میری مدد کی گئی "صبا" اس ہوا کو کہا جاتا ہے جو شمال سے چلے اور عاد کو دبور سے ہلاک کیا گیا تھا "دبور" وہ ہوا جو مغرب سے چلے۔

مقصد یہ ہے کہ اس ہوا سے نصرت کی گئی جو شمال کی طرف سے چلے۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقع پر تیسرے دن زبردست آندھی آئی اور وہ شمال کی طرف سے آئی، اور اس نے ان کفار کے خیمے اڑا دیئے اور کفار کی دیگیں الٹ دی اور جانور بھاگ کھڑے ہوئے، تو اب ان کے پاس کوئی چارۂ کار بجز واپسی کے نہیں رہا، اس واسطے وہ بھاگے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ہوا کے ذریعہ میری مدد کی، جب کہ عاد کو دبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا تھا۔

۴۱۰۶ ـ حدثنا أحمد بن عثمان: حدثنا شريح بن مسلمة قال: حدثني إبراهيم ابن يوسف قال: حدثني أبي، عن أبي إسحاق قال: سمعت البراء يحدث، قال: لما كان يوم الأحزاب وخندق رسول الله ﷺ رأيته ينقل من تراب الخندق حتى وارى عني التراب جلده بطنه وكان كثير الشعر. فسمعته يرتجز بكلمات ابن رواحة، وهو ينقل من التراب يقول:

اللّٰهم لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا
فأنزلن سكينة علينا وثبت الأقدام إن لاقينا
إن الأولى قد بغوا علينا وإن أرادوا فتنة أبينا

قال: ثم يمد صوته بآخرها. [راجع: ۲۸۳۶]

ترجمہ: ابواسحاق نے کہا کہ میں نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ جنگ احزاب یعنی خندق کے دن میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ خندق کی مٹی ڈھور ہے تھے، یہاں تک کہ شکم مبارک مٹی سے چھپ گیا تھا، آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر بال بہت تھے، اور آپ ﷺ ابن رواحہ ﷺ کے یہ اشعار پڑھتے جاتے اور مٹی اٹھاتے جاتے تھے۔

اے اللہ! اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت نہ پاتے اور ہم نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے
اے اللہ! ہم پر سکون اور اطمینان نازل فرما اور لڑائی کے وقت ہم کو ثابت قدم رکھ
ان لوگوں نے ہم پر بڑا ظلم کیا ہے، یہ اگر ہمیں کسی فتنہ میں ڈالیں تو ہم اسکو قبول نہ کریں گے
پھر آپ ﷺ آخری مصرعہ کھینچ کر پڑھتے تھے۔

تشریح

"حتى وارى عني التراب جلده بطنه" بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ کے بطن مبارک کی جو کھال تھی اس کو بھی گرد وغبار نے پوری طرح ڈھانپ لیا تھا۔

"وكان كثير الشعر" جب کہ آپ کے سینہ اقدس ﷺ پر کافی بال تھے۔

۴۱۰۷ ـ حدثني عبدة بن عبدالله: حدثنا عبدالصمد، عن عبدالرحمن هو ابن عبدالله بن دينار، عن أبيه: أن ابن عمر رضي الله عنهما قال: أول يوم شهدته يوم

الخندق. ۷

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جس پہلے جہاد میں، میں نے باقاعدہ شرکت کی، وہ غزوۂ خندق تھا۔

۴۱۰۸ ـ حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام، عن معمر، عن الزهري، عن سالم، عن ابن عمر، قال: وأخبرني ابن طاوس، عن عكرمة بن خالد، عن ابن عمر قال: دخلت على حفصة ونسواتها تنطف، قلت: قد كان من أمر الناس ما ترين، فلم يجعل لي من الأمر شيء، فقالت: الحق فإنهم ينتظرونک وأخشى أن يكون في احتباسک عنهم فرقة. فلم تدعه حتى ذهب. فلما تفرق الناس خطب معاوية، قال: من كان يريد أن يتكلم في هذا الأمر فليطلع لنا قرنه، فلنحن أحق به منه ومن أبيه. قال حبيب بن مسلمة: فهلا أجبته؟ قال عبدالله: فحللت حبوتي وهممت أن أقول: أحق بهذا الأمر منک من قاتلک وأباک على الإسلام، فخشيت أن أقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفک الدم، ويحمل عني غير ذلک، فذكرت ما أعد الله في الجنان. قال حبيب: حفظت وعصمت. قال محمود، عن عبد الرزاق: ونوساتها. ۸

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، تو ان کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے کہا کہ کیا تم کو پتہ ہے لوگوں کا معاملہ جو تم دیکھتی ہو اور اس معاملہ کا کوئی حصہ میرے لئے نہیں رکھا گیا، وہ فرمانے لگیں تم جاؤ لوگوں سے ملاقات کرو، وہ تمہارا انتظار کر رہے ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نہ گئے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں مزید اختلاف پیدا ہو جائے، غرض ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بہت اصرار کرنے سے وہ چلے گئے، جب تمام لوگ منتشر ہو گئے تو آخر میں امیر معاویہ ؓ

---

۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان سن البلوغ، رقم: ۱۸۶۸، وسنن ابي داؤد، كتاب الخراج والامارة والفئ، باب متى يفرض للرجل في المقاتلة، رقم: ۲۹۵۷، وكتاب الحدود، باب في الغلام يصيب الحد، رقم: ۴۴۰۶، وسنن الترمذي، ابواب الأحكام، باب ماجاء في حد بلوغ الرجل والمرأة، رقم: ۱۳۶۱، وأبواب الجهاد، باب ماجاء في حد بلوغ الرجل، ومتى يفرض له، رقم: ۱۷۱۱، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب متى يقع الطلاق الصبي، رقم: ۳۴۳۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب من لايجب عليه الحد، رقم: ۲۵۴۳، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضی الله عنهما، رقم: ۴۶۶۱

۸ انفرد به البخاري

نے خطبہ پڑھا اور کہا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس معاملہ کے اندر کوئی بات کرے تو ہمارے سامنے ذرا اپنا سینگ نکالے، ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ مستحق ہیں۔ حبیب بن مسلمہ رحمہ اللہ نے کہا کیا آپ نے امیر معاویہ ﷜ کو جواب نہیں دیا؟ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ جب حضرت معاویہ ﷜ نے یہ بات کہی تھی تو کمر بند تو میں نے بھی ڈھیلا کرلیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ جواب میں یہ کہوں اس معاملہ میں تم سے اور تمہارے باپ سے زیادہ مستحق وہ ہے جو اسلام کی خاطر تم سے جنگ کر چکا ہو۔ مگر مجھے خوف محسوس ہوا کہ میرے اس کہنے سے اختلاف پھیلے گا اور خون بہے گا، اور مجھ سے اس بات کے علاوہ باتیں منسوب کی جائیں گی تو میں نے یاد کیا ان باتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں مسلمانوں کے لئے تیار کی ہیں۔ حبیب نے کہا آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو بچالیا اور محفوظ کرلیا، اس حدیث کو محمود بن غیلان نے بھی عبدالرزاق سے روایت کیا ہے، اس میں **نسواتها** کی جگہ **نوساتها** ہے۔

زمانۂ فتنہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**دخلت علی حفصة ونسواتها تنطف**" میں اپنی بہن ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اس حالت میں کہ آپ کی مینڈیاں ٹپک رہی تھی یعنی غسل فرمایا گیا ہوگا جس کے بعد ان کے سر کے بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"**قد کان من أمر الناس ما ترین**" میں جب انکے پاس گیا تو ان سے اس فتنہ کے بارے میں بات کی اور کہا کیا آپ کو پتہ ہے کہ لوگوں کا معاملہ، جو آپ دیکھ رہی ہیں یعنی آپس میں اختلاف ہے اور خانہ جنگی ہو رہی ہے۔ وہ مسلمانوں میں باہمی فتنہ کا زمانہ تھا اور حضرت علی ﷜ اور حضرت امیر معاویہ ﷜ کے درمیان جنگ چل رہی تھی۔

"**فلم یجعل لی من الأمر شیء**" اور اس معاملہ کا کوئی حصہ میرے لئے نہیں رکھا گیا یعنی نہ مجھے کوئی اختیار دیا گیا ہے کہ میں کوئی آپس میں اختلاف ختم کرنے کی غرض سے کوئی فیصلہ کرسکوں، نہ حکومت میں مجھے کوئی منصب وعہدہ دیا گیا ہے، نہ کوئی خدمت میرے سپرد کی گئی۔

"**الحق فانهم ینتظر ونک**" ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا مجھ سے کہا کہ جاؤ باہر لوگ جمع ہو رہے ہیں تم جا کر ان سے ملو کیونکہ وہ لوگ تمہاری بات کرنے کا انتظار کر رہے ہیں، یعنی لوگ چاہتے ہیں کہ آپ اس اختلاف کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

"**واخشی أن یکون فی احتباسک عنهم فرقة**" مجھے اندیشہ ہے آپ اگر وہاں نہ گئے تو آپ

کے رک جانے سے مسلمانوں کے درمیان تفریق ہو جائے گی یعنی اگر آپ گھر میں بیٹھے رہے اور ان سے جا کر بات نہ کی یا ان کے ساتھ شامل نہ ہوئے تو مسلمانوں میں مزید تفریق ہوگی اور کہیں گے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی الگ ہو گئے۔

"فلم تدعه حتى ذهب" چھوڑا نہیں حتی کہ وہ چلے گئے یعنی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ان سے اس بات کا اصرار کرتی رہیں یہاں تک وہ باہر چلے گئے۔

"فلما تفرق الناس خطب معاوية" معاویہ ؓ بھی موجود تھے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی موجود تھے خلافت کا مسئلہ درپیش تھا جب لوگ منتشر ہو گئے تو پھر حضرت معاویہ ؓ نے خطبہ دیا۔

"من كان يريد أن يتكلم في هذا الأمر فليطلع لنا قرنه" حضرت معاویہ ؓ نے کہا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس معاملہ کے اندر کوئی بات کرے تو ہمارے سامنے ذرا اپنا سینگ نکالے یعنی اگر کوئی شخص چاہتا ہو کہ وہ اس بارے میں بات کرے وہ خلافت کے بارے میں کہ یہ کہے کہ مجھے خلافت کا زیادہ حق پہنچتا ہے تو وہ شخص ہمارے سامنے آ کر بات کرے۔

"فلنحن أحق به منه ومن أبيه" جو کوئی شخص بھی ایسا سوچتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خلافت کا زیادہ حقدار ہے تو یاد رکھے کہ ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں۔

"قال حبيب بن مسلمة: فهلا أجبته؟" حبیب بن مسلمہ رحمہ اللہ جو کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں انہوں نے کہا کیا آپ نے حضرت معاویہ ؓ کی بات کا جواب نہیں دیا؟

"فحللت حبوتي وهممت أن أقول" کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب میں حضرت معاویہ ؓ کی یہ بات سنی تو کمر بند تو میں نے بھی ڈھیلا کر لیا تھا اور میرا ارادہ ہوا تھا کہ یہ کہوں مطلب یہ ہے کہ میں بھی اس بات کے لئے تیار ہو گیا تھا کہ ان کو جواب دوں،۔

"أحق بهذا الأمر منك من قاتلك وأباك على الإسلام" اس معاملہ کا تم سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جس نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کے اوپر قتال کیا۔

یہاں یہ بات کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت معاویہ ؓ کے والد ابوسفیان تھے اور غزوۂ احزاب تک وہی مسلمانوں کے خلاف مقابلہ پر آتے رہے، احد و خندق میں بھی کفار کے لشکر کے سپہ سالار وہی تھے، تو جس شخص نے تم سے اور تمہارے باپ سے اسلام کی وجہ سے مقابلہ کیا وہ بنسبت تمہارے اس بات کے زیادہ حقدار ہیں۔

"فخشيت أن أقول كلمة تفرق بين الجمع وتسفك الدم" لیکن کہتے ہیں پھر مجھے اس بات کا خوف محسوس ہوا کہ کہیں کوئی ایسا کلمہ نہ کہہ دوں کہ مسلمانوں کے درمیان انتشار کا سبب بنے اور مسلمانوں میں خانہ جنگی کا ذریعہ بنے، اور باہم خون ریزی ہو جائے۔

"ويحمل عني غير ذلك" اور مجھ سے اس بات کے علاوہ باتیں منسوب کی جائیں گی، یعنی میں تو صرف اتنا ہی کہوں لیکن لوگ اس کے پر کا کوا بنا کر اس میں داستان تراشیاں کر کے پتہ نہیں کیا کچھ میری طرف منسوب کر دیں گے۔

"فذكرت ما أعد الله في الجنان" تو میں نے یاد کیا ان باتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے جنت میں تیار کی ہیں یعنی میں نے بجائے اس کے کہ میں یہ بات کروں اس سے اختلاف بڑھے میں نے ان باتوں کو یاد کیا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جنتوں میں مؤمنین کے لئے تیار کیا ہے۔

"قال حبيب: حفظت وعصمت" حبیب بن مسلمہ رحمہ اللہ نے کہا آپ رضی اللہ عنہ نے خود کو بچالیا اور محفوظ کر لیا یعنی خود کو فتنہ وفساد سے بچالیا آپ نے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مقام

مقصد یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے علم کا مقام، ان کے فضائل کا مقام اور صحبت کا مقام، جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوات میں شرکت کا مقام اور ان کے والد ماجد حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے سب مقامات اتنے اعلیٰ سے اعلیٰ تھے کہ اگر یہ جواب دیتے تو جواب دینے میں حق بجانب ہوتے، لیکن خاموش رہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں میں خانہ جنگی ہو جائے۔

اس واسطے انہوں نے پوری ان اختلافات کے حوالے سے خاموشی اختیار کی اور اس پورے فتنہ کے دور میں ان کا یہ طرز عمل رہا کہ ان معاملات سے علیحدہ رہے اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز کیا۔

امام زہری رحمہ اللہ کا خوبصورت مقولہ ہے فرماتے ہیں کہ "اقتدوا بعمر في السلم وبنيه في الفتنة" امن کی حالت میں حضرت عمر ﷺ کی اقتداء کرو اور فتنہ کی حالت میں ان کے بیٹے کی اقتدا کرو، یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ﷺ کی کہ انہوں نے فتنہ کے عالم میں اپنے آپ کو مسلمانوں کے انتشار وافتراق سے کس طرح بچایا۔

۴۱۰۹ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن سليمان بن صرد قال: قال النبي ﷺ يوم الأحزاب: ((نغزوهم ولا يغزوننا)). [انظر: ۴۱۱۰] [۹]

---

[۹] ... أول مسند الكوفيين، باب حديث سليمان بن ... ۱۷۵۸۹، ومن مسند القبائل، باب حديث ابن صرد، رقم: ۲۵۹۳۹

ترجمہ: سلیمان بن صرد نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے احزاب کے دن فرمایا اب ہم ہی ان پر چڑھائی کیا کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کرسکیں گے۔

۴۱۱۰ ۔ حدثني عبدالله بن محمد: حدثنا يحي بن آدم: حدثنا إسرائيل: سمعت أبا إسحاق يقول: سمعت سليمان بن صرد يقول: سمعت النبي ﷺ يقول حين أجلي الأحزاب عنه: ((الآن نغزوهم ولا يغزوننا، نحن نسير إليهم)). [راجع: ۴۱۰۹]

ترجمہ: سلیمان بن صرد کہتے تھے کہ جب جنگ خندق کے دن کافر اپنے اپنے ملک کو لوٹ گئے اور میدان صاف ہوگیا، تو میں نے سنا کہ رسول اکرم ﷺ فرمارہے تھے کہ اب آج سے ہم ہی ان پر چڑھائی کرنے جائیں گے اور لڑیں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کرسکتے۔

تشریح

نبی کریم ﷺ نے احزاب کے دن فرمایا کہ اب انتہاء ہوگئی اب یہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے اب ہم ان کے اوپر حملہ کریں گے، اب تک تو یہ بدر، اُحد اور خندق میں حملہ کرتے ہوئے آرہے تھے، لیکن اب بس ہماری باری ہے۔ اب یہ ہمارے اوپر حملہ نہیں کریں گے اب ہم حملہ کرنے جائیں گے۔

۴۱۱۱ ۔ حدثنا إسحاق: حدثنا روح: حدثنا هشام، عن محمد، عن عبيدة، عن علي عن النبي ﷺ أنه قال يوم الخندق: ((ملأ الله عليهم بيوتهم وقبورهم نارا، كما شغلونا عن الصلاة الوسطى حتى غابت الشمس)). [راجع: ۲۹۳۱]

ترجمہ: حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خندق کے دن فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور ان کی قبروں کو آگ سے بھرے کہ انہوں نے ہمیں نماز وسطیٰ سے یعنی عصر کی نماز سے مشغول کرلیا (تیراندازی کا اتنا زبردست سیلاب اور طوفان تھا کہ نماز عصر کے پڑھنے کا وقت نہیں مل سکا) یہاں تک سورج غروب ہوگیا۔

۴۱۱۲ ۔ حدثنا المكي بن إبراهيم: حدثنا هشام، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن جابر بن عبد الله: أن عمر بن الخطاب ؓ جاء يوم الخندق بعدما غربت الشمس، جعل يسب كفار قريش، وقال: يا رسول الله ما كدت أن أصلي حتى كادت الشمس أن تغرب، قال النبي ﷺ: ((والله ما صليتها))، فنزلنا مع النبي ﷺ بطحان فتوضأ للصلاة وتوضأنا لها، فصلى العصر بعدما غربت الشمس، ثم صلى بعدها المغرب. [راجع: ۵۹۶]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ خندق کے دن حضرت عمر بن خطاب ﷺ سورج ڈوبنے کے بعد کافروں کو برا کہتے ہوئے تشریف لائے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں عصر کی نماز ادا کرنے نہ پایا تھا اور سورج ڈوب گیا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا بخدا ہم نے بھی نماز نہیں پڑھی، پھر ہم آنحضرت ﷺ نے اور ہم نے وضو کیا سورج غروب ہو چکا تھا پہلے عصر کی نماز پڑھائی پھر مغرب کی پڑھائی۔

۴۱۱۳ ۔ حدثنامحمد بن کثیر:أخبرسفیان،عن ابن المنکدر قال: سمعت جابرا یقول: قال رسول اللہ ﷺ یوم الأحزاب: ((من یأتینا بخبر القوم؟)) فقال الزبیر ﷺ: أنا، ثم قال: ((من یأتینا بخبر القوم؟)) فقال الزبیر ﷺ: أنا، ثم قال: ((من یأتینا بخبر القوم؟)) فقال الزبیر ﷺ: أنا. ثم قال: ((إن لکل نبی حواریا وإن حواری الزبیر)). [راجع: ۲۸۴۷]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ نے کہا کہ میں نے جنگ احزاب کے دن حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، کون ہے جو ہم کو قوم (کفار) کی خبر لا کر دے؟ زبیر ﷺ نے کہا میں ہوں، پھر فرمایا کون ہے جو ہم کو قوم (کفار) کی خبر لا کر دے؟ زبیر ﷺ نے کہا میں ہوں، پھر فرمایا کون ہے جو قوم (کفار) کی خبر لائے، زبیر ﷺ بن عوام نے کہا میں ہوں، پھر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہر پیغمبر کا حواری (رفیق خاص) ہوتا ہے، اور میرا حواری زبیر ﷺ بن عوام ہے۔

حضرت زبیر ﷺ کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے یوم الاحزاب کے دن دشمن کی جاسوسی کی غرض سے فرمایا تھا کہ کون ہے؟ جو میرے پاس قوم کی خبریں لے کر آئے یعنی مشرکین کی؟

"**فقال الزبیر أنا**" تین مرتبہ آپ ﷺ سے نے اس طرح پوچھا کہ کون خبر لیکر آئے گا تو ہر بار حضرت زبیر بن عوام ﷺ نے کہا میں ہوں یعنی میں جاسوسی کی غرض سے دشمن کے لشکر میں گھسوں گا اور ان کے احوال آنحضرت ﷺ کو لا کر پیش کروں گا۔

"**إن لکل نبی حواریا وإن حواری الزبیر**" آپ ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا کہ ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے (حواری کسی شخص کے بہت خاص آدمی کو کہتے ہیں) اور میرا حواری زبیر بن عوام ہیں۔

اس میں یہ احتمال ہے کہ کہ آپ ﷺ نے کئی مرتبہ یہ بات فرمائی یہ دیکھنے کے لئے کہ کوئی دوسرا کہتا ہے یا نہیں؟ لیکن ہر مرتبہ حضرت زبیر ﷺ نے سبقت کی۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تین مختلف واقعات ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کون ہے جو خبر لے کر آئے تو حضرت

زبیر ﷺ کھڑے ہوگئے اور پھر خبر لے آئے۔ پھر آپ ﷺ نے کسی اور موقع پر فرمایا کہ کون ہے جو خبر لے کر آئے تو پھر حضرت زبیر ﷺ کھڑے ہوگئے پھر تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا۔

۴۱۱۴ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا الليث، عن سعيد بن أبي سعيد عن أبيه، عن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان يقول: ((لا إله إلا الله وحده، أعز جنده، ونصر عبده، وغلب الأحزاب وحده، فلا شيء بعده)). [۱۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ دعائیہ کلمات ارشاد فرماتے تھے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، جس نے اپنے لشکر کو غلبہ عطا فرمایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور جماعت کفار کو مغلوب کیا، اس کی ذات بے مثل ہے باقی ہر شے کو فنا ہے۔

۴۱۱۵ ۔ حدثني محمد: أخبرنا الفزاري وعبدة، عن إسماعيل بن أبي خالد قال: سمعت عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنهما يقول: دعا رسول الله ﷺ على الأحزاب فقال: ((اللهم منزل الكتاب، سريع الحساب، اهزم الأحزاب. اللهم اهزمهم وزلزلهم)). [راجع: ۲۹۳۳]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کافروں کی جماعت کے لئے بد دعا فرماتے تھے، اور اس طرح ارشاد فرماتے تھے کہ اے اللہ! کتاب کو نازل کرنے والے، تیز حساب کرنے والے، کافروں کی جماعت کو شکست دے، یا اللہ! ان کو شکست دے اور ان کے قدم اکھیڑ دے۔

۴۱۱۶ ۔ حدثنا محمد بن مقاتل: حدثنا عبدالله: أخبرنا موسى بن عقبة، عن سالم ونافع، عن عبدالله ﷺ: أن رسول الله ﷺ كان إذا قفل من الغزو أو الحج أو العمرة يبدأ فيكبر ثلاث مرار ثم يقول: ((لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شيء قدير آئبون تائبون، عابدون ساجدون، لربنا حامدون، صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده)). [راجع: ۱۷۹۷]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ اور نافع دونوں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ حج، جہاد یا عمرہ سے واپس آتے تو پہلے تین بار تکبیر کہتے، پھر اس طرح ارشاد

---

[۱۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب التعوذ من شر ما عمل ومن شر مالم يعلم، رقم: ۴۷۲۲، و مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند ابی هريرة ﷺ، رقم: ۲۰۲۰۶، ۸۴۹۰، ۸۰۶۷

فرماتے کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں ہے، وہی بادشاہ ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہ سب کچھ کرسکتا ہے، ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، تو یہ عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں، ہم اپنے مالک کے شکر گزار ہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکست دی اور مغلوب کیا۔

سفر سے واپسی کی دعاء

آپ ﷺ کا یہ ارشاد غزوۂ احزاب سے واپسی پر ہے جب کفار کا لشکر شکست سے دوچار ہوکر چلا گیا اور آپ ﷺ واپس آئے تو یہ کلمات آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے۔

لاإلـه إلاالله وحـده لاشـريک لـه، لـه الـمـلـک ولـه الـحـمد وهوعلى كل شئ قـديـر آئبـون تائبون، عابدون ساجدون، لربنا حامدون، صدق الله وعده ونصرعبده وهزم الأحزاب وحده

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، کوئی اسکا شریک نہیں، وہی بادشاہ ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، وہ سب کچھ کرسکتا ہے، ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں، تو یہ عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں، ہم اپنے مالک کے شکر گزار ہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کردیا، اور اپنے بندے کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکست دی اور مغلوب کیا۔

بعد میں پھر یہ ایک ماثور ہوگیا کہ جب بھی آدمی کسی سفر سے واپس آئے، حج کے سفر سے ہو یا اور کسی سفر سے، تو پھر یہ کلمات کہے۔

باب
غزوة بنى قريظة

(۳۱) باب: مرجع النبي ﷺ من الأحزاب ومخرجه إلى بني قريظة ومحاصرته إياهم

نبی کریم ﷺ کا غزوۂ احزاب سے تشریف لانا اور بنوقریظہ کی طرف نکلنا اور ان کا محاصرہ کرنا

یہودِ بنوقریظہ پر لشکر کشی اور اس کے اسباب

شروع میں یہ تفصیل گذری ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے یہودیوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا اور یہودیوں میں بنونضیر سے بھی معاہدہ تھا اور بنوقریظہ بھی معاہدہ میں شامل تھے۔

بنونضیر نے پہلے خلاف ورزی کی جس کے نتیجے میں ان کو جلاوطن کیا گیا، بنوقریظہ سے ابھی تک معاہدہ چل رہا تھا اور وہ مدینہ منورہ کے قریب اپنی بستیوں میں مقیم تھے لیکن جب غزوۂ احزاب کا موقع آیا تو اس موقع پر بنونضیر کے سردار حییٔ بن اخطب وغیرہ نے جا کر مکہ مکرمہ کے کافروں کو اکسایا تھا۔

اسی طرح حیی بن اخطب بنوقریظہ کے سرداروں سے ملا اور ان سے کہا کہ قریش کے لوگ اور قبائل عرب مدینہ پر حملہ کر رہے ہیں اور اب محمد اور ان کے صحابہ کو ختم کرنے کا آخری موقع ہے اور اس مرتبہ اتنا زبردست لشکر آ رہا ہے کہ یہ مقابلہ نہیں کر سکیں گے، لہٰذا تم بھی اپنا معاہدہ توڑ دو، زبردست لشکر آ رہا ہے اور تم اس کی معاونت کرو اور ہم سب مل کے ان کو ختم کر دیں گے اور پھر ہم ہی ہم ہوں گے۔

شروع میں قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سب ایسا ہی ہوگا اور وہ حیی ابن اخطب مسلسل لگا رہا یہاں تک کہ وہ راضی ہو گیا، راضی کرنے کے نتیجے میں بنوقریظہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مدینہ پر حملہ آور کفار کے لشکر کی مدد کی۔

حضور اقدس ﷺ کو اس کا علم ہو گیا تھا اور جب آپ ﷺ غزوۂ احزاب سے واپس تشریف لائے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے تو ہتھیار رکھ دیئے ہیں جبکہ ہم نے ابھی تک نہیں رکھے۔

چنانچہ رسول کریم ﷺ صحابۂ کرام ؓ کو لے کر بنوقریظہ تشریف لے گئے اور وہاں ان کی بستیوں کا

محاصرہ کیا۔ یہ محاصرہ تین دن تک جاری رہا، اس دوران بنو قریظہ قلعہ کے اندر بند رہے۔

آثارِ شکستگی نے راستہ ہموار کر دیا

اس مرحلہ پر بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اب محاصرہ بہت لمبا ہو گیا ہے تو اب تین راستے ہیں ان میں سے کوئی اختیار کرو۔

ایک: راستہ یہ ہے کہ تم مانتے اور جانتے ہو کہ نبی کریم ﷺ سچے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر بھیجا ہے تو ان کو مان لو اور ان پر ایمان لے آؤ اور جب ایمان لے آؤ گے تو تمہاری جان و مال اور آبرو سب محفوظ رہے گی۔

دوسرا: راستہ یہ ہے کہ لڑنے کا ارادہ ہو تو پہلے اپنے عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھ سے مار دو تاکہ اس کی فکر نہ رہے۔ اس کے بعد ہم مل کے نبی کریم ﷺ پر حملہ کریں اور اگر مر گئے تو مر گئے اور اگر فتح پا گئے تو بچے دوبارہ ہو جائیں گے عورتوں کی کمی نہیں۔

تیسرا: راستہ یہ ہے کہ دروازہ کھول دو اور اتر آؤ اور ان سے کہو جو آپ کا فیصلہ ہے وہ ہمیں منظور ہے۔

شروع میں تینوں باتوں سے ان لوگوں نے انکار کیا نہ ہم اپنا دین چھوڑ سکتے ہیں اور نہ اپنے بیوی بچوں کو قتل کر سکتے ہیں، مقابلہ ہی کر سکتے ہیں، چنانچہ مقابلہ جاری رہا اور بالآخر محاصرہ کی وجہ سے مجبور ہو گئے تو اس کے بعد انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قلعوں سے نیچے اترتے ہیں اور آپ ﷺ کا جو کچھ فیصلہ ہمارے بارے میں ہو گا وہ ہمیں منظور ہو گا۔ جب قلعے سے نیچے اتر آئے اور آپ ﷺ کے فیصلہ پر خود آمادگی کا اظہار کیا۔

بنو قریظہ کی زمانہ جاہلیت میں قبیلۂ اوس کے ساتھ حلافت تھی، قبیلۂ اوس جو انصار کا قبیلہ تھا اور بنو نضیر کی خزرج کے ساتھ حلافت تھی۔ بنو نضیر کا جب معاملہ ہوا تو قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے رسول کریم ﷺ سے سفارش کی تھی کہ آپ ان کو قتل نہ کریں اور ان کو جلاوطن کریں۔

اس موقع پر جب بنو قریظہ کے لوگ حضور نبی کریم ﷺ کے حکم پر قلعے چھوڑنے پر راضی ہوئے تو قبیلۂ اوس لوگوں نے یعنی صحابۂ کرام ﷺ نے کہا یا رسول اللہ! جس طرح بنو نضیر کے ساتھ بنو خزرج کی سفارش پر معاملہ ہوا تھا اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا گیا تھا اب یہ ہمارے حلیف ہیں، ان کے بارے میں بھی ہماری سفارش قبول کر لیجئے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، قبیلۂ اوس کا سردار سعد بن معاذ ہیں، میں معاملہ ان کے حوالہ کرتا ہوں جو بھی فیصلہ سعد بن معاذ کریں گے، میں بھی اس کو تسلیم کروں گا اور اسی کے مطابق عمل کروں گا۔

غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تیر لگا تھا جس سے وہ بہت سخت زخمی ہوئے، بعد اسی زخمی حالت میں شہید ہوگئے تھے، ان کا وہیں مسجد کے قریب نماز پڑھنے کیلئے خیمہ لگایا تھا تا کہ ان کی عیادت کی جاسکے۔

انہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر یہ دعا کی تھی یا اللہ! اگر قریش کے ساتھ اور جنگ ہونی ہے تو مجھے زندہ رکھئے تا کہ میں ان کے ساتھ لڑسکوں اور اگر ان کے ساتھ اور کوئی جنگ نہیں ہونی ہے تو بس پھر اسی میں میری شہادت ہوجائے تو اچھا ہے۔

جب حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ کیا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور ان سے کہا کہ آپ ان کے بارے میں فیصلہ کیجئے۔ قریظہ کے لوگ اس بات سے خوش اور مطمئن تھے کہ فیصلہ ایسے شخص کے حوالہ کیا گیا ہے جو ان کا حلیف رہ چکا ہے، لہٰذا ان کا خیال تھا کہ ہمارے ساتھ نرمی کا معاملہ ہوگا لیکن سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ یہ کیا کہ جو مرد ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔

فیصلہ سنانے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن معاذ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق ہے۔

چنانچہ اسی کے اوپر عمل کیا گیا، حضور اکرم ﷺ نے بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، اس لئے خندق کھودی گئی اور دو دو تین تین افراد کو لایا گیا اور ان کو قتل کر دیا گیا یہاں تک کہ زیادہ تر روایتیں اس طرف ہیں کہ قریظہ کے چار سو یہودی قتل کئے گئے اور بچوں اور عورتوں کو کنیز اور غلام بنایا گیا۔[1]

یہ بنو قریظہ کا واقعہ ہے جس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں مختلف روایات ذکر کی ہیں۔

۴۱۱۷ ۔ حدثنی عبداللہ بن أبی شیبة: حدثنا ابن نمیر، عن هشام، عن أبیه، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: لما رجع النبی ﷺ من الخندق ووضع السلاح واغتسل أتاه جبرئیل علیه السلام فقال: قد وضعت السلاح! واللہ ما وضعناه، فاخرج إلیهم، قال: ((فإلی أین؟)) قال: هاهنا، وأشار إلی بنی قریظة، فخرج النبی ﷺ إلیهم. [راجع: ۴۶۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ جنگ خندق سے واپس آئے، ہتھیار اتار کر رکھے اور غسل فرمایا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے، آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے! مگر ہم فرشتوں نے اللہ کی قسم! ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے ہیں، ان کی طرف چلئے، آپ ﷺ نے پوچھا کس طرف؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ سے کہا کہ بنی قریظہ کی طرف، چنانچہ نبی ﷺ ان کی طرف تشریف لے گئے۔

---

[1] کتاب المغازی للواقدی، ج: ۲، ص: ۴۹۶

تشریح

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان فرمائی ہے۔

"قال لما رجع الخ" جب نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق سے واپس مدینہ تشریف لائے اور آپ ﷺ نے ہتھیار اٹھا کر رکھ دیئے اور غسل بھی فرمالیا۔

"فاتاہ جبرئیل الخ" تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے اور ہم فرشتوں نے تو اللہ کی قسم! ہتھیار ابھی تک نہیں اتارے۔

"فاخرج إليهم الخ" آپ ﷺ سے کہا کہ ان کی طرف چلئے، آپ ﷺ نے پوچھا کہ کہاں جانا ہے؟

"وأشار إلى بني قريظة الخ" تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بنوقریظہ کی طرف اشارہ کیا چنانچہ آنحضرت ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیکر بنوقریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔

۴۱۱۸ ۔ حدثنا موسى: حدثنا جرير بن حازم، عن حميد بن هلال، عن أنس رضي الله عنه قال: كأني أنظر إلى الغبار ساطعا في زقاق بني غنم موكب جبريل حين سار رسول الله ﷺ إلى بني قريظة. [۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں لشکر جبرئیل کا گرد وغبار اب تک بنی غنم میں اڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ حضور ﷺ کے ساتھ وہ بنی قریظہ کی طرف گئے تھے۔

جبرائیل علیہ السلام کے لشکر کا منظر

حضرت انس رضی اللہ عنہ بنوقریظہ کی طرف روانگی کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لشکر کا منظر یوں بیان فرماتے ہیں **"كأني أنظر إلى الغبار ساطعا في زقاق بني غنم"** کہ ایسا لگ رہا ہے کہ میں ابھی بھی دیکھ رہا ہوں، یعنی وہ واقعہ میرے ذہن میں اس طرح مستحضر ہے جیسا کہ اب دیکھ رہا ہوں، جو غبار اڑتی ہوئی مٹی کی طرح بنوغنم کی گلی میں پھیل رہا تھا۔

"موكب جبريل حين الخ" - **"موكب جبرئيل"** اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے **"أرى موكب جبرئيل"** میں حضرت

---

[۲] وفي مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۳۲۲۱

جبرائیل ﷺ کے جلوس کو دیکھ رہا تھا۔

"موکب" ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو شاہانہ طریقہ پر شان وشوکت کے ساتھ جاتی ہے، جیسے کوئی شاہی سواری ہوتی ہے اور اس کے ساتھ بہت ساری سواریاں ہوتی ہیں، محافظ و پہرے دار ہوتے ہیں، اس کو "موکب" کہتے ہیں۔

آج کل جو سیاسی جلوس وغیرہ نکالتے ہیں اس کو بھی آج کل کی زبان میں "موکب" کہا جاتا ہے تو حضرت جبرئیل ﷺ کا جلوس تھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسکو مجرور پڑھیں، اس صورت میں یہ "زقاق بنی غنم" کا بدل ہوگا۔

یہاں پر دونوں صورتیں ہوسکتی ہیں۔

۴۱۱۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن محمد بن أسماء: حدثنا جويرية بن أسماء، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال النبی ﷺ یوم الأحزاب: ((لا یصلین أحد العصر إلا فی بنی قریظة))، فأدرک بعضهم العصر فی الطریق، فقال بعضهم: لا نصلی حتی نأتیها، وقال بعضهم: بل نصلی، لم یرد منا ذلک. فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف واحدا منهم.

[راجع: ۹۴۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم میں ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے، مگر نماز کا وقت راستہ ہی میں آ گیا، کچھ لوگوں نے کہا ہم تو وہیں پہنچ کر نماز پڑھیں گے، بعض نے کہا ہم تو پڑھ لیتے ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کا مطلب یہ نہیں تھا کہ نماز قضا کر دی جائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ نے کسی سے کچھ نہیں فرمایا۔

اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب قابل نکیر نہیں ہوتی

ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احزاب کے دن، جو صحابہ کرام بنوقریظہ جا رہے تھے ان سے فرمایا تھا "**لا یصلین أحد العصر إلا فی بنی قریظة**" تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنوقریظہ جا کر، لیکن راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آ گیا یا لوگوں نے عصر کا وقت راستہ میں پالیا۔

"**فقال بعضهم: لا نصلی حتی نأتیها**" بعض حضرات نے کہا کہ ہم عصر کی نماز اس وقت تک نہ پڑھیں گے جب تک بنوقریظہ نہ پہنچ جائیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ نماز بنوقریظہ میں ہی جا کر پڑھیں۔

"**وقال بعضهم: بل نصلی، لم یرد منا ذلک**" اور بعض نے کہا کہ ہم راستہ میں ہی نماز

پڑھیں گے۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ اگر راستہ میں عصر کی نماز آگئی تو بھی نہ پڑھنا، مقصود تو یہ تھا کہ جلدی بنو قریظہ پہنچ جاؤ اور وہاں جا کر عصر کی نماز پڑھو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ راستہ میں عصر کا وقت آگیا تو بھی نہ پڑھنا، کیونکہ راستہ میں وقت آگیا ہے، لہٰذا ہم پڑھیں گے۔

"فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف واحدا منهم" جب آنحضرت ﷺ سے صحابۂ کرام ؓ کے یہ دونوں مؤقف ذکر کئے گئے، تو آپ ﷺ نے ان میں سے کسی رائے کی بھی توبیخ نہیں فرمائی یعنی نکیر نہیں فرمائی۔

یہ اس بات کی بالکل واضح دلیل ہے کہ اختلاف جہاں اجتہادی ہو تو وہاں پر کوئی بھی جانب قابل نکیر نہیں ہوتی ہے۔ دونوں طرف کے حضرات کا مؤقف اجتہاد پر مبنی تھا جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم بنو قریظہ ہی جا کر نماز پڑھیں گے وہ حضور ﷺ کے ظاہری الفاظ کا اعتبار کر رہے تھے اور جو یہ کہہ رہے تھے کہ ہم ابھی پڑھیں گے، تو ان کا رجحان حکم کی علت کی طرف تھا کہ حکم کی علت یہ ہے کہ جلدی پہنچ جائیں، مقصد یہ نہیں تھا کہ اگر وقت آجائے تب بھی نہ پڑھنا۔

تو دونوں کا مؤقف اپنے اپنے اجتہاد پر مبنی تھا۔ دونوں میں سے کسی پر آپ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی۔

اب کس کا مؤقف زیادہ بہتر تھا؟ اس میں لوگوں نے کلام کیا ہے۔

علامہ ابن حزم ظاہری کہتے ہیں کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو چاہے راستے میں دس سال بھی لگ جاتے تو میں بنو قریظہ میں ہی جا کر پڑھتا۔

دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہ مطلب تو نہیں تھا کہ نماز قضاء ہو جائے تب بھی نہ پڑھو، جلدی پہنچنا منظور تھا، تو بہر حال یہ مختلف مذاہب ہیں اور کوئی بھی جانب ایسی نہیں ہے کہ جس کو قابل نکیر کہا جا سکے۔ [۳]

۴۱۲۰ ـ حدثني ابن أبي الأسود: حدثنا معتمر. وحدثني خليفة: حدثنا معتمر قال: سمعت أبي عن أنس ؓ قال: كان الرجل يجعل للنبي ﷺ النخلات حتى افتتح قريظة والنضير، وإن أهلي أمروني أن آتي النبي ﷺ فأسأله الذين كانوا أعطوه أو بعضه. وكان النبي ﷺ قد أعطاه أم أيمن فجاءت أم أيمن فجعلت الثوب في عنقي تقول: كلا والذي لا إله إلا هو، لا يعطيكهم وقد أعطانيها، أو كما قالت، والنبي ﷺ يقول: ((لك كذا)) وتقول: كلا والله، حتى أعطاها ـ حسبت أنه قال: ـ عشرة أمثاله، أو كما قال.

[راجع: ۲۶۳۰]

---

[۳] فتح الباری، ج:۷، ص:۴۰۹

مقاسمت اور اخوت کی مثال

یہ واقعہ جو پہلے بھی گذر چکا ہے کہ انصاری صحابہ کرام ﷺ نے مہاجرین صحابہ کرام ﷺ کے لئے کھجور کے ایک ایک درخت دئے تھے تا کہ اس کے پھل سے وہ گزارہ کر سکیں اور اس کو بیچ کر اپنی معاشی ضرورتیں پوری کر سکیں تو اس واقعہ میں انہیں درختوں کا ذکر ہے۔

"کان الرجل یجعل للنبی ﷺ النخلات" مراد انصار کے لوگ ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو کچھ کھجور کے درخت دے رکھے تھے، **"حتی افتتح قریظة والنضیر"** یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے بنوقریظہ اور بنونضیر کو فتح کر لیا۔ جب بنوقریظہ اور بنونضیر فتح ہوگئے اور ان کے مال واسباب فیٔ کے طور پر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ ﷺ نے وہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ انصار نے مہاجرین کو جو درخت وغیرہ دے رکھا ہے، اب مہاجرین وہ ان کو واپس کر دیں۔

"وإن أهلی أمرونی أن آتی النبی ﷺ فأساله الذین کانوا أعطوه أو بعضه" حضرت انس ﷺ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں میرے گھر والوں نے مجھے کہا کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس جاؤں اور آپ سے اُن درختوں کے بارے میں پوچھوں جو انہوں نے دیئے تھے یا بعض کے بارے میں کہ وہ واپس کریں گے یا نہیں؟

"وکان النبی ﷺ قد أعطاه أم ایمن" انصار نے آنحضرت ﷺ کو جو درخت دیئے تھے ان میں سے بعض درخت نبی کریم ﷺ نے اپنے قبضے میں رکھے تھے، اور ایک درخت آپ ﷺ نے ام ایمن رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔ ام ایمن حضور ﷺ کی دایہ تھیں اور حبشیہ تھیں، بعد میں انکا نکاح زید بن حارثہ ﷺ سے ہوا تھا۔

"فجاء ت أم أیمن فجعلت الثوب فی عنقی" حضور ﷺ نے جو درخت ام ایمن کو دیا تھا، تو جب ان کو پتہ لگا کہ وہ درخت واپس کیا جائے گا تو وہ آئیں اور کپڑا میرے گردن میں ڈال دیا۔

"کلا والذی لا إله إلا هو، لا یعطیکهم وقد أعطانیها" وہ کہنے لگی کہ ہر گز نہیں، اللہ کی قسم اس کے سوا کوئی معبود نہیں حضور ﷺ اب آپ کو واپس نہیں دیں گے، جب کہ آپ نے وہ مجھے دے دیا۔

بظاہر ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک سے نہ صرف میرے پاس آیا ہے بلکہ یہ تو آپ کا تبرک ہے، اس کو دینے میں متردد تھیں۔

"والنبی ﷺ یقول: ((لک کذا)) وتقول: کلا واللہ" حضور ﷺ نے ان کی بات سن کے جواب میں کہا کہ یہ تو دے دو، ان کے بدلہ میں فلاں چیز دے دوں گا۔ ام ایمن نے کہا کہ ہرگز نہیں دوں گی۔

"حتی اعطاها ۔ حسبت انه قال: ۔ عشرة امثاله، او کما قال" یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کے بدلے ان کو دوسرے دے دیئے، راوی کا اپنا خیال ہے کہ میرا خیال ہے کہ جتنا وہ کھجور کا درخت اصل تھا اس سے دس گنا آپ ﷺ نے ان کو دے دیا، تب انہوں نے اپنا واپس کیا۔

"رجوع عن الهبة" میں اختلاف

یہ حنفیہ اور شافعیہ کا مشہور مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ ہبہ میں واہب رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟

تو حنفیہ کا قول مشہور یہ ہے کہ "الواهب احق بهبته" وہ واپس لے سکتا ہے، بعض حنفیہ نے اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنا جائز ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں کہ واپس نہیں لے سکتا۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ ان حضرت نے حضور اکرم ﷺ کو جو نخل دیئے تھے اور حضور ﷺ نے ام ایمن کو ہبہ کیا تھا اور پھر آپ ﷺ نے ہبہ واپس لیا، اگر ہبہ نہ ہوتا تو ام ایمن دینے سے انکار نہ کرتی۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ یہ عاریت تھی اور چونکہ وہ عاریت تھی اس واسطے واپس ہونی چاہئے اور جہاں تک ام ایمن کے انکار کا تعلق ہے تو وہ اس لئے انکار کر رہی تھی کہ چونکہ یہ حضور ﷺ کا تبرک تھا تو وہ چاہتی تھی کہ یہ عاریت میرے پاس ہی برقرار رہے۔

انصاف کی بات

انصاف کی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں اس کو ہبہ قرار دینا مشکل ہے اور شافعیہ نے جو عاریت قرار دیا ہے، وہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ اگرچہ ہبہ کی واپسی میں حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ واہب ہبہ واپس لے سکتا ہے لیکن حنفیہ ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ خلاف مروت ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے "العائد فيه في العائد الخ"۔

بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ خلاف مروت ہے، بعض کہتے ہیں قضاءً اگرچہ نافذ ہو جائے گا لیکن دیانتاً جائز نہیں۔ تو رسول کریم ﷺ کی طرف کسی ایسے فعل کی نسبت کرنا کہ جو دیانتاً جائز نہیں ہے یا کم از کم خلاف مروت ہے یہ مناسب نہیں ہے، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ عاریت تھی اور عاریت ہونے کی وجہ سے یہ واپس لی گئی۔ [۳]

---

[۳] اعلاء السنن، ج:۱۶، ص:۱۰۶-۱۰۴

۴۱۲۱ ـ حدثنی محمد بن بشار: حدثنا غندر، حدثنا شعبة، عن سعد قال: سمعت أبا أمامة قال: سمعت أبا سعيد الخدری ﷺ يقول: نزل أهل قريظة على حكم سعد بن معاذ فأرسل النبی ﷺ إلى سعد فأتى على حمار فلما دنا من المسجد قال للأنصار: ((قوموا إلى سيدكم أو خيركم)). فقال: ((هؤلاء قريظة على حكمک))، فقال: تقتل مقاتلتهم، وتسبی ذراريهم. قال: ((قضيت بحكم الله، وربما قال: بحكم الملک)).

[راجع: ۳۰۴۳]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی قریظہ سعد بن معاذ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہوکر قلعہ سے اتر آئے، رسول اکرم ﷺ نے سعد ﷺ کو بلوایا، وہ گدھے پر بیٹھے ہوئے جب مسجد کے قریب آئے تو آپ ﷺ نے انصار سے فرمایا اٹھو! اپنے سردار کیلئے یا یہ فرمایا کہ اٹھو! اس کیلئے جو تم سب میں بہتر ہے، پھر آپ ﷺ نے سعد ﷺ سے فرمایا کہ بنی قریظہ تمہارے فیصلہ پر راضی ہوکر اتر آئے ہیں، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! جو ان میں لڑائی کے قابل ہیں ان کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا یا بادشاہ کی مرضی کے مطابق۔

حضرت سعد بن معاذ ﷺ کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری ﷺ فرماتے ہیں کہ اہل قریظہ حضرت سعد بن معاذ ﷺ کے حکم پر اترے تھے یعنی اصل میں تو انہوں نے کہا تھا کہ حضور اکرم ﷺ جو بھی فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے، پھر حضور اکرم ﷺ نے ان کا معاملہ حضرت سعد بن معاذ ﷺ کے حوالے کر دیا تھا تو نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نزول یعنی قلعہ سے نیچے اترنا حضرت سعد بن معاذ ﷺ کے فیصلہ کے مطابق ہوا۔

"فأرسل النبی ﷺ إلى سعد فأتى على حمار فلما دنا من المسجد" آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ ﷺ کو بلانے کیلئے ان کی جانب پیغام بھیجا، تو حضرت سعد بن معاذ ﷺ جب گدھے پر سوار ہوکر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے۔

جب مسجد کے قریب پہنچے یہاں مسجد سے مراد مسجد نبوی نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے بنو قریظہ میں جو نماز پڑھنے کی جگہ بنائی تھی وہ مراد ہے۔

"قال للأنصار: قوموا إلى سيدكم أو خيركم" تو جب سعد بن معاذ ﷺ وہاں پہنچے تو آپ ﷺ نے انصار سے کہا کہ اپنے سردار کا استقبال کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ یا یوں فرمایا کہ تم میں سے جو سب

سے بہتر آدمی ہے اس کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

یہاں ایک طرف تو سعد بن معاذ ﷺ کی فضیلت ہے کہ ان کو "خیر" بہترین اور دوسری طرف ان کو "سید" سردار حضور کریم ﷺ نے قرار دیا۔

قیام تعظیمی کے جواز میں اختلاف

دوسری طرف اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کیلئے قیام تعظیمی جائز ہے اس مسئلہ کے اندر کافی اختلاف ہوا ہے کہ قیام تعظیمی جائز ہے یا نہیں؟

اسکی بعض شقیں تو متفق علیہ ہیں مثلاً یہ کہ کوئی شخص بیٹھا ہو اور باقی لوگ اسکے سامنے کھڑے ہوں، یہ صورت تو بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ یہ تو اعاجم کا طریقہ تھا، اس پر حضور ﷺ نے ممانعت فرمائی۔

دوسری یہ ہے کہ کوئی شخص خوشی کی وجہ سے کسی دوسرے کا استقبال کرتا ہے اور کھڑا ہو جاتا ہے اس میں بھی فی نفسہ کوئی مضائقہ نہیں ہے تیسری یہ کہ قیام کا مقصود خوشی کا اظہار نہیں، بلکہ تعظیم ہو، اس میں کلام ہوا ہے اور اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ بعض حضرات اس کو منع کرتے ہیں اور بعض حضرات اس کو جائز کہتے ہیں۔

قول فیصل

پہلی صورت اس باب میں قول فیصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ہو اور وہ خود یہ پسند کرتا ہو کہ لوگ میری تعظیم کے لئے کھڑے ہوں تو اس کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ جو خود چاہے پسند کرتا ہو یا نہ کرتا ہو لیکن اندیشہ ہے کہ لوگوں کے تعظیماً کھڑے ہونے سے اس کے دل میں تکبر یا عجب پیدا ہوگا تو ایسی صورت میں کھڑا نہیں ہونا چاہئے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ اس کی خواہش ہے کہ میرے لئے کھڑے ہوں اور نہ اس کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ تکبر یا عجب میں مبتلا ہوگا اور پھر لوگ ان کے علم، صلاح اور تقویٰ کی وجہ سے اس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں تو اس میں راجح قول یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے اور حدیث باب اس کی دلیل ہے۔

لیکن اب یہ پتہ لگانا کہ آدمی کہاں پر پسند کرتا ہے کہاں پسند نہیں کرتا یا کہاں آدمی کیلئے یہ مضر ہوگا اور تکبر پیدا ہو جائے گا اور کہاں نہیں ہوگا، اس بات کا پتہ لگانا بھی آسان نہیں۔ [۵]

---

[۵] جواهر الفقه، ج: ۲، ص: ۱۸۱

ہمارے بزرگوں نے عام طور سے اس سے احتراز کیا ہے، بعض جگہوں پر یہ بھی ہوا کہ جہاں کسی بڑے کی تعظیم کرانی منظور ہے تو کہا گیا کہ کھڑے ہو جاؤ، جیسے درس گاہ میں استاد کی آمد پر، تو اس سے استدلال کر کے دیکھا کہ طلباء کے اندر، شاگردوں میں استاد کی تعظیم میں کمی واقع ہوگئی ہے اور جس طرح شاگردوں کو استاد کی تعظیم وتکریم کرنی چاہئے وہ اس طرح نہیں کر رہے ہیں تو ایسے موقع پر بعض اوقات ہمارے بزرگوں نے باقاعدہ حکم جاری کیا ہے کہ جب استاد درسگاہ میں آیا کریں تو طلباء کھڑے ہو جایا کریں، اس لئے کہ طلبہ کی اصلاح مقصود ہے، لیکن جہاں اس قسم کا اندیشہ نہ ہو تو پھر افضل اور ابعد عن الشبہ یہ ہے کہ کھڑے نہ ہوں اور بیٹھے رہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ جہاں اس قسم کے مفاسد کا اندیشہ نہ ہو وہاں جائز تو ہے لیکن مفاسد کا اندیشہ ہونا اور نہ ہونا یہ ایک امر مخفی ہے اسکا پتہ لگانا دشوار ہے، لہٰذا احتراز کرنا چاہئے، اس لئے آپ لوگوں کو منع بھی کرتا ہوں۔ ٦

ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینے کا حکم

قیامِ تعظیمی کی طرح معانقہ، ہاتھ اور پاؤں کا بوسے کے متعلق حدودِ شرعی کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ حدیث میں منقول ہے وفد عبدالقیس جب مدینہ پہنچا تو وفد کے لوگ اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترنے لگے اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، اس میں مذکور ہے کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا۔

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کو چومنا جائز ہے، لیکن فقہاء اس کو ممنوع قرار دیتے ہیں، چنانچہ وہ اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یا تو یہ آنحضرت ﷺ کے خصائص میں سے تھا کہ صرف آپ کے پاؤں کو بوسہ دینا جائز تھا یا ابتداءً یہ جائز تھا مگر پھر ممنوع قرار دے دیا گیا، یا وہ لوگ اس مسئلہ سے ناواقف تھے اور اس ناواقفی کی بناء پر انہوں نے آپ ﷺ کے پاؤں کا بوسہ دیا اور یا یہ کہ شوقِ ملاقات میں اضطراری طور پر ان سے یہ فعل صادر ہو گیا تھا۔ ٧

---

٦ من اراد التفصيل فليراجع: باب كراهة تقبيل الرجل والتزامه أخاه عند اللقاء على وجه التحية، بحث القيام العظيمي والقيام للاكرام، اعلاء السنن. ج: ١٧، ص: ٤٢٥-٤١٨

٧ وعن زراع وكان فى وفد عبدالقيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله ﷺ ورجله رواه ابوداؤد – قال النووى اذا اراد تقبيل يد غيره ان كان ذلك لزهده وصلاحه او علمه او شرفه وصيانته اونحو ذلك من الامور الدينية لم يكره بل يستحب وان كان لغناه ودنياه وثروته وشوكته وجاهته عند اهل الدنيا ونحو ذلك فهو مكروه شديدة الكراهة وقال المتولى لايجوز فاشار الى انه حرام. مشكاة المصابيح، باب المصافحة والمعانقة، ص: ٤٠٢

۴۱۲۲ ۔ حدثنا زکریا بن یحی: حدثنا عبداللہ بن نمیر: حدثنا هشام، عن أبیه، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: أصیب سعد یوم الخندق، رماه رجل من قریش یقال له: حبان بن العرقة وهو حبان بن قیس من بنی معیص بن عامر بن لؤی، رماه فی الأکحل فضرب النبی ﷺ خیمة فی المسجد لیعوده من قریب، فلما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الخندق وضع السلاح واغتسل فأتاه جبرئیل علیه السلام وهو ینفض رأسه من الغبار فقال: قد وضعت السلاح، واللہ ما وضعته، اخرج إلیهم، قال ﷺ: ((فأین؟)) فأشار إلی بنی قریظة. فأتاهم رسول اللہ ﷺ فنزلوا علی حکمه، فرد الحکم إلی سعد، قال فإنی أحکم فیهم أن تقتل المقاتلة وأن تسبی النساء والذریة، وأن تقسم أموالهم. قال هشام: فأخبرنی أبی ،عن عائشة رضی اللہ عنها أن سعدا قال: اللّٰهم إنک تعلم أنه لیس أحد أحب إلی أن أجاهدهم فیک من قوم کذبوا رسولک ﷺ وأخرجوه، اللّٰهم فإنی أظن أنک قد وضعت الحرب بیننا وبینهم فإن کان بقی من حرب قریش شیء فأبقنی له حتی أجاهدهم فیک، وإن کنت وضعت الحرب فافجرها واجعل موتی فیها، فانفجرت من لبته فلم یرعهم، وفی المسجد خیمة من بنی غفار، إلا الدم یسیل إلیهم فقالوا: یا أهل الخیمة، ماهذا الذی یأتینا من قبلکم ؟ فإذا! سعد یغذو جرحه دما، فمات منها رضی اللہ عنه .[راجع: ۴۶۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سعد رضی اللہ عنہ کو جنگ خندق میں حبان بن عرقہ ایک قریشی نے تیر مارا جو کہ ہفت اندام کی رگ میں لگا، آنحضرت ﷺ نے ان کیلئے مسجد میں ایک خیمہ لگوادیا تا کہ انکی دیکھ بھال کرسکیں، پھر آپ ﷺ جنگ خندق سے واپس آئے، ہتھیار اتارے، غسل فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آگئے اور اپنے سر سے گرد وغبار دور کررہے تھے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے، خدا کی قسم! میں نے ابھی تک نہیں کھولے، چلئے بنی قریظہ کی طرف، چنانچہ آپ ﷺ نے جا کر بنی قریظہ کو گھیر لیا، آخر آپ ﷺ کے فیصلہ پر راضی ہو کر بنو قریظہ قلعہ سے اتر آئے، آپ ﷺ نے فرمایا سعد جو فیصلہ کرلیں منظور کرلو، پھر سعد رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے کہا میں یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ جولوگ لڑائی کے لائق ہیں انہیں قتل کردیا جائے، بچوں اور عورتوں کو غلام بنالیا جائے، اوران کا مال مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے۔

ہشام کہتے ہیں کہ میرے والد (حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) نے مجھے بتایا کہ سعد رضی اللہ عنہ نے زخمی ہونے کے بعد دعا کی کہ اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ مجھ کو کسی قوم سے اور خصوصا اس قوم سے جس نے تیرے رسول کو جھوٹا کہا اور مکہ سے نکال دیا، لڑنے سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں، اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ تو نے ہماری اوران کی لڑائی ختم کردی، پھر بھی اگر کوئی لڑائی باقی ہو تو مجھے تو زندہ رکھ، تا کہ تیری راہ میں، میں ان سے

جہاد کروں، اور اگر تیری طرف سے لڑائی کا سلسلہ بند کر دیا گیا ہو تو پھر میرے زخم کو جاری کر دے تا کہ میں اسی میں شہید ہو جاؤں۔ چنانچہ ان کے سینہ سے خون جاری ہو گیا، جو خیمہ سے بہہ بہہ کر مسجد میں آرہا تھا، لوگ ڈر گئے اور بنی غفار سے پوچھنے لگے کہ یہ تمہارے خیمہ سے کیا بہہ بہہ کر آرہا ہے، پھر معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے، آخر انہی زخموں سے انکی وفات ہوگئی۔

مستشرقین کا دعوی اور اس کی تردید

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ **"اصیب سعد یوم الخندق"** حضرت سعد رضی اللہ عنہ خندق کے دن زخمی ہو گئے، قریش کے ایک آدمی نے ان کو تیر مارا، ان کا نام حبان بن عرقہ تھا۔

اس روایت سے بعض مستشرقین کے اس دعوے کی صاف تردید ہوگئی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر مارنے والا بنو قریظہ کا کوئی آدمی تھا اور اس کے انتقام کی وجہ سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا۔

تو یہ دعویٰ صراحتاً یہاں پر رد ہو رہا ہے، اس واسطے کہ حبان بن عرقہ نے تیر مارا تھا اور تیر اکحل کی جگہ میں لگا تھا، **"اکحل"** ایک رگ ہوتی ہے جس کو رگ حیات کہا جاتا ہے۔

"ضرب النبی ﷺ خیمة فی المسجد لیعوده من قریب" نبی کریم ﷺ نے مسجد میں خیمہ بنا دیا تھا، تا کہ ان کی عیادت آسانی سے کرسکیں۔

بعض لوگوں نے تو اس کی تصریح یوں کی ہے کہ مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے اور مسجد نبوی میں خیمہ لگایا تھا لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس عرصہ میں مدینہ منورہ میں رہے ہی نہیں، آپ ﷺ تو بنو قریظہ تشریف لے گئے تھے، لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ بنو قریظہ کے محاصرہ کے دوران آپ ﷺ نے وہاں نمازیں پڑھنے کے لئے چھوٹی سی مسجد بنالی تھی تو وہاں پر اس مسجد کے قریب خیمہ لگایا تھا۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا

ہشام بن عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہوئے مجھے یہ بتایا کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ دعا کی تھی **"اللّٰهم إنک تعلم أنه لیس أحد أحب إلیّ أن أجاهدهم فیک من قوم کذبوا رسولک ﷺ وأخرجوه"** اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ مجھے کوئی بھی محبوب نہیں ہے کہ میں آپ کے راستے میں اس سے جہاد کروں بنسبت اس قوم کے جس نے آپ کے رسول ﷺ کی تکذیب کی اور اس کو گھر سے نکالا یعنی مجھے سب سے زیادہ محبوب یہ ہے کہ

میں قریش سے جہاد کروں۔

"اللّٰھم فإنی أظن أنک قد وضعت الحرب بیننا وبینھم فإن کان بقی من حرب قریش شیء فابقنی لہ حتی أجاھدھم فیک" اے اللہ! اب میرا گمان یہ ہے کہ شاید آپ نے اب ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کردی ہے۔ یعنی یہ آخری حملہ ہے جو انہوں نے کیا اب وہ کوئی حملہ نہیں کریں گے اگر قریش کے جنگ کا کوئی حصہ باقی ہے تو اے اللہ! مجھے ان کے لئے باقی رکھئے کہ آئندہ اگر وہ حملہ آور ہونے والے ہوں تو میں ان سے مقابلہ کرنے کے لئے زندہ رہوں۔

"وإن کنت وضعت الحرب فافجرھا واجعل موتی فیھا" اور اگر آپ نے انکے ساتھ جنگ ختم کردی ہے اور اب کوئی جنگ نہیں ہونے والی ہے، تو یہ میرے زخم کو پھاڑ دے اور میری موت اسی میں مقدر فرمایئے۔

"فانفجرت من لبتہ" چنانچہ وہ زخم سینے سے پھٹ پڑا یعنی اس سے خون جاری ہوگیا۔

سوال: اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قریش سے جنگ فتح مکہ میں ہوئی تو پھر کیا حضرت سعد ﷛ کی دعا قبول نہیں ہوئی؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ آئندہ ہم پر حملہ آور ہوں تو میں لڑنا چاہتا ہوں لیکن آئندہ کبھی حملہ آور ہوئے نہیں۔ پھر حضور اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا اور اس حملہ میں بھی کوئی لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ مزاحمت ہوئی ہی نہیں۔ حضرت خالد بن ولید ﷛ جس طرف سے داخل ہوئے تھے اس طرف سے تھوڑی سی مزاحمت ہوئی تھی باقی اور کہیں نہیں ہوئی، اس واسطے وہ اس میں داخل نہیں۔

"فلم یرعھم، وفی المسجد خیمۃ من بنی غفار، إلا الدم یسیل إلیھم" بنوغفار والوں کو مسجد کے اندر کسی چیز نے نہیں ڈرایا مگر خون نے جو اس کی طرف بہہ رہا تھا۔ مطلب یہ ہے بنوغفار کا خیمہ بھی مسجد کے قریب لگا ہوا تھا تو وہاں ان کو کسی چیز نے نہیں ڈرایا، مگر اس خون نے جو برابر سے مسلسل بہہ کر آرہا تھا۔

"یا أھل الخیمۃ، ماھذا الذی یأتینا من قبلکم؟" انہوں نے کہا اے خیمہ کے لوگو! یہ کیا ہے جو تم لوگوں کی طرف سے بہتا چلا آرہا ہے؟ یعنی جب انہوں نے حضرت سعد بن معاذ ﷛ کے خیمہ سے خون بہتا ہوا اپنے خیمہ کی طرف آتا دیکھا تو پوچھا۔

"فإذا سعد یغذو جرحہ دما، فمات منھا ﷛" جب یہ خون بہتا ہوا دیکھا تو تمام لوگ حضرت سعد بن معاذ ﷛ کے خیمہ کی طرف متوجہ ہوئے تو پتہ لگا کہ حضرت سعد ﷛ کے زخم سے خون بہہ رہا ہے، اسی حالت میں حضرت سعد ﷛ کی وفات ہوگئی۔ رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ۔

۴۱۲۳ ـ حدثنا الحجاج بن منهال: اخبرنا شعبة قال: اخبرني عدي أنه سمع البراء ﷺ قال: قال النبي ﷺ لحسان يوم قريظة: ((اهجهم، أو هاجهم وجبرئيل معك)). [راجع: ۳۲۱۳]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ حسان بن ثابت ﷺ سے فرمارہے تھے، مشرکوں کی ہجو کرو، جبرئیل ﷺ تمہاری مدد پر ہیں۔

۴۱۲۴ ـ وزاد إبراهيم بن طهمان، عن الشيباني، عن عدي بن ثابت، عن البراء ابن عازب قال: قال رسول الله ﷺ يوم قريظة لحسان بن ثابت: ((أهج المشركين، فإن جبرئيل معك)). [راجع: ۳۲۱۳]

ترجمہ: ابراہیم بن طہمان، شیبانی، عدی بن ثابت نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے دوسری روایت میں یہ بڑھایا کہ حضور اکرم ﷺ نے بنی قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابت ﷺ سے اس طرح فرمایا کہ مشرکوں کی ہجو کرو، جبرئیل ﷺ تمہاری مدد پر موجود ہیں۔

مشرکین کی ہجو کرنے کا حکم

حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حسان بن ثابت ﷺ سے فرمایا تھا کہ ان کافروں کی ہجو کرو یعنی ان کے ہجو میں اشعار کہو، جبرئیل تمہارے ساتھ ہے، یعنی وہ اچھے اشعار الہام کرنے میں تمہاری مدد کریں گے۔

دوسری روایت میں مزید کچھ الفاظ بیان کئے ہیں حضرت براء بن عازب ﷺ نے کہ نبی کریم ﷺ نے قریظہ کے دن حضرت حسان بن ثابت ﷺ سے کہا تھا، اس واسطے یہ روایت یہاں لارہے ہیں کہ جب قریظہ قتل کیا جا چکا، تو اس وقت آپ ﷺ نے حضرت حسان ﷺ سے فرمایا کہ مشرکین کی ہجو کرو اور ان کی ہجو کے بارے میں قصیدہ کہا جائے۔

باب
غزوة ذات الرقاع

(۳۲) باب: غزوة ذات الرقاع

غزوہ ذات الرقاع کا بیان

وهي غزوة محارب خصفة من بني ثعلبة من غطفان. فنزل نخلا وهي بعد خيبر لأن أبا موسى جاء بعد خيبر.

ترجمہ: یہ جنگ قبیلہ محارب سے ہوئی، جو خصفہ کی اولاد تھی اور خصفہ ثعلبہ کی اولاد میں سے تھے، جو قبیلہ غطفان کی ایک شاخ ہے، اس لڑائی میں آنحضرت ﷺ نخلستان میں جا کر اترے تھے، یہ لڑائی جنگ خیبر کے بعد ہوئی، کیونکہ ابوموسیٰ خیبر کے بعد حبشہ سے آئے تھے۔

غزوۂ ذات الرقاع کب پیش آیا؟

غزوۂ ذات الرقاع کس سال میں پیش آیا؟

اس کی تاریخ وقوع میں تھوڑا سا اختلاف ہے کیونکہ اس بارے میں مختلف روایات ہیں۔

بعض حضرات اس غزوہ کو خیبر سے پہلے قرار دیتے ہیں اور اکثر اصحاب مغازی کا یہی خیال ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ۷ھ کے اندر غزوۂ خیبر کے بعد قرار دیا ہے۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ اور حضرت ابوہریرہ ﷺ کی شرکت بعض روایت سے ثابت ہوتی ہے اور یہ دونوں حضرات اس غزوہ میں ۷ھ غزوۂ خیبر کے بعد ہی شامل ہو سکتے ہیں اس سے پہلے شامل نہیں ہو سکتے۔[1]

غزوۂ ذات الرقاع

اس غزوہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ کچھ قبائل حضور اکرم ﷺ کے خلاف ایک لشکر تیار کر رہے ہیں اور کسی بھی وقت مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری، ج:۷، ص:۴۱۷

ان تین قبیلوں کا نام روایات میں یہ آتا ہے بنو محارب، بنو ثعلبہ اور بنو انمار، ان کی بستیاں قریب تھیں تو اس واسطے رسول کریم ﷺ نے اس اطلاع کے ملنے پر صحابۂ کرام ؓ کا لشکر تیار کیا اور اس مقام پر تشریف لے گئے اور تا کہ ان تینوں قبیلوں کی سرکوبی مقصود کی جاسکے لیکن تینوں میں سے کوئی بھی مقابلہ پر نہیں آیا اور جب ان کو رسول کریم ﷺ کے پہنچنے کی اطلاع ملی تو یہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

تینوں کی بستیاں بلاد غطفان کے اندر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھیں۔ اس واسطے بعض اوقات غزوۂ بنو ثعلبہ بھی کہہ دیتے ہیں، بعض مرتبہ غزوۂ انمار بھی کہہ دیتے ہیں، بعض مرتبہ غزوۂ محارب بھی کہہ دیتے ہیں، لیکن ان تینوں کے مجموعہ کا نام غزوۂ ذات الرقاع ہے۔

یہ مختلف روایات کا خلاصہ اور لب لباب بیان کیا ہے، کیونکہ یہاں روایات میں بہت ہی تضاد و اختلاف ہے اور آدمی اس کو دیکھنے کے بعد پریشان ہو جاتا ہے کہ اصل قصہ کیا ہے؟

تو تمام روایتوں کو سامنے رکھنے کے بعد جو خلاصہ نکلتا ہے وہ عرض کر دیا کہ تینوں قبیلے تھے اور تینوں کی سرکوبی مقصود تھی اس لئے کہ تینوں کی طرف سے اطلاع ملی تھی کہ یہ حضور اکرم ﷺ کے خلاف ایک جمعیت اکٹھے کر رہے ہیں، تینوں سے مقابلہ مقصود تھا، تینوں کی بستیوں پر آپ ﷺ حملہ آور ہوئے لیکن مقابلہ نہیں ہوا اور اس مجموعہ کا نام غزوہ ذات الرقاع تھا۔

ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ

غزوہ کا نام ذات الرقاع کیوں ہے اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

اس بارے میں بھی روایتیں مختلف ہیں۔

ایک روایت اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کی یہ آتی ہے کہ ہم غزوہ کے اندر جا رہے تھے تو چلنے کی کثرت کی وجہ سے ہمارے پاؤں پھٹ گئے تھے اور پاؤں پھٹنے کے نتیجے میں ہم نے اپنے پاؤں کے اوپر پٹیاں باندھی تھی۔

"رقاع" جمع ہے "رقعہ" کی اور اس کے معنی پٹی کے آتے ہیں۔ اور ذات الرقاع کے معنی پٹی والے یعنی پٹیوں والا غزوہ، تو چونکہ چلنے کے اندر پاؤں کے پھٹنے کی وجہ سے رکاوٹ ہو رہی تھی، اس کے اوپر پٹیاں باندھی گئی تھی، اس واسطے اس غزوہ کو غزوہ ذات الرقاع کہا گیا۔

دوسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ اس غزوہ کے اندر جو جھنڈا بنایا گیا تھا وہ مختلف رنگ کی پٹیوں پر مشتمل تھا، اس لئے اس کو ذات الرقاع کہتے ہیں۔

تیسری وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی کہ جس سرزمین کی جانب حضور اکرم ﷺ تشریف لے گئے تھے اس زمین کے اندر یہ صورت تھی کہ زمین کی پٹیاں مختلف رنگوں کی تھی، اس لئے اس کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے۔

چوتھی وجہ کچھ حضرات نے یہ بتائی ہے کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے اور اس پہاڑ کے اندر چونکہ مختلف رنگ کی پٹیاں اور دھیاں تھی اس واسطے اس کو ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔

یہ ساری وجوہ تسمیہ بیان کی گئی ہیں اور یہ سب بیک وقت صحیح بھی ہوسکتی ہیں، ان میں کوئی تعارض بھی نہیں، ہوسکتا ہے کہ یہ ساری باتیں بھی ہوں اور ان ساری باتوں کی وجہ سے اس کا نام غزوہ ذات الرقاع رکھا گیا ہو۔ [۶]

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **"وھي غزوة محارب خصفة"** یہی غزوہ محارب خصفہ ہے ۔محارب اسی قبیلہ کا نام ہے اور اس کے علاوہ بھی متعدد قبائل کا نام محارب تھا تو ان سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے یہ کہہ دیا کہ یہاں پر مراد محارب خصفہ ہے، وہ محارب جو بنو خصفہ میں سے ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا تسامح

آگے فرمایا **"من بني ثعلبة"** یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا ہے۔

یہ بظاہر یوں لگتا ہے کہ محارب خصفہ بنو ثعلبہ میں سے ہے یا بنو محارب کا جد امجد ثعلبہ تھا۔

ایسے موقع پر کہا جاتا ہے تو ظاہری معنی **"من بني ثعلبة"** کے معنی یہ ہوئے کہ بنو محارب ثعلبہ کی شاخ ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں، محارب ثعلبہ کی شاخ نہیں، بلکہ دونوں الگ الگ شاخیں ہیں۔

ایک ہی قبیلہ غطفان کی شاخیں ہیں لیکن دونوں الگ الگ ہیں، لہٰذا کہنا یوں چاہئے تھا کہ **"وھي غزوة محارب خصفة وبني ثعلبة"** تو "من" کا لفظ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے تسامح ہوا۔ [۷]

"فنزل نخلا" یعنی جب حضور اکرم ﷺ ان قبائل کی سرکوبی کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ تشریف لے گئے، تو ایک نخلستان پر جا کر اترے۔

---

[۶] عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۷۷ و فتح الباری، ج: ۷، ص: ۴۱۹

[۷] قوله: [وهي غزوة محارب خصفة من بني ثعلبة] أي محارب بن خصفة، وخصفة ليس من بني ثعلبة، بل هو ابن قيس، ففيه سهو. والصواب محارب خصفة، وبني ثعلبة بالعطف. وراجع الهامش، والصواب في إضافة العلم إلى العلم الجواز. إذا كانت فيه فائدة، وإن انكرها النحاة. فيض الباری، ج: ۴، ص: ۱۰۲

"وھی بعد خیبر" اور یہ غزوہ، واقعۂ خیبر کے بعد ہوا، اسکی دلیل یہ بیان فرمائی کہ اس غزوہ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ کی شرکت ثابت ہے اور اگلی روایت میں ہے کہ ابوموسیٰ اشعری ﷺ حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور وہاں مدینہ کی طرف غزوۂ خیبر کے بعد تشریف لائے تھے۔

مگر یہ عجیب معاملہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صاف صاف کہہ رہے ہیں ان کے نزدیک یہ غزوہ ذات الرقاع خیبر کے بعد واقعہ ہوا۔ جس کا تقاضہ یہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس غزوہ کو خیبر کے غزوہ کے بعد ذکر کرتے، لیکن غزوۂ خیبر سے پہلے ذکر کیا ہے، اس کی وجہ کوئی آدمی نہیں بتا سکا۔

اس واسطے کہ یا تو اہل مغازی کا قول معتبر مانتے کہ اہل مغازی یہ کہتے ہیں کہ خیبر سے پہلے ہوا تھا تو ٹھیک ہے خیبر سے پہلے ذکر کر کے صاف صاف اہل مغازی کی تردید کر دی، اور کہہ دیا کہ نہیں یہ غزوہ خیبر کے بعد ہوا ہے، تو اس کا مقتضیٰ ظاہر ہے کہ خیبر کے بعد اس کو لاتے لیکن نہیں لائے۔

کسی نے کہا کہ اس واسطے کہ مغازی والوں کے قول کو معتبر مان لیا لیکن اگر اس کو معتبر مان لیا تو صاف صاف تردید کیسے کی؟

یا یہ کہ دونوں مصلحتیں جمع کر لی اور اپنی رائے کی ترجیح بھی بتا دی کہ راجح یہ ہے کہ خیبر کے بعد ہوا لیکن ترجیح میں اہل مغازی کے ساتھ موافقت پیدا کرنے کیلئے اس کو رکھا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا حکمت ہے لیکن یقینی بات کوئی نہیں کہہ سکا کہ کیا بات ہے اور کیا وجہ پیش آئی۔[۴]

۴۱۲۵ ۔ قال ابوعبداللّٰہ وقال لی عبداللہ بن رجاء: أخبرنا عمران القطان، عن یحیی بن أبی کثیر، عن أبی سلمة، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنهما: أن النبی ﷺ صلی بأصحابه فی الخوف فی غزوة السابعة، غزوة ذات الرقاع. وقال ابن عباس: صلی النبی ﷺ یعنی صلاة الخوف بذی قرد. [انظر: ۴۱۲۶، ۴۱۲۷، ۴۱۳۰، ۴۱۳۷][۵]

---

[۴] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۷۸ وفتح الباری، ج:۷، ص:۴۱۷ وفیض الباری، ج:۴، ص:۱۰۲

[۵] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب صلاة الخوف، رقم: ۱۳۸۹، وسنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی صلاة الخوف، رقم: ۵۱۸، وسنن النسائی، کتاب صلاة الخوف، رقم: ۱۵۱۸، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب من قال یقوم صف مع الامام وصف وجاه العدو، رقم: ۱۰۴۸، وسنن ابن ماجة، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فی صلاة الخوف، رقم: ۱۲۴۹، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبد اللہ، رقم: ۱۴۲۲۴، مؤطا مالک، کتاب النداء للصلاة، باب صلاة الخوف، رقم: ۳۹۴

ترجمہ: عبداللہ بن رجاء نے کہتے ہیں کہ ہم کو عمران نے، ان کو یحیٰی بن کثیر نے، اور ان کو ابو سلمہ نے خبر دی، وہ جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ ﷺ کو نماز خوف ساتویں غزوہ ذات الرقاع میں پڑھائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے نماز خوف ذی قرد میں پڑھی۔

"غزوة السابعة" میں احتمال

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب کے ساتھ ساتویں غزوہ میں صلوٰۃ الخوف پڑھی جس کا نام غزوۂ رقاع ہے۔

"غزوة السابعة" اس میں دو احتمال ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ ظاہری طور پر یہ مرکب اضافی ہے، اگر اس کو مرکب اضافی ہی سمجھا جائے تو معنی ہوں گے ساتویں سال کا غزوہ، اس سے تائید ہو جائیگی کہ غزوۂ ذات الرقاع، خیبر کے بعد ۷ھ میں واقع ہوا۔

دوسرا احتمال اس میں یہ ہے کہ یہ مضاف ہے موصوف وصفت کی طرف یعنی "الغزوة السابعة" سے ساتواں غزوہ مراد ہے۔ چھ غزوات بدر، احد، خندق، خیبر، بنی مصطلق مریسیع اور بنو قریظہ ہیں اور ساتواں غزوہ ذات الرقاع ہے۔

کیا غزوۂ ذی القرد اور ذات الرقاع ایک ہیں؟

"فقال ابن عباس ﷺ صلى النبي ﷺ يعني صلاة الخوف بذي قرد" یہاں پر ایک اور مشکل پیدا ہوگئی کہ عبداللہ بن عباس ﷺ کا قول نقل کر دیا کہ حضور اکرم ﷺ نے صلوٰۃ الخوف ذی القرد میں پڑھی۔

اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ غزوۂ ذی القرد اور غزوۂ ذات الرقاع دونوں ایک ہیں، اسی لئے اس غزوۂ ذات الرقاع کیساتھ اس کو بھی ذکر کر دیا ہے۔

بعض لوگوں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں، پھر تردید کی کہ امام بخاری سے تسامح ہو گیا ہے۔

دراصل ذات الرقاع الگ غزوہ ہے اور ذی القرد الگ غزوہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو اس معاملہ میں غلطی نہیں ہوئی بلکہ امام بخاری نے آگے اس غزوہ کیلئے الگ باب قائم کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ ذی القرد الگ ہے، اور غزوۂ ذات الرقاع الگ ہے۔

بظاہر یہاں جو حدیث لیکر آئے ہیں وہ صلوٰۃ الخوف کی مناسبت سے لیکر آئے ہیں، کیونکہ ذات الرقاع

میں صلوٰۃ الخوف کے پڑھنے کا ذکر ہے تو اسی کی مناسبت سے طرداً للباب یا استطراداً یہ بھی ذکر کر دیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس میں صلوٰۃ الخوف پڑھی تھی۔ [۳]

۴۱۲۶ ـ وقال بكر بن سوادة: حدثني زياد بن نافع، عن أبي موسى أن جابرا حدثهم قال: صلى النبي ﷺ بهم يوم محارب و ثعلبة. [راجع: ۴۱۲۵]

ترجمہ: بکر بن سوادہ نے کہا مجھ کو زیاد بن نافع نے یہ حدیث سنائی کہ وہ ابوموسیٰ سے روایت کرتے ہیں حضرت جابر ﷺ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے محارب اور ثعلبہ کی لڑائی میں نماز خوف پڑھائی۔

۴۱۲۷ ـ وقال ابن إسحاق: سمعت وهب بن كيسان: سمعت جابرا: خرج النبي ﷺ إلى ذات الرقاع من نخل فلقي جمعا من غطفان فلم يكن قتال، وأخاف الناس بعضهم بعضا، فصلى النبي ﷺ ركعتي الخوف. وقال يزيد، عن سلمة: غزوت مع النبي ﷺ يوم القرد. [راجع: ۴۱۲۵]

ترجمہ: وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نخلستان سے ذات الرقاع کی لڑائی میں گئے، وہاں غطفان ملے، مگر لڑائی نہیں ہوئی، ہر ایک دوسرے کو ڈراتا رہا، اس وقت آپ ﷺ نے خوف کی نماز پڑھائی۔ یزید نے سلمہ بن اکوع سے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ قرد کے دن جہاد میں شریک ہوا۔

مقصودِ بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو بھی یہاں پر صلوٰۃ الخوف کی مناسبت کی وجہ سے لیکر آئے، نہ کہ اس بناء پر کہ دونوں ایک ہیں یعنی ایسا نہ سمجھا جائے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ذی القرد ہی غزوہ ذات الرقاع ہے۔

۴۱۲۸ ـ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن بريد بن عبدالله بن

---

[۳] وهذا التعليق وصله النسائي والطبراني من طريق أبي بكر بن أبي الجهم عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس: أن رسول الله ﷺ صلى بذي قرد صلاة الخوف، وقدمر في أبواب صلاة الخوف عن ابن عباس صورة صلاة الخوف، ولكن لم يذكر فيه: بذي قرد. عمدة القاري، ج: ۹، ۲۷۹، ۲۷۸ وراجع: رقم ۹۴۳، انعام الباری: کتاب الخوف، ج: ۳، ص: ۱۲۰

أبی بردة، عن أبی بردة، عن أبی موسی ﷺ قال: خرجنا مع النبی ﷺ فی غزاة ونحن ستة نفر بیننا بعیر نعتقبه، فنقبت أقدامنا ونقبت قدمای وسقطت أظفاری وکنا نلف علی أرجلنا الخرق فسمیت غزوة ذات الرقاع لما کنا نعصب من الخرق علی أرجلنا. وحدث أبو موسی بهذا الحدیث ثم کره ذلک، قال: ما کنت أصنع بأن أذکره؟ کأنه کره أن یکون شیء من عمله أفشاه. ؎

ترجمہ: برید بن عبداللہ بن أبی بردۃ اپنے دادا حضرت أبی بردۃ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم چھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک لڑائی کے لئے نکلے، ہم سب کے پاس صرف ایک ہی اونٹ تھا، باری باری سوار ہوتے تھے، چلتے چلتے پاؤں پھٹ گئے، اور میرے پاؤں بھی پھٹ گئے ، میرے پاؤں کے ناخن بھی اتر گئے، ہم نے اپنے پاؤں پر پرانے کپڑے (چیتھڑے) لپیٹ لئے، اسی وجہ سے اس لڑائی کو ذات الرقاع کہا جاتا ہے یعنی چیتھڑے والی لڑائی، کہ پیر پر چیتھڑے باندھے تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے یہ حدیث بیان تو کردی مگر ان کو اس کا بیان کرنا اچھا معلوم نہیں ہوا، کہنے لگے میں پسند نہیں کرتا کہ اپنے اعمال میں سے کسی کو ظاہر کروں۔

ذات الرقاع کی وجہ تسمیہ

حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ فرماتے ہیں کہ **"خرجنا مع النبی ﷺ فی غزاة"** ہم ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے، **"ونحن ستة نفر بیننا بعیر نعتقبه"** ہم چھ آدمی تھے اور اونٹ ایک تھا اور ہم باری باری اس اونٹ پر سواری کرتے تھے۔

"فنقبت أقدامنا ونقبت قدمای وسقطت أظفاری وکنا نلف علی أرجلنا الخرق" ہمارے پاؤں چلتے چلتے پھٹ گئے اور میرے پاؤں بھی پھٹ گئے، میرے پاؤں کے ناخن بھی اتر گئے پاؤں زخمی ہونے کی وجہ جب ہم لوگوں کیلئے چلنا مشکل ہوگیا تو ہم اپنے پاؤں کے اوپر پٹیاں باندھ لیں۔

ظاہر ہے کہ پانچ میل پیدل چلے اور ایک میل سوار ہوں تو اس سے پاؤں پھٹیں گے اور زخمی ہوں گے۔

"فسمیت غزوة ذات الرقاع لما کنا نعصب من الخرق علی أرجلنا" کیونکہ ہم اپنے پاؤں پر کپڑوں کی پٹیاں باندھا کرتے تھے تو اس وجہ سے ہم نے اس غزوہ کا نام غزوہ ذات الرقاع رکھ دیا۔

؎ وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة ذات الرقاع، رقم: ۱۸۱۶

"حدث أبو موسى ﷺ بهذا الحديث ثم كره ذلك" حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نے یہ حدیث سنائی، پھر بعد میں اس حدیث کے سنانے کو برا سمجھا، "قال: ما كنت أصنع بأن أذكره؟ كأنه كره أن يكون شئ من عمله أفشاه" اور کہنے لگے کہ میں اس کو ذکر کر کے کیا کروں گا، گویا کہ انہوں نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ ان کا کوئی عمل صالح افشاء ہو یعنی اگر عمل صالح تھا تو یہ اللہ کے لئے تھا تو یہ پوشیدہ ہی رہے تو بہتر ہے دوسرے کے سامنے کیوں ظاہر کیا جائے۔ واقعہ سنا تو دیا لیکن بعد میں اس پر پشیمانی کا انداز اختیار کیا کہ میں نہ سناتا تو بہتر تھا تا کہ میرا یہ عمل اللہ کے لئے خالص رہتا اور لوگوں میں اس کی شہرت نہ ہوتی۔ ۵

جو حضرات کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع خیبر سے پہلے واقع ہوا ہے، جیسا کہ اصحاب سیر ومغازی، وہ کہتے ہیں کہ یہ ابوموسیٰ اشعری ﷺ والا کوئی اور قصہ ہے جس سے خیبر کے بعد ہونے پر دلالت ہو رہی ہے وہ ابوموسیٰ ﷺ کی شمولیت سے ہو رہی ہے۔ یہ وہ غزوہ ذات الرقاع نہیں جو محارب، ثعلبہ وغیرہ کے ساتھ ہوا تھا۔

دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم کل چھ آدمی تھے حالانکہ غزوہ ذات الرقاع کے اندر تعداد بہت زیادہ تھی، تو اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ اور واقعہ ہے اور اس کو بھی ذات الرقاع کا نام اس بناء پر دے دیا کہ پٹیاں باندھنی پڑی تھی، یہ اہل مغازی کہتے ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے مؤقف کی تائید کرنے والے اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، اس واسطے کہ چھ آدمی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ لشکر اور نہ ہو بلکہ اور لشکر بھی ہوگا لیکن ان کی ایک ٹولی تھی، لہٰذا اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ کوئی اور واقعہ ہے۔

۴۱۲۹ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد، عن مالك، عن يزيد بن رومان، عن صالح بن خوات عمن شهد مع رسول الله ﷺ يوم ذات الرقاع صلاة الخوف: أن طائفة صفت معه وطائفة وجاه العدو فصلى بالتي معه ركعة ثم ثبت قائما وأتموا الأنفسهم ثم انصرفوا فصفوا وجاه العدو، وجاء ت الطائفة الأخرى فصلى بهم الركعة التي بقيت من صلاته ثم ثبت جالسا وأتموا لأنفسهم، ثم سلم بهم. ۹

---

۵ وذلك أن كتمان العمل الصالح أفضل من اظهاره، الا لمصلحة راجحة كمن يكون ممن يقتدى به وعندالاسماعيلي في رواية منقطعة قال: والله يجزى به. فتح الباري، ج:۷، ص: ۴۲۱

۹ وفي صحيح مسلم، كتاب صلوة المسافرين وقصرها، باب صلاة الخوف، رقم: ۸۴۲، وسنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب من قال: اذا صلى ركعة ((وثبت قائما أتموا لأنفسهم ركعة، ثم سلموا، ثم انصرفوا فكانوا وجاه العدو، واختلف في السلام))، رقم: ۱۲۳۸ وسنن النسائي، كتاب صلاة الخوف، رقم: ۱۵۳۷، وموطا مالك، كتاب صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، رقم: ۱، ومسند أحمد، باب احاديث رجال من اصحاب النبي ﷺ، رقم: ۲۳۱۳۶

ترجمہ: صالح بن خوات رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ذات الرقاع میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ حاضر تھے کہ نماز خوف کے لئے ایک گروہ نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ صف باندھی اور ایک گروہ دشمن کے مقابلہ پر موجود رہا، آپ ﷺ نے اس گروہ کو ایک رکعت پڑھائی، پھر خاموش کھڑے رہے، مقتدی اپنی دوسری رکعت پوری کر کے لوٹ گئے، اور دشمن کے مقابلہ میں جم گئے، پھر دوسرا گروہ آیا آپ ﷺ نے اس کو بھی ایک رکعت پڑھائی پھر خاموش بیٹھے رہے، مقتدیوں نے ایک رکعت خود پوری کی، پھر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔

صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ

صالح بن خوات رحمہ اللہ کسی ایسے صحابی ﷺ سے روایت کرتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع کے دن موجود تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ الخوف میں حاضر تھے، صحابی کا نام نہیں لیا لیکن صحابی کی جہالت مضر نہیں ہے، دوسری روایتوں میں ان کا نام بھی آیا ہے یہ سہل بن ابی حثمہ ﷺ تھے۔ [۷۱]

"ان طائفة صفت معه وطائفة وجاه العدو" روایت کرتے ہیں کہ ایک گروہ نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ صف بنائی اور دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے کھڑا تھا، "فصلى بالتي معه ركعة ثم ثبت قائما وأتموا لأنفسهم" پھر آپ ﷺ نے ایک رکعت نماز اس طائفہ کو پڑھائی جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا، پھر آپ کھڑے رہے اور اس طائفہ اولیٰ نے اپنی بقیہ ایک رکعت وہیں پر پوری کر لی، "ثم انصرفوا فصفوا وجاه العدو" پھر یہ لوگ اپنی نماز پوری کر کے چلے گئے اور دشمن کے سامنے صف بنائی۔

"وجاء ت الطائفة الأخرى فصلى بهم الركعة التي بقيت من صلاته ثم ثبت جالسا" اور دوسرا طائفہ آیا، آپ ﷺ نے ان کو وہ رکعت پڑھائی جو آپ کی نماز کی باقی رہ گئی تھی، پھر آپ بیٹھ گئے، "وأتموا لأنفسهم، ثم سلم بهم" اور انہوں نے اپنی نماز پوری کی پھر آپ ﷺ نے انکے ساتھ سلام پھیرا۔

۴۱۳۰ ۔ وقال معاذ: حدثنا هشام، عن أبي الزبير، عن جابر قال: كنا مع النبي ﷺ بنخل فذكر صلاة الخوف. قال مالك: وذلك أحسن ما سمعت في صلاة الخوف، تابعه الليث، عن هشام، عن زيد بن أسلم: أن القاسم بن محمد حدثه: صلى النبي ﷺ في غزوة بني أنمار. [راجع: ۴۱۲۵]

---

[۷۱] قيل: اسم هذا المبهم: سهل بن حثمة، قال المزي: هو سهل بن عبدالله بن أبي حثمة، واسم أبي حثمة: عامر ابن ساعدة الانصاري. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۱۸

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نخل میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے، پھر نماز کا خوف کا ذکر کیا۔ امام مالک نے فرمایا صلوٰۃ الخوف کی سب سے عمدہ یہی روایت میں نے سنی، معاذ بن ہشام کے ساتھ اس حدیث کو لیث بن سعد، انہوں نے زید بن اسلم وہ قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے خوف کی نماز غزوہ بنی انمار میں پڑھی۔

۴۱۳۱ - حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن القاسم بن محمد، عن صالح بن خوات، عن سهل بن أبي حثمة قال: يقوم الإمام مستقبل القبلة وطائفة منهم معه وطائفة من قبل العدو وجوههم إلى العدو فيصلي بالذين معه ركعة ثم يقومون فيركعون لأنفسهم ركعة ويسجدون سجدتين في مكانهم، ثم يذهب هؤلاء إلى مقام أولئك فيجيء أولئك فيركع بهم ركعة فله ثنتان، ثم يركعون ويسجدون سجدتين.

حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن عبدالرحمٰن بن القاسم، عن أبيه، عن صالح بن خوات، عن سهل بن أبي حثمة عن النبي ﷺ مثله. حدثني محمد بن عبدالله: حدثني ابن أبي حازم، عن يحيى: سمع القاسم: أخبرني صالح بن خوات، عن سهل حدثه قوله. [۱]

ترجمہ: حضرت سہل بن ابی حثمہ ﷺ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کا طریقہ یہ ہے کہ امام قبلہ کی جانب منہ کر کے کھڑا ہو اور ایک گروہ مسلمانوں کا امام کے پیچھے اور ایک گروہ دشمن کے مقابل کھڑا رہے، جو امام کے پیچھے ہیں ان کے ہمراہ ایک رکعت پڑھے (اور خاموش کھڑا رہے) مقتدی اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں اور دشمنوں کے مقابلہ پر چلے جائیں، پھر وہ لوگ آئیں اور امام ایک رکعت ان کے ساتھ پڑھے، اب امام کی دو رکعت ہو گئیں، مقتدی اپنی رکعت دو سجدوں کے ساتھ پڑھیں، پھر امام اور یہ سب ایک ساتھ سلام پھیریں۔

حضرت سہل بن ابی حثمہ ﷺ آنحضرت ﷺ سے اسی طرح کی حدیث روایت کرتے ہیں، صالح بن خوات، حضرت سہل سے روایت کرتے ہیں کہ سہل نے مجھے اپنا قول جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، بیان کیا۔

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الخوف، رقم: ۸۴۱، وسنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب من قال: يقوم صَف مع الامام وصف وجاه ها العدو معه الخ، رقم: ۱۲۳۷، وسنن الترمذي، ابواب السفر، باب ماجاء في صلاة الخوف، رقم: ۵۲۵، وسنن النسائي، كتاب صلاة الخوف، رقم: ۱۵۳۶، ۱۵۵۳، و سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة الخوف، رقم: ۱۲۶۹، وموطأ امام مالک، كتاب صلاة الخوف، باب صلاة الخوف، رقم: ۲، ومسند أحمد، مسند المكيين، حديث سهل بن ابي حثمة، رقم: ۱۵۷۱۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في صلاة الخوف، رقم: ۱۵۶۳

صلوٰۃ الخوف کا دوسرا طریقہ

حضرت سہل بن ابی حثمہ ﷺ کی یہ روایت اصح مافی الباب ہے اور اسی کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے صلوٰۃ الخوف کے باب میں اختیار کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک بھی یہ طریقہ جائز ہے۔

دوسرا طریقہ حنفیہ کے نزدیک زیادہ اولیٰ ہے، وہ یہ کہ پہلا طائفہ امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھنے کے بعد اپنی جگہ چلا جائے اور جب امام دوسری رکعت کیلئے کھڑا ہو تو دوسرا طائفہ آ کر امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھے اور واپس چلا جائے، پھر پہلا طائفہ آئے اپنی باقی نماز پوری کرے اور دوسرا طائفہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک روایت سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور عبداللہ بن مسعود ﷺ کی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اس میں چونکہ نہ کوئی مقتدی امام سے پہلے فارغ ہوتا ہے نہ طائفہ اولیٰ امام سے پہلے فارغ ہوتا ہے۔ اس واسطے حنفیہ نے اس کو ترجیح دی ہے، اس کی تفصیل کتاب الخوف میں گذر چکی ہے۔ [۱۲]

۴۱۳۲ - حدثنا أبو اليمان، أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال: أخبرني سالم، أن ابن عمر رضي الله عنهما، قال: ((غزوت مع رسول الله ﷺ قبل نجد، فوازينا العدو، فصاففنا لهم)). [راجع: ۹۴۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا، پھر ہم دشمن کے مقابل ہوئے اور ہم نے ان کے مقابلہ کے لئے صف بندی کی۔

۴۱۳۳ - حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا معمر، عن الزهري، عن سالم بن عبدالله بن عمر، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ صلى بإحدى الطائفتين والطائفة الأخرى مواجهة العدو، ثم انصرفوا فقاموا في مقام أصحابهم، فجاء أولئک فصلى بهم ركعة ثم سلم عليهم، ثم قام هؤلاء فقضوا ركعتهم وقام هؤلاء فقضوا ركعتهم. [راجع: ۹۴۲]

ترجمہ: سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک گروہ کو نماز پڑھائی، دوسرا گروہ دشمن کے مقابل رہا، جب وہ اپنے ساتھیوں کی جگہ چلے گئے تو دوسرا گروہ آ گیا، آپ ﷺ نے ان کو بھی ایک رکعت پڑھائی، پھر سب کے ساتھ سلام پھیرا، انہوں نے کھڑے ہو کر اپنی ایک رکعت مکمل اور تمام کر لی تھی۔

---

[۱۲] مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری: کتاب الخوف، ج: ۴، ص ۱۲۷

تشریح

"ثم قام هؤلاء فقضوا رکعتهم وقام هؤلاء فقضوا رکعتهم" یہاں پر دونوں احتمال ہیں۔

اس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ پہلا طائفہ آیا انہوں نے اپنی نماز پوری کی، پھر دوسرا طائفہ آیا اس نے اپنی نماز پوری کی۔

یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ جب ایک طائفہ نے ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھی تو وہاں پر اپنی نماز پوری کر لی پھر چلا گیا۔ پھر پہلا طائفہ آیا اس نے آ کر اپنی نماز پوری کر لی۔

۴۱۳۴ - حدثنا أبو الیمان: حدثنا شعیب، عن الزهری قال: حدثنی سنان وأبو سلمة: أن جابرا أخبر أنه غزا مع رسول الله ﷺ قبل نجد. [راجع: ۲۹۱۰]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا تھا۔

نجد سے مراد

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کے ساتھ نجد کی جانب جہاد کیا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد غزوۂ ذات الرقاع ہے، چونکہ یہ غطفان کے علاقہ میں ہوا تھا اور غطفان کا علاقہ بھی نجد کی طرف ہے۔

۴۱۳۵ - حدثنا إسماعیل: حدثنی أخی، عن سلیمان، عن محمد بن أبی عتیق، عن ابن شهاب، عن سنان بن أبی سنان الدؤلی، عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما أخبره: أنه غزا مع رسول الله ﷺ قبل نجد فلما قفل رسول الله ﷺ قفل معه، فأدركتهم القائلة فی واد کثیر العضاه، فنزل رسول الله ﷺ وتفرق الناس فی العضاه یستظلون بالشجر، ونزل رسول الله ﷺ تحت سمرة فعلق بها سیفه، فقال جابر: فنمنا نومة، فإذا رسول الله ﷺ یدعونا فجئناه. فإذا عنده أعرابی جالس فقال رسول الله ﷺ: ((إن هذا اخترط سیفی وأنا نائم. فاستیقظت وهو فی یده صلتا فقال لی: من یمنعک منی؟ قلت له: الله، فها هو ذا جالس)). ثم لم یعاقبه رسول الله ﷺ. [راجع: ۲۹۱۰]

ترجمہ: ابن شہاب سنان بن ابی سنان الدولی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ نجد میں جہاد کیا، پھر جب آنحضرت ﷺ واپس

تشریف لائے، تو میں بھی آپ ﷺ کے ہمراہ واپس آیا، پھر ایک ایسے جنگل میں دوپہر ہوگئی جس میں بہت کانٹے تھے، حضور ﷺ وہیں اتر گئے، اور سب لوگ جنگل میں منتشر ہوگئے تاکہ درختوں کے سائے تلے آرام کرسکیں، آنحضرت ﷺ ایک گھنے درخت کے نیچے آرام کرنے لگے اور تلوار کو اس درخت کے ساتھ لٹکا دیا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ابھی سوئے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو پکارا، ہم آپ ﷺ کے پاس گئے، تو دیکھتے ہیں کہ ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا میں سو رہا تھا، اس نے سونے کی حالت میں میرے اوپر تلوار کھینچ لی، میں اسی وقت اٹھ بیٹھا، تو یہ کہنے لگا کہ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ میں نے اسکو جواب دیا، اللہ! دیہاتی آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اس کو کچھ سزا نہیں دی، اور یہ بیان فرماتے رہے۔

تلوار کھینچنے کا واقعہ

یہ واقعہ بھی اسی غزوہ ذات الرقاع کا ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سنا رہے ہیں، فرماتے ہیں **"انه غزا مع رسول الله ﷺ الخ"** تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد کیا، جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو میں بھی آپ کے ساتھ واپس آیا۔

"فادركتهم القائلة الخ" پھر ایک ایسے جنگل میں دوپہر ہوگئی یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا قیلولہ کا وقت آگیا، جس میں کانٹے دار درخت بہت تھے یعنی ببول وغیرہ۔ آپ ﷺ نے وہاں پر پڑاؤ ڈالا اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مختلف جھاڑیوں کے اندر دوپہر کو آرام کرنے کے لئے منتشر ہوگئے۔

"ونزل رسول الله ﷺ تحت سمرة الخ" آنحضرت ﷺ بھی ایک ببول کے درخت کے نیچے اتر گئے اور اسی ببول کے درخت کے ساتھ آپ ﷺ نے اپنی تلوار لٹکا دی۔

"قال جابر رضی اللہ عنہ: فنمنا نومة الخ" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں سب لوگ کچھ دیر سو گئے، **"فإذا رسول الله ﷺ الخ"** اچانک ہم نے دیکھا رسول کریم ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں تو ہم آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، **"فإذا عنده أعرابي جالس"** تو ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔

"فقال رسول الله ﷺ إن هذا اخترط سيفي وأنا نائم" آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے میری تلوار کھینچ لی تھی یعنی جب میں سو رہا تھا تو اس شخص نے درخت پر لٹکی ہوئی میری تلوار نکال لی، **"فاستيقظت وهو في يده صلتا"** تو جب میں نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس اعرابی کے ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی یعنی ننگی تلوار میرے پر تانی ہوئی تھی۔

"وھو فی یدہ" یہ حال واقع ہو رہا ہے، "قائم" یا "موجود" محذوف ہوگا "وھو موجود" یا "قائم" اس صیغۂ صفت کے اندر ضمیر ہوگی جو اس "قائم" کا یا "موجود" کا فاعل ہے۔ اس فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

"فقال لی: من یمنعک منی؟" اور مجھ سے کہنے لگا کہ کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو یہ جواب دیا کہ اللہ! مجھے تجھ سے بچائے گا۔ اور اب وہ اعرابی یہ بیٹھا ہوا ہے، "ثم لم یعاقبه رسول اللہ ﷺ" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

وہ اعرابی بعد میں مسلمان ہوا کہ نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مسلمان ہوا اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ نہیں ہوا۔ [۱۳]

۴۱۳۶ ۔ وقال أبان: حدثنا یحیی بن أبی کثیر، عن أبی سلمة، عن جابر قال: کنا مع النبی ﷺ بذات الرقاع فإذا أتینا علی شجرة ظلیلة ترکنا ھا للنبی ﷺ فجاء رجل من المشرکین وسیف النبی ﷺ معلق بالشجرة فاخترطه فقال له: تخافنی؟ فقال له: ((لا))، قال: فمن یمنعک منی؟ قال: ((اللہ))، فتھددہ أصحاب النبی ﷺ وأقیمت الصلاة فصلی بطائفة رکعتین ثم تأخروا وصلی بالطائفة الأخری رکعتین، وکان للنبی ﷺ أربع وللقوم رکعتان. وقال مسدد، عن أبی عوانة، عن أبی بشر: اسم الرجل غورث بن الحارث. وقاتل فیھا محارب خصفة. [راجع: ۲۹۱۰]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے، جب کوئی سایہ دار درخت ملتا تو ہم اس کو آپ ﷺ کے لئے چھوڑ دیتے، ایک مشرک نے رسول اکرم ﷺ کی درخت میں لٹکی ہوئی تلوار کھینچ لی اور کہا! تم مجھ سے ڈرتے ہو یا نہیں؟ آپ ﷺ نے جواب دیا نہیں، اس نے کہا تم کو آج مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ! اصحاب رسول اللہ ﷺ نے اسے ڈانٹا اور دھمکایا، اور پھر آپ ﷺ نے ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں پھر وہ ہٹ گئے، دشمن کے سامنے چلے گئے، آپ ﷺ نے دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور باقی لوگوں کی دو رکعات ہوئیں۔

مسدد کہتے ہیں کہ ابوعوانہ نے ابوبشر سے روایت کیا انہوں نے اس کا نام غورث بن حارث بتایا، آپ ﷺ نے یہ جنگ محارب خصفہ کے لوگوں سے لڑی تھی۔

---

[۱۳] وذکر الواقدی أنه أسلم وأنه رجع الی قومه فاھتدی به خلق کثیر. کتاب المغازی للواقدی، ج: ۱، ص: ۱۹۶، و عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۸۶

حدیث کی توضیح

"واقیمت الصلاۃ فصلی بطائفۃ رکعتین" کہتے ہیں کہ بعد میں نماز کھڑی ہوئی، پھر ایک طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائی وہ پیچھے ہٹ گئے، **"وصلی بالطائفۃ الأخری رکعتین"** پھر دوسرے طائفہ کو دو رکعتیں پڑھائی۔

"وکان للنبی ﷺ اربع وللقوم رکعتان" تو حضور ﷺ کی چار رکعتیں تھی اور قوم کی دو رکعتیں تھی۔

اب یہ بڑی مشکل پڑگئی کہ یہ روایت صحیح طریقہ سے کہیں بیٹھ نہیں پا رہی ہے، کیونکہ اول تو سفر کی حالت میں چار رکعتیں پڑھنے کا سوال نہیں تھا۔

اگر یوں کہا جائے کہ قصر پڑھائی، آپ ﷺ نے ایک طائفہ کو دو رکعتیں اور دوسرے طائفہ کو دو رکعتیں، تو دو طائفوں کو دو دو رکعتیں کیوں پڑھائی؟ جب کہ صلوۃ الخوف کا طریقہ یہ ہے کہ ایک رکعت ایک طائفہ کو اور دوسری رکعت دوسری طائفہ کو پڑھائی جاتی ہے۔

تو شافعیہ نے یہاں پر یہ مطلب نکالا ہے کہ یہ دو رکعتیں **"متنفلاً"** تھی اور **"اقتدا بالمتنفل"** ہوگئی، لہٰذا اس کا ثبوت مل گیا۔ اگر حضور ﷺ نفلی طور پر پڑھاتے تو صلوٰۃ الخوف پڑھانے کی کیا ضرورت تھی تو اسلئے یہ بات نہیں بنتی۔ [۱۸]

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ایک فرض دو مرتبہ پڑھنا جائز تھا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی راوی سے وہم ہوگیا ہو۔ [۱۹]

باقی سب یہ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع میں ایک ایک رکعت پڑھائی، یہ تنہا ایک راوی ذکر کر رہا ہے تو راوی سے مراد صحابی نہیں بلکہ صحابی سے نیچے کسی راوی سے وہم ہوگیا ہے۔

---

[۱۸] عمدۃ القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۸۶

[۱۹] قال الطحاوی: فان قال قائل: ففی هذا الحديث مايدل على خروج رسول الله من الصلاة بعد فراغه من الركعتين سلامهما بالطائفة الأولى لأن فی الحديث: "ثم سلم". قيل له: قد يحتمل أن يكون ذلک السلام المذكور هو سلام التشهد الذی لا يراد به قطع الصلاة، ويحتمل أن يكون سلاما أراد به اعلام الطائفة الأولى باوان انصرافها، والكلام حينئذ مباح له فی الصلاة غير قاطع لها. اعلاء السنن، كتاب الصلاة، باب طريق الصلوة الرباعية فی الخوف وترک الصلوة عند العجز، ج:۸، ص: ۲۰۰

"اسم الرجل غورث بن الحارث" یہ اعرابی آدمی جس نے تلوار آپ پر تانی تھی اس کا ابوبشر نے غورث بن حارث بیان کیا ہے۔

۴۱۳۷ ـ وقال أبو الزبير، عن جابر: كنا مع رسول الله ﷺ بنخل فصلى الخوف، وقال أبو هريرة: صليت مع النبي ﷺ في غزوة نجد صلاة الخوف. وإنما جاء أبو هريرة إلى النبي ﷺ أيام خيبر. [راجع: ۴۱۲۵]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ نخل میں تھے، آپ ﷺ نے خوف کی نماز پڑھائی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ نجد کے غزوہ میں خوف کی نماز پڑھی، حالانکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر کے دنوں میں آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تھے۔

باب
غزوة بن المصطلق
و
باب غزوة بنى أنمار

(۳۴) باب: غزوة بني المصطلق من خزاعة وهي غزوة المريسيع

غزوۂ بنی مصطلق، جو خزاعہ کی ایک شاخ ہے اور اس کو غزوہ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

واقعہ غزوۂ بنی مصطلق

اس باب میں غزوۂ بنی مصطلق کا بیان ہے۔

بنو مصطلق خزاعہ کے قبیلہ کی شاخ تھی، ان سے رسول کریم ﷺ کا مقابلہ ہوا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس بعض تاجروں نے آکر یہ اطلاع دی کہ بنو مصطلق کے لوگ ایک مجمع اکٹھا کر رہے ہیں، لشکر تیار کر رہے ہیں اور ان کی نیت یہ ہے کہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو جائیں۔

اِدھر جب آنحضرت ﷺ نے یہ خبر سنی تو ایک لشکر تیار فرمایا اور ان کی سرکوبی کیلئے مدینہ منورہ سے باہر نکلے اور سفر فرمایا یہاں تک کہ ان کے علاقے میں پہنچ گئے۔

وہاں جا کر ان میں سے بہت سے لوگوں نے مقابلہ سے پہلو تہی کرنی چاہی لیکن بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ ان میں سے گیارہ آدمی مارے گئے اور باقی آدمی مرد اور عورتیں سب گرفتار ہو گئے اور ان گرفتار شدگان مدینہ منورہ لایا گیا۔

غزوۂ بنی مصطلق کا یہ مختصر سا خلاصہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کا جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

یہ کوئی بڑی جنگ نہیں تھی لیکن اس میں متعدد واقعات بڑے اہم پیش آئے۔

جن میں سے ایک واقعہ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے نکاح کا ہے۔ وہ اسی غزوہ میں گرفتار ہوئی تھی، رسول کریم ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر اختیار دیا اور پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ہی نکاح کرنا پسند کیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان سے نکاح کیا اور اس کے نتیجے میں صحابۂ کرام ﷺ نے کہا کہ یہ

سارے کے سارے قیدی رسول کریم ﷺ کے سسرال ہوگئے، لہٰذا ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔

اسی غزوہ سے واپسی میں افک کا واقعہ بھی پیش آیا جو آگے تفصیل سے آرہا ہے۔

مریسیع اور بنو مصطلق کی نسبت

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وهي غزوة المريسيع" "مریسیع ایک جگہ کا نام ہے اس میں اس جگہ کی طرف نسبت ہے جہاں یہ غزوہ پیش آیا تھا۔ اور بنو مصطلق میں نسبت ہے اس قبیلہ کی طرف جس سے یہ جنگ ہوئی تھی تو دونوں طریقوں سے اس غزوہ کو تعبیر کیا جاتا ہے۔

قال ابن اسحاق: وذلک سنة ست، وقال موسى بن عقبة: سنة أربع. وقال النعمان بن راشد، عن الزهري: كان حديث الإفك في غزوة المريسيع.

ترجمہ: ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ غزوہ ۶ھ میں اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ ۴ھ میں پیش آیا۔ اور نعمانؒ بن راشد نے زہری سے روایت کی کہ واقعہ افک اسی غزوۂ مریسیع میں ہوا۔

غزوہ بنی مصطلق کب پیش آیا؟

محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا تھا، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ غزوۂ احزاب کے بعد پیش آیا۔

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ جو مغازی کے دوسرے امام ہیں، ان کا قول امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ نقل کیا ہے کہ ۴ھ میں پیش آیا تھا، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ سے سبقت قلم ہوگئی ہے لکھنا چاہ رہے تھے "سنة خمس" اور لکھ دیا "سنة أربع" اس واسطے کہ موسیٰ بن عقبہ کے مغازی میں ۴ھ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ۵ھ کا ذکر ہے۔ [۱]

اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ غزوۂ مصطلق احزاب سے پہلے ہوا ہے تو اس صورت میں ۴ھ یا اس سے پہلے کا واقعہ ہوا، جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کے بعد ہوا ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے صراحت فرمائی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں، میں رسول کریم ﷺ کے ساتھ شریک ہوا وہ غزوۂ احزاب تھا۔

---

[۱] فتح الباری، ج:۷، ص: ۴۳۰ وعمدۃ القاری، ج:۱۷، ص: ۲۸۸

اور دوسری طرف یہ بات بھی ثابت ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق میں ابن عمر رضی اللہ عنہما شامل تھے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق، غزوۂ احزاب کے بعد ہوا ہے، اگرچہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ غزوۂ احزاب سے پہلے ہوا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ بنو مصطلق میں ساتھ تو تھے لیکن ضمناً وتبعاً نہ کہ اصلاً، جو سب سے پہلے شریک ہوئے وہ غزوۂ احزاب میں ہوئے اور تبعاً اس میں آکر ہوئے ہوں تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔ **واللہ أعلم۔**

"كان حديث الإفك في غزوة المريسيع" امام بخاری رحمہ اللہ نے زہریؒ کا یہ قول ذکر کیا کہ واقعہ افک جس میں ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی وہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا۔

۴۱۳۸ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: أخبرنا إسماعيل بن جعفر، عن ربيعة بن أبي عبدالرحمن، عن محمد بن يحي بن حبان، عن ابن محيريز أنه قال: دخلت المسجد فرأيت أبا سعيد الخدری فجلست إليه فسألته عن العزل، قال أبو سعيد: خرجنا مع رسول الله ﷺ في غزوة بني المصطلق فأصبنا سبيا من سبي العرب فاشتهينا النساء واشتدت علينا العزبة وأحببنا العزل فأردنا أن نعزل. وقلنا: نعزل ورسول الله ﷺ بين أظهرنا قبل أن نسأله؟ فسألناه عن ذلك. فقال: ((ما عليكم أن لا تفعلوا، ما من نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا وهي كائنة)). [راجع: ۲۲۲۹]

ترجمہ: محمد بن یحییٰ بن حبان، ابن محیریز سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں مسجد میں داخل ہوا اور حضرت ابوسعید خدری ﷺ کو دیکھا، اور ان سے میں نے عزل کا مسئلہ دریافت کیا، آپ ﷺ نے کہا کہ ہم غزوہ بنی مصطلق میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھے، وہاں عرب کی باندیاں ہاتھ آئیں، ادھر ہم کو عورتوں کی خواہش تھی، اور خواہش پوری کئے بنا رہنا مشکل ہو رہا تھا، ہم عزل کرنا چاہتے تھے، مگر رسول اکرم ﷺ کی موجودگی کا خیال آتے ہی ہم آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور یہ مسئلہ پوچھا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، عزل نہ کرنے میں کیا برائی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم میں جو جان قیامت تک آنے والی ہے وہ ضرور آکر رہے گی۔

عزل کا حکم اور حدود

ابن محیریز کی روایت نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو ابوسعید خدری ﷺ کو دیکھا تو میں ان کے پاس بیٹھ گیا، میں نے ان سے عزل کے بارے میں مسئلہ پوچھا کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ [۲]

---

[۲] قوله: ((العزل)) وهو نزع الذكر من الفرج عند الانزال. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۸۸

"قال أبو سعيد خرجنا مع رسول الله ﷺ في غزوة بني المصطلق الخ" حضرت ابوسعید خدری ؓ نے جواب میں یہ حدیث سنائی کہ ہم غزوۂ بنو مصطلق میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے تھے تو ہم نے کچھ قیدی کنیزوں (عورتوں) میں سے حاصل کی، یعنی وہ ہمارے درمیان بطور کنیز تقسیم ہوئی، تو ہمیں عورتوں کی خواہش پیدا ہوئی اور بغیر عورتوں کے ہونا یا بغیر بیوی کے ہونا ہم پر سخت گراں گزرا۔

یعنی عورت کی خواہش پیدا ہو رہی تھی لیکن ہم دوسری طرف یہ سمجھتے تھے کہ اگر ان کنیزوں کے ساتھ مجامعت کرتے ہیں تو استقرارِ حمل کا اندیشہ ہے اور ہم لوگ ان باندیوں سے استقرارِ حمل کو پسند نہیں کر رہے تھے تو ہمارا ارادہ ہوا کہ ہم عزل کریں۔

"واحببنا العزل فاردنا أن نعزل الخ" تو ہم نے عزل کو پسند اور ارادہ کیا کہ ہم عزل کریں گے اور ہمارے درمیان رسول کریم ﷺ موجود ہیں تو ان سے پوچھے بغیر ہم عزل شروع کریں تو یہ بات ہمیں مناسب نہیں لگی، چنانچہ ہم نے سوچا پہلے پوچھنا چاہئے۔

"ما عليكم أن لا تفعلوا، ما من نسمة الخ" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عزل نہ کرنے میں کیا برائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم میں جو جان قیامت تک آنے والی ہے وہ ضرور آکر رہے گی۔

اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک معنی یہ کہ اگر عزل کرو تو تمہارے اوپر کوئی گناہ اور وبال نہیں ہے اگر نہ کرو تو کیا برائی ہے؟ گویا بتا دیا کہ نہ کرو تو بہتر ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ تمہارے اوپر واجب نہیں ہے کہ نہ کرو یعنی کرنا جائز ہے، جواز کا حکم دیا کہ تمہارے اوپر واجب نہیں ہے کہ نہ کرو۔

یہی معنی زیادہ حضرات نے لئے ہیں کہ آپ ﷺ نے اجازت دی۔

جو روح روز قیامت تک آنے والی ہے وہ وجود میں آکر رہے گی چاہے عزل کرو یا نہ کرو، اللہ تعالیٰ اگر ولد پیدا کرنا چاہے گا تو پیدا فرما دیں گے، لہٰذا اگر کرنا چاہتے ہو تو کوئی گناہ نہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ انفرادی کسی عذر کی وجہ سے اگر کوئی شخص عزل کرنا چاہے یا مانع حمل کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے۔

البتہ غرض اس کی صحیح ہونی چاہئے، مقصد صحیح ہونا چاہئے، مشروع ہونا چاہئے، غیر مشروع مقصد کے تحت عزل کرنا یا مانع حمل کا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں۔

غیر مشروع کا معنی یہ ہے جیسے کوئی کہے کہ میری لڑکی ہوئی تو میرے لئے عار ہوگا، اس واسطے عزل کریں، تو حرام ہوگا یا اس وجہ سے کہ بچے کہاں سے کھائیں گے تو یہ بھی جائز نہیں ہے۔

ضبطِ ولادت/خاندانی منصوبہ بندی

موجودہ زمانے میں خاندانی منصوبہ بندی یا ''برتھ کنٹرول'' کے نام سے جو تحریک چلی ہے اس کے عدم جواز میں شبہ نہیں، اول اس لئے کہ ضبطِ ولادت کی اجازت جن مقامات پر ثابت ہے ان کا حاصل انفرادی طور پر ضبطِ ولادت کرنا ہے لیکن اس کو عام عالمگیر تحریک بنالینا درست نہیں، دوسرے اس تحریک کی غرض بھی فاسد ہے کیونکہ اس کا منشاء ''**خشیتِ املاق**'' ہے اور یہ منشاء بنصِ قرآنی فاسد ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ [۳۳]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ ہم اُنہیں بھی رزق دیں گے، اور تمہیں بھی۔

اس میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ یہ حکم قتلِ اولاد کے ساتھ ہی مخصوص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ''**خشیة املاق**'' کے الفاظ سے اس فعل کی شناعت کا ایک عام حکم بھی بیان فرمایا ہے کہ ہر وہ عمل جس سے بخوفِ مفلسی تحدیدِ نسل ہوتی ہو تو وہ ناجائز ہے۔

دراصل یہ تحریک باری تعالیٰ کے نظامِ ربوبیت کو اپنے ہاتھ میں لینے کی مترادف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے کہ

﴿وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ [۳۴]

ترجمہ: زمین پر چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ نے اپنے ذمہ نہ لے رکھا ہو۔ وہ اُس کے مستقل ٹھکانے کو بھی جانتا ہے، اور عارضی ٹھکانے کو بھی۔

اور قانونِ قدرت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں پیداوار کی مقدار اس دور کی ضرورت کے مطابق ہوتی ہے مثلاً پرانے زمانے میں تمام سفر گھوڑوں پر ہوتے تھے، اس دور میں اس قسم کے سفر میں کام آنے والے جانوروں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تھی اور اب چونکہ سفر دوسری گاڑیوں پر ہونے لگے تو ان کی نسل بھی کم ہوگئی۔

---

[۳۳] [الاسراء: ۳۱]، [۳۴] [هود: ٦]

اسی طرح پہلے زمانہ میں پٹرول وغیرہ کی ضروریات محدود تھیں مثلاً اس کا استعمال خارش زدہ اونٹ کے جسم پر بطور علاج کیا جاتا تھا اس دور میں اس کی پیداوار بھی کم تھی اور اب تمام زندگی پٹرول کے گرد گھوم رہی ہے تو زمین نے بھی اس کے خزانے اُگل دیئے ہیں۔

اسی حقیقت کو اللہ کل شانہ نے اس آیت میں واضح فرمادیا ہے

﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾ [۵]

ترجمہ: اور کوئی (ضرورت کی) چیز ایسی نہیں ہے جس کے ہمارے پاس خزانے موجود نہ ہوں مگر ہم اُس کو ایک معین مقدار اُتارتے ہیں۔

اور اسی طرح ارشاد ہے کہ

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ [۶]

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو ناپ تول کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

نیز ارشاد ہے کہ

﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ﴾ [۷]

ترجمہ: اور اگر اللہ اپنے تمام بندوں کیلئے رزق کو کھلے طور پر پھیلا دیتا تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگتے، مگر وہ ایک خاص اندازے سے جتنا چاہتا ہے (رزق) اُتارتا ہے۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ضروریات کے مطابق وسائل کی پیداوار کا نظام قدرت ہی کی طرف سے ہوتا ہے، یہ تو قادرِ مطلق کے وہ قوانین ہیں جن تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی ہے، یہ وہ مرحلہ ہے جہاں ہوش وخرد جواب دی جاتے ہیں، حساب وکتاب کی بان کنگ ہوجاتی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے کہ آبادی میں اضافہ معاشی تنگی پر منتج ہوگا۔ بلکہ جب آبادی بڑھے گی تو قادرِ مطلق وسائل رزق میں وسعت عطا کریں گے، جیسا کہ پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ضبطِ ولادت کی تحریک کسی بھی معقول بنیاد پر قائم نہیں بلکہ محض ایک سیاسی فریب ہے۔

---

[۵] [الحجر: ۲۱]، [۶] [القمر: ۴۹]، [۷] [الشوری: ۲۷]

اب تو رفتہ رفتہ ماہرینِ معاشیات بھی اسی نتیجہ کی طرف آرہے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کی یہ تحریک نہایت مضرت رساں ہے اور معاشی طور پر اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

ضبطِ ولادت کے حامیان کو جواب

جو لوگ ضبطِ ولادت کے حامی ہیں، ان سے جب اس مسئلہ میں مذہبی نقطۂ نظر سے بات کی جاتی ہے تو وہ اپنی دلیل میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مذکورہ حدیث سنا دیتے ہیں کہ اس سے عزل کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ حضرات ان احادیث کو قطعی نظر انداز کر جاتے ہیں جن سے "عزل" کا ناجائز ہونا عیاں ہو جاتا ہے۔

"شرعی حیثیت" کے باب میں آپ کو معلوم ہے کہ ہر قسم کی احادیث کو پیشِ نظر رکھ کر کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟ یہ ایک زبردست اصولی غلطی ہے کہ محض ایک دو حدیثوں کو دیکھ کر کوئی فیصلہ کن رائے کر لی جائے۔

اس اصولی جواب کے بعد اطمینان خاطر کے لئے خاص اس مسئلہ کا جزئی جواب بھی سمجھ لیجئے۔

جس زمانے میں آپ ﷺ نے عزل کی اجازت دی اس زمانے میں اہل عرب مختلف اعراض کے ماتحت انفرادی طور پر عزل کیا کرتے تھے۔

۱- ایک یہ کہ باندی سے اولاد نہ ہو، تاکہ گھر کے کام کاج میں حرج نہ پیش آئے۔

۲- دوسرے یہ کہ باندی ام ولد نہ بن جائے تو پھر اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا پڑے گا، کیونکہ ام ولد کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔

۳- زمانہ رضاعت میں حمل نہ ٹھہر جائے، کیونکہ اس سے اہل عرب کو شیر خوار بچے کی صحت پر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

پھر چونکہ عزل ناپسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ جائز بھی تھا بشرطیکہ اس سے کوئی غیر شرعی یا ناجائز چیز مقصود نہ ہو، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔ ہاں اگر صحابہ کرام ؓ کا اس فعل سے مقصد کوئی ایسی چیز ہوتی جو شریعت میں غلط ہو تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور منع فرماتے۔

اس بات پر اس واقعہ سے روشنی پڑتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اپنی بیوی سے عزل کرتا ہوں۔ آپ ﷺ سے نے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو؟

اس نے عرض کیا کہ میرا ایک بچہ ہے جس کو وہ دودھ پلاتی ہے، مجھے خطرہ ہے کہ حاملہ ہوگئی تو اس کا دودھ بچے کو نقصان پہنچائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہلِ روم اور اہلِ فارس ایسا کرتے ہیں مگر ان کے بچوں

کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ ۸

اس واقعہ میں آپ ﷺ سے عزل کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فوراً جائز یا ناجائز ہونے کا نہیں کہا بلکہ سائل سے دریافت کیا کہ اس سے تمہارا منشاء کیا ہے؟ پھر چونکہ اس کا مقصد کوئی ناجائز کام نہ تھا۔ البتہ اسے دوسرے لوگوں کے تجربے فضول ضرور کہا جاسکتا ہے، اس لئے آپ ﷺ نے اس کا فضول ہونا واضح اور اشارۃً کراہت کا اظہار فرمایا۔

اب عقل خود بخود اس نتیجے کو پاسکتی ہے کہ اگر عزل کرنے والے کا کوئی مقصد ناجائز اور نصوص شرعیہ کے خلاف ہوتا تو رسول اللہ اسے ضرور رد کرتے۔

اس توضیح سے یہ بات تو صاف ہوگئی کہ جن حالات میں آپ ﷺ سے عزل کی اجازت منقول ہے ان سے موجودہ زمانے میں تحریک ضبطِ ولادت پر عمل کرنے کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اول تو اس لئے کہ ان کا مقصد صحیح تھا، دوسرے اس لئے کہ اس زمانہ میں انفرادی حیثیت سے یہ کام کیا جاتا تھا، کسی اجتماعی تحریک کی شکل نہیں تھی۔

۴۱۳۹ـ حدثنا محمود: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن أبي سلمة، عن جابر بن عبدالله قال: غزونا مع رسول الله ﷺ غزوة نجد فلما أدركته القائلة وهو في واد كثير العضاه فنزل تحت شجرة واستظل بها وعلق سيفه فتفرق الناس في الشجر يستظلون. وبينا نحن كذلك إذ دعانا رسول الله ﷺ فجئنا فإذا أعرابي قاعد بين يديه. فقال: ((إن هذا أتاني وأنا نائم فاخترط سيفي فاستيقظت وهو قائم على رأسي مخترط سيفي صلتا، قال: من يمنعك مني؟ قلت: الله، فشامه ثم قعد، فهو هذا)). قال: ولم يعاقبه رسول الله ﷺ. ۹

---

۸ صحیح مسلم، کتاب الحج، باب حکم العزل، رقم: ۱۴۳۸، و باب جواز الغيلة، وهي وطء المرضع، كراهة العزل، ۱۴۴۲

مسئلہ عزل کے متعلق مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: ضبط ولادت کی عقلی وشرعی حیثیت، اور۔ انعام الباری: باب بیع الرقیق، رقم: ۲۲۲۹، ج:۶، ص:۴۱۳

۹ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الخوف، رقم: ۱۳۹۱، وكتاب الفضائل، باب توكله على الله تعالى وعصمة الله تعالى له من الناس، رقم: ۴۲۲۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۸۱۲، ۱۴۴۰۰، ۱۴۶۵۷

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ نے فرمایا ہم نجد کی جنگ میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے جب دوپہر کا وقت آیا تو آپ ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام کرنے لگے اور تلوار کو لٹکا دیا ہم لوگ بھی ادھر ادھر درختوں کے نیچے سایہ کے لئے متفرق ہو گئے تھوڑی ہی دیر بعد آنحضرت ﷺ نے ہمیں بلوایا، ہم گئے اور دیکھا کہ ایک اعرابی پاس بیٹھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس اعرابی نے میرے سوتے ہی آ کر تلوار میرے اوپر کھینچ لی، میں جاگ اٹھا یہ میرے سامنے تلوار تانے ہوئے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا۔ بتاؤ تم کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے؟ میں نے جواب دیا اللہ تعالیٰ ۔ پھر تلوار کو نیام میں رکھ کر بیٹھ گیا، یہاں دیکھو یہ بیٹھا ہے۔ جابر کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہیں دی۔

تشریح

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے صرف اس میں یہ لفظ نیا ہے **"فشــامــت"** جب میں نے کہا کہ اللہ مجھے بچانے والا ہے تو اس نے اپنی تلوار کو نیام میں کرلیا۔ **"شام یشیم"** تلوار کو نیام میں رکھ لینا۔

یہاں غزدہ بنی مصطلق کے سیاق میں ذکر کیا ہے۔ غالباً امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ یہ ہے کہ روایت میں صراحت نہیں ہے، صرف اتنا ہے کہ ہم نجد کی طرف گئے تھے۔

نجد کی جانب جانے میں دو احتمال ہیں کہ نجد کی طرف جو غزوے ہوئے ان میں غزوۂ ذات الرقاع بھی ہے اور غزوۂ بنی مصطلق بھی ہے، لہٰذا دونوں میں انہوں نے یہ واقعہ ذکر کر دیا ہے کہ ایک احتمال یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع کے سفر کا ہو اور یہ بھی ہے کہ بنو مصطلق کے سفر کا ہو۔

(۳۴) باب غزوة أنمار

غزوۂ بنی انمار کا بیان

۴۱۴۰ ۔ حدثنا آدم: حدثنا ابن أبی ذئب: حدثنا عثمان بن عبد اللہ بن سراقة، عن جابر بن عبد اللہ الأنصاری قال: رأیت النبی ﷺ فی غزوة أنمار یصلی علی راحلته متوجها قبل المشرق متطوعا. [راجع: ۴۰۰]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو جنگ انمار میں سواری پر بیٹھے بیٹھے قبلہ کی طرف منہ کر کے نفل نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

غزوۂ انمار کب واقع ہوا؟

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو غزوۂ انمار میں دیکھا کہ آپ اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کا رخ مشرق کی طرف تھا، نفلی نماز پڑھ رہے تھے۔ اس روایت میں غزوۂ انمار کا ذکر ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ غزوۂ انمار اور ذات الرقاع ایک ہی سفر میں ہوئے، تو بعض لوگوں نے اس پر حیرانگی کا اظہار کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں غزوۂ بنی مصطلق کے بعد اور حدیث افک سے پہلے درمیان میں غزوۂ انمار کہاں سے لے آئے۔ جب کہ غزوۂ ذات الرقاع پہلے گزر چکا ہے۔

واقعی تعجب ہی کی بات ہے لیکن بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ناسخوں کی غلطی ہے کہ نسخوں میں آگے پیچھے ہوگیا، یہ بنو مصطلق سے پہلے لانا چاہئے تھا۔

لیکن مجھے اس میں بھی کوئی بعد معلوم نہیں ہوتا، امام بخاری رحمہ اللہ کو اس معاملہ میں تردد ہے کہ ذات الرقاع، بنو المصطلق اور انمار کے وقوع کی ترتیب کیا ہے۔ کونسا غزوہ پہلے ہوا کونسا بعد میں ہوا، اس کے وقوع کی ترتیب میں امام بخاری رحمہ اللہ کو تردد ہے اور اس تردد کی وجہ سے ذات الرقاع میں اس کو ذکر نہیں کیا، بنو مصطلق میں ذکر نہیں کیا اور الگ سے اس کو ذکر کر دیا۔

لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ دوسری روایات سے جو بات زیادہ تر اصحاب سیر نے اختیار کی ہے وہ

یہ ہے کہ انمار اور ذات الرقاع دونوں ایک ہیں۔

ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایک سفر میں واقع ہوئے ہیں، بنوثعلبہ کے مقابلہ پر آپ ﷺ غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے اسی سفر میں آپ ﷺ نے بنوانمار کا بھی سد باب کرنا چاہا، تو اس واسطے وہ واقعہ بھی اس سفر میں پیش آیا، البتہ اس کا بعض لوگوں نے غزوۂ انمار کے نام سے الگ ذکر کر دیا۔ [۱۰]

---

[۱۰] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۲۹۰ وفتح الباری، ج:۷، ص۴۲۹

باب
حدیث الافک

(۳۵) باب حديث الإفك

واقعۂ افک یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائے جانے کا بیان

یہاں سے لمبی حدیث جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے کا واقعہ بیان ہوا ہے اور یہ چونکہ غزوۂ بنی المصطلق اور مریسیع کے درمیان پیش آیا تھا تو اس واسطے اس کو یہاں پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

والإفك بمنزلة النِّجْسِ والنَّجَسُ. يقال: إِفْكُهُمْ وأَفْكُهم

ترجمہ: افک کا لفظ النِّجْسِ اور النَّجَس کی طرح ہے اور اس کو إِفْكُهُمْ اور أَفْكُهم کہتے ہیں۔

فمن قال: أفكهم، يقول: صرفهم عن الإيمان وكذبهم، كما قال: ﴿يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ﴾: يصرف عنه من صرف.

کہتے ہیں کہ دونوں لغتیں ہیں "افک" بھی اور "افک" بھی جیسے نجس اور نجس نجاست کے معنی ہیں۔

۴۱۴۱ ـ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا أبراهيم بن سعد، عن صالح، عن ابن شهاب قال: حدثني عروة بن الزبير، وسعيد بن المسيب، وعلقمة بن وقاص، وعبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ حين قال لها أهل الإفك ما قالوا. وكلهم حدثني طائفة من حديثها وبعضهم كان أوعى لحديثها من بعض وأثبت له اقتصاصا. وقد وعيت عن كل رجل منهم الحديث الذي حدثني عن عائشة، وبعض حديثهم يصدق بعضا وإن كان بعضهم أوعى له من بعض، قالوا: قالت عائشة: كان رسول الله ﷺ إذا أراد سفرا أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج بها رسول الله ﷺ معه، قالت عائشة: فأقرع بيننا في غزوة غزاها فخرج فيها سهمي فخرجت مع رسول الله ﷺ بعدما أنزل الحجاب. فكنت أحمل في هودجي وأنزل فيه، فسرنا حتى إذا فرغ رسول الله ﷺ من غزوته تلك وقفل دنونا من المدينة قافلين آذن ليلة بالرحيل. فقمت حين آذنوا بالرحيل فمشيت حتى جاوزت الجيش فلما قضيت شأني أقبلت إلى رحلي فلمست

صدری، فإذا عقد لی من جزع ظفار قد انقطع. فرجعت فالتمست عقدی فحبسنی ابتغاؤه ،قالت: وأقبل الرهط الذين كانوا يرحلونی فاحتملوا هو دجی فرحلوه علی بعیری الذی كنت أركب عليه وهم يحسبون أني فيه. وكان النساء إذ ذاک خفافا لم يهبلن ولم يغشهن اللحم إنما يأكلن العلقة من الطعام فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه وحملوه ،وكنت جارية حديثة السن،فبعثوا الجمل فساروا ووجدت عقدی بعدما استمر الجيش ،فجئت منازلهم وليس بها منهم داع ولامجيب ،فتيممت منزلی الذی كنت به وظننت أنهم سيفقدونی فيرجعون إلی .فبينا أنا جالسة فی منزلی غلبتنی عينی فنمت، وكان صفوان بن المعطل السلمی ثم الذكوانی من وراء الجيش،فأصبح عندمنزلی فرأی سواد إنسان نائم فعرفنی حين رآنی ،وكان رآنی قبل الحجاب ،فاستيقظت باسترجاعه حين عرفنی فخمرت وجهی بجلبابی،ووالله ماتكلمنا بكلمة ولاسمعت منه كلمة غير استرجاعه، وهوی حتی أناخ راحلته فوطئ علی يدها فقمت إليها فركبتها. فانطلق يقود بی الراحلة حتی أتينا الجيش موغرين فی نحرالظهيرة وهم نزول ،قالت :فهلک من هلک .وكان الذی تولی كبر الإفک عبدالله بن أبی بن سلول.قال عروة:أخبرت أنه كا ن يشاع ويتحدث به عنده فيقره ويستمعه ويستوشيه. وقال عروة أيضاً:لم يسم من أهل الأفک أيضا إلاحسان بن ثابت، ومسطح بن أثاثة ، وحمنة بنت جحش فی ناس آخرين لاعلم لی بهم غيرأنهم عصبة كما قال الله تعالی، وإن كبر ذلک يقال: عبدالله بن أبی بن سلول. قال عروة: كانت عائشة تكره أن يسب عندها حسان، وتقول: إنه الذی قال:

فإن أبی ووالده وعرضی لعرض محمد منكم وقاء

قالت عائشة :فقدمنا المدينة فاشتكيت حين قدمت شهرا ،والناس يفيضون فی قول أصحاب الإفک لاأشعر بشيء من ذلک وهو يريبنی فی وجعی أنی لاأعرف من رسول الله ﷺ اللطف الذی كنت أرمنه حين أشتكی ،إنما يدخل علیّ رسول الله ﷺ فيسلم ثم يقول:((كيف تيكم؟)) ثم ينصرف ،فذلک يريبنی ولاأشعربالشر حتی خرجت حين نقهت،فخرجت مع ﷺ صح، وكان تبرزناوكنا لا نخرج إلا ليلا إلی ليل،وذلک قبل أن نتخذ الكنف قريبا من بيوتنا. قالت: وأمرنا أمرالعرب الأول فی البرية قبل الغائط،وكنا نتأذی بالكنف أن نتخذها عند بيوتنا، قالت: فانطلقت أنا وأم مسطح وهی ابنة أبی رهم بن المطلب بن عبد مناف و ُمها بنت صخربن عامر خالة أبی بكرالصديق،وابنها مسطح

بن أثاثة بن عباد بن المطلب . فأقبلت أنا وأم مسطح قبل بيتي حين فرغنا من شأننا فعثرت أم مسطح في مرطها فقالت: تعس مسطح، فقلت لها: بئس ما قلت، أتسبين رجلا شهد بدرا؟ فقالت : أى هنتاه ولم تسمعي ما قال؟ قالت: و قلت: ماقال؟ فأخبرتني بقول أهل الإفك ،قالت: فازددت مرضا على مرضي فلما رجعت إلى بيتي دخل على رسول الله ﷺ فسلم ثم قال: ((كيف تيكم ؟)) فقلت له: أتأذن لي أن آتي أبو ى؟ قالت: وأريد أن أستيقن الخبر من قبلهما، قالت: فأذن لي رسول الله ﷺ فقلت لأمي: ياأمتاه، ماذا يتحدث الناس؟ قالت: يابنية، هوني عليك فوالله لقلما كانت إمرأة قط وضيئة عند رجل يحبها ، لها ضرائر إلا أكثرن عليها، قالت: فقلت: سبحان الله، أولقد تحدث الناس بهذا ؟ قالت: فبكيت تلك الليلة حتى أصبحت لايرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم ،ثم أصبحت أبكي، قالت: ودعا رسول الله ﷺ علي بن أبي طالب ﷺ وأسامة بن زيد، حين استلبث الوحي يسألهما ويستشيرهما في فراق أهله. قالت :فأما أسامة فأشار على رسول الله ﷺ بالذي يعلم من براء ة أهله ،وبالذي يعلم لهم في نفسه فقال أسامة: أهلك ولانعلم إلا خيرا. وأما علي فقال: يارسول الله ،لم يضيق الله عليك والنساء سواها كثير، وسل الجارية تصدقك . قالت: فدعا رسول الله ﷺ بريرة فقال: ((أى بريرة هل رأيت من شئ يريبك؟)) قالت له بريرة: والذى بعثك بالحق ما رأيت عليها أمرا قط أغمصه غير أنها جارية حديثة السن تنام عن عجين أهلها فتأتي الداجن فتأكله. قالت: فقام رسول الله ﷺ من يومه فاستعذر من عبدالله بن أبي وهو على المنبر فقال: ((يا معشر المسلمين، من يعذرني من رجل قد بلغني عنه أذاه في أهلي ؟ والله ما علمت على أهلي إلا خيرا، ولقد ذكروا رجلا ما علمت عليه إلا خيرا، وما يدخل على أهلي إلا معي)). فقام سعد بن معاذ أخو بني عبدالأشهل ،فقال: أنا يا رسول الله ﷺ أعذرك، فإن كان من الأوس ضربت عنقه، وإن كان من إخواننا من الخزرج أمرتنا ففعلنا أمرك . قالت: فقام رجل من الخزرج ،وكانت أم حسان بنت عمه من فخذه ،وهو سعد بن عبادة ،وهو سيد الخزرج، قالت: وكان قبل ذلك رجلا صالحا ولكن احتملته الحمية فقال لسعد: كذبت لعمرالله ،لاتقتله ولاتقدر على قتله، ولو كان من رهطك ما أحببت أن يقتل. فقام أسيد ابن حضير وهو ابن عم سعد فقال لسعد بن عبادة: كذبت لعمرالله ،لنقتلنه فإنك منافق تجادل عن المنافقين . قالت: فثار الحيان الأوس والخزرج حتى هموا أن يقتتلوا ورسول

الله ﷺ قائم على المنبر ،قالت: فلم يزل رسول الله ﷺ يخفضهم حتى سكتوا وسكت، قالت :فبكيت يومي ذلك كله لايرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم، قالت: وأصبح أبواي عندي وقد بكيت ليلتين ويوما لا يرقأ لي دمع ولا أكتحل بنوم حتى إني لأظن أن البكاء فالق كبدي،فبينا أبواي جالسان عندي وأنا أبكي فاستأذنت على امرأة من الأنصار فأذنت لها فجلست تبكي معي،قالت:فبينا نحن على ذلك دخل رسول الله ﷺ علينا فسلم ثم جلس، قالت: ولم يجلس عندي منذ قيل ما قيل قبلها .وقد لبث شهرا لايوحى إليه في شأني بشيء، قالت: فتشهد رسول الله ﷺ حين جلس ثم قال: ((أما بعد،ياعائشة إنه بلغني عنك كذا وكذا، فإن كنت بريئة،فسيبرئك الله ،وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبي إليه .فإن العبد إذا اعترف،ثم تاب تاب الله عليه)).قالت :فلماقضى رسول الله ﷺ مقالته قلص دمعي حتى ما أحس منه قطرة،فقلت لأبي :أجب رسول الله ﷺ عني فيما قال فقال أبي :والله ماأدري ماأقول لرسول الله ﷺ ؟فقلت لأمي :أجيبي رسول الله ﷺ فيما قال،قالت أمي: والله ماأدري ماأقول لرسول الله ﷺ ،فقلت وأنا جارية حديثة السن لاأقرأ من القرآن كثيرا:إني والله لقد علمت سمعت هذا الحديث حتى استقر في أنفسكم وصدقتم به،فلئن قلت لكم:إني بريئة، لا تصدقوني، ولئن اعترفت لكم بأمر والله يعلم أني منه بريئة لتصدقني ،فوالله لاأجد لي ولكم مثلا إلا أبا يوسف حين قال: ﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُوْنَ﴾ ثم تحولت فاضطجعت على فراشي والله يعلم أني حينئذ بريئة،وأن الله مبرئي ببراءتي ولكن والله ماكنت أظن أن الله منزل في شأني وحيا يتلى .لشأني في نفسي كان أحقرمن أن يتكلم الله في بأمر ولكن كنت أرجو أن يرى رسول الله ﷺ في النوم رؤيا يبرئني الله بها .فوالله مارام رسول الله ﷺ مجلسه ولا خرج أحد من أهل البيت حتى أنزل عليه فأخذه ماكان يأخذه من البرحاء حتى إنه ليتحدر منه العرق مثل الجمان وهو في يوم شات من ثقل القول الذي أنزل عليه،قالت :فسري عن رسول الله ﷺ وهو يضحك فكانت أول كلمة تكلم بها أن قال: ((يا عائشة ،أما الله فقد برأك)).قالت:فقالت لي أمي: قومي إليه، فقلت: لا والله لاأقوم إليه فإني لاأحمد إلا الله عزوجل،قالت:وأنزل الله تعالى ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ جَاءُوْا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾العشر الآيات،ثم أنزل الله تعالى هذافي براءتي ،قال أبو بكر الصديق وكان ينفق على مسطح بن أثاثة لقرابته منه وفقره:والله لاأنفق لي مسطح شيئاأبدا بعد الذي قال لعائشة ما قال.فأنزل

الله تعالى ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ﴾ إلى قوله: ﴿غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ قال أبو بكر الصديق: بلى والله إني لأحب أن يغفر الله لي. فرجع إلى مسطح النفقة التي كان ينفق عليه وقال: والله لا أنزعها منه أبدا. قالت عائشة: وكان رسول الله ﷺ سأل زينب بنت جحش عن أمري فقال لزينب: ((ماذا علمت أو رأيت؟)) فقالت: يا رسول الله ﷺ أحمي سمعي وبصري، والله ما علمت إلا خيرا. قالت عائشة: وهي التي كانت تساميني من أزواج النبي ﷺ فعصمها الله بالورع، قالت: وطفقت أختها حمنة تحارب لها فهلكت فيمن هلك. قال ابن شهاب: فهذا الذي بلغني من حديث هؤلاء الرهط. ثم قال عروة: قالت عائشة: والله إن الرجل الذي قيل له ما قيل ليقول: سبحان الله، فوالذي نفسي بيده ما كشفت من كنف أنثى قط. قالت: ثم قتل بعد ذلك في سبيل الله. [راجع: ۲۵۹۳]

ترجمہ: عبدالعزیز بن عبداللہ، ابراہیم بن سعد، صالح بن کیسان، ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ مجھ سے عروہ بن زبیر ﷺ، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان چاروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ محترمہ آنحضرت ﷺ کے خلاف اس تہمت کا قصہ بیان کیا، ان میں سے ہرایک اس حدیث کا ایک ایک ٹکڑا روایت کرتے ہیں، اور بعض کو بعض سے یہ حدیث زیادہ یاد تھی، بیان کرنے میں بہت صحیح تھے، میں نے ہرایک کی حدیث جو انہوں نے مجھ سے بیان کی یاد رکھی ہے۔

چنانچہ یہ چاروں حضرات بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ جب کسی سفر پر جانے کا قصد فرماتے تھے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے تھے، جن کا نام قرعہ میں نکلتا اس کو ساتھ لے جاتے تھے، ایک مرتبہ قرعہ میں میرا نام آیا اور آپ ﷺ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے، یہ وقت وہ تھا جب کہ پردہ کی آیات نازل ہو چکی تھیں، چنانچہ میں پردہ کے ساتھ اونٹ کے ہودے میں سوار کرائی جاتی تھی، اور اتاری جاتی تھی۔

غرض کہ جب ہم جنگ سے فارغ ہو کر رسالت مآب ﷺ کے ساتھ واپس لوٹے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے تو رات کو آنحضرت ﷺ نے چلنے کا حکم دیا تو میں رفع حاجت کی غرض سے گئی اور لشکر سے دور نکل گئی، واپس آئی اور جب سوار ہونے کے لئے اپنی سواری کے قریب آئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرا ہار جو خزف یمنی کا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے، میں فوراً واپس لوٹی اور ہار تلاش کرنے لگی، اس میں مجھے دیر ہو گئی، جن لوگوں کے سپرد مجھے ہودے پر سوار کرنے کا کام تھا، انہوں نے ہودے کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور سمجھے کہ شاید میں اپنے ہودے میں بیٹھی ہوں۔

اس زمانہ میں عورتیں ہلکی ہوتی تھیں، کیونکہ غذا سادی اور غیر مرغن کھائی جاتی تھی، اس لئے ہودہ اٹھانے والوں کو کچھ پتہ نہیں چلا، دوسرے یہ کہ میں بہت کمسن بھی تھی، اس کے بعد وہ سب اونٹ لے کر چل دیئے، مجھے ہار اس وقت ملا جب کہ لشکر اپنے مقام سے روانہ ہو چکا تھا، میں اپنی جگہ پر بیٹھ گئی، اس خیال سے کہ جب لشکر کے لوگوں کو میرے پیچھے رہ جانے کی خبر ہوگی تو وہ ضرور مجھے تلاش کرنے کی غرض سے واپس آئیں گے، میں بیٹھے بیٹھے سو گئی۔

صفوان بن معطل سلمی ﷺ جو بعد میں ذکوانی کے نام سے مشہور ہوئے، وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتے تھے، تاکہ گری پڑی چیزیں اٹھاتے ہوئے آئیں، وہ صبح کو جب قریب پہنچے تو مجھے سوتا دیکھ کر پہچان لیا، کیونکہ پردہ سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے، انہوں نے زور سے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا تو میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنی چادر سے اپنا منہ چھپا لیا۔

خدا کی قسم! ہم دونوں نے کوئی بات نہیں کی، اور نہ میں نے سوائے انا للہ کے کوئی بات ان سے سنی۔ صفوان نے اپنی سواری سے اتر کر اس کے دست و پا کو باندھ دیا، اور میں اس پر بیٹھ گئی، صفوان آگے آگے اونٹ کو کھینچتے ہوئے چل پڑے، اور ہم دوپہر کے قریب شدت کی گرمی میں لشکر میں پہنچ گئے، اور وہ سب ٹھہرے ہوئے تھے۔ پھر جسے تہمت لگا کر ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا، اور جو سب سے زیادہ محرک ہوا اس بہتان میں وہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔

عروہ کہتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس جب افک کا ذکر ہوتا تھا تو وہ اس کا اقرار کرتا تھا، اور اس کو سنتا اور بیان کرتا تھا۔

عروہ کہتے ہیں کہ بہتان لگانے والوں میں حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش کے علاوہ کوئی بیان نہیں کیا گیا، باقی کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ مگر ان کی ایک جماعت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے یعنی جو ان کا سرغنہ ہے اس کے لئے دردناک عذاب ہے، اور ان سب کا بڑا یہی (عبداللہ بن ابی بن سلول) ہے۔

عروہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حضرت حسان ﷺ نے تہمت لگائی تھی مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کو برا کہنا پسند نہیں کرتی تھیں، اس لئے کہ یہ شعر حسان ﷺ ہی نے کہا ہے۔

میرا باپ دادا، میری عزت و آبرو سب محمد ﷺ کی عزت کا بچاؤ ہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو میں ایک مہینہ تک بیمار رہی، اور لوگوں میں تہمت کے متعلق بات چیت ہوتی رہی، اور میرا شک بڑھتا رہا، اور قدرے اس وجہ سے زور پیدا ہوتا رہا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو اس بیماری میں پہلے کی طرح مہربان نہیں دیکھا، آپ ﷺ اندر تشریف لاتے اور

صرف اتنا دریافت کر کے چلے جاتے کہ اب تم کیسی ہو؟ آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے میری بیماری میں کچھ اضافہ ہوتا تھا، مجھے اس طوفان کی کوئی خبر نہیں تھی۔

غرض جب مجھے کچھ صحتیاب ہوئی تو میں مسطح کی ماں کے ساتھ رفع حاجت کے لئے گئی، اور ہم ہمیشہ راتوں کو جایا کرتے تھے، ایک رات کو جاتے، پھر دوسری رات کو جاتے، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے، اور ہم عربوں کی عادت قدیمہ کی طرح اس کام کے لئے جنگل ہی جایا کرتے تھے، کیونکہ گھروں میں بیت الخلاء بنانے سے ہم کو تکلیف رہتی ہے۔

میں اور مسطح کی ماں ساتھ گئے، جو کہ ابورہم بن عبد المطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور اس کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی تھی اور وہ میرے والد ابوبکر ﷺ کی خالہ تھیں اور مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب اس کا بیٹا تھا، جب ہم دونوں فارغ ہو کر لوٹے تو اس کا پیر راستہ میں چادر میں الجھا اور وہ گر پڑی اور مسطح کو برا کہا، میں نے کہا ارے تم مسطح کو برا کہتی ہو وہ تو جنگ بدر میں شریک تھا، اس نے کہا اے اللہ کی بندی! تم نے مسطح کی بات نہیں سنی، میں نے کہا کیا بات! تو اس نے وہ بات بیان کی جس کو سن کر میری بیماری دگنی ہوگئی، میں گھر آئی۔

اور پھر رسول اللہ ﷺ گھر میں آئے تو آپ نے دور ہی سے سلام کے بعد مجھ سے پوچھا اور فرمایا کیسی ہو؟ میں نے کہا مجھے میرے ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت دیدیجئے، میرا خیال تھا کہ میں ان کے پاس پہنچ کر اس بات کی تحقیق کرلوں، آپ ﷺ نے اجازت عطاء کردی، میں گھر آئی اور اپنی ماں سے کہا ماں یہ لوگ کیا باتیں کررہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا بیٹی تم اس کا بالکل غم مت کرو، یہ تو شروع سے ہوتا چلا آیا ہے، کہ جب کسی خوبصورت عورت کی سوکنیں ہوتی ہیں اور شوہر کو اس سے کچھ زیادہ محبت ہوتی ہے تو اس قسم کے فریب نکلتے رہتے ہیں، میں نے کہا سبحان اللہ! لوگ ایسی باتیں منہ سے نکالنے لگے۔ خیر میں رات بھر روتی رہی اور صبح ہوگئی، نہ آنسو تھمے اور نہ نیند آئی۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب وحی الٰہی آنے میں دیر لگی تو رسول اللہ ﷺ نے علی اور اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا اور اس معاملہ میں مشورہ کیا، اسامہ ﷺ جو ازواج مطہرات کی پاک دامنی سے واقف تھے، کہنے لگے یارسول اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی بیوی ہیں اپنے پاس ہی رکھئے، میں ان میں کوئی برائی نہیں دیکھتا، وہ نیک اور پاک دامن ہیں۔

پھر حضرت علی ﷺ سے پوچھا انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کیلئے عورتوں کی کیا کمی ہے، اور بھی بہت عورتیں موجود ہیں، آپ بریرہ (خادمہ) سے دریافت کیجئے، وہ سب قصہ بیان کردے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے بریرہ کو طلب کیا اور فرمایا اے بریرہ! عائشہ کی کوئی بے جا بات اگر تمہیں معلوم ہو اور دیکھی ہو، تو اس کو بیان کرو۔ بریرہ نے جواب دیا اس ذات

کی قسم! جس نے آپ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا، میں نے عائشہ میں کوئی ایسی بات نہیں دیکھی، کہ میں اس تہمت کی تصدیق کرسکوں، ہاں وہ تو نہایت کمسن لڑکی ہے اور اس کے بھولے پن کی یہ حالت ہے کہ آٹا گوندھ کر سو جاتی ہے، اور بکری آکر کھا جاتی ہے۔

آنحضرت ﷺ بریرہ کی بات سن کر کھڑے ہوگئے اور منبر پر آکر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سلول کے متعلق فرمایا مسلمانو! اس شخص سے کون بدلہ لیتا ہے، جس نے میرے اہلِ خانہ پر الزام لگایا ہے، اور اس بدنامی کو مجھ تک لایا ہے، خدا کی قسم میں اپنے اہل کو نیک اور پاک دامن ہی سمجھتا ہوں، اور جس آدمی کو اس اتہام میں شریک کر رہے ہیں، اس کو اچھا آدمی سمجھتا ہوں، وہ کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر میں نہیں جاتے مگر یہ کہ میں ساتھ ہوں۔

یہ کلام سنتے ہی سعد بن معاذ ؓ قبیلہ بنی اشہل کے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ اگر یہ شخص میرے قبیلہ کا ہے تو بھی اس کی گردن مار کر حاضر کرتا ہوں، اور اگر یہ ہمارے بھائیوں خزرج قبیلہ سے ہے تو آپ ﷺ جو حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں یہ سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص کھڑا ہوا جس کی ماں حسان کی چچازاد بہن تھیں اور اس کے قبیلہ کی تھیں، ان کا نام سعد بن عبادہ ؓ تھا، اور وہ خزرج کا سردار تھے، کھڑے ہوئے اور کہنے لگے، بخدا تم جھوٹے ہو اور کبھی اس کو نہیں مار سکتے ہو اور نہ تمہاری یہ مجال ہے کہ تم اس کو مار سکو، اگر وہ تمہاری قوم کا ہوتا تو کبھی تم اس کا قتل کرنا گوارہ نہ کرتے۔

یہ سن کر اُسید بن حضیر کھڑے ہو کر کہنے لگے اور اُسید، سعد بن معاذ ؓ کے چچازاد بھائی تھے خدا کی قسم ہم اس کو ضرور قتل کریں گے، تم منافق ہو اور منافقوں کی حمایت کرتے ہے۔ اس گفتگو کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلوں کے لوگ کھڑے ہوگئے اور لڑنے پر مستعد نظر آنے لگے، رسول اکرم ﷺ منبر سے ان کو خاموش کر رہے تھے، آخر وہ خاموش ہوگئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تمام دن روتی رہی، نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، اور میرے ماں باپ بھی کبیدہ خاطر تھے۔ میں دو رات دن برابر روتی رہی، نہ آنسو تھمے نہ نیند آئی، میں سمجھنے لگی کہ اب میرا کلیجہ پھٹ جائے گا، ماں باپ میرے پاس موجود تھے، اتنے میں انصار کی ایک عورت اجازت لیکر میرے پاس آئی اور وہ بھی رونے لگی۔

ہم بیٹھے ہوئے تھے اسی دوران حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لائے اور سلام کے بعد میرے پاس بیٹھ گئے، ورنہ ابھی تک اس دن سے پہلے آپ پاس نہیں بیٹھے تھے۔ تہمت کے بعد ایک مہینہ تک آپ ﷺ ٹھہرے رہے، میرے بارے میں کوئی وحی آپ ﷺ کے پاس نہیں آئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھ گئے کلمہ شہادت پڑھا اور اس کے بعد فرمایا کہ اے عائشہ مجھے تمہاری نسبت اس قسم کی اطلاع ملی ہے، اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری پاک دامنی ظاہر فرما دے گا، اگر تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے توبہ کرو اور مغفرت چاہو، اس لئے کہ بندہ اگر اپنے گناہ کا اقرار کر لے اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

رسول اکرم ﷺ جب اپنی بات ختم فرما چکے تو حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میرے آنسو فوراً بند ہو گئے، اور ایک قطرہ بھی نہیں رہا، پھر میں نے اپنے والد سے کہا کہ رسول پاک ﷺ کی بات کا جواب دیں، انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا جواب دوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیجئے، مگر انہوں نے بھی مجھے یہی جواب دیدیا۔

جب میں نے ان کو جواب سے عاجز دیکھا تو خود ہی جواب دینا شروع کیا، حالانکہ میں اس وقت کم عمر تھی، قرآن بھی بہت کم جانتی تھی، میں نے کہا اللہ کی قسم! آپ نے اس بات کو سنا اور وہ بات آپ کے دل میں جم گئی اور میری طرف سے شبہ پیدا ہو گیا، اب اگر میں اپنی بے گناہی بھی بیان کروں تو آپ مجھے سچا نہیں جانیں گے، ہاں اگر میں گناہ کا اقرار کرلوں اور میں حقیقت میں اس سے پاک ہوں تو آپ مانیں گے۔

خدا گواہ ہے اب میری اور آپ کی وہی حالت ہے جو یوسف کے والد کی تھی، جب انہوں نے یہ کہا تھا:

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ﴾ [۱]

ترجمہ: اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں بنائی جارہی ہیں، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔

یہ کہہ کر میں نے منہ گھما لیا اور بستر پر خاموش لیٹ گئی، کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں اور وہ میری بے گناہی کو ظاہر کر دے گا، مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ میرے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت نازل کی جائے گی، اور پھر وہ ہمیشہ پڑھی جائیں گی، کیونکہ میں اپنی حیثیت اتنی نہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کلام فرمائے گا، ہاں یہ امید تھی کہ رسول اکرم ﷺ کو خواب میں میرے متعلق کچھ معلوم ہو جائے گا، جس سے میری بے گناہی ثابت ہو جائے گی۔

اللہ کی قسم! اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے نہ کوئی گھر کا آدمی باہر گیا تھا کہ آپ ﷺ پر وحی کی حالت طاری ہوگئی، جیسا کہ وحی کے وقت ہوا کرتی تھی، یہ سختی اس کلام کے وزن کی وجہ سے ہوتی تھی، جو آپ پر اترتا تھا کہ سردی کے ایام میں بھی آپ ﷺ کے جسم مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

---

[۱] [یوسف: ۱۸]

غرض جب وحی کی حالت گزر چکی، آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ عائشہ! اللہ نے تمہاری پاک دامنی بیان فرمادی۔

میری ماں نے فوراً کہا کہ اٹھو، آنحضرت ﷺ کا شکریہ ادا کرو، میں نے کہا خدا کی قسم! میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، بلکہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں گی، اور اللہ تعالیٰ نے یہ دس آیات اس باب میں نازل فرمائیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ﴾ [۲]

ترجمہ: یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں، وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔

اور میرے رب نے میری بے گناہی کو ظاہر فرمادیا، حضرت ابو بکر ﷛ جو رشتہ دار کی غربت کی وجہ سے مسطح کے ساتھ اچھا سلوک کیا کرتے تھے، انہوں نے مسطح کے متعلق یہ سوچا تھا کہ اب میں مسطح کے ساتھ کوئی بھلائی نہیں کروں گا، کیونکہ اس نے عائشہ کو اس طرح تہمت لگائی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ﴾ تا ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ [۳]

ترجمہ: اور تم میں سے جو اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر ﷛ کہنے لگے کہ میں تو خوش ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے، اور پھر وہ مسطح سے جو سلوک کیا کرتے تھے وہ جاری کردیا، اور کہنے لگے بخدا میں اس سلسلہ کو کبھی بند نہ کروں گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے تہمت کے ایام میں زینب رضی اللہ عنہا سے جو میری سوکن تھیں، میرا حال دریافت کیا کہ تم عائشہ کو کیسا جانتی ہو، اور تم نے اس کو کیسا پایا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور اپنی آنکھوں کو محفوظ رکھتی ہوں (برائی وغیرہ سے)، بخدا میں تو عائشہ کو نیک اور بہتر ہی سمجھتی ہوں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی ازواج میں زینب میرے برابر کی تھیں۔ اللہ نے ان کی نیکی کی وجہ سے ان کو محفوظ رکھا۔ مگر ان کی بہن حمنہ نے لڑائی شروع کردی، اور وہ بھی تہمت

[۲، ۳] [النور: ۱۱، ۲۲]

لگانے والوں کے ہمراہ ہلاک ہوگئیں۔

ابن شہاب کا قول ہے کہ یہ حدیث چار آدمیوں سے مجھے پہنچی (عروہ، سعید، علقمہ، عبید اللہ)۔ پھر عروہ نے یہ بھی کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی تھیں کہ بخدا جس شخص سے مجھے متہم کیا گیا تھا یعنی صفوان بن معطل وہ ان باتوں کو سن کر تعجب کرتا اور سبحان اللہ کہتا اور اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے تو کبھی کسی عورت کا سر بھی نہیں کھولا، (جماع کیا) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ (صفوان) اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔

حدیثِ افک کی تفصیل وتشریح

بنیادی طور پر یہ امام زہری رحمہ اللہ کی روایت ہے یعنی ابن شہاب سے امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، سعید المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمہم اللہ اجمعین نے یہ حدیث سنائی اور چاروں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

بتلانا یہ مقصود ہے کہ آگے جو حدیث آرہی ہے وہ کسی ایک استاد سے سنی ہوئی نہیں ہے بلکہ چار اساتذہ سے سنی ہے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے۔

"وکلهم حدثني طائفة .... عن کل رجل منهم"

ان چاروں حضرات میں کوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو زیادہ یاد رکھنے والا تھا دوسرے کے مقابلہ میں، اور واقعہ بیان کرنے کے سلسلہ میں زیادہ قابل اعتماد تھا اور زیادہ پر یقین تھا دوسرے کے مقابلہ میں اور میں نے ان میں سے ہر ایک سے یاد کی ہے وہ حدیث جو انہوں نے مجھے سنائی اور ان میں سے ایک کی حدیث دوسرے کی تصدیق کرتی تھی، اگرچہ ان میں ایک زیادہ حافظ تھا بنسبت دوسرے کے، ان سب نے مل کے جو روایت کی ہے وہ آگے نقل کر رہے ہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ روایات کا مجموعہ ہے، جو امام زہری رحمہ اللہ روایت کر رہے ہیں۔

"قالت عائشة: کان رسول الله ﷺ .... بعدما أنزل الحجاب"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کو ساتھ لے جانے کے لئے قرعہ اندازی کیا کرتے تھے اگرچہ قسم (باری) آپ ﷺ کے اوپر واجب نہیں تھا اور سفر کے اندر تو قسم (باری) ویسے بھی ختم ہو جاتا ہے، لیکن آپ ﷺ ازواج مطہرات کی تطییب خاطر کے لئے قرعہ اندازی فرماتے تھے، جس کا قرعہ نکل آتا وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ جایا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ

ایک غزوہ میں قرعہ اندازی کی، مراد یہی مریسیع کا غزوہ ہے، اس سے یہ بتا رہیں ہے کہ یہ واقعہ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے اور صحیح قول کے مطابق نزول حجاب سن چار ہجری میں ہوا ہے۔ ۴

"فكنت احمل في هودجي .... جزع ظفار قد انقطع"

تو مجھ کو ایک ہودج میں اٹھایا جاتا تھا۔ ہودج یعنی کجاوا جو اونٹ پر رکھ دیا جاتا تھا، اور اسی میں مجھے اٹھایا جاتا تھا، ہودج زمین میں رکھا اور میں اس میں بیٹھ گئی لوگوں نے اس کو اٹھایا۔ جب آپ غزوہ سے فارغ ہو گئے اور واپس تشریف لائے تو ہم واپسی میں مدینہ منورہ کے قریب آگئے، ایک رات آخری شب میں کوچ کا اعلان فرمایا۔ رات کو قیام کرتے تھے اور آخر شب میں اٹھ کر سفر شروع کرنے کا اعلان فرماتے تھے۔ جب روانگی کا اعلان ہو چکا تھا اور میں اسی وقت چلی یہاں تک کہ لشکر سے آگے بڑھ گئی یعنی قضاء حاجت کی ضرورت تھی جب میں اپنی حاجت پوری کر چکی تو میں نے واپس اپنے کجاوے کی طرف آنا شروع کر دیا جب میں نے اپنے سینہ پر ہاتھ لگایا تو اچانک پتہ چلا کہ میرا ہار جو ظفار کا تھا وہ کہیں ٹوٹ کر گر پڑا ہے۔

"جزع" مونگے اور منکے (نگینے یا مہرے) کو کہتے ہیں۔

"ظفار" یمن میں ایک جگہ کا نام تھا اور وہاں یہ ہار بنا کرتے تھے۔

بعض روایتوں میں یہ جملہ اس طرح سے آیا ہے **"من جزع اظفار"** - **"اظفار" جمع "ظفر"** یہ ایک خاص قسم کی خوشبو کو کہتے ہیں، تو پھر اس صورت میں **"من جزع اظفار"** کا مطلب یہ ہوگا کہ اس خوشبو سے نگ کی شکل میں وہ مونگر بنائے جاتے تھے، پھر ان کا ہار تیار کیا جاتا تھا۔ ۵

"فرجعت فالتمست عقدي .... وهم يحسبون أني فيه"

سوچا کہ واپس اس کو دیکھنے کے لئے جاؤں تو میں فوراً واپس لوٹی اور ہار تلاش کرنے لگی، اس میں مجھے دیر ہوگئی۔ اس دوران وہ لوگ آگئے جو میرا کجاوا اٹھایا کرتے تھے، انہوں نے میرا کجاوا جو زمین پہ رکھا ہوا تھا اس کو اٹھایا اور اٹھا کر میرے اونٹ پر رکھ دیا جس پر میں سواری کرتی تھی۔ وہ سمجھتے رہے کہ میں اس ہودج کے اندر بیٹھی ہوئی ہوں۔

"وكان النساء إذ ذاك خفافا ....حديثة السن، فبعثوا الجمل فساروا"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس زمانے میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں، وزن کم ہوتا تھا، موٹی نہیں ہوتی تھیں اس وجہ سے ان کے اوپر زیادہ گوشت نہیں چڑھا ہوتا تھا، کھانا بہت ہی تھوڑا کھایا کرتی تھی۔

---

۴ [سورة الاحزاب] وصحيح البخاري، رقم: ۴۷۹۱، ۴۷۹۰

۵ فتح الباري، كتاب التفسير، رقم: ۴۷۵۰، ج:۸، ص: ۴۵۹

تو جب ان لوگوں نے کجاوے کو اُٹھایا تو اس کے ہلکے ہونے کو اجنبی نہیں سمجھا یعنی جب اٹھایا تو خیال نہیں آیا کہ بہت ہلکا ہے، کیونکہ جب میں اس میں ہوتی تھی تو تب بھی اس کے وزن میں بہت زیادہ اضافہ نہیں ہوتا تھا اس لئے اب اٹھالیا تو پتہ نہیں لگا کہ میں اس میں بیٹھی ہوں یا نہیں اور دوسری وجہ یہ تھی اس وقت میں چھوٹی اور کم عمر لڑکی تھی جس کا وزن ویسے ہی کم ہوتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اونٹ کو اٹھادیا، اور چلتے بنے۔

"ووجدت عقدی بعدما .... سیفقدونی فیرجعون إلی"

اور مجھے اپنا ہار اس وقت ملا جب لشکر جا چکا تھا، جب میں واپس آئی اور سوار ہونے کیلئے اپنی سواری کی جگہ پر آئی تو کیا دیکھتی ہوں جہاں لشکر اترا تھا وہاں تو نہ کوئی پکارنے والا ہے اور نہ کوئی جواب دینے والا ہے یعنی اگر میں کسی کو پکاروں بھی تو کوئی جواب دینے والا نہیں تھا سارا لشکر جا چکا تھا۔ تو میں نے اس جگہ کا ارادہ کیا جہاں پہلے میں تھی، یعنی وہی جا کر بیٹھ جاؤں اور مجھے گمان ہوا کہ جب لوگ مجھے نہیں پائیں گے تو تلاش کرنے واپس لوٹ کر یہیں آئیں گے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کی فطانت وکمال عقل مندی

آج کل کی عورتیں عام طور پر ایسے موقع پر اِدھر بھاگیں گی اُدھر بھاگیں گی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بڑے تمکنت کے ساتھ کہا کہ اسی جگہ پر بیٹھوں جہاں سے میں گئی تھی کیونکہ جب تلاش کرنے آئیں گے تو لازماً یہاں پر آئیں گے، چاہے جتنی بھی دیر ہوجائے مگر لوگ یہاں پر ضرور پہنچے گے، اس واسطے وہ جگہ نہیں چھوڑی اور یہ اصول بھی بتادیا کہ ایسے موقع پر آدمی کو یہی کرنا چاہئے تو اسی جگہ پر بیٹھے جہاں پر جدا ہوئے تھے ، اور یہی کمال عقل مندی کا تقاضہ ہے۔

"فبینا أنا جالسة فی منزلی غلبتنی عینی .... من وراء الجیش"

بہادری دیکھو کہ ایسے موقع پر آدمی پریشان ہوتا ہے، پریشانی میں نیند نہیں آتی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں اپنی جگہ بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی میری آنکھ لگ گئی یعنی میں سوگئی۔ صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ جن کو بعد ذکوانی کہا جاتا تھا، لشکر کے پیچھے آرہے تھے۔ یہ ساقہ کہلاتے ہیں اور لشکر کے کافی پیچھے چلتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک تو یہ اس بات کا لحاظ رکھیں کہ کوئی پیچھے سے حملہ آور تو نہیں ہورہا، اس کے علاوہ کوئی قافلہ کی گری پڑی چیز ہو تو پتہ لگ جائے اور یہ اٹھالے، اس لئے ان کو پیچھے رکھا جاتا ہے۔

"فاصبح عند منزلی فرأی .... فخمرت وجھی بجلبابی"

تو صفوان بن معطل صبح کے قریب میری منزل کے پاس آئے، تو انہیں دور سے انسان کا ایک ہیولہ

نظر آیا کہ کوئی انسان سو رہا ہے، قریب پہنچے اور جب انہوں نے مجھے دیکھا تو وہ پہچان گئے، اور یہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے مجھے دیکھ چکے تھے، تو جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہاں بیٹھی ہوئی سو رہی ہیں تو "اناللہ وانا الیہ راجعون" پڑھا تو ان کے انا للہ پڑھنے سے میں بیدار ہوئی چنانچہ جب انہوں نے مجھے پہچان کر استرجاع کیا اور تو میں بیدار ہوئی تو میں نے اپنا چہرہ چادر سے ڈھک لیا۔

"وواللہ ماتکلمنا بکلمۃ .... فقمت إلیھافر کبتھا"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! اسکے بعد پھر ہم نے کوئی بات نہیں کی، سوائے اس کے جو انہوں نے استرجاع کا کلمہ کہا تھا اور کوئی کلمہ ان سے نہیں سنا۔ پھر وہ اپنی سواری سے اترے اور اپنی اونٹنی کو بٹھایا اور اس کے ہاتھ پر انہوں نے پاؤں رکھا تاکہ وہ اٹھ نہ سکے پھر میں کھڑی ہوئی اور اس اونٹنی پر سوار ہوگئی۔

"فانطلق یقود بی الراحلۃ .... فی نحر الظھیرۃ وھم نزول"

تو وہ اس طرح چلے کہ میری راحلہ کے آگے آگے قیادت کر رہے تھے یعنی جس اونٹنی پر میں سوار تھی اس کو پکڑ کر آگے چل رہے تھے یہاں تک کہ ہم دوپہر کے وقت لشکر کے پاس پہنچ گئے اور لشکر کہیں پر فروکش تھا یعنی اترا ہوا تھا تو یہ واقعہ پیش آیا۔

"موغرین فی نحر الظھیرۃ" بھی دوپہر کے وقت کو کہتے ہیں۔

"قالت: فھلک من ھلک .... عبداللہ بن أبی بن سلول"

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ جس کو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوگیا یعنی اس واقعہ کی بنیاد پر جن لوگوں نے بے پرکی اڑانی شروع کیں اور وہ ہلاکت میں مبتلا ہوگئے، اور جو سب سے زیادہ محرک ہوا بہتان میں اور اس واقعہ افک کو پھیلانے والوں میں بڑھ چڑھ کر بولا وہ منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول بدبخت تھا۔

"قال عروۃ: أخبرت أنہ کان یشاع .... فیقرہ ویستمعہ ویستوشیہ"

عروہ بن زبیر ؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کے پاس مجلس میں جب افک کا ذکر ہوتا تھا تو وہ اس کا اقرار کرتا تھا، اور اس کو سنتا، بیان کرتا تھا اور ان کو آگے بڑھاتا۔

"وقال عروۃ أیضا: لم یسلم .... یقال: عبداللہ بن أبی بن سلول"

عروہ بن زبیر ؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ واقعۂ افک جنہوں نے تہمت لگائی تھی ان کے نام نہیں لئے گئے مگر ایک تو حسان بن ثابت کا اور ایک مسطح اور ایک حمنہ بنت جحش کا اس کے علاوہ بھی کچھ اور لوگ ساتھ تھے لیکن ان کے نام نہیں لئے گئے اور ان لوگوں کا مجھے علم نہیں ہے البتہ وہ ایک اچھی خاصی جماعت تھی جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت میں نازل ہونے والی آیات سے معلوم ہوتا ہے۔

" قال عروة: كانت عائشة تكره .... لعرض محمدا منكم وقاء"

عروہ بن زبیر ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کی مجلس میں حضرت حسان بن ثابت ﷺ کو برا بھلا کہا جائے، باوجود یہ کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ کی طرف یہ منسوب تھا کہ انہوں نے تہمت میں حصہ لیا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پسند نہیں کرتی تھی کہ ان کو برا بھلا کہا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ یہ وہی شخص ہے جنہوں نے یہ کہا ہے:

فان ابی ووالده وعرضی	**لعرض محمدمنكم وقاء**
میرے باپ، میری ماں اور میری عزت وآبرو	رسالت مآب محمد ﷺ کی عزت پر فداء ہے

تو جس نے یہ بات کہی ہے اس کو برا نہ کہو۔

"قالت عائشه: فقدمنا المدينة .... فذلک يريبنی ولا أشعر بالشر "

اب آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب ہم مدینہ واپس لوٹے تو مدینہ آنے کے بعد، میں ایک مہینہ تک بیمار رہی یعنی ابھی تک ان کو پتہ نہیں تھا کہ کیا قصہ ہو گیا لیکن ویسے ہی بیمار ہو گئی، اور لوگ اصحاب افک کے سلسلے میں جو باتیں بنا رہے تھے، ان کا مجھے پتہ ہی نہیں تھا، اور جو چیز میری بیماری میں مجھے شک میں ڈال رہی تھی یا پریشان کرتی تھی، وہ یہ تھی کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے وہ لطف اور مہربانی نہیں دیکھ رہی تھی جو میں دیکھا کرتی تھی جب میں بیمار ہوتی تھی، اب بس ہوتا یہ تھا کہ جب نبی کریم ﷺ میرے گھر تشریف لاتے تو سلام فرماتے اور پوچھتے کیسی ہو کیا حال ہے تمہارا؟ پھر تشریف لے جاتے، تو مجھے یہ بات شک میں ڈالتی اور مجھے تو اس شر کا پتہ نہیں تھا جو پھیلا دیا گیا تھا۔

"حتى خرجت حين نقهت .... أن نتخذ الكنف قريبا من بيوتنا"

یہاں تک جب مجھے کچھ صحتیابی ہوئی لیکن بیماری کی وجہ سے اب بھی کمزوری باقی تھی تو میں مسطح کی ماں کے ساتھ رفع حاجت کی غرض سے میدان کی طرف گئی، جو کہ ہمارے قضائے حاجت کی جگہ تھی اور ہم ہمیشہ راتوں کو جایا کرتے تھے، ایک رات کو جاتے، پھر دوسری رات کو جاتے، اور اس وقت ہمارے گھروں کے قریب بیت الخلاء نہیں بنے تھے۔

"قبل المناصع" بقیع کی طرف جو کھلا میدان ہے اس کو **"مناصع"** کہتے تھے اور اس جگہ قضائے حاجت کیلئے جایا کرتے تھے۔

"وأمرنا أمر العرب الأول .... أن نتخذها عند بيوتنا"

اور ہمارا معاملہ صحراء میں رہنے والے تھے پچھلے عربوں کی طرح کا تھا رفع حاجت کے سلسلہ میں، یعنی وہ بیت الخلاء یا قضائے حاجت کی جگہ کو اپنے گھروں کے قریب میں بنانا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ دور جایا کرتے تھے، اس

بُرا سمجھنے کی وجہ یہ تھی کہ ہم ایک گندگی محسوس کرتے تھے کہ اپنے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنائیں۔

"قالت: فانطلقت أنا و أم مسطح .... و ابنها مسطح بن أثاثة بن عباد المطلب"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چنانچہ میں اور ام مسطح مناصع کی طرف قضاء حاجت کے لئے چلیں، جو کہ ابورہم بن عبدالمطلب بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور اس کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی تھی اور وہ میرے والد ابوبکر ﷺ کی خالہ تھیں اور مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب اس کا بیٹا تھا۔

یعنی ام مسطح کی والدہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں تو یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن ہوئیں اس طرح یہ رشتہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پھوپھی ہوئیں۔

"فاقبلت أنا و أم مسطح .... أتسبين رجلا شهد بدرا؟"

جب ہم قضاء حاجت سے فارغ ہوگئیں اور اپنے گھر کی طرف واپس آنے لگے تو ام مسطح کا پاؤں اپنی چادر کے اندر پھسل گیا، یعنی چادر کے ساتھ چلتے ہوئے کہیں پاؤں الجھ گیا، جس کی وجہ سے گر پڑیں تو گرتے وقت انہوں نے کہا مسطح برباد ہو، تو میں نے کہا کہ آپ نے بہت بری بات کہی، آپ ایسے شخص کو برا کہہ رہی ہیں جو بدر میں شامل تھا۔

"فقالت: أی هنتاه و لم تسمعی ماقال .... فأخبرتنی بقول أهل الافک"

تو ام مسطح نے کہا اے بھولی بھالی! کیا تو نے سنا نہیں جو کچھ مسطح نے کہا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا کہا ہے مسطح نے؟ تو اس وقت انہوں نے سارا قصہ بیان کیا کہ اہل افک یہ باتیں کررہے ہیں۔

"یاهنتاه" کا ترجمہ کریں گے بھولی بھالی! ایسی عورت کو کہا جاتا ہے جو زیادہ سمجھدار نہ ہو۔

"قالت: فازددت مرضا علی مرضی .... فأذن لی رسول اللہ ﷺ"

جب میں نے یہ سنا کہ میرے بارے میں لوگ یہ کہہ رہے ہیں تو میری بیماری میں اور اضافہ ہوگیا، جب میں گھر واپس آئی تو رسول اللہ ﷺ گھر میں داخل ہوئے سلام دُعا کی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے والدین کے پاس چلی جاؤں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرا مقصد یہ تھا میں ان کے پاس جا کر ان سے اس خبر کی تحقیق کروں کہ واقعی یہ بات صحیح ہے کہ لوگوں میں یہ باتیں بن رہی ہے، یا نہیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے مجھے والدین کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

"فقلت لأمی: یا أمتاه، ماذا یتحدث الناس؟ ....لها ضرائر إلا أكثرن علیها"

جب میں اپنے والدین کے گھر آئی تو میں نے اپنی والدہ سے کہا ماں! یہ لوگ کیا باتیں کررہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ بیٹی تم اس کا بالکل غم مت کرو، اللہ کی قسم! یہ تو شروع سے ہوتا چلا آیا ہے، جب کسی خوبصورت

عورت کی سوکنیں ہوتی ہیں اور شوہر کو اس سے کچھ زیادہ محبت ہوتی ہے تو اس قسم کے فریب نکلتے رہتے ہیں۔

یعنی اس معاملہ کو کوئی زیادہ اہمیت دینے کی ضرورت نہیں اور پریشان نہ ہو، جب سوکنیں جب دیکھتیں ہیں کہ شوہر اس بیوی سے زیادہ محبت کرتا ہے تو ایسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔

"فقلت سبحان الله، أولقد تحدث الناس بهذا .... ثم أصبحت أبكي"

میں نے کہا سبحان اللہ! کیا لوگوں نے اس قسم کی باتیں کی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ساری رات روتی رہی یہاں تک کہ میری صبح اس حالت میں ہوئی کہ میرا آنسو خشک نہیں ہوتا تھا اور نیند کا سرمہ بھی نہیں لگایا تھا۔

یعنی جیسے آنکھ میں جب سرمہ لگایا جاتا ہے تو وہ بہت تھوڑی سی مقدار ہوتی ہے۔ تو کہتی ہے کہ اتنی نیند بھی نہیں آئی جتنی کہ آنکھ میں سرمہ لگایا جاتا ہے۔

"دعا رسول الله ﷺ علي ابن طالب وأسامة .... ويستشيرهما في فراق أهله"

جب آپ ﷺ نے وحی کے آنے میں دیر محسوس کی تو حضرت علی اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مشورہ کی غرض سے بلایا، اور اس بارے میں مشورہ کیا کہ ایسے میں اپنے اہل خانہ کو چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں، کیا کرنا چاہیے؟

یعنی آپ ﷺ نے ان دونوں حضرات سے ان کی رائے طلب فرمائی کہ مجھے ایسے حالات میں اپنے اہل خانہ کے بارے میں کیا فیصلہ کرنا چاہئے؟

"قالت: فاما أسامة فأشار .... أهلك ولانعلم إلا خيراً"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جو ازواج مطہرات کی پاک دامنی سے واقف تھے اور انہوں نے وہ بات بتائی جو ان کے بارے میں وہ اپنے دل کے اندر جانتے تھے۔ انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ یا رسول اللہ! حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی اہل میں سے ہیں، اور میں ان میں کوئی برائی نہیں دیکھتا۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے بھلائی کے سوا کوئی بات نہیں ہے، وہ نیک اور پاک دامن ہیں۔

"واما علي فقال: يارسول الله! لم يضيق .... وسل الجارية تصدقك"

جہاں تک بات ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تو انہوں نے مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اوپر کوئی تنگی نہیں کی ان کے سوا عورتیں بہت ہیں، یعنی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اور آپ جاریہ سے پوچھ لیجئے وہ آپ کو سچی بات بتادے گی۔

یعنی حضرت علی ﷺ کا منشأ یہ نہیں تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر تہمت کی ہمت افزائی کرنی منظور تھی بلکہ مقصود حضور اکرم ﷺ کی پریشانی کو دور کرنے کا ایک طریقہ تھا کہ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں کہ اگر بالفرض خدا نہ کرے کوئی شک وشبہ کی بات ہو بھی اور آپ ان کو چھوڑنا چاہیں تو آپ کے لئے عورتوں کی کمی تو ہے ہی نہیں۔

بعض روایات سے مترشح ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس مشورہ کی بناء پر حضرت علی ﷺ سے کچھ ملال تھا، سو اگر بالفرض والتقدیر یہ ثابت بھی ہو جائے تو یہ ملال وشکوہ بھی کمالِ محبت اور کمالِ تعلق کی دلیل ہے۔

شکوہ اور ملال اپنے سے ہی ہوتا ہے نہ کہ غیروں سے، نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت خردسال تھیں، صدمہ کا پہاڑ سر پر تھا، ایسے حال میں آدمی بے حال ہو جاتا ہے اور ایسے وقت میں ادنیٰ سی بات بھی باعثِ ملال ہوتی ہے۔

حضرت علی ﷺ نے حضور اکرم ﷺ کے اضطراب کو دیکھ کر حضور اقدس ﷺ کی تسکین کی خاطر یہ کلمات کہے۔ ظاہراً حضور اکرم ﷺ کی جانب کو ترجیح دی، باطنی اور ضمنی طور پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور نزاہت کو اس طرح بتلایا کہ آپ پریشان نہ ہوں، عنقریب من جانب اللہ اس معاملہ کی حقیقت آپ پر منکشف ہو جائے گی۔

لیکن جہاں تک معاملہ کی تحقیق کا تعلق ہے تو آپ ﷺ تحقیق فرما لیجئے اور جو باندی گھر میں کام کرتی ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ ان کی کیسی کیفیت ہے؟

انہوں نے اپنی طرف سے کوئی برائی کی بات نہیں کی لیکن ساتھ ساتھ اس درجہ میں جم کر براءت کا اظہار بھی نہیں کیا جس درجہ میں حضرت اسامہ ﷺ نے کیا تھا۔

"قالت: فدعا رسول اللہ ﷺ بریرة .... عجین أهلها فتأتي الداجن فتأكله"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر آنحضرت ﷺ نے بریرۃ رضی اللہ عنہا کو بلا کر پوچھا، کیا تم نے عائشہ کے بارے میں کوئی ایسی بات دیکھی ہے جو تمہیں شک میں ڈالے؟ تو بریرہ نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے کہ میں نے عائشہ کے بارے میں کبھی بھی کوئی معیوب اور قابلِ گرفت بات نہیں دیکھی جس سے میں ان پر عیب لگا سکوں، البتہ وہ نوعمر لڑکی ہیں، اپنے گھر والوں کیلئے گوندھے ہوئے آٹے کو ایسے ہی کھلا چھوڑ کر سو جاتی ہیں اور بے پروائی کا مظاہرہ کرتی ہیں، جس کو بکری کا بچہ آ کر کھا جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ تو اس قدر غافل اور بے خبر ہیں کہ انہیں آٹے اور دال کی بھی خبر نہیں، وہ دنیا کی ان چالاکیوں کو کیسے جان سکتی ہیں۔

اشکال

اب یہاں بہت بڑا قوی اشکال یہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں غزوۂ مریسیع کا ہے جو محمد بن اسحاق کے قول کے مطابق زیادہ سے زیادہ ۶ھ میں پیش آیا، اس میں حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کا گھر میں موجود ہونا یہ کیسے صحیح ہوسکتا ہے، جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کو خریدنا اور خرید کر آزاد کرنا اور پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں یہ رہنا یہ فتح مکہ کے بعد کی بات ہے۔

جس کی دلیل یہ ہے کہ جب یہ آزاد ہوئی تو ان کے شوہر مغیث بہت پریشان ہوئے تو حضرت عباس ﷺ سے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ دیکھو عباس کتنی عجیب بات ہے کہ مغیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے اتنی محبت کرتا ہے اور بریرہ رضی اللہ عنہا مغیث سے اتنی نفرت کرتی ہیں اور اس وقت حضرت عباس ﷺ خود اسلام لا چکے تھے اور حضرت عباس ﷺ فتح مکہ میں اسلام لائے تھے۔

تو اس واسطے پتہ چلا کہ حضرت بریرۃ رضی اللہ عنہا کے آزاد ہونے کا واقعہ فتح مکہ کے بعد پیش آیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں بطور خادمہ آئی، تو یہاں ۶ھ میں ان کا گھر میں موجود ہونا کیسے صحیح ہوا؟

اشکال کا جواب

لوگوں نے اس کی متعدد توجیہات کی ہیں لیکن زیادہ ظاہر بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اس وقت آزاد نہیں ہوئی تھیں، بلکہ اپنے موالی کے گھر میں تھی، لیکن موالی کے پاس ہونے کے باوجود کبھی کبھی رسول ﷺ کے گھر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدد کرنے کیلئے گھر میں آجانا کچھ مستبعد نہیں واللہ اعلم۔

یہاں یہ مذکور نہیں ہے کہ وہ مستقل طور سے رہتی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ تھیں بلکہ یہ ہے کہ وہ گھر میں تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیا۔ تو عین ممکن ہے کہ یہ ابھی تک آزاد نہ ہوئی ہوں اور ویسے ہی آتی جاتی ہوں۔ [۵]

"فقام رسول اللہ ﷺ .... فاستعذر من عبداللہ بن ابی"

اسی روز یعنی آنحضرت ﷺ بریرہ رضی اللہ عنہا کی بات سن کر کھڑے ہوگئے اور منبر پر کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی سلول کے بارے میں معذرت چاہی یا مدد طلب کی۔

---

[۵] فتح الباری، ج:۸، ص: ۴۶۹

"فقال: یامعشر المسلمین من یعذرنی .... ومایدخل علی أھلی إلا معي"

پھرارشادفرمایااے مسلمانو کی جماعت! اس شخص کے بارے میں کون مجھے معذور قرار دے گا، جس کی تکلیف رسانی میرے گھر تک پہنچ چکی ہے۔ یعنی جس نے میرے اہلِ خانہ پر الزام لگایا ہے، اور اس بدنامی کو مجھ تک لایا ہے۔ خدا کی قسم! میں اپنے اہل کو نیک اور پاک دامن ہی سمجھتا ہوں اور جس آدمی کو اس اتہام میں شریک کررہے ہیں، اس کو اچھا آدمی سمجھتا ہوں، وہ کبھی میری غیر موجودگی میں میرے گھر میں نہیں جاتے مگر یہ کہ میں ساتھ ہوں۔

یعنی صفوان بن معطل کہ جن کے بارے میں میرے علم میں سوائے خیر کے اور کوئی بھی بات نہیں اور وہ کبھی بھی میری موجودگی کے علاوہ میرے گھر والوں کے پاس نہیں آتے ہیں۔

"اسعذار" کا اردو میں صحیح ترجمہ کرنا بڑا مشکل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص کھڑے ہوکر کہے کہ **"من یعذرنی من فلان"** کون ہے جو مجھے فلاں شخص کے بارے میں معذور قرار دیں یعنی میں اس شخص کے بارے میں کچھ کارروائی کروں گا اور اس کارروائی سے یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ میری طرف سے زیادتی ہورہی ہو۔

لیکن حقیقت میں وہ زیادتی نہیں ہوگی، کون ہے جو میری اس بات کی تردید کرے جو کچھ میں کہنے والا ہوں اس کے خلاف زیادتی نہیں ہے بلکہ میں اس میں معذور ہوں، اتنا لمبا معنی ہے۔

اب اس کو اردو میں اس طرح لیا جائے گا کہ کون ہے جو مجھے معذور قرار دے یعنی آپ ﷺ نے لوگوں سے یہ معلوم کیا کہ کون ہے، جو مجھے عبداللہ بن اُبی کے بارے میں معذور قرار دے اور اس کے مقابلے میں میری مدد کرے۔

"فقام سعد بن معاذ أخو بنی عبدالأشھل .... أمرتنا ففعلنا أمرک"

یہ کلام سنتے ہی حضرت سعد بن معاذ ؓ جو بنوعبدالاشہل کے سردار تھے وہ کھڑے ہوگئے اور کہا کہ میں آپ کا عذر مانتا ہوں اور عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ اگر یہ شخص میرے قبیلہ کا ہے تو بھی اس کی گردن مار کر حاضر کرتا ہوں، اور اگر یہ ہمارے بھائیوں یعنی خزرج قبیلہ سے ہے تو آپ ﷺ جو حکم دیں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔

سعد بن معاذ ؓ کا تائید ودفاع پر اشکال

یہاں اور ایک مشکل کھڑی ہوگئی، وہ یہ کہ اس میں کہنے والے حضرت سعد بن معاذ ؓ تھے۔

سعد بن معاذ ؓ کے بارے میں آپ سنتے ہوئے آئے ہیں کہ بنوقریظہ میں شہید ہوچکے تھے اور غزوۂ

بنو قریظہ خندق کے بعد متصل ہوا تھا تو اگر یہ مریسیع کا واقعہ خندق کے بعد ہوا ہے ۶ھ میں جیسا کہ ابن اسحاق کہتے ہیں اور ۵ھ میں جیسا کہ موسیٰ ابن عقبہ کہتے ہیں تو سعد بن معاذ ﷛ کا اس وقت زندہ ہونا کیسے درست ہوا؟

جواب

اس واسطے علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابن عربی نے یہ کہا کہ ان کا نام یہاں پر راوی کا وہم ہے۔ حضرت سعد بن معاذ ﷛ یہاں پر موجود نہیں تھے، بنو اوس کے کوئی اور صاحب ہوں گے، انہوں نے کہا ہوگا اور راوی کو وہم ہوا اور غلطی سے حضرت سعد بن معاذ ﷛ کا نام لے لیا۔

اور راوی کا وہم ہونا بھی اس لئے کوئی بعید نہیں کہ زہری رحمہ اللہ نے مختلف لوگوں سے جمع کر کے اس کو اکٹھا کیا اور جمع کرنے میں کوئی گڑبڑ ہوئی ہو تو اس میں کوئی بعید نہیں۔

اور بعض حضرات نے اس اشکال کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ غزوۂ مریسیع غزوۂ خندق سے پہلے واقع ہوا تھا اور عبد اللہ بن عمر ﷛ کا اس میں شریک ہونا بطور تابع تھا نہ کہ بطور اصل، لیکن دوسرے قرائن سے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ افک کا واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے اور نزولِ حجاب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں ہوا، اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح غزوۂ قریظہ کے متصل بعد ہوا ہے، جو یقیناً غزوۂ احزاب کے بعد ہے۔ [۷]

"قالت: فقام رجل من الخزرج .... ولكن احتملته الحمية"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ ﷛ کی بات سن کر بنو خزرج کے ایک صاحب کھڑے ہو گئے، اور جو صاحب کھڑے ہوئے تھے حضرت حسان بن ثابت ﷛ کی والدہ ان کی چچازاد بہن تھیں اور انہی کے قبیلہ کی شاخ میں سے تھیں، وہ کھڑے ہونے والے صاحب قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ ﷛ تھے۔ یہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت سعد بن عبادہ ﷛ کے بارے میں فرماتی ہیں کہ اس سے پہلے وہ ٹھیک ٹھاک آدمی تھے، لیکن اس وقت قبائلی حمیت ان پر غالب آ گئی۔

"فقال لسعد: كذبت لعمر الله .... ما أحببت أن يقتل"

تو سعد بن معاذ ﷛ سے کہا، جنہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ ﷺ خزرج کے بارے میں جو حکم دیں گے اس پر ہم عمل کریں گے۔

---

[۷] فتح الباری، ج:۸، ص: ۴۷۲، ۴۷۱

اس کا مطلب یہ تھا کہ آپ ہمیں قتل کرنے کا حکم دیں گے تو ہم قتل کر دیں گے۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ بخدا تم جھوٹے ہو تم قتل نہیں کر سکتے اور نہ اس پر قادر ہو اور اگر تمہارے قبیلہ سے ہوتا تو تم بھی اس کے قتل کے حق میں نہ ہوتے۔

"فقام أسيد ابن حضير وهو ابن عم سعد .... حتى سكتوا وسكت "

یہ سن کر حضرت اُسید بن حضیر ﷺ کھڑے ہوئے جو کہ سعد بن معاذ ﷺ کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے سعد بن عبادہ سے کہا کہ بخدا تم جھوٹے ہو ہم اس کو ضرور قتل کریں گے اور تم منافق معلوم ہوتے ہو اور منافقین کی طرف سے ان کا دفاع کر رہے ہو۔ تو اس کے نتیجے میں اوس اور خزرج کے قبیلہ کے حضرات ایک دوسرے کے لئے کھڑے ہو گئے، یہاں تک کہ لڑائی شروع ہونے کے قریب آگئی اور آپ ﷺ منبر پہ کھڑے ان کو دھیما کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے اور آپ بھی خاموش ہو گئے۔

"قالت: فبكيت يومي ذلك كله .... فأذنت لها فجلست تبكي معي"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تمام دن روتی رہی، نہ آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی تھی، تو میرے والدین صبح کو میرے پاس آئے وہ بھی غمزدہ اور کبیدہ خاطر تھے۔ میں دو رات دن برابر روتی رہی، نہ آنسو تھے نہ نیند آئی، تھے یہاں تک مجھے لگا کہ اب میرا کلیجہ غم کے مارے پھٹ جائے گا، والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی، اور اس وقت انصار کی ایک خاتون اجازت لیکر میرے پاس آئی اور وہ بھی بیٹھ کر رونے لگی۔

"قالت: فبينا نحن على ذلك دخل رسول الله ﷺ .... حين جلس"

ہم اسی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران رسول کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، سلام کیا اور تشریف فرما ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے یہ بات کہی جا رہی اس وقت سے آپ ﷺ اس طرح سے میرے پاس آرام سے نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ گذر چکا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس میرے بارے میں کوئی وحی نہیں آرہی تھی، آپ ﷺ نے بیٹھنے کے بعد شہادتین پڑھی۔

"ثم قال: اما بعد يا عائشة! انه بلغني .... ثم تاب تاب الله عليه"

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! مجھے یہ باتیں تمہارے بارے میں پہنچی ہیں، اگر تم بے گناہ ہو تو اللہ تعالیٰ عنقریب تمہاری پاک دامنی ظاہر فرما دے گا، اگر تم سے کوئی گناہ ہو گیا ہے تو اللہ سے توبہ کرو اور مغفرت چاہو، اس لئے کہ بندہ اگر اپنے گناہ کا اقرار کرلے اور پھر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے۔

"قالت: فلما قضى رسول الله ﷺ مقالته .... ما أدري ما أقول لرسول الله ﷺ"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ نے اپنی بات پوری کر دی تو اس وقت

میرے آنسو خشک ہوئے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی آنسو کا باقی نہیں رہا، تو میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ میری طرف جواب دیں ان باتوں کا جو کچھ حضور ﷺ نے فرمایا ہے، انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میں رسول اللہ ﷺ کو کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

پاکدامنی وحسنِ گمان بھی اور تائید رحمانی شاملِ حال

"فقلت وأنا جارية حديثة السن .... والله يعلم اني بريئة لتصدقني"

جب میں نے ان کو جواب سے عاجز دیکھا تو خود ہی جواب دینا شروع کیا، حالانکہ میں اس وقت کم عمر تھی، قرآن بھی بہت زیادہ نہیں پڑھا تھا، تو میں نے اس وقت کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے پتہ ہے آپ لوگوں نے وہ بات سن لی ہے جو لوگ پھیلا رہے ہیں، یہاں تک کہ وہ آپ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی ہے اور آپ نے اس کی تصدیق کر لی ہے۔ اگر میں یہ کہوں گی کہ میں بری ہوں تو آپ میری تصدیق نہیں کریں گے، اور اگر اعتراف کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں تو پھر تصدیق کریں گے۔

یعنی میری طرف سے شبہ پیدا ہوگیا، اب اگر میں اپنی بے گناہی بھی بیان کروں تو آپ مجھے سچا نہیں جانیں گے، ہاں اگر میں گناہ کا اقرار کرلوں جس کا الزام مجھ پر لگایا جارہا ہے، اور میں درحقیقت اس سے پاک ہوں، تو آپ مانیں گے۔

"فو الله لا أجد لي ولكم مثلا .... عَلَى مَا تَصِفُوْنَ"

تو اللہ کی قسم! میں اپنے اور آپ کے لئے کوئی اور مثال نہیں پاتی سوائے یوسف علیہ السلام کے والد یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کے یہ الفاظ کہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہے تھے۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُوْنَ﴾

ترجمہ: اب تو میرے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اور جو باتیں بنائی جارہی ہیں، ان پر اللہ ہی کی مدد درکار ہے۔

"ثم تحولت فاضطجعت .... أن الله منزل في شأني وحيا يتلى"

یہ سب باتیں کہنے کے بعد میں اٹھی اور اپنے بستر پر چہرہ دوسری طرف کر کے لیٹ گئی، میرے ذہن میں یہ یقین تو تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے انشاء اللہ بری کریں گے لیکن اللہ کی قسم! میرے دل میں یہ بات کبھی نہیں آئی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی وحی نازل فرمائیں گے جس کی قرآن میں تاقیامت تلاوت کی جائے گی۔

"لشأني في نفسي ....يرى رسول الله ﷺ في النوم رؤيا يبرئني الله بها"

میرا معاملہ میرے دل میں اس سے کہیں زیادہ حقیر تھا یعنی میں اپنی حیثیت اتنی نہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی بات کریں اور قرآن میں وہ پڑھی جائے، ہاں یہ امید تھی کہ آپ ﷺ کو خواب میں کوئی بات یا کوئی چیز دکھادی جائے اور اللہ جل شانہ مجھے اس کے ذریعہ بری فرمادیں گے یعنی میری بے گناہی کے لئے کوئی خواب دِکھا جائے گا۔

"فواللہ ما رام رسول اللہ ﷺ مجلسہ .... من ثقل القول الذی أنزل علیہ"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے نہ کوئی گھر کا آدمی باہر گیا تھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ پر وحی کی حالت طاری ہوگئی، یعنی آپ ﷺ کو اس کیفیت نے آلیا جو آپ ﷺ کو وحی کی شدت کی وجہ سے طاری ہوجایا کرتی تھی، یہاں تک آپ ﷺ کے چہرہ اقدس سے پسینہ گرنے لگا جیسے جمان کے موتی ہوتے ہیں، حالانکہ وہ سردی کا دن تھا، یہ سختی اس کلام کے وزن کی وجہ سے ہوتی تھی، یعنی جو کلام مبارک آپ ﷺ پر اترتا تھا اس کی شدت اتنی زیادہ ہوتی تھی سخت سردی کے ایام میں بھی آپ ﷺ کے جسم مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

"قالت: فسری عن رسول اللہ ﷺ وھو یضحک .... اما اللہ فقد برأک"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے وہ کیفیت اس حالت میں زائل ہوئی کہ آپ ﷺ تھک رہے تھے یعنی جب یہ وحی کی یہ کیفیت ختم ہوگئی اور مشقت کی وجہ سے تھکاوٹ تھی، تو آپ ﷺ نے تبسم فرمایا اور سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ اے عائشہ! اللہ نے تمہاری پاک دامنی بیان فرمادی۔

شکریہ سے انکار نہیں بلکہ نازِ محبوبی

"قالت: فقالت لی أمی: قومی إلیہ .... فإنی لا أحمد إلا اللہ عزوجل"

جب آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تو میری والدہ نے مجھ سے فوراً کہا کہ اٹھو، آنحضرت ﷺ کا شکریہ ادا کرو، تو میں نے کہا خدا کی قسم! میں آپ ﷺ کا شکریہ ادا نہیں کروں گی، بلکہ اپنے پروردگار کا شکریہ ادا کروں گی۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت اور پاکدامنی پر وحی نازل ہوئی تو ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایسی بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی کہ تمام مخلوق سے نظر اٹھ گئی ورنہ یہ انعاماتِ ربانی اور تائید یزدی سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے طفیل سے تھی، جس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی باخوبی واقف تھیں کہ محسنِ اعظم ﷺ کا شکر بھی واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس حالتِ بے خودی میں شکرِ نبوی سے انکار کرنا محض ادائے ناز تھا نہ کہ آدابِ ناآشنا کی علامت ہے۔

ناز کی حقیقت یہ ہے کہ دل ودماغ جس کی محبت سے لبریز ہوزبان سے اس کے خلاف اظہار وانکار، مگر باطن میں یعنی دل ودماغ عشق ومحبت سے مخمور ہو، یہی ظاہر میں ناز تھا۔

ورنہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کی محبت وعظمت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کس کے دل میں ہوگی، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی جانتی تھی کہ جو کچھ برأت نازل ہوئی وہ حضور اکرم ﷺ کے طفیل ہی ہوئی لیکن یہ بیوی کا شوہر کے ساتھ ایک ناز ہے۔ ۵

آیات برأت

"قالت وأنزل الله .... لم أنزل الله تعالیٰ هذا في برائي"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دس آیات میری برأت میں نازل فرمائیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾

ترجمہ: یقین جانو کہ جو لوگ یہ جھوٹی تہمت گھڑ کر لائے ہیں،

وہ تمہارے اندر ہی کا ایک ٹولہ ہے۔

اور میرے رب نے میری بے گناہی کو ظاہر فرمادیا۔

"قال أبوبكر صديق وكان ينفق .... أبداً بعد الذي قال لعائشة ما قال"

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت مسطح بن اُثاثہ رضی اللہ عنہ کے اوپر صدقہ کیا کرتے تھے رشتہ داری کی وجہ سے اوران کے فقر کی وجہ سے، چنانچہ اس واقعہ کے بعد انہوں نے قسم کھائی کہ مسطح بن اثاثہ کے اوپر کچھ خرچ نہیں کروں گا، اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں سے تھے۔

"فأنزل الله تعالیٰ............ وقال: لا أنزعها منه أبداً"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

---

۵ قال ابن الجوزي: انما قالت ذلك ادلالا كما يدل الحبيب على حبيبه. وقيل أشارت الى افراد الله تعالى بقولها ((فهو الذي أنزل برائي)) فناسب افراده بالحمد في الحال. ولا يلزم عنه ترك الحمد بعد ذلك. ويحتمل أن تكون مع ذلك تمسكت بظاهر قوله لها ((احمدي الله)) ففهمت منه أمرها بافراد الله تعالى بالحمد فقالت ذلك، وما أضافته اليه من الألفاظ المذكورة كان من باعث الغضب. فتح الباري، ج:۸، ص:۴۷۷

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾

ترجمہ: اور تم میں سے جو اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے، اور انہیں چاہئے کہ معافی اور درگذر سے کام لیں۔ کیا تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ اللہ تمہاری خطائیں بخش دے؟ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔

اس کے بعد حضرت ابو بکر ﷺ کہنے لگے کہ میں تو خوش ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے، اور پھر وہ مسطح سے جو سلوک کیا کرتے تھے وہ جاری کر دیا یعنی نفقہ دوبارہ جاری کر دیا، اور کہنے لگے بخدا میں اس سلسلہ کو کبھی بند نہ کروں گا۔

حق کی گواہی مقابل سے بھی

"قالت عائشة: وكان رسول الله ﷺ سأل زينب .... والله ماعلمت الا خيراً"

تہمت کے ایام رسول کریم ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا جو میری سوکن تھیں، ان سے بھی میرے بارے میں سوال کیا تھا کہ تم عائشہ کو کیسا جانتی ہو، اور تم نے اس کو کیسا پایا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کو محفوظ رکھتی ہوں اور سوائے خیر کے اور کوئی بات میرے علم میں نہیں، اور اللہ کی قسم! میں تو عائشہ کو نیک اور بہتر ہی سمجھتی ہوں۔

"قالت عائشة: وهي التي تساميني .... فعصمها الله بالورع"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی تمام ازواج میں زینب میرے برابر کی تھیں، اللہ نے ان کی نیکی کی وجہ سے ان کو محفوظ رکھا یعنی حضرت زینب ہی وہ تھی جو ازواج مطہرات میں میرے ساتھ سب سے زیادہ مقابلہ کیا کرتی تھی تو اگر کوئی غلط بات کہتی تو میرے بارے میں یہ کہتی، انہوں نے بھی نہیں کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کی وجہ سے محفوظ رکھا۔

"قالت: وطفقت أختها حمنة .... فهلكت من هلك"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مگر ان کی بہن حمنہ نے لڑائی شروع کردی، اور وہ بھی تہمت لگانے والوں کے ہمراہ ہلاک ہوگئیں۔

یعنی یہ خیال کر کے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسی باتیں مشہور ہوں گی تو اس سے حضرت زنیب رضی اللہ عنہا کو فائدہ پہنچے گا حالانکہ خود حضرت زینت بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کی گواہی دی۔

"قال ابن شهاب فهذا بلغني من حديث هؤلاء الرهط"

ابن شہاب حدیث بیان کرنے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث چار آدمیوں سے مجھے پہنچی یعنی حضرت عروہ بن زبیر، سعید ابن المسیب، علقمہ بن وقاص اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود ؓ۔

"ثم قال عروة: قالت عائشة .... ماكشفت من كنف أنثى قط"

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم وہ شخص جن کے بارے میں کہی گئی تھی وہ بات جو کہی گئی تھی یعنی حضرت صفوان بن معطل ؓ وہ ان باتوں کو سن کر تعجب کرتے اور کہتے سبحان اللہ، اس اللہ کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے کبھی کسی عورت کا پردہ کھولا ہی نہیں یعنی جب یہ نوبت ہی نہیں آئی پھر یہ بہتان کیسا اور جماع کیسا!

اشکال اور اس کی تطبیق

اب اس میں ایک اور بہت بڑا اشکال ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ ابوداؤد، طحاوی، حاکم، مسند احمد اور ابن حبان وغیرہ میں حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ان کی بیوی شکایت لے کر آئی تھی اور یہ کہا تھا کہ یہ مجھے مارتے بھی ہیں اور رات کو سو جاتے ہیں تو طلوع آفتاب کے بعد تک سوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جبکہ اس حدیث میں کہتے ہیں کہ میں نے کسی عورت کا پردہ ہی نہیں کھولا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی نکاح ہی نہیں کیا، حالانکہ وہاں معلوم ہورہا ہے کہ بیوی تھی اور ان پر شکایت بھی پیش آئی۔

اس کا جواب امام بیہقی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ یہ جو روایت ہے یہ واقعہ پہلے کا ہے اور نکاح بعد میں ہوا ہوگا۔ اس واسطے اس وقت کا واقعہ پیش آیا لیکن جس وقت یہ کہہ رہے ہیں اس وقت نکاح نہیں کیا تھا۔

اور دوسرا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر نکاح ہے تو **"ماكشفت من كنف انثى"** سے مراد یہ ہے کہ

"علی سبیل الحرام" یعنی حرام طریقے سے کسی عورت کا ستر نہیں کھولا۔

لیکن یہ جواب اس لئے کمزور ہے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ "ما کشفت من کنف انثی لا علی سبیل الحلال ولا علی الحرام" انہوں نے دونوں کی نفی کردی۔

لہٰذا امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ راجح ہے کہ بعد میں نکاح ہوا ہوگا۔ [۹]

"قالت: ثم قتل بعد ذلک فی سبیل اللّٰہ"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضرت صفوان بن معطل ﷺ اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔

۴۱۴۲ ـ حدثنی عبداللّٰہ بن محمد قال: املی علی هشام بن یوسف من حفظه قال: اخبرنا معمر، عن الزهری قال: قال لی الولید بن عبد الملک: ابلغک أن علیا کان فیمن قذف عائشة؟ قلت: لا، ولکن قد اخبرنی رجلان من قومک أبو سلمة بن عبدالرحمٰن وأبوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث أن عائشة رضی اللّٰہ عنها قالت لهما: کان علي

---

[۹] ففی سنن أبی داؤد والبزاز وابن سعد وصحیح ابن حبان والحاکم من طریق الاعمش عن أبی صالح عن أبی سعید ((أن امرأة صفوان بن المعطل جاء ت الی رسول اللّٰہ ﷺ فقالت: یارسول اللّٰہ، ان زوجی یضربنی اذا صلیت، ویفطرنی اذا صمت. ولا یصلی صلاة الفجر حتی تطلع الشمس. قال وصفوان عنده، فسأله فقال: اما قولها یضربنی اذا صلیت فانها تقرأ سورتی وقد نهیتها عنها، وأماقولها یفطرنی اذا صمت فانا رجل شاب لا اصبر، وأما قولها انی لا اصلی حتی تطلع الشمس فانا أهل بیت قد عرف لنا ذلک فلا نستیقظ حتی تطلع الشمس)) الحدیث قال البزاز: هذا الحدیث کلامه منکر، ولعل الاعمش أخذه من غیر ثقة فدلسه فصار ظاهر سنده الصحة، ولیس الحدیث عندی أصل انتهی. وما أعلمه به لیس بقادح، لأن ابن سعید صرح فی روایته بالتحدیث بین الأعمش وأبی صالح، وأما رجاله فرجال الصحیح، ولما أخرجه أبوداؤد قال بعده: رواه حماد بن سلمة عن حمید عن ثابت عن أبی المتوکل عن النبی ، وهذه متابعة جیدة تؤذن بأن الحدیث اصلا، وغفل من جعل هذه الطریقة الثانیة علة للطریق الأولی. وأما استنکار البزاز ماوقع فی متنه فمراده أنه مخالف للحدیث الآتی قریبا من روایة أبی اسامة عن هشام بن عروة عن أبیه عن عائشة فی قصة الافک قالت: فبلغ الأمر ذلک الرجل فقال: سبحان اللّٰہ، واللّٰہ ماکشفت کنف انثی قط، أی ماجامعتها، والکنف بفتحتین الثوب الساتر، ومنه قولهم انت فی کنف اللّٰہ أی فی ستره، والجمع بینه وبین حدیث أبی سعید علی ماذکر القرطبی أن مراده بقوله ماکشفت کنف انثی أی بزنا. فتح الباری، ج:۸، ص:۴۶۲، وسنن ابی داؤد، رقم: ۲۴۵۹، و مسند احمد، رقم: ۱۱۸۰۱، وصحیح ابن حبان، رقم: ۱۴۸۸، وسنن الکبریٰ للبیهقی، رقم: ۸۴۹۹

مسلمافی شأنها، فراجعوه فلم یرجع. وقال: مسلما، بلا شک فیه، وعلیه و کان فی أصل العتیق کذلک. [۵۱]

ترجمہ: امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ حضرت علی ﷺ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں شامل تھے؟ میں نے کہا نہیں، البتہ تمہاری قوم قریش کے دو آدمیوں نے، جن کا نام ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابوبکر بن حارث ہے، مجھ سے ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی تھیں کہ حضرت علی ﷺ ان کے اس معاملے میں خاموش تھے، پھر لوگوں نے زہری رحمہ اللہ رہشام بن یوسف سے دوبارہ پوچھا تو انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور پھر انہوں نے بلا کسی شک وشبہ کے لفظ "مسلماً" بیان کیا اور لفظ "علیه" کا بھی انہوں نے اضافہ کیا۔

حضرت علی ﷺ اس معاملے میں خاموش رہے

حضرت امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک نے کہا، ولید بن عبدالملک یہ خلیفہ بنوامیہ میں سے ہے اور امام زہری رحمہ اللہ کے زمانہ میں موجود تھا، تو اس نے کہا کہ کیا آپ کو یہ اطلاع ملی ہے کہ حضرت علی ﷺ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی العیاذ باللہ۔

"قلت لا" تو میں نے کہا کہ نہیں یعنی امام زہری نے ولید بن عبدالملک سے کہا کہ حضرت علی ﷺ نے تہمت نہیں لگائی تھی۔

"ولکن قد أخبرنی رجلان الخ" لیکن مجھے آپ ہی کی قوم کے یعنی قریش کے دو افراد ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں سے کہا تھا کہ **"کان علی مسلما فی شأنها"**۔

ایک معنی یہ ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ **"مسلما"** بصیغۂ اسم الفاعل بھی پڑھا گیا ہے کہ حضرت علی ﷺ ان کے معاملہ میں تسلیم کرنے والے تھے یعنی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول اور مؤقف کو تسلیم کرنے والے تھے۔

دوسرا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات نے **"مسلما"** کے معنی **"کان ساکتاً"** کئے ہیں، یعنی وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں خاموش تھے۔

---

[۵۱] انفرد به البخاری

خاموش ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں داخل نہیں تھے جو باتیں بنا رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمتیں لگا رہے تھے۔

تیسرا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ اس کو "مَسلَما" (بفتح اللام) بھی پڑھا گیا ہے جس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کو اللہ کی طرف سے سلامتی عطا کی گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں سالم رکھا تھا سلامت رکھا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان کے خلاف ہو۔

چوتھا معنی مصنف عبدالرازق کی ایک روایت میں "مُسَلِّماً" یا "مَسلَماً" کے بجائے "مسیئا" آیا ہے اور "کان علی مسیئا فی شانها" کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں بُری بات کرنے والے تھے۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل نہیں کی، گویا اس روایت کو درست تسلیم نہیں کیا گیا اس لئے کہ اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔

ناصبیوں کا خبثِ باطن اور اس کا جواب

یہ کہا گیا ہے کہ اصل میں بنو امیہ کے بعد کے جو خلفاء تھے ان کا ناصبیت کی طرف میلان تھا یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف تھے اور بزعم خود شیعان عثمان میں سے تھے تو اس واسطے بعض اوقات ناصبی لوگ روایتوں میں اس قسم کا تصرف کر لیتے تھے تا کہ ان کا اپنا مسلک ثابت ہو۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بدنام کرنے کیلئے "مُسَلِّماً" یا "مَسلَماً" کے بجائے "مسیئا فی شانها" اس نے روایت کر دیا۔

اور اگر بالفرض یہ روایت کسی طرح کہیں ثابت ہو بھی جائے تو "مسیئا فی شانها" کے معنی ہرگز یہ نہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تھی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات کہی ہے کہ "کان مسیئا فی شانها" تو اس کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے جو آپ نے افک کے واقعہ میں پڑھا تھا کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے تو بہت کھل کر یہ کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر یہ اتہام غلط ہے اور مجھے سوائے خیر کے اور کوئی بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح جم کر یہ بات نہیں کہی بلکہ حضور اکرم ﷺ کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کہ عورتیں آپ کے لئے بہت ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ گھر میں کام کرنے والی جاریہ سے پوچھ لیجئے، وہ صحیح

بات بتادے گی۔ اس لئے نہ تو تہمت لگائی تھی لیکن ساتھ میں یہ کہ اس طرح جزم کر ان کا دفاع بھی نہیں کیا تھا جس طرح حضرت اسامہ بن زید ﷺ نے کیا تھا۔ [۱۱]

ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو "مسیئا فی شانها" سے تعبیر کردیا ہو، اور اس کا اثر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بے شک رہا یہاں تک کہ جب مرض الوفات کا واقعہ بیان کر رہی تھی تو حضرت عباس ﷺ کا نام لیا حضرت علی ﷺ کا نام نہیں لیا، اسی وجہ سے کہ ان کے دل میں اس بات کی تھوڑی سی رنجش تھی کہ اس طرح انہوں نے جزم کر کیوں تردید نہیں کی۔

تو اس کو اگر "مسیئا فی شانها" سے تعبیر کردیا ہو تو اس میں بھی کچھ بعید نہیں ہے۔ اگر مصنف عبد الرزاق کی روایت کسی درجے میں صحیح ثابت ہوجائے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ وہ ثابت نہیں ہے، اور اصل میں "مسلما" یا "مسلما" ہے۔ [۱۲]

۴۱۴۳ ۔ حدثنا موسی بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن حصين، عن أبي وائل: حدثني مسروق بن الأجدع قال: حدثتني أم رومان، وهي أم عائشة رضي الله عنهما قالت: بينا أنا قاعدة أنا وعائشة إذ ولجت امرأة من الأنصار، فقالت: فعل الله بفلان وفعل بفلان، فقالت أم رومان: وما ذاك؟ قالت: ابني فيمن حدث الحديث. قالت: وما ذاك؟ قالت: كذا وكذا، قالت عائشة: سمع رسول الله ﷺ؟ قالت: نعم، قالت: وأبو بكر؟ قالت: نعم، فخرت مغشيا عليها. فما أفاقت إلا وعليها حمى بنافض فطرحت عليها ثيابها فغطيتها، فجاء النبي ﷺ فقال: ((ما شأن هذه؟)) فقلت: يا رسول الله أخذتها الحمى بنافض. قال: ((فلعل في حديث تحدث؟)) قالت: نعم: فقعدت عائشة فقالت: والله لئن حلفت لا تصدقوني، ولئن قلت لا تعذروني، مثلي ومثلكم كيعقوب وبنيه ﴿وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ﴾ قالت: وانصرف ولم يقل شيئا فأنزل الله عذرها. قالت بحمد الله لا بحمد أحد ولا بحمدك. [راجع: ۲۳۸۸]

---

[۱۱] الظاهر أن نسبة هذه اللفظة الى علي ﷺ من حيث انه لم يقل مثل ماقال أسامة بن زيد: أهلك، ولا نعلم الا خيراً، بل قال: لم يضيق الله عليك والنساء سواها كثير، ومن هذا أن بعض الغلاة من الناصبية تقربوا الى بني أمية بهذه اللفظة، فجزى الله تعالى الزهري خيراً حيث بين للوليد بن عبدالملك ما في الحديث المذكور. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۲۹۹

[۱۲] عمدة القاري، ج:۲۹۹، ج:۱۷، و فتح الباري، ج:۷، ۴۳۷، ص:۷

ترجمہ: ابو وائل مسروق بن اجدع نے کہا کہ مجھ سے اُم رومان (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ) نے کہا کہ میں اور عائشہ دونوں بیٹھی ہوئی تھیں، کہ اتنے میں ایک انصاریہ عورت آئی اس کا نام مجھے معلوم نہیں، وہ کہنے لگی اللہ فلاں، فلاں، فلاں کو تباہ کرے، میں نے پوچھا ایسا کیوں کہتی ہو؟ کہنے لگی۔ میرا بیٹا بھی اس بات میں شریک ہے، تہمت لگانے والوں میں، ام رومان نے کہا وہ کون سی بات ہے؟ تو پھر اس نے تہمت کا واقعہ بیان کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کیا حضور اکرم ﷺ کو اس بات کی اطلاع ہوگئی ہے؟ اس نے کہا ہاں، پھر پوچھا اور حضرت ابو بکر ؓ کو؟ کہا ہاں، بس یہ سنتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے ہوش ہو کر گر پڑیں، ہوش آیا تو بخار کی حالت میں لرزہ طاری تھا، میں نے کپڑے اڑھا دیئے اور جسم کو چھپا دیا، اس کے بعد حضور اکرم ﷺ اندر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کیا ہوا؟ میں نے جواب میں کہا کہ ان کو لرزے سے بخار آگیا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا معلوم ہوتا ہے شاید اس طوفان یعنی تہمت کی بات کا علم ہوگیا ہے! میں نے عرض کیا جی ہاں، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر بیٹھیں اور قسم کھا کر کہنے لگیں کہ اگر میں اپنی بے گناہی بیان کروں تو بھی آپ ﷺ کو یقین نہیں آئے گا، اب تو میرا اور آپ ﷺ کا حال ایسا ہے جیسا یعقوب اور ان کے بیٹوں کا تھا، یعقوب علیہ السلام نے صبر کیا اور کہا میں اللہ سے تمہاری بنائی ہوئی پر مدد طلب کرتا ہوں، آپ ﷺ یہ سن کر خاموش چلے گئے، آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی ظاہر فرمائی اور وہ کہنے لگیں میں اللہ کے سوا کسی کا شکریہ ادا نہیں کرتی۔

ام رومان رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے میں شبہ

حضرت مسروق بن الاجدع فرماتے ہیں کہ مجھے ام رومان رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث سنائی، ام رومان حضرت صدیق اکبر ؓ کی اہلیہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ہے۔

اس میں بعض لوگوں کو شبہ پیدا ہوا ہے کہ مسروق بن الاجدع کا سماع ام رومان رضی اللہ عنہا سے کیسے ہوگیا کیونکہ اصحاب سیر میں مشہور یہ ہے کہ ام رومان کا انتقال رسول کریم ﷺ کے عہد مبارک میں ہوگیا تھا، تو اس کی وجہ سے انہوں نے کہا کہ مسروق بن الاجدع اگر چہ حضور ﷺ کے عہد میں پیدا ہو چکے تھے لیکن اس قابل نہیں تھے کہ یہ ام رومان رضی اللہ عنہا سے ملے اور ان سے حدیث سنے۔

اس اشکال کا سارا دارومدار اس بات پر ہے کہ ام رومان کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ حضور ﷺ کے عہد مبارک ہی میں وفات پا گئی تھی۔

یہ بات واقدی نے کہی ہے اور واقدی محدثین کے ہاں قابل اعتماد نہیں ہے، اس لئے اس بات کو

درست نہیں سمجھا جاسکتا کہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے عہد مبارک ہی میں وفات پاچکی تھی۔

صحیح بات یہ ہے کہ ام رومان رضی اللہ عنہا بعد میں بھی زندہ رہیں اور پھر مسروق بن الاجدع سے ان کی ملاقات ہوئی اور پھر ان کو یہ حدیث سنائی۔ واقدی کی ایک روایت کی بنیاد پر صحیح بخاری کی اس روایت پر اعتراض کرنا درست نہیں۔ [۱۳]

"قالت: بينا أنا قاعدة أنا وعائشة الخ" ام رومان فرماتی ہے کہ اس دوران کہ میں اور عائشہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھی، اتنے میں انصار میں سے ایک عورت آئی اور آکر وہ باتیں کرنے لگی۔

کہنے لگی کہ **"فعل الله بفلان وفعل بفلان الخ"** کہ اللہ فلاں کا ایسا کرے، فلاں کا ایسا کرے، فلاں شخص کو برا بھلا کہا۔

"فقالت أم رومان: وما ذاک؟ الخ" ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا اس شخص کو کیوں برا بھلا کہہ رہی ہو، بددعا کیوں دے رہی ہو تو اس نے کہا کہ میں جس کو بددعا دے رہی ہوں وہ میرا بیٹا ہی ہے اور یہ ان لوگوں میں ہے جنہوں نے باتیں بنائی ہیں۔

---

[۱۳] ومسروق لم يدرک ام رومان وكان يرسل هذا الحديث عنها ويقول ((سئلت أم رومان)) فوهم حصين فيه حيث جعل السائل لها مسروقا، او يكون بعض النقلة كتب سئلت بالف فصارت ((سألت)) فقرئت بفتحين، قال علي: ان بعض الرواة قد رواه عن حصين على الصواب يعني بالعنعنة، قال وأخرج البخاري هذا الحديث بناء على ظاهر الاتصال ولم يظهر له علة انتهى، وقد حكى المزي كلام الخطيب هذا في التهذيب وفي الأطراف ولم يعقبه بل اقره وزاد انه روى مسروق عن ابن مسعود عن ام رومان، وهو اشبه بالصواب. كذا قال. وهذه الرواية شاذة وهي من المزيد في متصل الأسانيد على ما سنوضحه. والذي ظهر لي بعد التأمل أن الصواب مع البخاري، لأن عمدة الخطيب ومن تبعه في دعوى الوهم الاعتماد على قول من قال ان أم رومان ماتت في حياة النبي ﷺ سنة أربع وقيل سنة خمس وقيل ست، وهو شيء ذكره الواقدي، ولا يتعقب الاسانيد الصحيحة بما يأتي عن الواقدي. وذكره الزبير بن بكار بسند منقطع فيه ضعف أن أم رومان ماتت سنة ست في ذي الحجة، وقد أشار البخاري الى رد ذلک في تاريخه الأوسط والصغير فقال بعد ان ذكر ام رومان في فصل من مات في خلافة عثمانؓ روى علي بن يزيد عن القاسم قال ماتت أم رومان في زمن النبي ﷺ سنة ست، قال البخاري وفيه نظر، وحديث مسروق أسند، أي أقوى اسنادا وابين اتصالا انتهى. وجزم ابراهيم الحربي بان مسروقا سمع من ام رومان وله خمس عشرة سنة، فعلى هذا يكون سماعه منها في خلافة عمر لأن مولد مسروق كان في سنة الهجرة ولهذا قال ابو نعيم الاصبهاني: عاشت أم رومان بعد النبي ﷺ.. فتح الباري، ج:۷، ص:۴۳۸، وعمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۰۰

"قالت وما ذلک الخ" ام رومان نے کہا کہ کیا بات ہے جو تمہارے بیٹے نے بنائی ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ باتیں بنائی ہیں اور واقعہ افک بیان کیا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی تھی اسکا قصہ بیان کیا۔

"قالت عائشة: سمع رسول الله ﷺ؟ الخ" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ وہ یہ بات کہ رہی ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ بات سنی ہے؟ تو اس نے کہا جی ہاں، پھر پوچھا کیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی سنی ہے؟ تو اس عورت نے کہا جی ہاں!

"فخرت مغشیا علیها الخ" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گر پڑی اس حالت میں کہ صدمہ کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہو گئی، اس کے بعد وہ ہوش میں نہیں آئی مگر اس حالت میں کہ ان کے اوپر لرزے کے ساتھ بخار چڑھا ہوا تھا، یعنی بخار کی وجہ سے کپکپی طاری تھی۔

"فطرحت الخ" تو اُم رومان رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اوپر اپنے کپڑے ڈال دیئے اور ان کو ڈھانپ دیا۔

"فجاء النبی ﷺ فقال: ماشأن هذه؟ الخ" حضور اکرم ﷺ تشریف لائے، آپ ﷺ نے اُم رومان رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا ہوا ہے؟ تو اُم رومان رضی اللہ عنہا نے بتایا عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخار چڑھ گیا ہے تو آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا کہ یہ کپکپی جو طاری ہے یہ اس کی وجہ سے ہے جو باتیں بنائی جاری ہے؟ "قالت نعم" تو ام رومان رضی اللہ عنہا نے کہا کہ جی ہاں!

"فقعدت عائشة فقالت: والله لئن حلفت الخ" پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر بیٹھیں اور وہ باتیں کہیں جو پہلے بھی گزر چکی ہے۔

"قالت: وانصرف ولم يقل شيئا الخ" آپ تشریف لے گئے اور اس وقت کچھ کہا نہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا عذر نازل فرمادیا۔

ام رومان رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ جو یہاں آیا ہے تو اس میں اور پہلی حدیث میں بیان کردہ واقعہ افک میں بعض جزوی تفصیلات میں تھوڑا بہت فرق ہے۔

اس فرق میں بعض حضرات نے مختلف طریقوں سے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تطبیق دینے کی حاجت نہیں، اس لئے کہ روایتوں میں اختلاف کسی مرکزی اور جوہری معاملہ میں تو ہے ہی نہیں، کچھ جزوی تفصیلات ہیں جن کی وجہ سے راوی کی روایتوں میں تھوڑا سا فرق واقع ہوا۔

حضرات صحابہ کرام ہوں یا تابعین ہوں یا تبع تابعین رحمہم اللہ ہوں وہ احادیث کے مرکزی اور جوہری مفہوم کو محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام فرماتے تھے لیکن جزوی تفصیلات میں کہیں کہیں اتنا اہتمام نہیں کرتے تھے۔ ایک نے

ایک طرح روایت کر دیا اور دوسرے نے دوسری طرح روایت کر دیا۔ اس طرح سے نہ روایت کی بحیثیت مجموعی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے اور نہ ان حضرات پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔

یہ ایک طبعی اور فطری بات ہے کہ تھوڑا بہت فرق ہو ہی جاتا ہے، آج کل تو کوئی حد وحساب ہی نہیں رہا۔

مثال۔ بے احتیاطی کی حد ہوگئی

ایک دفعہ مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ تشریف لائے تھے، کچھ بات کر رہے تھے تو جو صاحب ان کے ساتھ آئے ہوئے تھے، میں نے ایک جملہ کہا جو چھ الفاظ پر مشتمل تھا، وہ مولانا ذرا سن نہیں سکے تو پوچھا کہ کیا کہا؟

ان صاحب نے ان چھ لفظوں کو بیان کرنے میں اور روایت کرنے میں تین غلطیاں کیں۔ اسی وقت میں نے جو بات کہی تھی اس کو نقل کرنے میں تین غلطیاں میرے سامنے کیں۔ میں نے اس کو کہا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا بلکہ میں نے یہ کہا تھا اور پھر میں نے ذرا بلند آواز سے کہہ دیا۔

اس وقت میں یہ سوچ رہا تھا کہ لوگوں میں خلاف احتیاط بات نقل کرنے کی عادت عام ہوگئی ہے کہ ابھی ابھی ایک جملہ کہا گیا اس کو فوراً وہ نقل کر رہے ہیں پھر بھی اس کے اندر تین غلطیاں اور وہ بھی مرکزی اور جوہری غلطی، یہ نہیں کہ معمولی غلطیاں ہوں۔ تو یہ حالت ہوگئی ہے، لوگ نقل کرنے میں اہتمام نہیں کرتے ہیں۔

حضرات صحابہ کرام ﷺ نے حضور اکرم ﷺ کے اقوال اور افعال کو نقل کرنے میں بڑا ہی اہتمام کیا لیکن وہ اہتمام زیادہ تر مرکزی اور جوہری مفہوم میں ہوتا تھا، اور یہ جو چھوٹی چھوٹی سی تفصیلات ہوتی ہیں کہ پہلے حضور اکرم ﷺ آئے تھے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گئی تھی یا پہلے حضور ﷺ نے یہ بات کہی تھی یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہی اور جو عورت آئی تھی اس نے باہر جاتے ہوئے کہا تھا یا اندر آتے ہوئے کہا تھا، اس قسم کی تفصیلات میں اگر تھوڑا سا اختلاف ہو جائے تو اس میں تطبیق کا اہتمام کرنا اور اس میں تکلف کا ارتکاب کرنا کوئی ضروری نہیں۔

۴۱۴۴ ۔ حدثنی یحیی: حدثنا وکیع، عن نافع، عن ابن عمر، عن ابن أبی ملیکة عن عائشة رضی اللہ عنها کانت تقرأ: ﴿إِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ . وتقول: اَلْوَلْقَ: الکذب. قال ابن أبی ملیکة: وکانت أعلم من غیرها بذلک لأنه نزل فیها. [انظر: ۴۷۵۲]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے [سورۂ نور کی] یہ آیت اس طرح تلاوت کی **﴿إِذْ تَلِقُوْنَهٗ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾** لام کے زیر کے ساتھ پڑھی، اور فرماتی تھیں کہ یہ "وَلْقٌ" سے نکلا ہے اور اس کے معنی جھوٹ کے ہیں۔ ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس آیت کو سب سے زیادہ جانتی تھیں کیونکہ یہ

انہیں کے معاملے سے تعلق رکھتی ہے۔

آیت کی تشریح اور قرأت

﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ [۱۴]

ترجمہ: تم اپنے زبانوں سے لے رہے تھے۔

یہ سورۂ نور کی آیت کی معروف قرأت ہے، یعنی لام کے فتح کے ساتھ۔

لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک قرأت یہ تھی اور یوں پڑھا کرتی تھیں **"إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُم"**۔

وتقول الولق: الكذب" اورفرماتی تھیں کہ **ولق** کے معنی جھوٹ کے ہوتے ہیں کہ جب تم اپنی زبانوں سے جھوٹ بول رہے تھے۔

"قال ابن أبي مليكة الخ" ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ وہ اس بات کا دوسروں سے زیادہ علم رکھنے والی تھی یعنی قرآن کی اس آیت کا، کیونکہ قرآن کی یہ آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

لیکن اس کے باوجود یہ قرأت متواترہ اور مشہورہ میں نہیں ہے، قرأت شاذہ ہے۔ اب یہ قرأۃ شاذہ قرآن کا حکم نہیں رکھتی اور اس میں یہ احتمال بھی رد نہیں کیا جاسکتا کہ کسی وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ جملہ کہا ہو، بطور جزء قرآن نہیں بلکہ بطور اپنے کلام کے، جیسے بعض اوقات آدمی گفتگو کرتے ہوئے کسی آیت میں تھوڑا سا تصرف کرکے اپنے کلام کے طور پر استعمال کرلیتا ہے تو ایسے **"تَلَقَّوْنَهُمْ"** میں تھوڑا سا تصرف کرکے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے کلام کے طور پر کہا ہو کہ **"إِذْ تَلِقُوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُم"** یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے اور بہرحال اگر قرأت ہوگی تو یہ قرأت شاذہ ہے اور قرأت شاذہ قرآن کا حکم نہیں رکھتی۔

﴿إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ﴾ معروف قرأت یہی ہے۔

۴۱۴۵ ۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة: حدثنا عبدة، عن هشام، عن أبيه قال: ذهبت أسب حسان عند عائشة فقالت: لا تسبه فإنه كان ينافح عن رسول الله ﷺ، وقالت عائشة: استأذن رسول الله ﷺ في هجاء المشركين، قال: ((كيف بنسبي؟)) قال: لأسلنك منهم كما تسل الشعرة من العجين.

---

[۱۴] [النور: ۱۵]

وقال محمد: حدثنا عثمان بن فرقد: سمعت هشاما، عن أبيه قال: سببت حسان وكان ممن كثر عليها. [راجع: ۳۵۳۱]

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور حسان بن ثابت ﷺ کو برا بھلا کہنے لگا، انہوں نے فرمایا تم حسان بن ثابت ﷺ کو برامت کہو، کیونکہ وہ رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ کافروں سے لڑا کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حسان نے رسول اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی، کہ مجھے قریش کی مذمت اور ہجو کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا قریش کو برامت کہو کیونکہ میں خود بھی قریشی ہوں، حسان بن ثابت ﷺ نے عرض کیا یہ صحیح ہے مگر میں آپ کو اس طرح نکال لوں گا جیسے آٹے میں سے بال کھینچ لیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عثمان بن فرقد نے کہا کہ میں نے ہشام سے سنا، انہوں نے اپنے والد عروہ ﷺ سے سنا، وہ کہتے تھے میں نے حسان بن ثابت ﷺ کو برا کہا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگانے والوں میں تھے۔

حسان بن ثابت ﷺ، شاعرِ رسول اللہ ﷺ

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے، فرماتے ہیں **"ذهبت اسبّ"** میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر حسان بن ثابت ﷺ کو برا بھلا کہنے لگا، کیونکہ حسان بن ثابت ﷺ کی طرف بھی یہ بات منسوب تھی کہ انہوں نے بھی تہمت میں حصہ لیا تھا۔

"فقالت: لا تسبه فإنه كان ينافح عن رسول الله ﷺ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ان کو برا بھلامت کہو، کیونکہ یہ رسول کریم ﷺ کی طرف سے دفاع کیا کرتے تھے یعنی کفار و مشرکین کے مقابلہ میں اپنے اشعار کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کا دفاع کرتے تھے۔

اس زمانہ میں ذرائع ابلاغ ریڈیو، ٹیلیویژن، اخبارات اور دیگر نہیں ہوتے تھے بلکہ اس زمانہ میں ابلاغ کا ذریعہ اشعار تھے۔ ایک قصیدہ کسی شاعر نے کہہ دیا تو وہ لوگوں کے زبان عام ہو جاتا تھا، اس سے پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔

کفار مکہ اور مشرکین رسول کریم ﷺ کے بارے میں ہجو یہ قصیدے کہہ کہہ کر لوگوں میں پھیلایا کرتے تھے تو حضرت حسان بن ثابت ﷺ ان کے دفاع میں رسول کریم ﷺ کی طرف سے قصائد کہتے تھے جس میں مشرکین مکہ کی ہجو ہوتی تھی اور حضور اکرم ﷺ کی تعریف ہوتی تھی۔

"وقالت عائشة: استأذن رسول اللہ ﷺ الخ" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے مشرکین کی ہجو کرنے کی اجازت مانگی، **"قال: کیف بنسبی؟ الخ"** آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جب مشرکین کی ہجو کرو گے تو میرے نسب کا کیا ہوگا؟

معنی یہ ہے کہ عام طور سے ہجو کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی کی ہجو کی جاتی تھی تو اس کے آباؤ اجداد کی بھی ہجو ہوتی تھی، کہ تیرا خاندان ہی صحیح نہیں ہے، یہ ہجو میں کہا جاتا تھا۔

اب جو مشرکین مکہ تھے ان کا خاندان حضور اکرم ﷺ کے خاندان سے ملتا تھا، لہٰذا اگر ان کے آباء واجداد کی ہجو کی جاتی تو حضور اکرم ﷺ کے آباء واجداد کی بھی ہجو ہوتی۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ میرے نسب کا کیا بنے گا؟ ہجو کرنے میں اس کو کیسے تم سنبھالو گے۔

"قال: أسلنک منهم کما تسل الشعرة من العجين" حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ کو ان میں سے اس طرح نکال لوں گا جیسے کہ گوندھے ہوئے آٹے میں سے بال نکال لئے جاتے ہیں۔

جب آٹا گوندھا ہوا ہو اور اس میں بال پڑ جائے تو اس میں سے بال کو کھینچ لو تو آرام سے نکل آتا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کو ان میں سے نکال لوں گا یعنی جب میں ہجو کروں گا تو آپ کے آباء واجداد کو اس طرح نکال لوں گا کہ ان کے اوپر ہجو کا کوئی دھبہ نہ لگے، چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا۔

ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب جو حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی تھے، جب آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو اس کے بعد وہ آپ ﷺ کی دشمنی میں بڑے ہی پیش پیش تھے اور چونکہ شاعر تھے تو اپنی اس دشمنی کا اظہار آپ ﷺ کے بارے میں اور مسلمانوں کے بارے میں ہجو یہ قصیدے بنا کر بھی کرتے تھے۔ بعد میں مکہ مکرمہ کی فتح کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے ان کو دینِ اسلام کو قبول کرنے کی توفیق بخشی اور اس کے بعد اسلام کا اور حضور اکرم ﷺ کا انہوں نے بڑا دفاع بھی کیا، لیکن ابتدا میں بڑے ہجو یہ قصیدے بھی کہتے تھے۔

چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو یوں جواب دی۔

وأن سنام المجد من آل هاشم بنو بنت مخزوم ووالدک العبد

ومن ولدت أبناء زهرة منهم کرام ولم يقرب عجائزک المجد

بے شک بڑی شرافت و بزرگی بنو ہاشم میں بنو بنتِ مخزوم میں ہے اور اے ابوسفیان! تیرا والد تو غلام ہے اور زہرہ کی اولاد نے جنہیں پیدا کیا ہے وہ تو شریف لوگ ہیں، لیکن تمہاری بوڑھیوں کو تو بزرگی نے چھوا تک بھی نہیں ہے۔

"بنتِ مخزوم" سے حضور اقدس ﷺ کی دادی فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم مراد ہیں، جو آپ ﷺ کے والد ماجد عبداللہ اور چچا ابوطالب کی والدہ تھیں، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان اشعار میں

فرماتے ہیں شرافت اور بزرگی بنت مخزوم یعنی فاطمہ کی اولاد میں ہے۔

"ووالدک العبد" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ درحقیقت ابوسفیان کے والد حارث کی والدہ کا نام سمیہ بنت موہب تھا، موہب، بنوعبد مناف کا تھا تو اس طرح ابوسفیان کے والد کے نسب میں غلامی پائی جاتی تھی، جبکہ اسی طرح ابوسفیان کی والدہ کے والد یعنی ابوسفیان کے نانا بھی غلام تھے، اس طرح ددھیال اور ننھیال دونوں میں غلامی پائی جاتی ہے۔

"ولم یقرب عجائزک المجد" ابوسفیان کی ہجو میں کہا کہ جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو تمہارا باپ بھی غلام، تمہاری جو بڑی بوڑھیاں ہیں ان کو بزرگی اور شرافت چھو کر بھی نہیں گذری۔ جبکہ حضور اکرم ﷺ کے ننھیال کا تعلق بنوزہرہ سے ہے، بنوزہرہ آزاد اور شرفاء ہیں اس لئے ان کی ساری اولاد بزرگانہ صفات کے ساتھ متصف ہیں۔

اس طرح ابوسفیان بن حارث کی ہجو کی کہ رسول کریم ﷺ کا پورا خاندان اس ہجو سے محفوظ رہا، تو اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ [۱۵]

"وقال محمد حدثنا عثمان الخ" عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے حسان بن ثابت ﷺ کی برائی کی تھی اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں باتیں کی تھیں۔

۴۱۴۶ ـ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن سليمان، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: دخلنا على عائشة رضي الله عنها وعندها حسان ابن ثابت ينشدها شعرا يشبب بأبيات له، وقال:

حصان رزان ما تزن بريبة وتصبح غرثى من لحوم الغوافل

فقالت له عائشة: لكنك لست كذلك، قال مسروق: قلت لها: لم تأذني له أن يدخل عليك؟ وقد قال الله: ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ فقالت: وأي عذاب أشد من العمى؟ قالت له: إنه كان ينافح، أو يهاجي عن رسول الله ﷺ.

[انظر: ۴۷۵۵، ۴۷۵۶] [۱۶]

ترجمہ: مسروق نے کہا کہ ہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو

---

[۱۵] اسد الغابة، حرف الحاء، باب الحاء والسين، حسان بن ثابت، ج: ۲، ص: ۶

[۱۶] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، رقم: ۴۵۴۳

حضرت حسان بن ثابت ﷺ ان کو اشعار سنا رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔

وہ پاکدامن و باوقار ہیں کبھی ان پر تہمت نہیں لگائی جاسکتی وہ صبح میں بھوکی رہتی ہیں، بے خبر عورتوں کے گوشت سے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا یہ تو ٹھیک ہے، مگر تم ایسے نہیں ہو۔ مسروق کا کہنا ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا کہ آپ حسان بن ثابت ﷺ کو اپنے پاس کیوں آنے دیتی ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ [۷]

ترجمہ: اور ان میں سے جس شخص نے اس (بہتان) کا بڑا حصہ اپنے سر لیا ہے، اُس کیلئے تو زبردست عذاب ہے۔

تو انہوں نے فرمایا اندھے ہوجانے سے زیادہ کیا عذاب ہوگا؟ پھر یہ بھی کہا کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ کافروں سے مقابلہ کرتے اور مشرکوں کی ہجو کرتے تھے۔

تشریح رجوابِ شکوہ

مسروق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا "**وعندھا حسان ابن ثابت الــــخ**" اور ان کے پاس حضرت حسان بن ثابت ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کو شعر سنا رہے تھے اور اپنے کچھ شعروں کے ذریعہ تشبیب کر رہے تھے اور اس میں ایک شعر یہ تھا کہ

حصان رزان ما تزن بریبة وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

حضرت حسان بن ثابت ﷺ اس شعر میں تعریف کر رہے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ یہ قصیدہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں کہا ہے، اگرچہ بعض لوگوں نے یہ معنی لئے ہیں۔

"**یشبب بأبیات له**" سے مراد یہ ہے کہ شاعروں کا رواج تھا کسی کے بارے میں شعر کہتے تو تشبیہ کے الفاظ کہا کرتے تھے، تو اسی قسم کے یہ اشعار ہیں، غزل کے اشعار ہیں، لیکن میری نظر میں یہ بات صحیح نہیں ہے۔

صحیح یہ ہے کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ نے بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی شان میں یہ قصیدہ کہا ہے اور ان کی تعریف میں اپنی سابق غلطی کی تلافی کے لئے کہا ہے بلکہ اپنی معذرت بیان کرنے کیلئے کہ میری طرف نسبت غلط کی گئی تھی میں نے تہمت نہیں لگائی تھی، چنانچہ اس کا پہلا شعر یہ ہے کہ

---

[۷] [النور: ۱۱]

"حصان رزان ما تزن بریبة"

"حصان" ایسی عورت جو پاک دامن ہے۔

"رزان" یہ صیغۂ صفت ہے اس کے معنی شرافت کے ہوتے ہیں۔

"رزین" اور "رزان"۔ "رزان" مذکر اور اس کی مونث "رزینة" اور "رزان" بھی ہوتا ہے، تو اس کے معنی شریف عورت کے آتے ہیں، پاک دامن ہے اور شریف ہے۔

"ما تزن بریبة" اور ان کے بارے میں گمان کسی شک کی بات کا نہیں کیا جاسکتا۔

معنی ہے کسی پر تہمت لگانا، تو ان کے اوپر تہمت نہیں لگائی جاسکتی کسی شک کی۔

"وتصبح غرثی من لحوم الغوافل"

اور یہ صبح کرتی ہے اس حالت میں کہ بھوکی ہوتی ہے یعنی ان کا پیٹ غافل عورتوں کا گوشت کھانے سے خالی ہوتا ہے، غافل عورتوں کا معنی یہ ہے کہ وہ عورتیں جن کو دنیا کے بارے میں کوئی بات پتہ نہیں ہے یعنی فسق وفجور کا بری باتوں کا، ان کے گوشت سے ان کا پیٹ خالی ہوتا ہے یعنی یہ ان کے گوشت نہیں کھاتی، کھانے کے معنی یہ ہے کہ ان کی غیبت نہیں کرتی۔

"غرثی" یہ مؤنث ہے "اغرث" کا اور اس کا معنی بھوکا، "غرث" کے معنی بھوک کے ہیں۔

بھوک میں آدمی کا پیٹ خالی ہوتا ہے تو یہ صبح اس حالت میں کرتی ہے کہ ان کا غافل عورتوں کی گوشت سے پیٹ خالی ہوتا ہے یعنی یہ کسی بھی عورت کی غیبت نہیں کرتی اور یہ کسی کے اوپر تہمت نہیں لگاتی۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سن کر فرمایا کہ "لکنک لست الخ" لیکن تم ایسے نہیں ہو تم تو غوافل ر بے خبر عورتوں کا گوشت کھاتے ہو یعنی تم نے گویا تہمت لگائی ہے۔

تو جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس قصیدہ کے آگے جو شعر ہیں اس میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی برأت کا اظہار کیا تھا اور اس میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

فان کنت قد قلت الذی قد زعمتم فلا رفعت سوطی الیّ انا ملی

پس اگر میں نے اپنے پاس سے وہ کہا ہے جس کا تم لوگ میرے بارے میں خیال کرتے ہو

تو خدا کرے میری انگلیاں میرے کوڑے کو نہ اٹھائیں (یعنی میرے ہاتھ مفلوج ہو جاتے)۔

یہاں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ برأت کا اظہار کر رہے ہیں کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اور نہ ہی تہمت لگائی۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ منافقین کی کارستانی ایسی تھی کہ ایک طرف تو انہوں نے خود تہمت لگائی اور پھر اس تہمت کو بعض صحابہ کی طرف بھی منسوب بھی کر دیا تو ایک تیر سے دو شکار، تو عین ممکن ہے کہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی طرف اس کی نسبت درست نہ ہو۔

"قال مسروق: قلت لها: لم تأذني له الخ" مسروق کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ آپ ان کو کیوں اجازت دیتی ہے کہ یہ آپ کے پاس آئیں، جبکہ انہوں نے ایسی بات کہی تھی؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اور نابینا ہونے سے بڑھ کر کیا عذاب ہوگا۔

آخری عمر میں حضرت حسان بن ثابت ﷺ نابینا ہو گئے تھے تو گویا اس سے زیادہ کیا سخت عذاب ہوگا۔

"قالت له: إنه كان ينافح الخ" پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مسروق سے کہا کہ یہ رسول کریم ﷺ کی طرف سے دفاع کیا کرتے تھے تو اس لئے ان کے بارے میں برا بھلا کہنا میں پسند نہیں کرتی اور نہ ان کو آنے سے منع کرتی ہوں۔ ۱۸

سوال: حضرت حسان بن ثابت ﷺ کو حد قذف لگائی گئی تھی یا نہیں؟

جواب: اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت حسان بن ثابت ﷺ اور حضرت مسطح بن اثاثہ ﷺ اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا کو حد قذف لگائی گئی تھی۔

عبداللہ بن اُبی پر حد لگنے کا ذکر سنن کے اندر نہیں ہے لیکن حاکم نے اپنی مستدرک کے اندر اس کو روایت کیا ہے اس میں ہے کہ اس کو بھی حد قذف لگائی گئی تھی۔ ۱۹

لیکن دوسری طرف علامہ ماوردی رحمہ اللہ علیہ نے حدِ قذف لگانے کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان میں کسی کو حد قذف نہیں لگائی گئی تھی اور وجہ یہ ہے کہ حد قذف لگانے کے لئے ضروری تھا کہ ایک تو صریح الفاظ میں تہمت ہو اور دوسرا یہ کہ صریح الفاظ کی تہمت یا تو بینہ سے ثابت ہو جائے یا اقرار سے ثابت ہو جائے اور یہ باتیں پوری طرح متحقق نہیں ہوئی تھی۔

اس واسطے علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو حد نہیں لگائی گئی، لہٰذا جو جو روایتیں اس طرح کی آتی ہیں کہ ان کو حد قذف لگائی گئی، ان روایتوں کو انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا رُجحان اس طرف ہے کہ وہ روایتیں جن میں حد قذف کا ذکر

---

۱۸ الخطاب لحسان فيه اشارة الى انه اغتاب عائشة رضي الله عنها حين وقعت قصة الافك وقد عمي في آخر عمره. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۰۳

۱۹ سنن ابي داؤد، كتاب الحدود، باب حد القذف، رقم: ۴۴۷۴، وسنن الترمذي، أبواب التفسير، باب: ومن سورة النور، رقم: ۳۱۸۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الحدود، باب حد القذف، رقم: ۲۵۶۷، ومسند أحمد، مسند النساء، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها رقم: ۲۴۰۶۶، وسنن النسائي، كتاب الرجم، حد القذف، رقم: ۷۳۱۱

ہے وہ سند کے اعتبار سے اتنی کمزور نہیں کہ ان کی وجہ سے یہ کہہ دیا جائے کہ حد نہیں لگائی گئی تھی بلکہ حد لگائی گئی تھی۔

اور جہاں تک علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے کہ بینہ اور اقرار کے بغیر نہیں ہوسکتا، تو ہوسکتا ہے کہ بینہ اور اقرار پایا گیا ہو اور اس بنا پر حد لگائی گئی ہو۔ بہر صورت یہ معاملہ تھوڑا سا مشکوک اور مختلف فیہ ہے کہ فی نفسہ حد لگائی گئی تھی، یا نہیں۔[۶۰]

افک کے متعلق صحیح احادیث بخاری اور مسلم میں آئی ہیں، ان میں کہیں حد قذف کا ذکر نہیں ہے۔

---

[۶۰] وعند اصحاب السنن عن طريق محمد بن اسحاق عن عبدالله بن أبى بكر بن حزم عن عمرة عن عائشة ((ان النبى ﷺ أقام حد القذف على الذين تكلموا بالافك)) لكن لم يذكر فيهم عبدالله بن أبى، وكذا فى حديث أبى هريرة عند البزار، وبنى على ذلك صاحب الهدى فأبدى الحكمة فى ترك الحد على عبدالله بن أبى، وفاته انه ورد انه ذكر أيضا فيمن أقيم عليه الحد، ووقع ذلك فى رواية أبى أويس وعن حسن بن زيد عن عبدالله بن أبى بكر أخرجه الحاكم فى ((الاكليل)) وفيه رد على الماوردى حيث صحح أنه لم يحدهم مستنداً الى أن الحد لا يثبت الا ببينة أو اقرار، ثم قال: وقيل انه حدهم. وماضعفه هو الصحيح المعتمد. كذا ذكره الحافظ ابن الحجر العسقلانى رحمه الله فى: فتح البارى، رقم: ۴۷۶۰، ج:۸، ص: ۴۷۹، وذكره العلامة بدرالدين العينى رحمه الله فى العمدة: وفى: ((تفسير النسفى)): وقد ضرب رسول الله ﷺ، عبدالله بن أبى وحساناً ومسطحاً، وقد ذكر أبو داؤد أن حساناً حد. زاد الطحاوى: ثمانين، وكذا حمنة ومسطح ليكفر الله عنهم بذلك اثم ماصدر منهم حتى لا يبقى عليهم تبعة فى الآخرة، وأما ابن أبى فانه لم يحد لئلا ينقص من عذابه شىء، أو اطفاء للفتنة وتألفا لقومه، وقد روى القشيرى فى: ((تفسيره)): انه حد ثمانين، وقال القشيرى: ومسطح لم يثبت منه قذف صريح فلم يذكر فيمن حد، وأغرب الماوردى، فقال: انه لم يحد أحد من أهل الافك. عمدة القارى، ج:۱۹، ص:۱۳۴ رقم : ۴۷۵۷

باب
غزوة الحديبية

(۳۶) باب غزوة الحديبية

باب: جنگ حدیبیہ کا قصہ

صلح حدیبیہ کا پیش خیمہ

اس باب میں حدیبیہ کے سفر کے متعدد واقعات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔

واقعہ مختصراً یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ بیت اللہ کا طواف فرما رہے ہیں تو اس کے بعد آپ نے صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ وہ عمرہ کی غرض سے روانہ ہوں، چنانچہ آپ روانہ ہوئے اور اسی غرض سے روانہ ہوئے کہ آپ ﷺ عمرہ انجام دیں گے، لیکن بعد میں کفار مکہ نے اندر داخل ہونے سے روکا جس کے بعد صلح حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا۔

جہاد میں معاہدات ومصالحت اور کتاب الشروط کی تفصیل

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق واقعات کو اس باب میں روایت کیا ہے، لیکن اس کا جو مفصل واقعہ ہے وہ یہاں روایت نہیں کیا اور کتاب الشروط میں ذکر کیا ہے چونکہ سلسلہ غزوات کا چل رہا ہے۔

لہٰذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ احادیث جو کتاب الشروط میں آئی ہیں، ان کو یہاں پڑھ لیا جائے۔ اس کے بعد جو حدیثیں ہیں اور متفرق احادیث آرہی ہیں ان کو بھی یہاں پر پڑھ لیں گے۔ ان کو پڑھ لینے سے سارے واقعات یکجا شکل میں آجائیں گے۔

لہٰذا آپ حدیث اور اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

۲۷۳۱، ۲۷۳۲ ۔ حدثني عبد الله بن محمد: حدثنا عبد الرزاق: أخبرنا معمر قال: أخبرني الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير، عن المسور بن مخرمة ومروان، يصدق كل واحد منهما حديث صاحبه قالا: خرج رسول الله ﷺ زمن الحديبية حتى إذا كانوا ببعض الطريق قال النبي ﷺ: ((إن خالد بن الوليد بالغميم في خيل لقريش طليعة فخذوا ذات اليمين))، فوالله ما شعر بهم خالد حتى اذا هم بقترة الجيش فانطلق يركض نذيرا لقريش، وسار النبي ﷺ حتى إذا كان بالثنية التي يهبط عليهم منها بركت به

راحلته. فقال الناس: حل حل، فألحت فقالوا: خلأت القصواء، خلأت القصواء. فقال النبی ﷺ: ((ماخلأت القصواء، وماذاک لها بخلق ولکن حبسها حابس الفیل))، ثم قال: ((والذی نفسی بیده لا یسألوننی خطة یعظمون فیها حرمات الله إلا أعطیتهم إیاها)). ثم زجرها فوثبت، قال: فعدل عنهم حتی نزل بأقصی الحدیبیة علی ثمد قلیل الماء یتبرضه الناس تبرضا، فلم یلبثه الناس حتی نزحوه وشکی إلی رسول الله العطش. فانتزع سهمامن کنانته ثم أمرهم أن یجعلوه فیه، فوالله مازال یجیش لهم با لری حتی صدروا عنه فبینما هم کذلک إذ جاء بدیل بن ورقاء الخزاعی فی نفر من قومه من خزاعة وکانو عیبة نصح رسول الله ﷺ من أهل تهامة فقال: إنی ترکت کعب بن لؤی وعامر بن لؤی نزلوا أعداد میاه الحدیبیة ومعهم العوذ المطافیل وهم مقاتلوک وصادوک عن البیت. فقال رسول الله ﷺ: ((إنا لم نجیء لقتال أحد ولکنا جئنا معتمرین، وإن قریشا قد نهکتهم الحرب وأضرت بهم فإن شاؤا ماددتهم مدة ویخلوا بینی وبین الناس فإن أظهر، فإن شاؤا أن یدخلوا فیما دخل فیه الناس فعلوا وإلافقد جموا. وإن هم أبوا فوالذی نفسی بیده لأقاتلنهم علی أمری هذا حتی تنفرد سالفتی، ولینفذن الله أمره)). فقال بدیل: سأبلغهم ماتقول. قال: فانطلق حتی أتی قریشا، قال: إن قدجئنا کم من هذا الرجل وسمعناه یقول قولا، فإن شئتم أن نعرضه علیکم فعلنا. سفهاؤهم: لا حاجة لنا أن تخبرناعنه بشیء. وقال ذوو الرأی منهم: هات ما سمعته یقول، قال: سمعته یقول کذا وکذا، فحدثهم بما قال النبی ﷺ فقام عروة بن مسعود فقال: أی قوم، ألستم بالولد؟ وألست بالوالد قالوا: بلی، قال: فهل تتهمونی؟ قالوا: لا، قال: ألستم تعلمون أنی استنفرت أهل عکاظ فلما بلحوا علی جئتکم بأهلی وولدی ومن أطاعنی؟ قالوا: بلی، قال: فإن هذا قدعرض لکم رشد، اقبلوها ودعونی آته. قالوا: ائته، فأتاه فجعل یکلم النبی ﷺ فقال النبی ﷺ نحوا من قوله لبدیل. فقال عروة عند ذلک: أی محمد، أرأیت إن استأصلت أمر قومک، هل سمعت بأحد من العرب اجتاح أهله قبلک؟ وإن تکن الأخری، فإنی والله لاأری وجوها وإنی لأری أوشوابامن الناس خلیقا أن یفروا ویدعوک. فقال له أبوبکر ﷺ: امصص بظر اللات، أنحن نفر عنه وندعه؟ فقال: من ذا؟ قالوا: أبو بکر، قال: أما والذی نفسی بیدی لولا ید کانت لک عندی لم أجزک بها لأجبتک. قال: وجعل یکلم النبی ﷺ فکلما تکلم کلمة أخذ بلحیته والمغیرة بن شعبة قائم علی رأس النبی ﷺ ومعه السیف وعلیه

المغفر. فكلما أهوى عروة بيده إلى لحية النبي ﷺ ضرب يده بنعل السيف وقال له : أخر يدک عن لحية رسول الله ، فرفع عروة رأسه فقال: من هذا ؟ قال المغيرة بن شعبة ، فقال : أى غدر ، ألست أسعى في غدرتک ؟ وكان المغيرة صحب قوما فى الجاهلية فقتلهم وأخذ أموالهم ثم جاء فأسلم. فقال النبي ﷺ :((أما الإسلام فأقبل ، وأما المال فلست منه في شئ)) . ثم إن عروة جعل يرمق أصحاب النبي ﷺ بعينه، قال : فوالله ما تنخم رسول الله ﷺ نخامة إلا وقعت فى كف رجل منهم فدلک بها وجهه وجلده. وإذا امرهم ابتدروا أمره. وإذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوئه . وإذا تكلموا خفضوا أصواتهم عنده، وما يحدون إليه النظر تعظيما له .فرجع عروة إلى أصحابه فقال : أى قوم، والله لقد وفدت على الملوک ووفدت على قيصر وكسرى والنجاشي . والله إن رأيت ملكا قط يعظمه أصحابه ما يعظم أصحاب محمد ﷺ محمدا. والله إن يتنخم نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلک بها وجهه وجلده وإذا أمرهم ابتدروا أمره، وإذا توضأ كادوا يقتتلون على وضوئه، وإذا تكلموا خفضوا أصواتهم عنده، وما يحدون النظر إليه تعظيما له .وإنه قد عرض عليكم خطة رشد فاقبلوها، فقال رجل من بنى كنانة: دعونى آتيه ، فقالوا: ائته. فلما أشرف على النبى ﷺ وأصحابه قال رسول الله ﷺ : ((هذا فلان وهو من قوم يعظمون البدن فابعثوها له))، فبعثت له، واستقبله الناس يلبون. فلما رأى ذلک قال: سبحان الله ، ماينبغى لهؤلاء أن يصدوا عن البيت. فلما رجع إلى أصحابه قال: رأيت البدن قد قلدت وأشعرت، فما أرى أن يصدوا عن البيت. فقام رجل منهم يقال له :مكرز بن حفص ، فقال :دعونى آتيه، فقالوا: ائته. فلما أشرف عليهم قال النبى ﷺ :((هذا مكرز وهو رجل فاجر))، فجعل يكلم النبى ﷺ فبينما هو يكلمه إذ جاء سهيل بن عمرو، قال معمر: فأخبرنى أيوب ،عن عكرمة : أنه لما جاء سهيل بن عمرو قال النبى ﷺ :((قد سهل لكم من أمركم)). قال معمر :قال الزهرى فى حديثه :جاء سهيل بن عمرو فقال: هات اكتب بيننا وبينكم كتابا ، فدعا النبى ﷺ الكاتب فقال النبى ﷺ اكتب :((بسم الله الرحمن الرحيم)): فقال سهيل :أما الرحمن فوالله ما أدرى ماهى، ولكن اكتب: باسمک اللّهم، كما كنت تكتب. فقال المسلمون :والله لانكتبها إلا بسم الله الرحمن الرحيم . فقال النبى ﷺ: ((اكتب :باسمک اللّهم)). ثم قال: ((هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله))، فقال سهيل: والله لو كنا نعلم أنک رسول الله ما صددناک عن البيت ولا قاتلناک .ولكن اكتب :

محمد بن عبدالله، فقال النبی ﷺ :((واللہ إنی لرسول اللہ وإن کذبتمونی، اکتب: محمد بن عبداللہ)). قال الزهری : وذلک لقوله :((لایسألوننی خطة یعظمون فیها حرمات اللہ إلا أعطیتهم إیاها)). فقال له النبی ﷺ :((علی أن تخلوا بیننا وبین البیت فنطوف به)). فقال سهیل : واللہ لا تتحدث العرب أنا أخذنا ضغطة، ولکن ذلک من العام المقبل، فکتب. فقال سهیل : وعلی أنه لا یأتیک منا رجل وإن کان علی دینک إلا رددته إلینا قال المسلمون: سبحان اللہ، کیف یرد إلی المشرکین وقد جاء مسلما؟ فبینما هم کذلک إذدخل أبوجندل بن سهیل بن عمرو یرسف فی قیوده. وقدخرج من أسفل مکة حتی رمی بنفسه بین أظهرالمسلمین فقال سهیل : هذایا محمد أول من أقاضیک علیه أن ترده إلیّ. فقال النبی ﷺ :((إنا لم نقض الکتاب بعد)). قال: فواللہ إذا لم أصالحک علی شئ أبدا. قال النبی ﷺ : ((فأجزه لی))، قال: ما أنا بمجیر ذلک لک. قال:((بلی فافعل)). قال: ما أنا بفاعل. قال مکرز: بل قد أجزناه لک. قال أبوجندل :أی معشر المسلمین، أرد إلی المشرکین وقد جئت مسلما؟ ألاترون ما قد لقیت ؟ وکان قد عذب عذابا شدیدا فی اللہ ، قال :قال عمربن الخطاب : فأتیت نبی اللہ ﷺ فقلت : ألست نبی اللہ حقا ؟قال :((بلی))، قلت :ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل ؟قال ((بلی))، قلت : فلم نعطی الدنیة فی دیننا إذن ؟قال:((إنی رسول اللہ ولست أعصیه، وهو ناصری)).
قلت: أولیس کنت تحدثنا أنا سنأتی البیت فنطوف به؟قال:((بلی، فأخبرتک أنا نأتیه العام؟)) قال: قلت :لا، قال :((فإنک آتیه ومطوف به)). قال :فأتیت أبا بکر، فقلت: یاأبابکر ،ألیس هذا نبی اللہ حقا، قال: بلی، قلت : ألسنا علی الحق وعدونا علی الباطل ؟قال : بلی ،قلت فلم نعطی الدنیة فی دیننا إذن ؟ قال: أیها الرجل، إنه لرسول اللہ ﷺ ولیس یعصی ربه وهو ناصره ،فاستمسک بغرزه فواللہ انه علی الحق ، قلت: ألیس کان یحدثنا أنا سنأتی البیت فنطوف به ؟قال بلی، أفأخبرک أنک تأتیه العام؟قلت: لا. قال فإنک آتیه ومطوف به. قال: الزهری: قال عمر: فعملت لذلک أعمالا. قال: فلما فرغ من قضیة الکتاب قال رسول اللہ ﷺ لأصحابه:((قوموا فانحروا ثم احلقوا))، قال: فواللہ ماقام منهم رجل حتی قال ذلک ثلاث مرات، فلما لم یقم منهم أحد دخل علی أم سلمة فذکر لها ما لقی من الناس فقالت أم سلمة: یا نبی اللہ، أتحب ذلک؟ اخرج ثم لا تکلم أحدا منهم کلمة، حتی تنحر بدنک، وتدعو حالقک

فيحلقك. فخرج فلم يكلم أحدا منهم حتى فعل ذلك. نحر بدنه، ودعا حالقه فحلقه. فلما رأوا ذلك قاموا فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما. ثم جاء ه نسوة مؤمنات، فأنزل الله تعالىٰ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ﴾ حتى بلغ ﴿بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ فطلق عمر يومئذ امرأتين كانتا له في الشرك. فتزوج إحداهما معاوية بن أبي سفيان، والأخرى صفوان بن أمية. ثم رجع النبی ﷺ إلى المدينة فجاء ه أبو بصير رجل من قريش وهو مسلم، فأرسلوا في طلبه رجلين، فقالوا: العهد الذي جعلت لنا. فدفعه إلى الرجلين، فخرجا به حتى بلغا ذا الحليفة، فنزلوا يأكلون من تمر لهم، فقال أبو بصير لأحد الرجلين: والله إني لأرى سيفك هذا يا فلان جيدا، فاستله الآخر فقال: أجل والله، إنه لجيد، لقد جربت به ثم جربت. فقال أبو بصير: أرني أنظر إليه، فأمكنه منه، فضربه حتى برد وفر الآخر حتى أتى المدينة، فدخل المسجد يعدو، فقال رسول الله ﷺ حين رآه: ((لقد رأى هذا ذعرا))، فلما انتهى إلى النبی ﷺ قال: قتل صاحبي وإني لمقتول. فجاء أبو بصير فقال: يا نبي الله قد والله أوفى الله ذمتك، قد رددتني إليهم ثم أنجاني الله منهم. قال النبی ﷺ: ((ويل أمه مسعر حرب لو كان له أحد)). فلما سمع ذلك عرف أنه سيرده إليهم، فخرج حتى أتى سيف البحر، قال: وينفلت منهم أبو جندل بن سهيل فلحق بأبي بصير، فجعل لا يخرج من قريش رجل قد أسلم إلا لحق بأبي بصير حتى اجتمعت منهم عصابة، فوالله ما يسمعون بعير خرجت لقريش إلى الشام إلا اعترضوا لها فقتلوهم وأخذوا أموالهم. فأرسلت قريش إلى النبی ﷺ تناشده الله والرحم لما أرسل: فمن أتاه فهو آمن، فأرسل النبی ﷺ إليهم فأنزل الله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ حتى بلغ ﴿الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ كانت حميتهم أنهم لم يقروا بسم الله الرحمٰن الرحيم. وحالوا بينهم وبين البيت. [راجع: ۱۶۹۴، ۱۶۹۵]

قال أبو عبد الله: ﴿مَعَرَّةٌ﴾ (العر: الجرب، ﴿تَزَيَّلُوا﴾: تميزوا، وحميت القوم: منعتهم حماية، واحميت الحمى. [1]

---

[1] كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، رقم: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، صحيح البخاری، ج: ۱، ص: ۳۷۷، انعام الباری، ج: ۷، ص: ۳۸۵

تشریح

اس حدیث کو یہاں اس لئے لائے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ جہاد کے اندر معاہدات کس طرح کئے جاسکتے ہیں اور اہل حرب کے ساتھ مصالحت کس طرح ہوتی ہے اور کس طرح شروط لکھے جاتے ؟

تو اس میں روایت نقل کی "اخبرنی...... عروۃ بن زبیر ﷺ الخ" امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے عروۃ بن زبیر ﷺ نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم دونوں نے یہ روایت بیان کی ہے، "**یصدق کل واحد منهما حدیث صاحبه**" ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی حدیث کی تصدیق کرتا ہے۔

"**خروج رسول اللہ ﷺ زمن الحدیبیة ...... ببعض الطریق**" آپ حدیبیہ کے زمانے میں جب روانہ ہوئے ابھی راستے میں تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خالد بن ولید، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، غمیم کے مقام پر قریش کے گھوڑوں کے ایک لشکر کے ساتھ طلیعہ کے طور پر موجود ہے۔

"**قال النبی ﷺ : ((ان خالد بن الولید بالغمیم ...... طلیعة فخذوا ذات الیمین))**" واقعہ یہ تھا کہ جب آپ ﷺ سفر کیلئے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ کے قریب دو تین مرحلے کے فاصلہ پر پہنچے، اس وقت آپ ﷺ کو جاسوس نے یہ اطلاع دی کہ قریش مکہ ایک بڑا لشکر لے کر ذوطوی کے مقام پر جمع ہو گئے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکیں۔ آپ ﷺ کو ساتھ ساتھ یہ اطلاع ملی کہ ان کا ہراول دستہ یعنی مقدمۃ الجیش خالد بن الولید کی سرکردگی میں غمیم کے مقام پر جمع ہے تو آپ ﷺ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا کہ خالد بن الولید غمیم کے مقام پر قریش کے کچھ لشکر کے ساتھ موجود ہیں، ہمارا مقصد چونکہ لڑنا نہیں ہے لہٰذا بجائے اس کے کہ مقابلہ کریں ان سے دائیں طرف کا راستہ لے کر نکل چلو۔ یہ بات واضح رہے کہ خالد بن ولید اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

طلیعہ کا مطلب

طلیعہ جاسوس کو کہتے ہیں، جو دشمن کی خبر لے کر آتا ہے۔ تو قریش کو پتہ چل گیا تھا کہ رسول کریم ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے ہیں اور حضرت خالد بن ولید کو بطور طلیعہ خبر معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

"**فواللہ ماشعر بهم خالد ...... یرکض نذیراً لقریش**" تو اللہ کی قسم حضرت خالد کو پتہ ہی نہیں لگا کہ حضور ﷺ نے راستہ بدل دیا تھا یہاں تک ان کو اچانک لشکر کا غبار اڑتا ہوا نظر آیا، تو جب غبار نظر آیا تو دوڑتے ہوئے قریش کے پاس گئے اور کہا کہ حضور اکرم ﷺ اتنے سارے آدمیوں کو لے کر تشریف لائے ہیں،

"وسار النبی ﷺ حتی کان ...... برکت به راحلته" نبی کریم ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اس گھاٹی پر پہنچے کہ جہاں سے اہل مکہ کے اوپر اس گھاٹی سے اترا جاتا تھا، یعنی ایک گھاٹی تھی کہ اس کے اوپر چڑھ کہ جب وہاں سے اترتے تو مکہ مکرمہ سامنے ہوتا تھا، جب وہاں پہنچے تو اچانک آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔

"فقال الناس: حل حل ...... خلأت القصواء" اونٹوں کو چلانے کے لئے لوگ حل حل کی آوازیں نکالتے تھے یعنی یہ کلمہ اونٹنی کو اٹھانے کیلئے اور چلانے کیلئے کہا جاتا تھا، تو وہ اونٹنی اس وقت اَڑ گئی تھی، تو لوگوں نے کہا کہ قصواء اڑ گئی، قصواء اڑ گئی۔ آپ ﷺ کی اونٹنی کا نام قصواء تھا۔ [۲]

"فقال النبی ﷺ: ((ما خلأت القصواء ...... حبسها حابس الفیل" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا قصواء اڑی نہیں اور یہ اس کی عادت بھی نہیں، یعنی کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضور ﷺ کی اونٹنی تھی اور جب سے آپ ﷺ کے پاس تھی، کبھی بھی نبی کریم صلی ﷺ کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا کہ بلا وجہ چلنے سے انکار کر دے، فرمایا کہ یہ اَڑی نہیں اور یہ اس کی عادت بھی نہیں ہے، لیکن اس کو اسی روکنے والے نے روک لیا ہے جس نے اصحاب الفیل کو روکا تھا۔

"حابس الفیل" کہنے کی وجہ

جب ابرہہ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے ہاتھیوں پر مشتمل لشکر کے ہمراہ مکہ مکرمہ کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے فیل یعنی ہاتھیوں کے لشکر کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا تو اس وقت قصواء اونٹنی کا رک جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

یہ گویا ایک طرح سے اس بات کا غیبی اشارہ تھا کہ اگر اس موقع پر مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے آپ لوگوں کو روک دیا جائے تو اس سے رنجیدہ ہونے کی بات نہیں۔ [۳]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی اشارہ تھا اس بات کا کہ عین ممکن ہے کہ اس مرتبہ مکہ مکرمہ میں آپ داخل نہ ہو سکیں اور اگر ایسا ہوگا تو یہ من جانب اللہ ہوگا اس پر رنجیدگی کی ضرورت نہیں۔

---

[۲] ((والقصواء)) بفتح القاف وسکون الصاد المهملة وبالمد: اسم ناقة رسول الله صلى الله عليه وسلم . عمدة القارى، ج:۱۴، ص:۱۱

[۳] ((حابس الفيل عن مكة))، أى: حبسها الله عزوجل عن دخول مكة كما حبس الفيل عن دخول حين جىء به لهدم الكعبة. عمدة القارى، ج:۱۴، ص:۱۱

صلح کے لئے طبعی رجحان

"ثم قال: ((والذی نفسی بیده لایسألوننی ...... أعطیتهم ایاها" جب یہ بات ہوگئی کہ اونٹنی رک گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ مشرک لوگ مجھ سے نہیں مانگیں گے کوئی ایسا عمل جس میں کہ تعظیم ہوتی ہو حرمات اللہ کی مگر میں ان کو دے دوں گا، یعنی اپنا یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ اگر کوئی مصالحت کی بات کریں گے اور مصالحت کی بات کرنے میں بشرطیکہ اللہ کی حرمات کی تعظیم کے خلاف کوئی بات نہ ہو تو میں اس کو قبول کرلوں۔

"ثم زجرها فوثبت" جب آپ ﷺ نے یہ ارادہ لفظوں میں ظاہر فرمایا کہ میرا لڑنے کا ارادہ نہیں ہے اور پھر اس کے بعد اونٹنی کو اٹھایا تو وہ کود کر کھڑی ہوگئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے یہی منظور تھا کہ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام ؓ کے سامنے یہ اعلان فرمادیں کہ میں کسی لڑائی وغیرہ پر اصرار نہیں کروں گا بلکہ اگر کوئی مصالحت کی بات ہوگی جس میں حرمات اللہ کی تعظیم کے خلاف کوئی چیز نہ ہو تو میں اس پر عمل کروں گا۔

"قال: فعدل عنهم حتی نزل باقصی الحدیبیة ...... یتبرضه الناس تبرضا" تو اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ان لوگوں سے کنارہ کشی کی جن کا مقابلہ پر آنے کا خیال تھا، یہاں تک کہ آپ حدیبیہ کے انتہائی کنارے پر جا کر اترے، ایک چھوٹے سے کنویں پر جس میں پانی بہت کم تھا، جس میں سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی لے رہے تھے کنواں چھوٹا سا تھا اور پانی اس میں کم تھا۔

"فلم یلبثه ...... الی رسول اللہ ﷺ العطش" تو ابھی لوگوں نے زیادہ دیر نہیں گذاری تھی کہ اس کو کھینچ ڈالا یعنی تھوڑی سی دیر میں اسکا سارا پانی نکال لیا، کیونکہ پانی تھا ہی تھوڑا، لوگ تھوڑا تھوڑا کر کے لے رہے تھے اور لشکر بڑا تھا، تو جلدی ہی وہ پانی ختم ہوگیا تو لوگوں نے آپ ﷺ کے سامنے پیاس کی شکایت کی۔

"فانتزع سهما ...... أن یجعلوه فیه" تو آپ ﷺ نے اپنے تیر کش میں سے ایک تیر نکالا، اور صحابہ کرام ؓ کو حکم دیا کہ یہ تیر اس کنویں میں ڈال دیں۔

"فواللہ مازال یجیش ...... صدروا عنه" اللہ کی قسم! وہ خشک کنواں تیر ڈالنے کے بعد جوش مارتا رہا ان کیلئے سیرابی کے ساتھ یعنی جوش کے ساتھ کنویں میں خوب پانی پھینکتا رہا، یہاں تک کہ صحابۂ کرام ؓ وہاں سے واپس چلے گئے۔

"فبینما هم کذلک اذجاء بدیل ورقاء ...... وکانوا عیبة نصح رسول اللہ ﷺ من

اهل تهامة" ابھی اسی حالت میں وہ تھے کہ بدیل بن ورقاؑ خزاعی جو بنوخزاعہ کے سردار تھے وہ اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ آئے۔

یہ خزاعہ کا قبیلہ اگرچہ اس وقت مسلمان تو نہیں ہوا تھا اور حضور اقدس ﷺ کا باقاعدہ حلیف تو بعد میں بنا لیکن رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک ہمدردی رکھتا تھا، ہمدردی بھی ایسی رکھتا تھا کہ بسا اوقات حضور اکرم ﷺ کے جنگوں میں مختلف طریقوں سے مدد بھی کیا کرتا تھا، تو جب اس نے یہ بات سنی کہ حضور اکرم ﷺ تشریف لا رہے ہیں اور ساتھ میں کفار کا موڈ دیکھا کہ وہ اندر جانے سے منع کر رہے ہیں تو یہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے، اور اہل تہامہ میں سے یہ رسول کریم ﷺ کے خیر خواہ لوگ تھے۔

"عيبة" کا معنی اور مراد

"عيبة" اصل میں گٹھڑی کو کہتے ہیں۔ انسان جس میں مال واسباب رکھتا ہے، لیکن جب محاورۃ **"عيبة نصح"** ہو تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی کے خیر خواہ ہوتے ہیں، اور یہ اہل تہامہ سے تھے۔ [٤]

تہامہ

تہامہ اس وادی کو کہتے ہیں جو مکہ مکرمہ کے پہاڑوں اور سمندر کے درمیان واقع ہے، جدہ بھی اسی میں شامل ہے، یہ وادی تہامہ کہلاتی ہے اور بنوخزاعہ کا تعلق تہامہ سے تھا، یہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے۔ [٥]

"فقال: انی ترکت کعب بن لؤی وعامر لؤی ...... وصادوک عن البیت" انہوں نے کہا کہ میں کعب بن لوی اور عامر بن لوی کو چھوڑ کر آیا ہوں، یہ سب قریش کے قبیلہ کے لوگ تھے ان لوگوں کو میں چھوڑ کر آیا ہوں، کہ ان دونوں قبیلے کے لوگ حدیبیہ کے پانیوں کے متعدد کنویں پر جا کر اتر گئے ہیں یعنی حدیبیہ کے جو مختلف کنویں ہیں ان کنوؤں پر جا کر انہوں نے پہلے سے قبضہ کر لیا ہے اور ان کے ساتھ بڑے عظیم لشکر ہیں اور ان کے پاس دودھ دینے والی اور بچے دینے والی اونٹنیاں ہیں، وہ آپ ﷺ سے لڑنے والے ہیں اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے والے ہیں یعنی آپ کو جانے نہیں دیں گے۔

---

[٤] العيبة، بفتح العين المهملة وسكون الياء آخر الحروف وفتح الباء الموحدة، وهي في الأصل مايوضع فيه لباب لحفظها، والمراد بها هنا: محل نصحه وموضع أسراره. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۱۳

[٥] وتهامة، بكسر التاء المثناة من فوق: وهي مكة وماحولها من البلدان. وحدها من جهة المدينة العرج، ومنتهاها الى اقصى اليمن. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۱۳

"عوذ" "عائذ" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں دودھ دینے والی اُونٹنیاں۔

"مطافیل" وہ اُونٹنیاں جن کے ساتھ بچے ہوں۔

بعض حضرات نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ "مطافیل" سے مراد عورتیں ہیں کہ عورتیں بچوں والیاں تھیں۔ مقصد یہ ہے کہ قریش اپنے بچے والی عورتوں کو بھی لیکر آ گئے اور ان کا یہ لیکر آنا اس بات کی علامت ہے کہ بہت جم کر لڑائی کرنے کا ارادہ ہے ورنہ عورتوں کو گھروں میں چھوڑ کر آتے۔ [۵]

"فقال رسول الله ﷺ: ((انا لم نجیء ...... جئنا معتمرین" تو آپ ﷺ نے ان کی بات سن کر فرمایا کہ ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ ہم لوگ تو عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں۔

"وانّ قریشاً قد نهکتهم ...... ویخلوا بینی وبین الناس" اور قریش کو جنگ نے کمزور کر دیا ہے اور ان جنگوں نے خود کو نقصان پہنچایا ہے۔ ہر سال جنگ ہو رہی ہے اور جنگ کی وجہ سے ان کی معاشی حالات بھی خراب ہیں، ویسے بھی کمزور ہو گئے ہیں اور ان کو نقصان پہنچایا ہے، تو اگر وہ چاہیں تو میں ان کے ساتھ ایک مدت تک صلح کر سکتا ہوں، اور وہ مجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیں معنی یہ ہے کہ قریش کے لوگ تو صلح کر لیں اور باقی جو قبائل عرب ہیں ان کے ساتھ مجھے چھوڑ دیں کہ میں ان سے نمٹتا رہوں۔

"فان أظهر، فان شاؤا أن ...... والّا فقد جمّوا" اور اگر میں دوسرے قبائل عرب پر غالب آ گیا، تو اگر وہ چاہیں تو وہ لوگ بھی داخل ہو جائیں جیسے کہ دوسرے لوگ داخل ہوئے یعنی وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں اور اگر ان کا ارادہ پھر بھی نہ ہو تو پھر وہ آرام کر چکے ہوں گے، میں ان کو ایسی بات بتا رہا ہوں جو انکے فائدہ کی ہے کہ کچھ عرصہ تک ہمارے ساتھ صلح اور جنگ بندی کر لیں اور ہمیں دوسرے قبائل کے ساتھ چھوڑ دیں۔ میں اگر دوسرے قبائل پر غالب آ جاتا ہوں اور غالب آ کر وہ لوگ میرے ساتھ آ جاتے ہیں تو اب پھر ان کو اختیار ہو گا چاہے تو میرے ساتھ شامل ہو جائیں اور چاہے تو آرام کر چکے ہوں گے یعنی ان کو کھلی فیاضانہ پیشکش ہے کہ وہ میرے ساتھ یہ معاملہ کر لیں۔

"وان هم ابوا فوالذی نفسی بیده ...... ولینفذن الله أمره" اگر انہوں نے پھر بھی انکار کیا اور میرے ساتھ صلح کرنا گوارا نہیں کی تو قسم اس ذات کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ان سے اس معاملہ

---

[۵] العوذ بضم المهملة وسكون الواو بعدها معجمة جمع عائذ وهي الناقة ذات اللبن، والمطافيل الأمهات اللاتي معها أطفالها، يريد أنهم خرجوا معهم بذوات الالبان من الابل ليتزودوا بألبانها ولا يرجعوا حتى يمنعوه، أو كنى بذلك عن النساء معهم الاطفال، والمراد أنهم خرجوا معهم بنسائهم وأولادهم لارادة طول المقام وليكون أدعى الى عدم الفرار، ويحتمل ارادة المعنى الأعم. فتح الباری، ج:۵، ص: ۳۳۸

پر لڑتا رہوں گا یہاں تک کہ میری گردن الگ ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ کو یعنی اپنے حکم کو نافذ کر کے رہے گا۔

"تنفرد سالفتی" کا مفہوم

"حتی تنفرد سالفتی"۔ "سالفۃ" اصل میں گردن کو کہتے ہیں، **"تنفردہ"** کے معنی ہیں کہ منفرد ہو جائے یعنی الگ ہو جائے، یہ قتل سے کنایہ ہے۔ اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں اور قتل ہو جاؤں اور میری گردن بھی الگ ہو جائے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تنہا بھی ہو جاؤں اور کوئی ایک بھی میرا ساتھ نہ دے تو تب بھی میں اس دین کے لئے جہاد و قتال کرتا رہوں گا۔ [۷]

کیا عجیب کلام ہے ایک طرف پیشکش بھی ہے اور ان کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا معاملہ بھی ہے اور ساتھ ساتھ اپنے مؤقف پر جماؤ بھی ہے۔

"فقال بدیل: سأبلغهم ماتقول" تو آپ ﷺ کا مؤقف سن کر بدیل نے کہا کہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے قریش کو آپ کا یہ پیغام پہنچادوں گا۔

"قال: فانطلق حتی أتی قریشاً ...... ان نعرضه علیکم فعلناه" تو وہ گئے یہاں تک کہ وہ قریش کے پاس آئے اور قریش سے کہا کہ ہم تم لوگوں کے پاس اس آدمی کے پاس سے آئے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے آئے ہیں اور ہم نے ان سنا کہ وہ ایک بات کہتے ہیں، اگر تم چاہو تو تمہارے سامنے وہ بات پیش کر دوں۔

"قال سفهاؤهم: لاحاجة ...... عنه بشیء" تو جو لوگ بیوقوف اور جوشیلے تھے انہوں نے کہا کہ ہمیں ان کی کوئی بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔

"وقال ذوو الرأی منهم: هات ...... فحدثهم بما قال النبی ﷺ" لیکن جو ذورائے لوگ تھے یعنی سمجھدار لوگ تھے انہوں نے کہا ارے بھی! ٹھیک ہے بتاؤ جو کچھ ان کو کہتے ہوئے سنا ہے۔

---

[۷] قوله: ((حتی تنفرد سالفتی)) بالسین المهملة وکسر اللام أی: حتی ینفصل مقدم عنقی، أی: حتی القتل. وقال الخطابی: أی: حتی یبین عنقی، والسالفة مقدم العنق، وقیل: صفحة العنق. وفی ((المحکم)): السالفة أعلی العنق. وقال الداودی: المراد الموت، أی: حتی أموت وأبقی منفرداً فی قبری. عمدة القاری، ج:۱۴، ص:۱۴، وفتح الباری، ج:۵، ۳۳۸

بدیل بن ورقہ نے کہا کہ میں نے ان کو یہ بات کہتے ہوئے سنا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ ان کے سامنے بیان کر دیا کہ وہ پیشکش کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنے اس عزم کا بھی اظہار کر رہے ہیں۔

" فقام عروة بن مسعود ...... قال: تتهموني؟ " عروۃ بن مسعود کھڑے ہوئے اور قریش والوں سے کہا کہ کیا تم لوگ میرے لئے اولاد جیسے نہیں ہو؟ اور میں تمہارے لئے باپ جیسا نہیں ہوں؟ تو سب نے کہا کہ کیوں نہیں! پھر اس نے کہا کہ کیا تم مجھے متہم کرتے ہو کہ میں تمہاری بدخواہی کروں گا؟ اس نے ایسا اس لئے کہا کہ اس کی والدہ کا تعلق قریش سے تھا۔ ۸

"قالوا: لا، قال: ألستم تعلمون ...... وولدي ومن أطاعني؟" انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ہمارے ساتھ بدخواہی نہیں کر سکتے۔ پھر عروۃ بن مسعود نے کہا کہ کیا تمہیں یہ بات معلوم نہیں ہے کہ میں نے اہل عکاظ کو نفیر پر آمادہ کیا تھا پھر جب انہوں نے مجھ پر سختی کی اور میری بات نہیں مانی تو میں اپنے اہل و عیال کو اور مطیع لوگوں کو لے کر تمہارے پاس آ گیا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہے تھے کہ یہ عروۃ بن مسعود ثقفی بنو ثقیف کے ہیں، قریش میں سے نہیں ہے اور طائف کے رہنے والے ہیں۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ انہوں نے اپنی قوم عکاظ کے لوگوں کو آمادہ کیا تھا کہ چلو قریش کی مدد کریں لیکن قریش کی مدد کرنے کے لئے ان کی قوم آمادہ نہیں ہوئی تو یہ ان کے انکار کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر قریش کے پاس آ گئے تھے، تو اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

"قالوا: بلی، قال: فان هذا قد عرض لكم خطة رشد...... قالوا: ائته" قریش نے کہا کہ کیوں نہیں، ایسا ہی ہے، تو عروۃ بن مسعود نے کہا کہ انہوں نے یعنی نبی کریم ﷺ نے تمہارے سامنے ایک ہدایت کے راستہ کی پیشکش کی ہے، یعنی سمجھ کی بات کی، تم اس کو قبول کر لو تمہارے حق میں بہتر ہوگا یعنی مصالحت کر لو، اور مجھے موقع دو کہ میں حضور ﷺ کے پاس جاؤں۔ تو انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم جا کر بات کرو۔ ۹

"فأتاه فجعل يكلم النبي ﷺ ...... قوله لبديل" عروۃ آپ ﷺ کے پاس آئے، تو آپ ﷺ نے ان سے وہی بات کی جو بدیل سے کہی تھی۔

---

۸ وزاد ابن اسحاق عن الزهري أن أم عروة هي سبيعة بنت عبد شمس بن عبد مناف، فأراد بقوله: ((ألستم بالوالد)) انكم حي قد ولدوني في الجملة لكون أمي منكم. وجرى بعض الشراح على ماوقع في رواية أبي ذر فقال: أراد بقوله ((ألستم بالولد)) أن انتم عندي في الشفقة والنصح بمنزلة الولد. فتح الباري، ج: ۹، ۳۳۹

۹ قوله: ((خطة رشد)) بضم الخاء المعجمة وتشديد الطاء المهملة، والرشد، بضم الراء وسكون الشين المعجمة وبفتحها أي: خصلة خير وصلاح وانصاف. عمدة القاري، ج: ۱۴، ص: ۱۵

"فقال عروة عند ذلک: ای محمد ...... اجتاح أهله قبلک؟" تو عروہ نے اس موقع پر کہا کہ اے محمد! مجھے ذرا بتاؤ کہ تم اپنے قوم کی بیخ کنی کردو گے، سارے انسانوں کو ختم کردو گے۔ کیا آپ نے اپنے سے پہلے عرب کے کسی آدمی کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے اپنی اصل ہی کو ختم کردیا ہو؟ آپ اگر سب کو ختم کردیں اور ان کو تلوار سے ہلاک کردیں تو کیا عرب کے کسی آدمی نے اس سے پہلے کبھی اپنے خاندان کے لوگوں کو اس طرح ہلاک کیا ہے؟ اگر آپ سب لوگوں کو ختم کردیں اور سارے خاندان کو ختم کردیں تو اس کا کیا فائدہ ہوگا؟۔

"وان تکن الاخری ...... خلیقاً أن یفروا ویدعوک" اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہوا یعنی قریش کے لوگ جنگ میں غالب آگئے۔ پھر اس کے بعد اس نے صحابہ کرام ﷺ کی طرف اشارہ کرکے کہا تو اللہ کی قسم میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں جو مختلف قبیلوں اور مختلف علاقوں کے لوگ دیکھ رہا ہوں، وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ بھاگ جائیں اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آپ غالب آگئے اور ساری اپنی قوم کو ختم کردیا تو یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہوگی کیونکہ عرب میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی شخص نے اپنے ہی خاندان کے لوگوں کو ختم کردیا ہو، اور اگر وہ یعنی مشرکینِ قریش غالب آگئے تو آپ تنہا رہ جائیں گے اس واسطے کہ جو لوگ آپ کے سامنے نظر آرہے ہیں اور آپ کے ساتھی ہیں یہ سب لوگ آپ کو چھوڑ کے بھاگ جائیں گے اور آپ تنہا رہ جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی غیرت ایمانی

"فقال له ابوبکر ﷺ: امصص بظر اللات، أنحن نفر عنه وندعه؟" حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جواب میں اس موقع پر ایسے الفاظ استعمال کئے جو مغلظ گالی کے الفاظ سمجھے جاتے ہیں کہ تو جا کر لات کی بظر کو چوس، کیا ہم ان کو چھوڑ کر فرار ہو جائیں گے اور تنہا چھوڑ دیں گے؟ یعنی ہم تجھے ایسے لگتے ہیں کہ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، ہمیں یہ طعنہ دیتا ہے۔

"لات" ان کے بت کا نام ہے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹی ہے ۔ **نعوذ باللہ**۔ اسلئے مؤنث کی شکل میں تھا تو اس کی شرمگاہ بھی تھی تو کہا کہ اس کو جا کے چوس، تو یہ بڑی مغلظ قسم کی گالی دی۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ سے یہ بات برداشت نہ ہوئی کہ عروہ بن مسعود نبی کریم ﷺ کے جانثار صحابہ کرام ﷺ کو اس طرح سے بزدلی کا طعنہ دے اور نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر بھاگنے والا کہے، اس لئے اتنے شدید الفاظ استعمال کئے اور شاید ساری زندگی میں کسی کو ایسی گالی نہ دی ہوگی۔

معلوم ہوا کہ ایسے شدید موقع پر صدیق اکبر ؓ جیسا نرم خو انسان کا اس قسم کا جملہ استعمال کرنا بھی گویا بعض اوقات اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ اس کے بغیر کلام میں تاکید پیدا نہیں ہوتی۔ [۱۰]

"فقال: من ذاک؟ قالوا: أبوبکر" عروہ نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ جو مجھے اس طرح گالی دے رہا ہے؟ تو لوگوں نے کہا یہ ابوبکر ہیں۔

"قال: أما والذی نفسی بیده ...... لم أجزک بها لأجبتک" تو اس نے کہا کہ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تیرا مجھ پر ایک احسان نہ ہوتا جس کا میں ابھی تک بدلہ نہیں چکا سکا تو اس گالی کا جواب دیتا۔

عبرت کی بات

عروۃ بن مسعود پر دیت آگئی تھی تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں اس کی مدد کی تھی تو باوجود کافر ہونے کے اس احسان کو مان رہے کہ میرے ساتھ احسان کیا ہے اس لئے میں کوئی جواب نہیں دوں گا۔ [۱۱]

دیکھیں عبرت کی بات ہے کہ مشرک، کافر ہے لیکن احسان کو ماننا اور اسکی وجہ سے محسن کی رعایت کرنا، یہ گھٹی میں پڑا ہوا ہے، اہل عرب کے یہی ملکات تھے جس کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کو اہل عرب میں مبعوث کیا گیا۔

"قال: وجعل یکلم النبی ﷺ ...... ومعه السیف وعلیه المغفر" حضور ﷺ سے وہ باتیں کرتا جب بھی وہ کوئی بات کرتا تو نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک کو پکڑتا، اہلِ عرب کا باتیں کرنے میں یہ طریقہ ہوتا تھا کہ بات کرنے کے دوران بار بار داڑھی کو پکڑ لیتے تھے، جب عروۃ بن مسعود نبی کریم ﷺ سے بات چیت کر رہا تھا تو اس وقت حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ تلوار لئے نبی کریم ﷺ کے سر کی جانب کھڑے تھے اور انہوں سر پر خود بھی پہن رکھا تھا۔

---

[۱۰] وقال ابن التین: هی کلمة تقولها العرب عند الذم والمشاتمة، لکن تقول: بظر أمه، واستعار ابوبکر رضی الله عنه، ذلک فی اللات لتعظیمهم اياها، وحمل أبابکر علی ذلک ما أغضبه بن من نسبة المسلمین الی الفرار. عمدة القاری، ج:۱۴، ص:۱۶

[۱۱] أن عروة کان تحمل بدية فأعانه فيها أبوبکر ؓ، بعون حسن، وفی رواية الواقدی: عشر قلائص. عمدة القاری، ج:۱۴، ص:۱۶

"فکلما أهوی عروۃ بیدہ ...... اخر یدک عن لحیۃ رسول اللہ ﷺ" جب بھی بات کرتے ہوئے عروۃ نبی کریم ﷺ کی داڑھی مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار کو اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے، اور اس کو کہتے کہ اپنے ہاتھ کو رسول اللہ ﷺ کی داڑھی سے دور رکھو۔

"فرفع عروۃ رأسہ ...... أسعی فی غدرتک؟" عروہ نے سر اٹھایا اور پوچھا کہ یہ کون ہے جو میرے ساتھ یہ معاملہ کر رہا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ مغیرہ بن شعبہ ہیں، عروہ بن مسعود نے کہا کہ اے غدار! کیا میں نے غداری کے معاملہ میں تیرے لئے کوشش نہیں کی تھی، یعنی تیری غداری کے وقت تجھ کو بچانے کیلئے مدد کی تھی؟

اور پھر اس کا پس منظر بتاتے ہیں "وکان المغیرۃ صحب قوماً ...... ثم جاء فأسلم" جاہلیت میں ایک قوم کے ساتھ گئے تھے، پھر ان لوگوں کو قتل کر دیا تھا اور ان کا مال لے کر آ گئے تھے، پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے تھے اور اسلام قبول کر لیا تھا تو اس سلسلے میں عروۃ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی تھوڑی سی مدد کی تھی تو اس کی طرف اشارہ کیا۔

غداری کا واقعہ

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جاہلیت کے زمانہ میں کچھ لوگ مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے تھے مغیرہ بن شعبہ بھی ان میں شامل تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، تو شاہ مصر نے ان لوگوں کو کچھ ہدیہ دیئے دوسرے لوگوں کو زیادہ ملے اور مغیرہ بن شعبہ کو کچھ کم دیئے۔ جب واپس آ رہے تھے تو واپسی میں ایک جگہ قیام کیا اور وہاں ساتھی شراب پی کر سو گئے تو اس حالت میں مغیرہ بن شعبہ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کا جو مال لے کر چلے آئے۔

جن لوگوں کو قتل کیا اور جن کا مال چھینا گیا تھا ان لوگوں کے ورثاء و قبیلے والوں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا ارادہ کیا تو عروہ بن مسعود ثقفی نے انکی مدد کی یعنی کہ ان آدمیوں کی دیت دیکر معاملہ رفع دفع کیا تھا۔ [۲۱]

---

[۲۱] وبیانہ ماذکرہ بن هشام، وهو: أنه خرج مع ثلاثة عشر نفرا من ثقيف من بني مالک، فغدر بهم فقتلهم وأخذ أموالهم، فتهايج الفريقان: بنو مالک والأحلاف رهط المغيرة، فسعى عروة بن مسعود۔ عم المغيرة۔ حتى أخذوا منه دية ثلاثة عشر نفسا واصطلحوا، وذكر الواقدي القصة، وحاصلها: أنهم كانوا خرجوا زائرين المقوقس بمصر فأحسن إليهم وأعطاهم وقصر بالمغيرة، فحصلت له الغيرة منهم، فلما كانوا بالطريق شربوا الخمر، فلما سكروا وناموا وثب المغيرة فقتلهم ولحق بالمدينة فأسلم. عمدة القاري، ج:۱۲، ص: ۱۷، وفتح الباري، ج:۵، ص: ۳۴۱

پھر آگے فرماتے ہیں جب حضرت مغیرہ بن شعبہ اسلام لے آئے تو "فقال النبی ﷺ: ((اما الاسلام فاقبل وأما المال فلست منه فی شیء))" نبی کریم ﷺ نے ان سے کہا کہ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے، وہ تو میں قبول کرلوں گا، لیکن اگر مال کی بات ہے تو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مال دھوکہ اور دغاء سے لیا گیا تھا۔ [۳۱]

صحابۂ کرام ﷺ کی والہانہ عقیدت ومحبت اور جانثاری

"ثم ان عروة جعل یرمق أصحاب النبی ﷺ بعینیه" پھر عروۃ بن مسعود ثقفی نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ کو اپنی آنکھوں سے مسلسل ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگے۔

"قال: فواللہ ماتنخم ...... فدلک بها وجهه وجلده" راوی کہتے ہیں کہ اس نے یہ حال دیکھا کہ آپ ﷺ تھوکتے تو صحابہ اس کو زمین پر نہ گرنے دیتے بلکہ وہ کوئی نہ کوئی صحابی اپنے ہاتھ میں لے لیتا جو وہ اپنے چہرے یا بدن پر مل لیتا یعنی رسول اللہ ﷺ کے لعاب دہن کو بھی لوگ ہاتھ میں لے لیتے۔

"واذا أمرهم ابتدروا ...... كادو یقتتلون علی وضوئه" جب کبھی آپ ﷺ حکم دیتے تو فوراً آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے اور جب حضور اقدس ﷺ وضو فرماتے تھے تو قریب تھا کہ لوگ ﷺ کے بچے ہوئے پانی پر لڑ پڑتے کہ کسی طرح پانی ہمیں مل جائے اور ہم اس سے تبرک حاصل کریں۔

"واذا تکلموا خفضوا أصواتهم ...... الیه تعظیما له" اور نبی کریم ﷺ کوئی بات ارشاد فرماتے تو ایک سناٹا طاری ہوجاتا اور آپ ﷺ کی طرف تعظیم اور ادب کی وجہ سے ٹکٹکی باندھ کر نہیں دیکھتے تھے۔

گویا کہ بزبانِ حال یہ عروہ کی اس بدگمانی کا جواب تھا جو اس نے ابتداء میں آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ ﷺ کے متعلق ظاہر کی تھی کہ اگر قریش کو غلبہ ہوگیا تو یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

اخلاص وعقیدت محبت وعظمت اور جانثاری وفداکاری کا حیرت انگیز منظر عروہ کی صحابۂ کرام ﷺ سے بدگمانی کا شافی وکافی جواب تھا کہ جن کی شیفتگی، وارفتگی اور محبت وعقیدت کا یہ حال ہو بھلا وہ کیسے بھاگ سکتے ہیں۔

---

[۳۱] ((أما المال فلست منه فی شیء)) یرید: فی حل، لأنه علم ان اصله غصب، وأموال المشرکین، وان کانت مغنومة عندالقهر، فلا یحل اخذها عند الأمن، فاذا کان الانسان مصاحباً لهم فقد امن کل واحد منهم صاحبه، فسفک الدماء واخذ الأموال عند ذلک غدر، والغدر بالکفار وغیرهم محظور. عمدة القاری، ج:۱۴، ص:۱۷ وفتح الباری، ج:۵، ص:۳۴۱

"فرجع عروة إلى أصحابه ...... على قيصر و كسرىٰ و النجاشي" میں عروہ جب اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گئے تو ان سے کہا کہ اے قوم اللہ کی قسم! میں نے قیصر وکسریٰ، نجاشی اور بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار میں وفد لے کر گیا ہوں۔

"والله ان رايت ...... أصحاب محمد ﷺ محمداً" اللہ کی قسم! میں نے کسی بھی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسے کہ اصحاب محمد ﷺ ان کی تعظیم واکرام کرتے ہیں۔

یہاں "ان" نافیہ ہے۔

"والله ان يتنخم نخامة ...... فما يحدون اليه تعظيما له" یہ پھر سب کچھ دیکھا تھا وہ ساری باتیں آکر قریش کے لوگوں کو بتائی۔

"وانه قد عرض عليكم ...... دعوني آته، فقالوا: ائته" اور انہوں نے تمہارے سامنے ایک سمجھ کی تجویز پیش کی ہے۔ "خطة" یعنی طریقۂ عمل، ایسا طریقۂ عمل کہ جس میں رشد ہے یعنی جس میں بھلائی ہے، لہٰذا تم اس کو قبول کرلو۔ تو بنو کنانہ کے ایک شخص نے کہا کہ اچھا مجھے بھی جانے دو میں حضور ﷺ کے پاس جا کر بات کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تم چلے جاؤ۔

"فلما أشرف على النبی ﷺ و أصحابه" جب وہ شخص حضور ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ کے پاس آیا۔

"قال رسول الله ﷺ: ((هذا فلان ...... فابعثوها))" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ فلاں شخص ہے اور یہ ایسے لوگ ہیں ایسے قبیلہ سے ان کا تعلق ہے کہ جو جانور قربانی کے لئے حرم جاتے ہیں یہ لوگ اس کی بڑی تعظیم کرتے ہیں، لہٰذا اس کے سامنے اپنے قربانی کے جانور کر دو تا کہ ان کو دیکھ کر اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ یہ قربانی کے جانور لائے ہیں اس لئے ان کی تعظیم کرنی چاہیے۔

"فبعثت له، واستقبله الناس يلبون" تو صحابۂ کرام ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے کر دیا اور تلبیہ پڑھتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

"فلما رأى ذلك قال: سبحان الله ...... عن البيت" تو جب اس نے دیکھا کہ یہ لوگ تو عمرہ کرنے کی غرض سے آئے ہیں تو کہا کہ سبحان اللہ! اُن لوگوں یعنی قریش کو نہیں چاہیے کہ یہ لوگ یعنی اِن صحابۂ کرام ﷺ کو بیت اللہ سے روکیں یعنی عمرہ کرنے سے روکیں۔

"فلما رجع الى أصحابه ...... أن يصدوا عن البيت" تو جب اپنے قبیلے والوں کے پاس واپس پہنچا تو اس نے کہا کہ میں نے قربانی کے جانور دیکھے ہیں کہ ان کو قلادے پہنائے گئے ہیں اور ان کے اشعار کیے گئے ہیں لہٰذا میری رائے نہیں ہے کہ ان کو بیت اللہ سے روکا جائے یعنی ان کو عمرہ کرنے سے روکنا مناسب نہیں ہے۔

اشعار یعنی قربانی کے جانور کو زخم لگایا جاتا تھا اور یہ علامت ہوتی تھی کہ یہ جانور بیت اللہ کے لئے بطور قربانی لے کر جارہے ہیں۔

"فقام رجل منهم يقال له: مكرز بن حفص" ایک تیسرا بھی شخص کھڑا ہوا اور اس کا نام مکرز بن حفص تھا، **"فقال: دعوني ...... اشرف عليهم"** اور اس نے کہا کہ مجھے جانے دو، تو انہوں نے کہا کہ تم بھی شوق پورا کرلو اور چلے جاؤ، تو جب وہ نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام ؓ کے سامنے آیا۔

"قال النبي ﷺ: ((هذا مكرز وهو رجل فاجر))" تو نبی کریم ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ مکرز ہے اور یہ فاجر شخص ہے یعنی آپ کو معلوم تھا کہ اس کی زبان اور قول وفعل کا کوئی بھروسہ نہیں ہے اور فسق وفجور میں مبتلا ہے۔

"فجعل يكلم النبي ﷺ ...... سهيل بن عمرو" تو اس نے آکر حضور اکرم ﷺ سے بات کرنی شروع کی، اس دوران کہ وہ ابھی آپ ﷺ سے بات کر ہی رہا تھا اتنے میں سہیل بن عامر بھی آگئے۔

کفار مکہ نے سہیل بن عمرو کو یہ اختیار دے کر بھیجا کہ تم جا کر حضور اکرم ﷺ سے کوئی صلح نامہ اگر لکھوانا چاہو تو لکھوالو۔

راوی حدیث معمر فرماتے ہیں کہ مجھے ایوب نے خبر دی کہ انہوں نے عکرمہ سے روایت کی کہ **"أنه لما جاء سهيل ...... ((قد سهل لكم من أمركم))"** جب سہیل بن عمرو آیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب تمہارا معاملہ آسان ہو گیا یعنی آپ ﷺ نے اس کے نام سے تفاول فرمایا، سہیل نام تھا یہ سہل سے نکلا ہے۔ [۶۴]

اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے معمر اور زہری کہتے ہیں کہ **"فجاء سهيل بن عمرو ...... فدعا النبي ﷺ الكاتب"** جب سہیل بن عمرو آیا تو اس نے کہا کہ آؤ ہم آپس میں ایک تحریر یعنی معاہدہ لکھ لیں، آپ ﷺ نے ایک کاتب کو بلایا اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علی ؓ کو بلایا۔ [۶۵]

"فقال النبي ﷺ اكتب: ((بسم الله ...... كما كنت تكتب" آپ ﷺ نے کاتب سے فرمایا کہ لکھو **"بسم الله الرحمن الرحيم"** یعنی معاہدہ بسم اللہ سے شروع کیا تو سہیل بن عمرو نے کہا اللہ کی قسم! رحمن کو تو ہم جانتے نہیں اس لئے **"بسمك اللّٰهم"** سے لکھوایئے جیسے کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے، جاہلیت میں اس طرح لکھا جاتا تھا۔

---

[۶۴] تفاء ل النبي ﷺ، باسم سهيل بن عمرو على أن أمرهم قد سهل لهم. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۱۸

[۶۵] قوله: ((فدعا النبي ﷺ الكاتب))، وفي رواية ابن اسحاق: ثم دعا رسول الله ﷺ، علي بن أبي طالب ؓ. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۱۹

"فقال المسلمون: واللہ لانکتبها ...... فقال النبی ﷺ: ((اکتب بسمک اللّٰهم))"
مسلمانوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم بسم اللہ کے کے علاوہ کچھ نہیں لکھیں گے اس پر اصرار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بسمک اللّٰهم" لکھو، چونکہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ کوئی بھی تجویز میرے سامنے پیش کریں گے جس میں حرمات اللہ کی بے حرمتی نہ ہوتی ہو تو میں اس کو قبول کرلوں گا۔

"ثم قال: ((هذا ما قاضى عليه ...... ولكن اكتب: محمد بن عبد الله" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ لکھو ((هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله)) تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ اللہ کی قسم! اگر ہمیں معلوم ہوتا آپ اللہ کے رسول ہیں تو جھگڑا ہی کیا تھا نہ ہم بیت اللہ سے روکتے، اور نہ ہم آپ سے جنگ کرتے، اس لئے یوں لکھوائیے محمد بن عبداللہ۔

"((والله انى لرسول وان كذبتمونى، اكتب: محمد بن عبد الله))" آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں اللہ کا رسول ہی ہوں، چاہے تم اس کی تکذیب کرو یا جو چاہو کرو، حقیقت تو یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، لیکن کاتب کو حکم دیا کہ چلو محمد بن عبداللہ لکھو، اس میں بھی کوئی غلط بات نہیں ہے۔

"قال الزهرى: وذلك لقوله: ((لا يسألونى ...... الا اعطيتهم اياها))" امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سب باتیں اس وجہ سے قبول فرمائیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جو کوئی تدبیر ایسی پیش کریں گے جس میں وہ اللہ کی حرمت والی چیزوں کی عظمت کریں، انکی کوئی بے حرمتی نہ ہو کریں تو اس کو قبول کروں گا۔

"فقال له النبى ﷺ: ((على ان تخلوا بيننا وبين البيت فنطوف به))" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تمام شرائط اس بات پر ہوں گی کہ تم ہمیں بیت اللہ کے پاس جانے دو اور ہمیں طواف کرنے دو تا کہ ہم اپنا عمرہ پورا کرلیں۔

"فقال سهيل: والله ...... من العام المقبل، فكتب" سہیل بن عمرو نے کہا کہ اللہ کی قسم! ہم عرب لوگوں کو یہ موقع نہیں دینا چاہتے ہیں کہ وہ یہ باتیں کریں کہ ہمیں زبردستی پکڑ لیا گیا ہے تو ہم پر زور ڈال کر، ہماری باتیں رد کردی گئیں اور ہماری رائے کی خلاف زبردستی عمرہ کرلیا گیا، اگر ہم نے اس وقت آپ کو اجازت دے دی تو لوگ یہ باتیں کریں گے، لیکن اگلے سال آپ آئیں تو پھر عمرہ کی اجازت دیں گے۔ چنانچہ معاہدہ کے اندر یہ بات لکھ دی گئی۔

"فقال سهيل: وعلى انه لا يأتيك ...... الا رددته الينا" پھر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ شرط بھی ہم لگاتے ہیں کہ آپ کے پاس ہم میں سے کوئی مرد نہیں آئیگا چاہے وہ آپ کے دین پر کیوں نہ ہو مگر آپ ہمارے پاس اس کو لوٹا دیں گے یعنی اگر کوئی مکہ سے مسلمان ہو کر بھی جائے گا تو آپ نے ہمیں اس کو واپس کرنا

ہوگا اور اگر کوئی مرتد ہوکر مدینہ سے مکہ آنا چاہے تو اس کو نہیں روکیں گے مسلمان، "**قال المسلمون: سبحان الله ...... وقد جاء مسلما؟**" یہ بات سن کر مسلمانوں نے کہا کہ سبحان اللہ! مسلمان ہوکر آئے تو ہم کیسے مشرکین کے پاس لوٹائیں؟

ابوجندل ﷛ کا کفار کی قید سے فرار ہوکر آنا

"**فبينا هم كذلك اذ دخل أبو جندل بن سهيل بن عمرو يرسف في قيوده**" تو ابھی یہ بات چل رہی تھی کہ اتنے میں سہیل بن عمرو کے بیٹے حضرت ابوجندل ﷛ آگئے، اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی توفیق دی تھی وہ مسلمان ہوگئے تھے اور باپ ابھی یہ باتیں کافر ہونے کی حالت میں کر رہا تھا۔

اس حالت میں قید سے فرار ہوکر آئے کہ زنجیروں میں رکاوٹ کے ساتھ چلتے ہوئے آرہے تھے یعنی چھوٹے قدموں کے ساتھ چل رہے تھے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھی اور وہ زنجیریں باپ نے ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ڈالی تھی تو بے چارے وہاں سے چھپ کر کسی طرح یہاں پر آئے تھے۔

"**وقد خرج ...... بين اظهر المسلمين**" اور حضرت ابوجندل ﷛ اسفل مکہ سے نکل کر آئے تھے یعنی باپ کی قید سے فرار ہونے کے بعد مکہ کے نشیبی علاقے کی جانب سے آئے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے سامنے ڈال دیا۔

اندازہ کریں کہ اس وقت مسلمانوں کے جذبات کی کیا کیفیت ہوگی کہ ایک طرف کفار ایسی شرطیں لگا رہے ہیں کہ بہت ہی زیادہ سخت ہیں اور اب یہ کیسی آزمائش کا وقت تھا کہ ایک مسلمان اس طریقہ سے کفار کی قید سے فرار ہوکر آیا ہے کہ پاؤں میں بیڑیاں بندھی ہوئی ہیں۔

ابوجندل ﷛ کو کفار کے حوالہ کرنا

"**فقال سهيل: هذا يا محمد اوّل ...... أن ترده الى**" تو سہیل نے کہا کہ اے محمد! یہ پہلا وہ معاملہ ہے جس میں، میں آپ کے ساتھ معاہدہ کرتا ہوں اس بات پر کہ آپ اس کو میری طرف لوٹا دیں کیونکہ ابھی ہم نے یہ معاہدہ کیا ہے کہ جو کوئی آدمی آپ کے پاس مسلمان ہوکر آئیگا تو وہ واپس کرنا ہوگا۔

"**فقال النبی ﷺ: ((انا لم نقض الكتاب بعد))**" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے تحریر پوری نہیں کی ہے اور معاہدہ پر ابھی دستخط بھی نہیں کئے ہیں یعنی ابھی تک تو معاہدہ ہی مکمل نہیں ہوا تو اس پر ابھی سے

عمل درآمد کیسا؟ [۷۹]

"قال : فواللہ اذالم ...... قال النبی ﷺ : ((فاجزہ لی))" اس نے کہا کہ اگر آپ نہیں مانیں گے تو اللہ کی قسم میں آپ کی کسی بھی چیز پر مصالحت نہیں کروں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ بات معاہدہ کے اندر لکھ لیتے ہیں لیکن اس ایک آدمی کا استثناء کر کے، اس لئے مجھے اجازت دے دو کہ اس کو اپنے پاس رکھ لوں۔

"قال: ما أنا بمجیز ذلک لک" تو اس نے کہا کہ کسی صورت میں بھی اس کی اجازت نہیں دوں گا، "قال: ((بلی فافعل))" آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں، یہ کام کر لو یعنی اس کی اجازت دے دو کم از کم یہ رک جائے۔

"قال ما أنا بفاعل" تو سہیل بن عمرو نے کہا کہ میں یہ نہیں کروں گا۔

"قال مکرز: بل قد أجزناہ لک" پھر مکرز نے کہا، یہ وہی مکرز شخص ہے جو پہلے آیا تھا جس کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ برا آدمی ہے، اس نے یہ کہا کہ ہم نے آپ کو اس کی اجازت دے دی، گویا اس نے نرمی کا معاملہ کیا۔ اگرچہ اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ یہ شخص فاجر ہے، لیکن یہاں پر اس نے اجازت دے دی۔

تو بعض حضرات نے فرمایا کہ بہر حال رجل فاجر تو تھا لیکن کسی وقت نیکی کی بھی کوئی بات منہ سے اگر نکل جائے تو کچھ بعید نہیں۔ تو یہ بات اس کے منہ سے نیکی کی نکل گئی۔ بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ یہ بھی درحقیقت ایک بناوٹی بات تھی کیونکہ مکرز جانتا تھا کہ میں اگر کہوں گا تو پھر بھی سہیل ماننے گا نہیں، تو میں ہی کم از کم ان لوگوں کے سامنے بھلا بن کر جاؤں، کہ میں نے یہ بات کہہ دی۔ تو اس واسطے اس نے یہ بات کہہ دی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ اس نے اجازت دے دی اور پھر تفصیل یوں ہوئی کہ یہ کہہ دیا ہم اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ انکو واپس تو کیا ہی جائے گا لیکن بیڑیاں وغیرہ ان کے پاؤں سے نکال دی جائیں۔

دوسری روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے یہاں پر اگرچہ نہیں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جب ان کو واپس کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی طے ہوگئی تھی کہ واپس چلے تو جائیں گے لیکن ان کے اوپر جو ظلم و ستم کیا جا رہا ہے اور ان کے پاؤں میں جو بیڑیاں ڈالی ہوئی ہیں تو یہ قصہ ختم ہو جائیگا، چنانچہ وہ اس حالت میں واپس گئے۔

---

[۷۹] ((انا لم نقض الکتاب بعد)) أی: لم نفرغ من کتابتہ بعد، وھو من: القضاء، بمعنی: الفراغ. عمدۃ القاری، ج: ۱۴، ص: ۱۹

ایک روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو جانے سے پہلے صبر کی تلقین دی اور یقین دلایا کہ اللہ جلد ان کو کفار کی اس قید سے رہائی عطاء فرمائے گا اور ان کی مشکلات دور ہوں گی۔ [۷۱]

"قال أبو جندل: أي معشر المسلمين ...... عذب عذابا شديداً في الله" حضرت ابو جندل ؓ نے کہا کہ کیا مجھے مشرکین کے پاس لوٹا دیا جائے گا جب کہ میں مسلمان ہو کر آیا ہوں۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ میں کس حالت میں تم لوگوں سے ملا ہوں؟ اور ان کو اللہ کے راستے میں بہت شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا یعنی میں ان تکالیف کا شکار ہوں، اس کے باوجود مجھے واپس کر دیا جائے گا؟ مجھے کس چیز کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

یہاں بات ختم ہوگئی یہاں تک اس بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ سہیل بن عمرو کے ساتھ معاہدہ لکھ لیا گیا اور حضرت ابو جندل ؓ کے معاملہ میں بھی سہیل نے بات نہیں مانی اور رسول کریم ﷺ نے بالآخر معاہدہ کے ماتحت ان کو بھی واپس کر دیا۔ جب یہ معاہدہ ہو گیا اور حضرت ابو جندل کو واپس کفار کے حوالے کر دیا گیا۔

صحابہ کرام ؓ اطاعتِ رسول ﷺ کا نمونہ

صحابۂ کرام ؓ کو ابو جندل ؓ کی واپسی بہت شاق گزری۔

اگر دیکھا جائے تو اس واقعہ میں ہر پہلو سے مکمل اطاعتِ رسول کا امتحان ہو گیا کہ جب رسول ﷺ نے بیعت کی اور جہاد کے لئے بلایا اور بیعت لی تو بڑی خوشدلی اور مسابقت کے ساتھ سب نے بیعت میں حصہ لیا اور جہاد کیلئے تیار ہو گئے۔

اور جب حکمت و مصلحت کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے قتال سے روکا اور سب صحابہ جو اس وقت جوشِ جہاد میں قتال کیلئے بے قرار تھے مگر اطاعتِ رسول میں سرِ تسلیم خم کیا اور قتال سے باز رہے یعنی جب قتال میں حکمت ہوتی ہے تو اس کا حکم دیتا ہے اور جب ترکِ قتال میں مصلحت ہوتی ہے اُسکا حکم فرماتا ہے۔

اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ دونوں حالتوں میں اپنے جذبات کو امرِ رسول کے تابع رکھیں۔

"قال: قال عمر بن الخطاب: فأتيت نبي الله ﷺ فقلت: ألست نبي الله حقا؟ قال: ((بلى))" حضرت عمر ؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا کہ کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں! یعنی میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔

---

[۷۱] وفي رواية ابن اسحاق فقال رسول الله ﷺ: يا أبا جندل: اصبر واحتسب فانالانغدر، وان الله جاعل لک فرجا ومخرجا. عمدة القاري، ج: ۱۴، ص: ۲۰

"فقلت: ألسنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: ((بلى))" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں!

"قلت: فلم نعطي الدنية في ديننا اذن؟" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ جب آپ حق پر ہیں آپ اللہ کے رسول ہیں تو پھر ہمیں اپنے دین کے معاملے میں ذلت کیوں دی جائے؟ یعنی ہم کیسے گوارا کریں کہ ہمیں دین کے بارے میں ذلت دی جائے؟

"قال: ((اني رسول الله ولست أعصيه، وهو ناصري))" آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول اور برحق نبی ہوں اور اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرسکتا اور وہی میری مدد کرنے والا ہے یعنی جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا ہے۔

"قلت: أو ليس كنت تحدثنا أنا سنأتي البيت فنطوف به؟" میں نے پھر عرض کیا کہ کیا آپ نے یہ بات نہیں فرمائی تھی کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور طواف کریں گے یعنی عمرہ کریں گے؟

"قال: ((بلى، فأخبرتك أنا نأتيه العام؟))" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں کہی یہ بات، تو کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے؟

"قلت: لا، قال: فإنك آتيه ومطوف به))" میں نے پھر عرض کیا کہ نہیں ایسا کچھ نہیں کہا تھا پھر ارشاد فرمایا کہ پھر تم آؤ گے اور پھر طواف کرو گے یعنی اس سال نہ سہی بعد میں کرو گے۔ [۸۱]

"قال: فأتيت أبابكر فقلت: يا أبابكر، أليس هذا نبي الله حقا؟ قال: ((بلى))" حضرت عمر بن خطابؓ کو چین نہیں آیا تو حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس گئے، اور میں نے عرض کیا کہ کیا اے ابوبکر! کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیوں نہیں! اللہ کے سچے رسول ہیں۔

"فقلت: ألسنا على الحق وعدونا على الباطل؟ قال: ((بلى))" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا کہ کیا ہم لوگ حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں ہے؟ آپؓ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں!

"قلت: فلم نعطي الدنية في ديننا اذن؟" حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا ہم کیسے گوارا کریں کہ ہمیں دین کے بارے میں ذلت دی جائے؟

---

[۸۱] وفي رواية الوالدي من حديث أبي سعيد، قال: عمر: لقد دخلني أمر عظيم، وراجعت النبي مراجعة ما راجعته مثلها قط، وفي سورة الفتح، ((فقال عمر: ألسنا على الحق وهم على الباطل؟ أليس قتلانا في الجنة وقتلاهم في النار؟ فعلى ما نعطي الدنية في ديننا ونرجع ولم يحكم الله بيننا؟)) عمدة القاري، ج: ۱۴، ص: ۲۰

"قال: أيها الرجل، أنه لرسول الله ﷺ وليس يعصي ربه وهو ناصره، بغرزه فو الله انه على الحق" حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ اے شخص! بیشک یہ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ اللہ کے حکم سے روگرانی کرنے والے نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے والے ہیں، لہٰذا مضبوطی سے ان کے رکاب تھام لو، یعنی آپ ﷺ کے حکم پر مضبوطی سے جم جاؤ۔ [۹۱]

"قلت: أليس كان يحدثنا أنا سنأتي البيت فنطوف به؟" میں نے پھر عرض کیا کہ کیا انہوں نے یہ بات نہیں فرمائی تھی کہ ہم بیت اللہ میں آئیں گے اور طواف کریں گے یعنی عمرہ کریں گے؟

"قال: بلى، أفأخبرك أنك تأتيه العام؟" حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ ہاں کیوں نہیں کہی یہ بات، مگر کیا یہ بھی کہا تھا کہ تم اسی سال طواف کرو گے؟

"قلت: لا، قال: فانک آتیه ومطوف به" میں نے پھر کہا کہ نہیں ایسا کچھ نہیں کہا تھا، حضرت صدیق اکبر ؓ نے فرمایا کہ پھر تم آؤ گے اور پھر طواف کرو گے۔

حضرت صدیق اکبر ؓ کا مقام فضل

یہاں پر حضرت ابوبکر ؓ نے جواب میں وہی کلمات، لفظ بلفظ جو رسول کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جاری ہوئے تھے، وہی صدیق اکبر ؓ کی زبان پر جاری ہوئے، ہر بات کے جواب میں بعینہ وہی کلمات وہی الفاظ صدیق اکبر ؓ کی زبان پر جاری ہو رہے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم نہیں کہ آپ نے بھی یہی باتیں فرمائی ہیں۔

"وقال الزهري: قال عمر: فعملت لذلک أعمالا" امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ؓ فرماتے تھے کہ میں نے اس کام کیلئے کئی عمل کئے۔

یعنی یہ باتیں پوچھنے کیلئے کبھی حضور اکرم ﷺ کے پاس جارہا ہوں، کبھی صدیق اکبر ؓ کے پاس جارہا ہوں، آنے جانے کا یہ سلسلہ ہے اور بے چینی کا عالم ہے کہ ابو جندل ؓ جو کفار کی قید سے اس حالت میں فرار ہو کر آئے ہیں کہ ان کے پاؤں میں بیڑیاں پہنی ہوئی تھیں اور انہیں واپس کفار کے حوالے کیا جارہا ہے۔ یہ صحابہؓ کرام ؓ کا ہی حوصلہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کے حکم پر اپنے جذبات کو روکے ہوئے تھے۔

---

[۹۱] ((فاستمسک بغرزه)) أي: بفتح الغين المعجمة وسكون الراء، وبالزاي وهو في الأصل للإبل بمنزلة الركاب للسراج، أي: صاحبه، ولا تخالفه. عمدة القاري، ج: ۱۴، ص: ۲۰

تعمیل حکم کی تاخیر کی وجہ شکستہ خاطر ہے

"قال: فلما فرغ ...... ((قوموا فانحروا ثم احلقوا))" جب معاہدہ کی کتابت کے معاملہ سے فارغ ہوگئے، تحریر لکھ لی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور قربانی کے جانوروں کو نحر کرو یعنی ذبح کرو اور پھر سر منڈ واؤ۔

"قال: فواللہ ما قام منهم رجل...... فذكر لها مالقي الناس" فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایک شخص بھی نہیں کھڑا ہوا یہاں تک کہ یہ حکم تین مرتبہ فرمایا، جب کوئی ایک شخص بھی نہ کھڑا ہوا تو آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور یہ ساری بات ان سے ذکر فرمائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں ساتھ تھیں، لوگوں سے جو معاملہ ہوا وہ دیکھ رہی تھیں کہ تین مرتبہ کہا لیکن ابھی تک کوئی آگے بڑھا نہیں۔

پوری سیرت طیبہ رسول کریم ﷺ میں یہ چند واقعات ہیں، جہاں آپ ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی اور صحابۂ کرام ؓ فوراً اس کو قبول کرنے کیلئے کھڑے نہ ہوئے، اس وقت صحابۂ کرام ؓ ان شرائط سے اس قدر مغموم اور شکستہ دل تھے تین بار حکم دیا مگر ایک بھی شخص نہیں کھڑا ہوا۔

اس بات سے انکے جذبات کا اندازہ کریں کہ بظاہر دیکھنے میں ایک ایک چیز نیچے اتر کر صلح کی جارہی ہے جب اسی سفر میں بیعت رضوان کر چکے ہیں کہ یا تو مریں گے یا ماریں گے، تو اس واسطے صحابۂ کرام ؓ کو حکم ماننے میں جو تھوڑا سا تردد یا تاخر ہے، سمجھ میں آسکتا ہے۔

ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی صائب رائے

"فقالت ام سلمة: يا نبي الله أتحب ذلك؟ ...... وتدعو حالقك فيحلقك"

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بڑا دانشمندانہ مشورہ دیا ان کو معلوم تھا یہ صلح مسلمانوں پر بہت شاق گزری ہے جس کی وجہ سے افسردہ دل اور شکستہ خاطر ہیں اس لئے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ لوگ یہ کام کریں یعنی نحر اور حلق کریں، اس لئے آپ خود باہر نکل جائیں اور کسی سے کوئی بات نہ کیجئے، یہاں تک کہ خود آپ اپنے بدنہ کو ذبح فرمایئے، اپنے حلق کرنے والے کو بلائیں اور وہ آپ کا حلق کردیں۔

یعنی جب رسول کریم ﷺ یہ سب عمل کریں گے تو صحابۂ کرام ؓ خود بخود آپ کی اتباع کریں گے، بس یہ کیجئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

"فخرج فلم يكلم أحداً ...... ودعا حالقه فحلقه" چنانچہ آپ ﷺ باہر نکلے اور کسی سے بھی کوئی بات نہیں کی اور ان تمام افعال کو فرمایا یعنی قربانی کی اور حجام کو بلا کر سر منڈوایا۔

"فلما رأوا ذلك قاموا ...... حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غماً" جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ کام کرلیا تو ہر ایک نے جا کر نحر شروع کردیا، اب اتنی جوش وخروش سے حلق کرنا شروع کیا کہ قریب تھا کہ ایک دوسرے کو ہجوم میں قتل کردیں گے۔

دراصل حکم میں تاخیر کی وجہ اطاعت میں کمی نہ تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو امیدیں لگی ہوئی تھیں شاید کہ احرام کھولنے کا یہ حکم منسوخ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجائے کہ صلح کو مت مانو اور حملہ کردو، اسی امید کی ایک کرن پر احرام کھولنے سے رکے رہے۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کو حلق کراتے ہوئے دیکھا تو یہ جان لیا کہ اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس امر کی تعمیل کے لئے آمادہ ہوگئے۔ [۲۰]

"ثم جاءه نسوة مؤمنات" پھر آپ ﷺ کے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد مکہ مکرمہ سے وہ خواتین جو اسلام لاچکی تھیں، ہجرت کرکے آئیں۔

"فانزل الله تعالىٰ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ [۲۱]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں

---

[۲۰] هذا لم يكن منهم مخالفة لأمره، وانما ينتظرون احداث الله تعالى لرسوله خلاف ذلك، فيتم لهم قضاء نسكهم، فلما رأوه جازما قد فعل النحر والحلق علموا أنه ليس وراء ذلك غاية تنتظر، فبادروا الى الائتمار بقوله والتأسي بفعله، أظنوا أن أمره، عليه الصلاة والسلام، بذلك لندب. عمدة القاري، ج: ۱۲، ص: ۲۱

[۲۱] [الممتحنة ۱۰]

ہجرت کر کے آئیں تو تم ان کو جانچ لیا کرو۔ اللہ ہی ان کے
ایمان کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔ پھر جب تمہیں یہ
معلوم ہو جائے کہ وہ مؤمن عورتیں ہیں تو انہیں کافروں کے
پاس واپس نہ بھیجنا۔ وہ ان کافروں کے لئے حلال نہیں
ہیں، اور وہ کافر ان کے لئے حلال نہیں ہیں۔ اور ان
کافروں نے جو کچھ (ان عورتوں پر مہر کی صورت میں)
خرچ کیا ہو، وہ انہیں ادا کردو۔ اور تم پر ان عورتوں سے
نکاح کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم نے ان کے مہر
انہیں ادا کردیئے ہوں۔ اور تم کافر عورتوں کی عصمتیں اپنے
قبضے میں باقی مت رکھو۔

اس آیت میں یہ حکم بیان کیا کہ اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئیں تو ان کا امتحان کرو کہ واقعی صحیح معنی میں اسلام لائی ہیں کہ نہیں اور اگر معلوم ہو کہ وہ صحیح معنی میں مسلمان ہوگئی ہیں تو پھر ان کو اپنے پاس رکھو، ان واپس کفار کے حوالے نہ کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اصل معاہدہ کے اندر مردوں کا ذکر تھا عورتوں کا ذکر نہیں تھا، اس واسطے عورتوں کے بارے میں یہ حکم آیا کہ ان کو واپس نہ کیا جائے۔

اس آیت میں یہ حکم بھی دیا گیا کہ کوئی بھی مسلمان کسی مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔

"فطلق عمر یومئذ امرأتین کانتا له فی الشرک" اس دن حضرت عمر ﷺ نے دو عورتوں کو طلاق دی جو حالت شرک میں تھی اور مسلمان نہیں ہوئی تھی۔

"فتزوج احدهما معاوية بن أبی سفیان، والأخرىٰ صفوان بن أمية" اس وقت تک معاویہ بن اُبی سفیان مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نہ صفوان بن امیہ، تو انہوں نے ایسا کیا کہ ایک نے ایک سے اور دوسرے نے دوسری عورت سے نکاح کرلیا۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے بعد کا ہے۔

حضرت ابو بصیر ﷺ کا واقعہ

"ثم رجع النبی ﷺ الی المدینة.....فقالوا: العهد الذی جعلت لنا" پھر نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ کی طرف واپس لوٹ آئے، اب ایک اور صاحب حضرت ابو بصیر ﷺ آگئے، یہ قریش کے تھے اور مسلمان ہو کر آئے تھے، ان کے پیچھے قریش نے دو آدمی بھیجے تا کہ ان کو واپس لیکر آئیں تو انہوں نے کہا کہ اس عہد کا پاس

کیجئے جو ہمارے ساتھ آپ نے کیا تھا کہ کوئی مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے آئے گا تو آپ واپس کریں گے۔

"فدفعه الى الرجلين ...... يأكلون من تمر لهم" تو چونکہ آپ ﷺ نے معاہدہ کیا ہوا تھا اس وجہ سے ابو بصیر ؓ کو ان دونوں آدمیوں کے حوالہ کر دیا تو وہ اس کو لے کر نکل گئے جب ذی الحلیفہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں کھجور کھانے کیلئے اور آرام کی غرض سے اتر گئے۔

یہاں اصحاب سیر نے ایک روایت نقل کی ہے، حضرت ابو جندل ؓ کے واقعہ میں بھی اور اسی طرح حضرت ابو بصیر ؓ کے واقعہ میں بھی کہ جب حضرت ابو جندل ؓ کو حضور اکرم ﷺ نے کہا کہ واپس کرنا مجبوری ہے، اب آپ کو واپس ہی کرنا پڑیگا۔ جب وہ واپس جانے لگے تو حضرت عمر ؓ ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے، تو ابو جندل ؓ سے حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ دیکھو میرے پاس یہ تلوار ہے، یہ میں تمہیں دے سکتا ہوں اور یہ میں تمہیں بتا سکتا ہوں کہ ایک مشرک کے مارنے میں اور کتے کو مارنے میں کوئی فرق نہیں۔

حضرت عمر ؓ کا مقصد یہ تھا کہ یہ سہیل بن عمرو بیٹھا ہوا ہے تو اس کو تم قتل کر دو تو قصہ ختم ہو جائے، لیکن ابو جندل مسلمان ہو چکے تھے اور اسلام کی کچھ خاصیات اور صفات بھی آ چکی تھی تو انہوں نے کہا کہ اپنے باپ کو قتل کرنے کیلئے میرا دل آمادہ نہیں ہوتا، چاہے وہ مجھ پر کتنا ہی ظلم کر رہا ہو، لہٰذا انہوں نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا۔

جب ابو بصیر ؓ آئے اور ان کو قریش کی طرف سے آنے والے دونوں آدمیوں کے حوالہ کیا، تو اس وقت حضرت عمر ؓ ان کے ساتھ بھی چلے اور اس سے اشارۃً یہ کہا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے ساتھ آئے ہیں ان کے ہاتھ میں بڑی اچھی تلوار ہے اور معاہدہ ہمارا ہے تمہارا نہیں ہے۔ یہ بات ان سے کہی۔ [۲۲]

"فقال أبو بصير لأحد الرجلين: والله ...... لقد جربت به ثم جربت" ابو بصیر ؓ نے ان میں سے ایک سے کہا کہ اے فلاں شخص یہ تمہاری تلوار تو مجھے بڑی اچھی لگ رہی ہے۔ اس شخص نے اس تلوار کو نیام سے کھینچ لیا اور کہا کہ جی ہاں بخدا! یہ بہت شاندار ہے، میں نے بار بار اس کو تجربہ کیا ہے بہت اچھی ہے۔

"فقال أبو بصير: أرني أنظر اليه...... فدخل المسجد يعدو" ابو بصیر ؓ نے اس سے کہا کہ ذرا دکھاؤ تو سہی، اس نے وہ تلوار ان کو تھما دی تو ابو بصیر ؓ نے اس پر حملہ کر کے اس کو ٹھنڈا کر دیا یعنی اس کو قتل کر دیا اور دوسرا شخص بھاگ کھڑا ہوا، یہاں تک کہ بھاگ کر مدینہ منورہ آیا اور بھاگتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔

---

[۲۲] وفي رواية ابن اسحاق فقال رسول الله ﷺ: يا أبا جندل: اصبر واحتسب فانا لا نغدر، وان الله جاعل لك فرجا ومخرجا. قال: فوثب عمر ص مع ابي جندل يمشي الى جنبه، ويقول: اصبر فانما هم المشركون، وانما دم احدهم كدم كلب. قال: ويدني قائم السيف منه، يقول عمر: رجوت أن يأخذه مني فيضرب به اباه، فضن الرجل اى: بخل بأبيه ونفذت القضية. عمدة القاری، ج: ۱۴، ص: ۲۰، وفتح الباری، ج:۵، ص: ۳۴۵

"فقال رسول اللہ حین رآہ: ((لقد هذا ذعراً))" جب رسول اللہ ﷺ نے اس کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اس نے کوئی خوف کی بات دیکھی ہے جو بھاگتا ہوا چلا آرہا ہے۔

"فلم انتهى ...... قتل صاحبي واني لمقتول" جب وہ شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس پہنچا تو کہا کہ میرا ساتھی قتل ہوگیا اور میں بھی قتل ہونے والا ہوں۔

"فجاء أبو بصير فقال: يانبي الله ...... أنجاني منهم" اتنے میں ابو بصیر رضی اللہ عنہ آگئے اور کہا کہ یارسول اللہ! اللہ نے آپ کے ذمہ کو تو پورا کردیا، آپ نے اپنے عہد کے مطابق مجھے واپس لوٹا دیا تھا تو آپ کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے پورا کردیا، آپ نے مجھے لوٹا دیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات دے دی لہٰذا اب مجھے آپ واپس نہ کریں، اس میں معاہدہ کی خلاف ورزی نہ ہوگی۔

"مسعر حرب" کہنے کا مقصد

"قال النبي ﷺ: ((ويل أمه مسعر حرب لو كان له أحد))" حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اس کی ماں کا برا ہو، یہ تو جنگ کی آگ بھڑکانے والا ہے اگر کوئی اس کے ساتھ ہو۔

اس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اس نے آدمی کو قتل کردیا اور قتل کر کے ہمارے پاس دوبارہ آیا ہے اور ہمیں بھی مجبور کر رہے ہیں کہ ہم اس کو دوبارہ رکھیں تو اس کے نتیجے میں اگر ہم اس طرح کریں گے تو ان کے ساتھ جنگ کھڑی ہوجائے گی، تو ہے کوئی جو اس کو سمجھائے؟

لیکن باطنی مفہوم اس کا کچھ اور ہے۔

باطنی مفہوم یہ ہے کہ یہ شخص تو بڑا بہادر آدمی ہے جو جنگ بھڑکانے کی صلاحیت رکھتا ہے اگر اس کے ساتھ کوئی اور مل جائے، اس کے ساتھ اس جیسے دو چار اور مل جائیں تو یہ لوگوں کا تیا پانچہ کردیں یعنی اس بات کی طرف ہلکا سا اشارہ تھا کہ ہم تو اس کو نہیں رکھ سکتے لیکن اگر خود یہ باہر چلا جائے اور جا کر کچھ لوگ اور جمع کرلے اور جمع کر کے یہ قریش کے ساتھ چھاپہ مار جنگ شروع کردیں تو ان کے ناک میں دم آسکتا ہے۔

---

۴۳ قوله: ((لو كان أحد)) أى: ينصره ويعاضده ويناصره، وفي رواية الأوزعي ((لو كان له رجال)) فلقنها أبو بصير فانطلق، وفيه اشارة اليه بالفرار لئلا يرده الى المشركين، ورمز الى من بلغه ذلك من المسلمين أن يلحقوا به، قال جمهور العلماء من الشافعية وغيرهم: يجوز التعريض بذلك لا التصريح كما في هذه القصة. فتح البارى، ج:۵، ص: ۳۵۰

معاہدہ کا زاویہ بدل گیا

"فلما سمع ذلک عرف ...... أتی سیف البحر" جب ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ سنا تو وہ جان گئے کہ حضور ﷺ مجھے پھر واپس لوٹائیں گے تو وہاں سے نکل گئے اور سمندر کے ریتلے ساحل پر پہنچ گئے۔

"سیف" کا معنی ہے ریتلا ساحل، وہاں جا کر انہوں نے اپنا مستقر بنالیا۔ وہ سیف البحر ایسی جگہ تھی جہاں سے قریش کے قافلے ملک شام جایا کرتے تھے۔

"قال: وینفلت منهم أبو جندل ...... حتی اجتمعت منهم عصابة" ادھر ابو جندل رضی اللہ عنہ کو پتہ لگ گیا کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ نے ایک مستقر سیف البحر میں بنالیا ہے تو وہ ان کفار کی قید سے بھاگ کر چلے آئے اور ابوبصیر رضی اللہ عنہ سے جا کر ملے، تو اب مکہ مکرمہ میں جو شخص بھی قریش کا مسلمان ہوتا وہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل جاتا یہاں تک کہ ایک جماعت اکٹھی ہوگئی۔ [۳۴]

"فو اللہ ما یسمعون بعیر ...... فقتلوهم وأخذوا أموالهم" تو بخدا اس کے بعد وہ لوگ جب بھی قریش کے کسی قافلے کی خبر سنتے کہ وہ شام کی طرف جا رہا ہے تو یہ لوگ اس کے راستے میں گھات لگا کر حملہ کرتے اور قافلے والوں کو قتل کر کے اور ان کے مال چھین لیتے۔

"فأرسلت قریش الی النبی ﷺ ...... فأرسل النبی ﷺ الیهم" اب جب قریش کیخلاف حضرت ابوبصیر اور حضرت ابو جندل اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے چھاپہ مار کارروائیاں شروع کیں تو قریش نے ان کارروائیوں سے عاجز آ کر حضور ﷺ کے پاس پیغام بھیجا، اللہ کی قسمیں دی اور اپنی رشتہ داری کا واسطہ دیا اور کہا کہ آپ خدا کے لئے ان کو پیغام دیجئے کہ اب یہ قصہ ختم کردیں اور وہاں سے نکل آئیں اور اب جو آپ کے پاس آئے گا وہ امن میں ہوگا، یعنی اب ہم اس بات پر اصرار نہیں کریں گے کہ اس کو اب ہمارے پاس واپس بھیجا جائے، تو آپ ﷺ نے ان کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ آسکتے ہیں۔

"فانزل اللہ تعالی" تو اس موقع پر اللہ تعالی کی جانب سے یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم

---

[۳۴] قوله: ((حتی اجتمعت منهم عصابة)) أی: جماعة ولا واحد لها من لفظها، وهی تطلق علی اربعین فما دونها، وفی روایة ابن اسحاق: انهم بلغوا نحواً من سبعین نفساً وجزم عروة فی ((المغازی)): بأنهم بلغوا سبعین، وزعم السهیلی: أنهم بلغوا ثلاثمائة رجل. عمدة القاری، ج: ۱۲، ص: ۲۲

بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ ۚ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ﴾ [۹۵]

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے جس نے مکہ کی وادی میں تمہارے ہاتھوں کو ان تک پہنچنے سے، اور انکے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا، جبکہ وہ تمہیں اُن پر قابو دے چکا تھا، اور جو کچھ تم کر رہے تھے، اللہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا، اور تمہیں مسجدِ حرام سے روکا، اور قربانی کے جانوروں کو جو ٹھہرے ہوئے کھڑے تھے، اپنی جگہ پہنچنے سے روک دیا۔ اور اگر کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں (مکہ میں) نہ ہوتیں جن کے بارے میں تمہیں خبر بھی نہ ہوتی کہ تم انہیں پیس ڈالو گے، اور اُس کی وجہ سے بے خبری میں تم کو نقصان پہنچ جاتا (تو ہم ان کافروں سے بجائے صلح کے جنگ کروا دیتے، لیکن ہم نے جنگ کو اس لئے روکا) تاکہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ (البتہ) اگر وہ مسلمان وہاں سے ہٹ جاتے تو ہم ان (اہلِ مکہ) میں سے جو کافر تھے، انہیں دردناک سزا دیتے۔ (چنانچہ) جب ان کافروں نے اپنے دلوں

---

[۹۵] [الفتح: ۲۴-۲۶]

میں اُس حمیت کو جگہ دی جو جاہلیت کی حمیت تھی۔

"کانت حميتهم أنهم لم يقروا أنه نبى الله ...... وحالوا بينهم وبين البيت" اور قریش کی جس حمیت اور تعصب کا حال قرآن کریم نے یہاں ذکر کیا ہے کہ اس درجہ متعصب تھے کہ آپ کے نبی ہونے کا مضمون گوارا نہ کیا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھنا بھی گوارا نہ کیا اور مسلمانوں اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے یعنی مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے بھی روک دیا تو یہ سارے بُری حمیت اور تعصب کے شاخسانے تھے۔

۲۷۳۳ ۔ وقال عقيل عن الزهرى: قال عروة: فأخبرتني عائشة أن رسول الله ﷺ كان يمتحنهن. وبلغنا أنه لما أنزل الله تعالى أن يردوا إلى المشركين ما أنفقوا على من هاجر من أزواجهم وحكم على المسلمين أن لايمسكوا بعصم الكوافر، أن عمر طلق امرأتين قريبة بنت أبى أمية. وابنة جرول الخزاعى، فتزوج قريبة معاوية ابن أبى سفيان، وتزوج الأخرى أبوجهم. فلما أبى الكفار أن يقروا بأداء ماأنفق المسلمون على أزواجهم أنزل الله تعالى: ﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ والعقب مايؤدى المسلمون إلى من هاجرت امرأته من الكفار، فأمر أن يعطى من ذهب له زوج من المسلمين ماأنفق من صداق نساء الكفار اللائى هاجرن، وما نعلم أحداً من المهاجرات ارتدت بعد إيمانها. وبلغنا أن أبا بصير بن أسيد الثقفى قدم على النبى ﷺ مؤمنا مهاجرا فى المدة، فكتب الأخنس بن شريق إلى النبى ﷺ يسأله أبابصير، فذكر الحديث.

[راجع: ۲۷۱۳]

خواتین کا امتحان اور نکاحِ ثانی کا حکم

اب اس پر دوسری روایت کا اضافہ کرتے ہیں **"أن رسول الله ﷺ كان يمتحنهن"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بتاتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب خواتین آتی تو آپ ان کا امتحان فرماتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ **"وبلغنا أنه لما أنزل الله تعالى ...... من هاجر من أزواجهم"** ہمیں یہ خبر ملی کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ وہ مشرکین کے پاس وہ مال لوٹائے جو انہوں نے ان عورتوں پر خرچ کیا تھا جو ہجرت کر کے آئی ان کے ازواج میں سے یعنی ان کے کافر شوہروں کو مہر واپس لوٹا دیا جائے۔

اس حکم کا پس منظر یہ ہے کہ اس صلح نامہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مدینہ منورہ

جائے گا تو آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے اگر چہ مسلمان ہی ہو، اور اگر مدینہ منورہ سے کوئی مکہ مکرمہ چلا جائے گا تو قریش اس کو واپس نہ کریں گے۔ اس معاہدہ کے الفاظ عام تھے جس میں بظاہر مرد وعورت دونوں شامل تھے یعنی کوئی مسلمان مرد یا عورت جو بھی مکہ مرمہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس جائے اس کو واپس کر دیں گے۔

جس وقت یہ معاہدہ ہو رہا تھا اس وقت کئی ایسے واقعات ایسے پیش آئے جو مسلمانوں کے لئے بہت صبر آزما تھے جیسے ابوجندل ﷺ کا قصہ، اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ سعیدہ بنت حارث اسلمیہ جو مسلمان تھیں مگر صیفی بن انصب کے نکاح میں تھیں جو کافر تھا، بعض روایات میں اس کا نام مسافر المخزومی بتایا گیا ہے (اس وقت تک مسلمانوں اور کفار میں رشتۂ مناکحت طرفین سے حرام نہیں ہوا تھا)، یہ مسلمان عورت مکہ سے بھاگ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوگئیں، ساتھ ہی ان کا شوہر بھی حاضر ہوا اور رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ میری عورت مجھے واپس کی جائے، کیونکہ آپ نے یہ شرط قبول کر لی ہے اور ابھی تک اس معاہدہ کی مہر بھی خشک نہیں ہوئی ہے۔

اس واقعہ پر سورۃ الممتحنہ چند آیات مبارکہ نازل ہوئیں جن میں دراصل مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عقدِ مناکحت کو حرام قرار دیا گیا اور اس نتیجہ میں یہ بھی کہ جو عورت مسلمان خواہ اس کا مسلمان ہونا پہلے سے معلوم ہو جیسے سعیدہ مذکورہ تھیں، یا بوقت ہجرت اس کا مسلمان ہونا صحیح طور سے ثابت ہو جائے، وہ اگر ہجرت کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ جائے اس کو کفار کے قبضہ میں واپس نہ دیا جائے، کیونکہ وہ اپنے کافر شوہر کے لئے حلال نہیں رہی۔ [۲۶]

غرض ان آیات کے نزول نے یہ واضح کر دیا کہ صلح نامہ کی یہ شرط کہ جو بھی مسلمان آپ ﷺ کے پاس پہنچے آپ ﷺ اس کو واپس کر دیں گے، اپنے لفظی عموم کے ساتھ جس میں مرد وعورت دونوں داخل ہیں صحیح نہیں ہے، یہ شرط صرف مردوں کے حق میں قبول کی جا سکتی ہے، عورتوں کے معاملہ میں یہ شرط قابل قبول نہیں۔ ان کے بارے میں صرف اتنا کیا جا سکتا ہے کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آئی ہے اس کے کافر شوہر نے جو کچھ اس پر مہر کی صورت میں خرچ کیا ہے وہ خرچ اس کو واپس کیا جائے گا۔ ان آیات کی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کے مفہوم کو واضح فرما دیا، اور اس کے مطابق سعیدہ مذکورہ کو واپس نہیں کیا۔

بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابومعیط رضی اللہ عنہا مکہ سے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئیں، ان کے خاندان کے لوگوں نے واپسی کا مطالبہ عمومِ شرط کی وجہ سے کیا اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور بعض روایات میں ہے کہ ام کلثوم، عمرو بن عاص کے نکاح میں تھیں جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہ اور ان

---

[۲۶] تفسیر قرطبی میں یہ واقعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نقل کیا ہے۔ تفسیر القرطبی، ج: ۱۸، ص: ۷۰، ۶۹

کے ساتھ دو بھائی مکہ سے بھاگ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور ساتھ ہی عمرو بن عاص شوہر ام کلثوم وغیرہ نے آکر ان کی واپسی کا مطالبہ رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ نے شرط کے مطابق ان کے دونوں بھائیوں عمار اور ولید کو تو واپس کر دیا، مگر ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو واپس نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتیں اس میں شامل نہیں، اس پر یہ آیات آنحضرت ﷺ کی تصدیق کے لئے نازل ہوئیں کہ حلال نہیں رہی۔ [۲۷]

"وحکم علی المسلمین أن لا یمسکوا بعصم الکوافر" اور مسلمانوں پر یہ حکم لگایا تھا وہ کافر عورتوں کو اپنی عصمت میں نہ رکھیں یعنی اپنی نکاح میں نہ رکھیں اور اس مراد مشرکہ عورت ہے کیونکہ کافرہ کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے۔

اس حکم سے اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرک عورت سے جائز نہیں اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرک عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا حلال نہیں۔ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت جن صحابۂ کرام ﷺ کے نکاح میں کوئی مشرکہ عورت تھی تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔

"أن عمر طلق امرأتین ...... الخزاعی" تو حضرت عمر ﷺ نے دو عورتوں قریبہ بنت ابی امیہ اور بنت الخزاعی کو جو ان کے نکاح میں تھیں طلاق دے دی، یہ دونوں عورتیں ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں، حضرت عمر ﷺ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دے دی۔

طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی ضرورت نہیں کیونکہ اس آیت کے ذریعے نکاح ٹوٹ چکا تھا۔

"فتزوج قریبة معاویة ...... أبو جهم" قریبہ سے معاویہ ابن سفیان نے نکاح کیا جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور دوسری عورت سے ابوجہم نے نکاح کیا۔

پیچھے روایت میں آیا تھا کہ یہ صفوان بن امیہ ہے تو یہ روایتوں میں اختلاف ہے، دونوں روایتیں آئی ہیں۔ بعض نے تطبیق دینے کی کوشش کی ہے مگر تطبیق دینا مشکل ہے۔

"فلما أبی الکفار أن یقروا ...... أزواجهم" جب کفار نے انکار کیا اس بات سے کہ وہ اس مال کو ادا کرنے کا اقرار کریں جو مسلمانوں نے اپنے بیویوں پر خرچ کئے تھے جو مہر مسلمانوں نے دیا تھا یعنی اب وہاں جس سے نکاح کیا وہ مہر مسلمان کو واپس کر دے اس بات سے انہوں نے انکار کر دیا۔

"أنزل الله تعالی" تو اس موقع پر اللہ تعالی کی جانب سے یہ آیت نازل ہوئی:

---

[۲۷] مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۴۰۹ تا ۴۱۵ وعمدة القاری، ج: ۱۳، ص: ۴۳۳

﴿وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ﴾ [۲۸]

ترجمہ: اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کے پاس جا کر تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، تو اب تمہارے لئے معاقبہ جائز ہے۔

"عاقبتم" کیا ہے؟ یہ **"معاقبة"** سے مشتق ہے۔

جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی عورت کفار کے پاس گئی تو کفار کے ذمہ واجب تھا کہ وہ اس کا مہر تمہارے پاس لوٹائیں لیکن انہوں نے نہیں لوٹائے تو اس کا بدلہ لے لو اس طرح کہ کفار کی جو مہاجرات کے مہر کی ادائیگی کرنی تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو، یہ مطلب ہے۔

"والعقب ما یؤدی ...... امرأته من الکفار" عقب اس مال کا نام تھا جو مسلمان اس شخص کی طرف ادا کریں جس کی عورت ہجرت کر کے کفار میں سے آ گئی ہو۔

"فامر أن یعطی ...... اللاتی هاجرن" یہ حکم دیا گیا کہ جس شخص کی بیوی مسلمانوں میں سے چلی گئی تو اس کو وہ مال دیا جائے جو اس نے مہر دیا تھا۔ کہاں سے دیا جائے؟ کفار کی عورتوں کے مہر میں سے جو کہ ہجرت کر کے آ گئی ہیں۔

جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیویاں چلی گئی تھیں تو انہوں نے مہر نہیں لوٹایا اب اگر دو عورتیں مکہ سے ہجرت کر کے آئیں ہیں تو ان کا مہر مسلمانوں کو لوٹانا تھا تو مسلمانوں مہر کافروں کو لوٹانے کے بجائے ان دونوں عورتوں کو دے دیں گے۔

"وما نعلم أحداً ...... بعد إيمانها" اور ہمارے علم میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہے کہ مہاجرات میں سے کوئی عورت ایمان لانے کے بعد مرتد ہوئی ہو۔

"وبلغنا أن أبابصير ...... فذكر الحديث" ابوبصیر رضی اللہ عنہ کے واقعہ کو اس روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو اخنس بن شریک نے رسول کریم ﷺ کو خط لکھا، مطالبہ کرنے کے لئے کہ ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو لوٹایا جائے۔

اس کے بعد آگے وہی ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو پیچھے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

---

[۲۸] [الممتحنة: ۱۱]

حدیبیہ

"باب غزوة الحديبية" کے تحت وہ احادیث لائے ہیں جس میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔
لفظِ حدیبیہ بعض لوگ "یا" کو تشدید کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور بعض تو قات "یاء" بغیر تشدید کے پڑھتے ہیں۔ ۲۹

حدیبیہ کا محل وقوع

یہ دراصل ایک کنواں تھا اور اس کنواں کے نام پر اس جگہ کا نام حدیبیہ رکھا گیا ہے۔
آج کل وہ جگہ شمیسی کے نام سے مکہ مکرمہ میں ہے۔ اس وقت جدہ سے مکہ مکرمہ جاتے ہیں بلکہ جدہ سے مکہ مکرمہ جانے کا جو پرانا راستہ تھا تو وہ عین حدیبیہ کی جگہ پر پڑتا تھا اور اب عین تو نہیں ہے لیکن راستہ اس کے قریب سے گذرتا ہے۔
اس جگہ پڑاؤ ڈالنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ حدودِ حرم شروع ہونے سے ذرا پہلا کا علاقہ ہے، اس کے بعد فوراً حدودِ حرم شروع ہوجاتا ہے، مقصد یہ تھا کہ اگر لڑائی کی نوبت آئے تو حدودِ حرم میں لڑائی نہ لڑنی پڑے، اگر احرام کھولنے کی نوبت آئے تو احرام کھولا جائے گا اور قربانی حدودِ حرم میں کرنی ہوگی اور حدودِ حرم بالکل برابر میں ہے اور حرم میں قربانی کر کے حلال ہو سکتے ہیں۔ اس واسطے اس جگہ کا انتخاب کیا گیا۔ ۳۰
اب آگے پڑھنے سے پہلے ایک مختصری بات یہ سمجھ لینی مناسب ہے کہ بظاہر اس حدیبیہ کی صلح میں آپ نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ صلح کے لئے کافروں کی ہر شرط مانتے چلے گئے اور بیشتر شرطیں ایسی تھیں جو بالکل ہی نامعقول تھیں۔

جہاں تک حضور اکرم ﷺ کے اسم گرامی کا تعلق ہے تو اس پر بھی اعتراض کیا، بسم اللہ پر بھی اعتراض کیا، آپ ﷺ نے سب باتیں مان لی اور سب سے بڑی جو نامعقول بات تھی وہ یہ کہ ہمارا آدمی کوئی اگر مسلمان ہو کر چلا جائے تو آپ واپس کریں گے اور آپ کا کوئی آدمی ہمارے پاس آئیگا تو ہم واپس نہیں کریں گے۔
یہ جو شرط تھی اور اس شرط کا نشانہ کیسے کیسے مظلوم لوگ بنے، مثلاً ابوجندل رضی اللہ عنہ اور ابو بصیر رضی اللہ عنہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دب کر صلح کیا۔

۲۹، ۳۰ عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۰۳

اور اسی واسطے حضرت عمرؓ بے چین ہوئے اور اِدھر سے اُدھر پھرتے رہے اور کہا کہ ہم اس ذلت کو کیوں برداشت کریں اور جب یہ سب کچھ ہو گیا، صلح ہو گئی اور بعد میں آیت نازل ہو گئی کہ **"انا فتحنا لک فتحا مبینا"** ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ پھر حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ کہ یہ کوئی فتح ہے؟ جو ہمیں حاصل ہو گئی تو آنحضرت ﷺ نے پھر دوبارہ تسلی دی کہ ہاں یہ فتح ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ **"انا فتحنا لک فتحا مبینا"** یہ ماضی کا صیغہ بمعنی استقبال ہے اور فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ یقینی طور پر فتح مکہ ہونے والی ہے، تو اس کو فرمایا **"انا فتحنا لک فتحا مبینا"** قرآن میں بے شک یہ بھی احتمال ہے، لیکن بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہی ہے، کیونکہ درحقیقت یہی صلح حدیبیہ اسلام کی اشاعت اور امت مسلمہ کی سربلندی کا دروازہ بنی۔

اشاعتِ اسلام کا نقطۂ آغاز

واقعہ یہ ہے کہ یہ صلح حدیبیہ اسلام کی اشاعت کا اور مسلمانوں کے غلبہ کا نقطۂ آغاز بنا، صورت حال یہ تھی کہ جب حدیبیہ کی صلح نہیں ہوئی تھی اس وقت تک مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان تھے۔

ایک طرف سے مکہ مکرمہ سے قریش مکہ کا ہر وقت خطرہ تھا کہ وہ جنوب سے حملہ آور ہوں گے، شمال میں خیبر تھا اور بنو نضیر کے یہودی بھی وہاں جا کر آباد ہو گئے تھے اور وہ مسلمانوں کے ازلی دشمن تھے اور ہر وقت مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، تو شمال میں خیبر اور جنوب میں مکہ، چکی کے ان دو پاٹوں کے درمیان مدینہ منورہ آباد تھا اور ہر وقت خطرہ ہے اِدھر سے بھی حملے کا اور اُدھر سے بھی حملہ ہونے کا، اگر بالفرض قریش کی سرکوبی کے لئے جاتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ شمال سے یہودی حملہ آور ہوں، اگر یہودیوں کی سرکوبی کے لئے خیبر جاتے ہیں تو ہر وقت خطرہ ہے کہ قریش مکہ پیچھے سے حملہ آور ہو جائیں گے۔

نہ اُن کی سرکوبی ممکن ہے، نہ ان کی سرکوبی ممکن ہے مسلمان محض ایک دفاعی پوزیشن میں ہیں ہر وقت خطرہ ہے، لہٰذا صرف مدینہ میں بیٹھے ہیں، نہ اُدھر جا سکتے ہیں اور نہ اِدھر جا سکتے ہیں، دونوں طرف کے حملہ کا مقابلہ کرنا ہے۔

جب دو طرف سے یہ جنگی خطرات ہیں اور ہر وقت انہی جنگی خطرات کے سدباب میں لگے ہوئے ہیں تو دوسرے قبائل عرب کی طرف کیا توجہ دیں کہ ان کو اسلام کی دعوت دی جائے اور ان کو اسلام میں شامل کرنے کے لئے جدوجہد اور کوشش کی جائے۔

یہ صورتحال چل رہی تھی چنانچہ ہر سال کوئی نہ کوئی جنگ چل رہی ہوتی تھی اور اس کے نتیجے میں جو مقصد تھا وہ آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

صلح حدیبیہ کے نتیجے میں حضور اکرم ﷺ کا جنوبی حصہ محفوظ ہوگیا، مکہ مکرمہ کی طرف سے حملہ کا خطرہ ختم ہوگیا۔ اب آپ کے واسطے ایک بڑا دروازہ کھل گیا اور یہی وجہ ہے کہ ادھر حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، اس کے کچھ ہی عرصہ بعد آپ نے خیبر پر حملہ کیا ﴿فجعل من دون ذالک فتحا قریبا﴾ تو خیبر پر حملہ کیا، ایک طرف محفوظ ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں اب خیبر پر حملہ کر کے وہ جانب بھی محفوظ کر لی گئی۔

جب جنگ سے تھوڑی دیر فرصت ملی تو رسول کریم ﷺ کی طرف سے دعوتِ اسلام کیلئے دوسرے قبائل عرب کی طرف متوجہ ہونا آپ کیلئے آسان ہوگیا۔ چنانچہ قبائل عرب سے وفود آنے شروع ہوئے، آپ کی طرف سے صحابۂ کرام ؓ مختلف قبائل میں گئے، اسلام کی دعوت عام ہوئی اور نہ صرف قبائل عرب میں بلکہ عرب سے باہر قیصر وکسریٰ شاہ مقوقس، بحرین کے والی وغیرہ سب کو خطوط آپ نے بھیجے اور اس سب کارروائی کے نتیجے میں اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعداد جتنی اس زمانے میں بڑھی پچھلے چھ سال میں اتنی نہیں بڑھی تو اسلام کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ حدیبیہ کے دو ہی سال کے بعد جب آپ فتح مکہ کے موقع پر تشریف لے گئے تو صحابۂ کرام ؓ کی تعداد ڈھائی تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی اور فتح مکہ کے موقع پر صحابۂ کرام ؓ آپ کے ساتھ گئے تو ان کی تعداد دس ہزار تھی اور حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار تو اسی زمانہ کے اندر آپ کی اس حکمت عملی کے نتیجے میں دعوت اسلام زیادہ پھیلی۔

جو شرائط مانی گئی تھی بظاہر دیکھنے میں لگ رہی تھی کہ دب کر مانی گئی لیکن اگر "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کی جگہ "بسمک اللھم" لکھ دیا گیا تو معنی کے اعتبار سے تو کوئی فرق نہیں پڑا۔

اگر کفارِ قریش نے محمد رسول اللہ لکھنے پر اعتراض کیا اور آپ ﷺ نے صرف محمد بن عبداللہ لکھ دیا تو بے شک مسلمانوں کے جذبات کا تقاضہ تو یہ تھا کہ غلط بات ہوئی لیکن فی نفسہ تو غلط نہیں تھی، رہا یہ مسئلہ کہ ان کے آدمی آئے تو لوٹا دیا جائے، اپنا آدمی جائے تو نہ لوٹایا جائے، تو الحمد للہ مسلمانوں کو تو یہ اندیشہ رہا ہی نہیں کہ کوئی آدمی مدینہ منورہ سے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا جائے گا۔

جب ایک مرتبہ کسی کو ایمان کی حلاوت نصیب ہو جاتی تھی، اس کے بعد پھر مرتد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لہٰذا یہ احتمال تو تھا ہی نہیں وہ تو محض ایک نظریاتی بات تھی کہ مسلمانوں میں سے کوئی جائے اور وہاں پر اس کو روک لیا جائے تو اس کا احتمال تھا ہی نہیں، چنانچہ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔

صرف یہ تھا کہ وہاں سے کوئی آئے تو ہم واپس کرنے کے پابند ہوں یہ پابندی بے شک تھی لیکن یہ

پابندی عملاً تو پہلے سے ہو رہی تھی کہ جو کوئی شخص مسلمان وہاں ہوتا تو اس کو نکلنے کی اجازت ہی وہاں سے کب دیتے تھے، پاؤں میں بیڑیاں تک ڈالی ہوئی تھی، پاؤں میں زنجیریں ڈالی ہوئی تھی، تو وہ مدینہ منورہ میں کیسے آئے گا، پہلے سے ہی پابندی تھی، ہاں کوئی اکادکا آدمی چھوٹ چھوٹا کر مدینہ منورہ آجائے تو بے شک اس کے لئے دشواری تھی۔

لیکن وہ بھی رسول کریم ﷺ کی نگاہیں دیکھ رہی تھی کہ یہ دشواری بہت عارضی ہے، چند دنوں کی ہے، ان چند دنوں کی جذباتی تکلیف، پریشانی کو برداشت کر لینا اہون ہے ان مصالح عظیمہ کے مقابلہ میں جو اس صلح کے نتیجہ میں حاصل ہوں گے تو آنحضرت ﷺ نے اس کو گوارا فرمالیا۔

بظاہر دیکھنے میں آدمی کا پتہ پانی ہوتا ہے کہ ابو جندل ﷺ قید میں لڑھکتے ہوئے آرہے ہیں اور ان کو واپس کیا جا رہا ہے، بے شک بڑا صبر آزما مرحلہ تھا، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہیں دیکھ رہی تھی کہ یہ تھوڑے سے دنوں کی بات ہے اور ذرا سا اور صبر کرلیں۔

مکہ کی زندگی میں تمام صحابہ صبر ہی کرتے آئے تھے، اذیتیں برداشت کیں، تکلیفیں برداشت کیں اور ان اذیتوں اور تکلیفوں کے نتیجہ میں کندن بن کر نکلے، لہٰذا اگر تھوڑی دیر مزید یہ تکلیف برداشت کرلیں گے، جہاں اتنے سال سے کر رہے تھے وہاں تھوڑے دن اور سہی، لیکن اس کے نتیجے میں جو زبردست مصالح آنے والے ہیں تو ان مصالح کو ذرا سی تکلیف پر قربان نہ کرنا چاہئے۔

یہ نبی کریم ﷺ کی دور اندیشی تھی کہ جس کو دوسرے لوگ محسوس نہیں کر پا رہے تھے۔

عظیم قائد

یہیں سے قائد کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ کون سی چیز مآل کار میری قوم کیلئے فائدہ مند ہے۔ یہاں تو نبی کریم ﷺ تھے اس واسطے زبان بند تھی لیکن اگر کوئی اور قائد ہوتا تو لعنت وملامت کا شکار ہوتا کہ بزدلی دکھائی، نامردی دکھائی یہ کر دیا، وہ کر دیا۔

لیکن قائد کی مدبرانہ صلاحیتوں کا امتحان ایسے موقع پر ہوتا ہے کہ آیا وہ عام لوگوں کے جذباتی تأثرات کے سامنے ہتھیار ڈال دیں یا اپنی مدبرانہ پالیسی کو صحیح سمجھ کر اسی کو نافذ کریں۔

آج کی دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ تھوڑے دنوں تک تو قائد قیادت کرتا ہے بعد میں جو مقتود ہیں وہ قائد کی قیادت کرتے ہیں یعنی اب قائد جو ہے ان کے چشم آبرو کو دیکھتا ہے کہ اگر میں نے یہ فیصلہ کر لیا تو یہ لوگ مجھے بزدل سمجھیں گے، لہٰذا بجائے اس کے کہ لوگ قائد کے پیچھے چلیں، قائد لوگوں کے پیچھے چلتا ہے، اس واسطے فیصلہ

نہیں کر پاتا کہ اگر میں کروں گا تو یہ لوگ میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔

لیکن جس کے سامنے صرف اللہ کی رضا ہو، مخلوق خدا کا خوف نہ ہو، مخلوق خدا کو راضی کرنے کی فکر نہ ہو بلکہ اللہ کو راضی کرنے کی فکر ہو، اس کی نگاہ اس بات پر نہیں ہوتی کہ لوگ مجھے کیا سمجھیں گے بلکہ اس کی نگاہ اس بات پر ہوتی ہے کہ میں کس بات کو حق سمجھتا ہوں اور اپنی قوم اور ملت کے لئے کونسا راستہ میں درست سمجھتا ہوں، پس اس کو اپناتا ہے اور صحیح قائد وہی ہوتا ہے۔

حکیمانہ جملہ

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ بڑے حکیمانہ جملہ فرماتے تھے کہ قائد وہ ہے جو لوگوں کو اگر چڑھا سکے تو اتار بھی سکے۔ یہ نہیں کہ ایک مرتبہ بانس پہ چڑھا دیا اب لوگ نہیں اتر رہے تو ان کے تابع بن کے کھڑا ہے، جوش تو دلا دیا، جذبات پیدا کر دیئے، جذبات مشتعل کر دیئے، لوگوں کو جوش میں لے آیا، مارنے مرنے پر لوگ تیار ہو گئے، اب بعد میں فیصلہ کرنے کا وقت آرہا ہے کہ بھئی اس وقت جوش کو ذرا ٹھنڈا کریں لیکن جوش ٹھنڈا ہی نہیں ہوتا اور اندیشہ ہے کہ وہ جوش جو میں نے پیدا کیا تھا وہ اب دشمن کے بجائے میرے اوپر استعمال ہو۔

تو یہ کیسا قائد ہوا! یہ تو مقود ہے قائد کہاں ہوا! قائدہ وہ ہے اگر چڑھایا ہے تو چڑھا کر اتار بھی سکے، اتارنے کی صلاحیت بھی ہو۔

اب آپ اندازہ کریں اس صلح حدیبیہ کے اندر دو کیسے زبردست امتحان ہیں۔

ایک طرف بیعت رضوان، بیعت رضوان کس بات پر بیعت ہے؟ کہ مر جائیں یا مار دیں گے اور جوش وخروش اور جذبات کہاں پہنچے ہوئے ہیں، بیعت رضوان کے موقع پر کس معراج پر پہنچے ہوئے ہیں۔

دوسری طرف یہ صلح ہے کہ دوسرا بھی آئے گا تو واپس کریں گے، محمد کے ساتھ "رسول اللہ" کی بھی اجازت نہیں، "بسم اللہ الرحمن الرحیم" لکھنے کی بھی اجازت نہیں اور اس وقت واپس جاؤ، احرام کی حالت میں آئے ہو مگر واپس جاؤ۔ اگلے سال آؤ گے، مگر تین دن کے لئے آؤ گے تین دن سے زیادہ رہنے کی اجازت نہیں ہوگی، ہتھیار ساتھ لے کر نہیں آؤ گے، تلواریں نیام میں ہوں گی۔

یہ سارا صلح کا معاملہ ہو رہا ہے، صحابۂ کرام ﷺ دیکھ رہے ہیں، دانت کاٹ رہے ہیں، ایسا نہیں کہ مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر ان سے لڑیں تو ان کا تکہ بوٹی کر دیں، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کی تدبیر کے آگے سب خاموش۔

تھوڑے سے جذباتی خیالات پیدا ہوئے لیکن جب رسول کریم ﷺ کا فیصلہ آ گیا تو سب ٹھنڈے

ہو گئے، تو یہ سب فوائد اللہ تبارک نے اس کے ذریعہ حاصل کروائے۔

یہاں تک حدیبیہ کے متعلق تفصیلی بات مکمل ہوئی اب باب کی طرف آتے ہیں۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [۳۲]

ترجمہ: یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ حسب عادت باب شروع کرنے سے پہلے ابتداء میں حدیبیہ سے متعلق قرآن کی آیت کو ذکر کر رہے ہیں اور اس آیت میں اُسی بیعتِ رضوان کا ذکر ہے جو آنحضرت ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے حدیبیہ میں درخت کے نیچے لی تھی جس کا تفصیلی واقعہ پیچھے گزر چکا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صلح حدیبیہ کے چند متفرق واقعات یہاں ذکر کئے ہیں۔

۴۱۴۷ ۔ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سليمان بن بلال قال: حدثني صالح بن كيسان، عن عبيد الله بن عبدالله، عن زيد بن خالد ؓ قال: خرجنا مع رسول الله ﷺ عام الحديبية فأصابنا مطر ذات ليلة فصلى لنا رسول الله ﷺ الصبح، ثم أقبل علينا بوجهه فقال: ((أتدرون ماذا قال ربكم؟)) قلنا: الله ورسوله أعلم، فقال: ((قال الله: أصبح من عبادي مؤمن بي، وكافر بي. فأما من قال: مطرنا برحمة الله وبرزق الله وبفضل الله فهو مؤمن بي، كافر بالكوكب. وأما من قال: مطرنا بنجم كذا فهو مؤمن بالكوكب، كافر بي)). [راجع: ۸۴۶]

ترجمہ: حضرت زید بن خالد ؓ کہتے ہیں کہ حدیبیہ کے سال ہم بھی رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے، ایک رات بارش ہونے لگی تو حضور اکرم ﷺ صبح کی نماز پڑھا کر ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور ارشاد فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بہت لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کی صبح ہوتی ہے تو میرے اوپر ایمان رکھتے ہیں، اور بہت سے ایسے ہیں جو منکر ہو جاتے ہیں، یعنی جو یہ کہتا ہے کہ یہ بارش خدا کے فضل سے ہم پر ہوئی ہے وہ تو ایماندار ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ نہیں، یہ کسی ستارے کے اثر سے ہوئی ہے، تو وہ ستاروں پر ایمان رکھتا ہے، خدا تعالیٰ پر نہیں۔

---

[۳۲] [الفتح: ۱۸]

ستارے اور محکمۂ موسمیات علتِ تامہ نہیں

اس باب میں پہلی حدیث حضرت زید بن خالد ﷛ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **"قال خرجنا مع النبی ﷺ الخ"** ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال نکلے۔

"فاصابنا مطر الخ" تو ابھی ہم راستے میں ہی تھے کہ رات کے وقت بارش آگئی۔

"فصلی لنا رسول اللہ ﷺ الخ" صبح کی نماز ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھی، نماز پڑھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"فقال: أتدرون ماذا قال ربکم ؟ الخ" پھر آپ ﷺ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم لوگ جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا کہا؟ تو صحابۂ کرام ﷢ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں کہ ہمارے رب نے کیا کہا؟

"فقال: قال اللہ: أصبح من عبادی مؤمن بی، و کافر بی" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کی صبح میرے بندوں میں سے کچھ لوگوں نے تو اس حالت میں صبح کی ہے کہ وہ مجھ پر ایمان لانے والے تھے اور جب کہ کچھ لوگوں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ وہ میرا کفر کرنے والے تھے۔

"فاما من قال: مطرنا برحمة الخ" جس نے یوں کہا کہ ہم پر اللہ کی رحمت سے بارش ہوئی، اللہ کے رزق سے، اللہ کی فضل سے، تو وہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے اور ستاروں کا انکار کرنے والا ہے۔

"فاما من قال مطرنا بنجم الخ" جس نے یہ کہا کہ ہم پر فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی تو وہ ستارے پر ایمان رکھتا ہے اور میرا انکار کرتا ہے۔

جاہلیت کے زمانے میں اہلِ عرب اس طرح کہتے تھے کہ فلاں ستارے کے ٹوٹنے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، اس بات کو بارش کی علتِ تامہ سمجھتے تھے۔ اسی طرح انکا عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ طلوع ہو تو وہ بارش کی علت ہوتی ہے۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے اہلِ عرب کے جاہلی عقائد کی تردید فرمائی۔

محکمۂ موسمیات کا کردار اس میں داخل نہیں کیونکہ محکمۂ موسمیات صرف علامت بتاتا ہے کہ علامتیں ایسی ہیں کہ اس میں بارش ہونے کی توقع ہے یا نہیں۔

اس کا تعلق اس سے نہیں ہے کہ فلاں ستارہ بارش کی علت ہے، اہل عرب ستارے کو بارش کی علت تامہ مانتے تھے۔ جبکہ علامات سے اندازہ لگانا کہ بھائی موسم کے آثار ایسے ہو رہے ہیں کہ بارش ہوگی تو یہ پیشین گوئی

اس میں داخل نہیں۔

۴۱۴۸ - حدثنا هدبة بن خالد: حدثنا همام، عن قتادة: أن أنسا رضی الله عنه أخبره قال: اعتمر رسول الله ﷺ أربع عمر كلهن في ذي القعدة إلا التي كانت مع حجته: عمرة من الحديبية في ذي القعدة، وعمرة من العام المقبل في ذي القعدة، وعمرة من الجعرانة حيث قسم غنائم حنين في ذي القعدة، وعمرة مع حجته. [راجع: ۱۷۷۹]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے ادا کئے سب ماہ ذی قعدہ میں، مگر ایک وہ جو حج کے ساتھ ماہ ذی الحجہ میں کیا تھا۔ چنانچہ حدیبیہ کا ذی قعدہ میں ہوا، پھر دوسرے سال کا بھی ذی قعدہ میں، اس کے بعد جعرانہ کا عمرہ جہاں حنین کے مال غنیمت کو تقسیم کیا گیا وہ ذی قعدہ میں ہوا، اور چوتھا عمرہ آپ ﷺ نے ذی الحجہ کے ماہ میں حج کے ساتھ ادا کیا۔

نبی کریم ﷺ کے عمروں کی تعداد

اس حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ نے کتنے دفعہ عمرہ کیا اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چار عمرے فرمائے اور ہر عمرہ ذی قعدہ میں تھا سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ ہوا، تو حج چونکہ ذی الحجہ میں ہوا تو عمرہ بھی اسی میں ہوا، باقی سارے عمرے ذی القعدہ میں ہوئے۔

ایک عمرۃ الحدیبیہ۔ یہ عمرہ ذی القعدہ میں جب مشرکوں نے آپ ﷺ کو روک دیا تھا۔ اب عمرہ حدیبیہ تو بظاہر نہیں ہوا لیکن حالت احصار میں ہونے کی وجہ سے جب قربانی کردی گئی، حلق کرلیا گیا چونکہ غیر اختیاری طور پر روکے گئے تھے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں انشاء اللہ عمرہ ہی کا ثواب لکھا گیا، اسی لئے عمرہ ہی کے محسوب ہوگا۔

دوسرا عمرۃ القضاء۔ آئندہ سال ذی القعدہ میں مشرکین سے کی گئی صلح کے مطابق ادا کیا۔

تیسرا عمرہ عمرۂ جعرانہ ہے، جب آپ ﷺ نے غزوۂ حنین سے حاصل شدہ مال غنیمت کی تقسیم فرمائی، یہ بھی ذی القعدہ میں ہوا۔

چوتھا عمرہ حجۃ الوداع کے ساتھ تھا، جو کہ ۱۰ھ میں ادا کیا۔

۴۱۴۹ - حدثنا سعيد بن الربيع: حدثنا علي بن المبارك، عن يحيى، عن عبدالله بن أبي قتادة أن أباه حدثه قال: انطلقنا مع النبي ﷺ عام الحديبية فأحرم أصحابه ولم أحرم. [راجع: ۱۸۲۱]

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سب حدیبیہ کے سال آنحضرت ﷺ کے ساتھ نکلے، تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے احرام باندھا ہوا تھا، مگر میں نے نہیں باندھا تھا۔

تشریح

حضرت ابوقتادۃ ﷺ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جب صلح حدیبیہ کے سال نکلے تو آپ ﷺ کے تمام اصحاب ﷺ نے احرام باندھا تھا اور مگر میں نے احرام نہیں باندھا تھا۔

ان کا قصہ وہ ہے کہ جس میں انہوں نے ایک حمار وحشی کا شکار کیا تھا، یہ واقعہ متعدد مقامات پر تفصیل سے آئے گا۔ آپ ﷺ نے ان کو صدقات وصول کرنے کیلئے بھیجا تو اس واسطے حضرت ابوقتادۃ ﷺ عمرہ کرنے نہیں جاسکے تھے، یہ صدقات وصول کرنے جارہے تھے تو حالت احرام میں نہیں تھے۔

۴۱۵۰ ۔ حدثنا عبیداللہ بن موسی، عن إسرائیل، عن أبی إسحاق، عن البراء ﷺ قال: تعدون أنتم الفتح فتح مکة، وقد کان فتح مکة فتحا. ونحن نعد الفتح بیعة الرضوان. یوم الحدیبیة کنا مع النبی ﷺ أربع عشرة مائة. والحدیبیة بئر فنزحنا ھا فلم نترک فیھا قطرة. فبلغ ذلک النبی ﷺ فأتاھا فجلس علی شفیرھا ثم دعا بإناء من ماء فتوضأ ثم مضمض ودعا ثم صبه فیھا فترکنا ھا غیر بعید، ثم إنھا أصدرتنا ما شئنا نحن ورکابنا. [راجع: ۳۵۷۷]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے کہا کہ اے لوگو! تم انا فتحنا سے مکہ کی فتح مراد لیتے ہو، بے شک مکہ کی فتح بھی ایک فتح ہی ہے، مگر ہم تو بیعت رضوان کو جو حدیبیہ میں ہوئی فتح جانتے ہیں، چنانچہ ہم سب چودہ سو آدمی رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ حدیبیہ ایک کنواں تھا، ہم نے اس سے پانی بھرنا شروع کیا یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا اس میں، کیونکہ بہت لوگ پیاسے ہو رہے تھے، یہ خبر جب رسول اکرم ﷺ کو ملی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پانی کا برتن منگوا کر وضو کیا، کلی کی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، پھر بچا ہوا پانی کنویں میں ڈال دیا، اور انتظار کرنے لگے، پھر تو اس کنویں نے ہم کو اور ہمارے جانوروں کو خوب جی بھر کر پانی پلایا۔

نبی کریم ﷺ کا معجزہ: پانی اُبل پڑا

حضرت براء بن عازب ﷺ فرماتے ہیں کہ تم لوگ تو "انا فتحنا لک فتحا مبینا" میں فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو "وقد کان فتح الخ" اور بے شک مکہ کی فتح، فتح تھی لیکن "ونحن الخ" ہم تو بیعت رضوان کو بھی جو حدیبیہ کے دن ہوئی فتح سمجھتے تھے، "کنا مع الخ" ہم رسول کریم ﷺ کے ساتھ چودہ سو آدمی تھے۔

تعداد کے حوالے سے مختلف روایتیں آئی ہیں جو آگے آجائیں گی۔

"والحدیبیة بئر فنزحناالخ" حدیبیہ ایک کنواں تھا ہم نے اس کا پانی کھینچ لیا اور یہاں تک کہ کوئی قطرہ اس میں باقی نہ رہا یعنی پانی کی اتنی قلت تھی کہ ہم نے کنویں کا تمام پانی اپنی ضرورتوں میں استعمال کرلیا۔

"فبلغ ذلک النبی ﷺ فأتاها الخ" جب نبی کریم ﷺ کو یہ بات پتا لگی تو آپ ﷺ تشریف لائے اور کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر برتن سے وضو کیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، پھر آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا ہوا پانی کنویں میں ڈال دیا جس کی برکت سے وہ کنواں پانی سے بھر گیا، حضرت براء بن عازب ؓ آپ ﷺ کے اسی معجزہ کا ذکر کر رہے ہیں ۔

"فتركناهاغير بعيد الخ" زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اس نے ہمیں سیراب کیا اصل معنی ہے لوٹایا۔ کسی گھاٹ پر لیجا کر واپس لوٹانا، تو جب گھاٹ پر جا کر واپس لوٹتا ہے تو سیراب ہو کر لوٹتا ہے اس لئے معنی لازمی مراد ہے سیراب کرنا کہ ہم کو سیراب کیا جتنا ہم نے چاہا۔

۴۱۵۱ ـ حدثني فضل بن يعقوب: حدثنا الحسن بن محمد بن أعين أبو علي الحراني: حدثنا زهير: حدثنا أبو إسحاق قال: أنبأنا البراء بن عازب رضي الله عنهما أنهم كانوا مع رسول الله ﷺ يوم الحديبية ألفا وأربعمائة أو أكثر فنزلوا على بئر فنزحوها، فأتوا النبي ﷺ فأتى البئر وقعد على شفيرها ثم قال: ((ائتوني بدلو من مائها))، فأتي به فبصق فدعا ثم قال: ((دعوها ساعة)) فأرووا أنفسهم وركابهم حتى ارتحلوا. [راجع: ۳۵۷۷]

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں کہ ہم کو حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ہم سب لوگ حدیبیہ میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ ۱۴سو سے کچھ زیادہ تھے ہم ایک کنویں پر آکر ٹھہرے ہم نے تمام پانی نکال لیا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پانی کی قلت کا بتایا تو آپ ﷺ فوراً تشریف لائے کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اس کے پانی کا ایک ڈول لے آؤ جو حاضر کیا گیا، آپ ﷺ نے اس میں اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا اور اللہ سے دعا فرمائی پھر فرمایا کہ تھوڑا انتظار کرو۔ ذرا ٹھہرے کہ تمام لوگوں نے خود بھی اور اپنے جانوروں کو بھی جی بھر کر پانی پلایا۔

۴۱۵۲ ـ حدثنا يوسف بن عيسى: حدثنا ابن فضيل: حدثنا حصين، عن سالم، عن جابر ؓ قال: عطش الناس يوم الحديبية ورسول الله ﷺ بين يديه ركوة فتوضأ منها ثم أقبل الناس نحوه فقال رسول الله ﷺ: ((ما لكم؟)) قالوا: يا رسول الله، ليس عندنا ما نتوضأ به ولا نشرب إلا ما في ركوبك. فوضع النبي ﷺ يده في الركوة فجعل الماء يفور

من بين أصابعه كأمثال العيون قال: فشربنا وتوضأنا. قلت لجابر: كم كنتم يومئذ؟ قال: لو كنا مائة ألف لكفانا، كنا خمس عشرة مائة. [راجع: ۳۵۷۶]

ترجمہ: حضرت جابر ﷺ نے بیان کیا کہ حدیبیہ کے دن لوگ پانی کی سخت تنگی محسوس کر رہے تھے صرف رسول اکرم ﷺ کے پاس ایک برتن تھا، جس میں پانی موجود تھا آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا اور لوگوں سے پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ سب نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس نہ وضوء کرنے کے لئے پانی ہے اور نہ ہی پینے کے لئے ہے، بس یہی پانی ہے جو آپ کے برتن میں ہے۔ حضرت جابر ﷺ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے یہ سنتے ہی اپنا دست مبارک پانی میں رکھ دیا اور آپ کی انگلیوں سے پانی فوارے کی طرح پھوٹنے لگا یہاں تک کہ ہم سب نے وضو کیا اور خوب پیا۔ حضرت جابر ﷺ سے پوچھا گیا کہ اس دن آپ سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے فرمایا ہم ایک لاکھ کی تعداد میں بھی ہوتے تب بھی وہ پانی ہمارے لئے کافی ہوتا، مگر اس دن ہم کل پندرہ سو آدمی تھے۔

۴۱۵۳ ۔ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا يزيد بن زريع، عن سعيد، عن قتادة، قلت لسعيد بن المسيب: بلغني أن جابر بن عبد الله كان يقول: كانوا أربع عشرة مائة، فقال لي سعيد: حدثني جابر: كانوا خمس عشرة مائة الذين بايعوا النبي ﷺ يوم الحديبية. [راجع: ۳۵۷۶]

تابعه أبو داود: حدثنا قرة، عن قتادة. تابعه محمد بن بشار: حدثنا أبو داود: حدثنا شعبة.

ترجمہ: قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ ﷺ شرکاء حدیبیہ کا شمار چودہ سو کرتے ہیں، سعید نے جواب دیا کہ مجھے حضرت جابر ﷺ نے بتایا کہ صلح حدیبیہ کے دن بیعت کرنے والے پندرہ سو حضرات تھے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ہم سے قرہ بن خالد نے کہا انہوں نے قتادہ سے اور محمد بن بشار نے بھی ابوداؤد کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔

۴۱۵۴ ۔ حدثنا علي: حدثنا سفيان: قال عمرو: سمعت جابر بن عبد الله رضي الله عنهما قال: قال لنا رسول الله ﷺ يوم الحديبية: ((أنتم خير أهل الأرض))، وكنا ألفا وأربعمائة. ولو كنت أبصر اليوم لأريتكم مكان الشجرة. تابعه الأعمش: سمع سالما: سمع جابرا: ألفا وأربعمائة. [راجع: ۳۵۷۶] ۳۲

---

۳۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب استحباب مبايعة الامام الجيش عند ارادة القتال وبيان بيعة الرضوان تحت الشجرة، رقم: ۱۸۵۶

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے دن صحابہ سے ارشاد فرمایا آج تم تمام زمین والوں سے افضل ہو۔ جابر ؓ کہتے ہیں اس دن چودہ سو آدمی تھے۔ اگر آج میں بینا ہوتا، تو تم کو درخت کی جگہ بتاتا۔ اس حدیث کو اعمش بھی بیان کرتے ہیں، انہوں نے سالم سے سنا اور انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ چودہ سو آدمی تھے۔

اصحابِ شجرہ کی فضیلت

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اکرم ﷺ نے حدیبیہ کے دن صحابہ سے ارشاد فرمایا **"أنتم خير أهل الأرض"** آج تم تمام زمین والوں سے افضل ہو۔

یہ روایت اصحابِ شجرہ کی افضلیت پر صریح دلیل ہے، بلاشبہ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمان اصحابِ شجرہ کے علاوہ مکہ، مدینہ اور دیگر مقامات پر موجود تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ شجرہ کی خصوصی فضیلت بیان فرمائی۔ [۴۳]

اسکے علاوہ صحیح مسلم میں امام مسلم رحمہ اللہ نے ام مبشر کی مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **"لا يدخل النار أحد من أصحاب الشجرة"** اصحابِ شجرہ میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ [۴۴]

اور بلاشبہ ان حضرات کا جنتی ہونا یقینی ہے جبکہ اللہ رب العزت نے ان سے اپنی رضاء کا اعلان فرمایا ہے، سورۃ الفتح میں اصحاب الشجرہ کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

ترجمہ: یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔

---

[۴۳] قوله: ((قال لنا رسول الله ﷺ يوم الحديبية: أنتم خير أهل الارض))، هذا صريح في فضل أصحاب الشجرة، فقد كان من المسلمين اذ ذاك جماعة بمكة وبالمدينة وبغيرهما. فتح الباري، ج:۷، ص:۴۴۳

[۴۴] صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم اجمعين، باب من فضائل أصحاب الشجرة أهل البيعة الرضوان رضي الله عنهم اجمعين، رقم: ۴۴۹۶

رضائے رب کا یہ اعلان اس بات کی ضمانت ہے کہ یہ سب مرتے دم تک ایمان وعمل صالح پر قائم رہیں گے، کیونکہ اللہ تو علیم وخبیر ہے اگر کسی کے متعلق اس کو یہ علم ہو کہ یہ کسی وقت ایمان سے پھر جانے والا ہے تو اس سے اپنی رضاء کا اعلان نہیں فرما سکتے۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مقدمہ "استیعاب" میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ " **ومن رضی اللہ عنہ لم یسخط علیہ ابدا**" یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ [۳۶]

روافض کا غلط استدلال

روافض رشیعہ حضرات نے اس حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علی ؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حضرت عثمان ؓ پر کیونکہ حضرت علی ؓ درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں موجود تھے، اس لئے "**أنتم خیر أهل الأرض**" کے مخاطب تھے، بخلاف حضرت عثمان ؓ کے کیونکہ وہ بیعت میں موجود نہیں تھے۔

لیکن روافض کا یہ استدلال صریح البطلان ہے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو خود مکہ بھیجا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کی جانب سے بیعت کی بلکہ یہ خصوصی فضیلت حضرت عثمان ؓ کے حصے میں آئی تھی کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے ہی دست مبارک کو حضرت عثمان ؓ کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کر لی اور ارشاد فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔

پس بلاشبہ حضرت عثمان ؓ اصحاب شجرہ کے مصداق تھے اور "**أنتم خیر أهل الأرض**" کے مخاطب بھی تھے۔ [۳۷]

---

[۳۶] فقال له: كذبت لا يدخلها أحد شهد بدرًا أو الحديبية. قال أبو عمر رضي الله عنه: قال الله سبحانه ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ ومن رضي الله عنه لم يسخط عليه أبدا إن شاء الله. الاستيعاب في معرفة الأصحاب، مقدمة المؤلف، ج: ۱، ص: ۴

[۳۷] قوله: ((أنتم خير أهل الأرض))، هذا يدل صريحاً على فضل أهل الشجرة، وهم الذين بايعوا النبي ﷺ تحتها، وهم أهل بيعة الرضوان. وقال الداودي: ولم يرد دخول نفسه فيهم، واحتج به بعض الشيعة في تفضيل علي على عثمان، رضي الله تعالى عنهما، لأن عليا كان حاضراً وعثمان كان غائبا بمكة، ورد بأن عثمان كان في حكم من دخل تحت الخطاب لأن النبي ﷺ كان بايع عنه وهو غائب، فدخل عثمان فيهم، ولم يقصد في الحديث تفضيل بعضهم على بعض. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۳۰۸

۴۱۵۵ ۔ وقال عبد اللہ بن معاذ: حدثنا أبي: حدثنا شعبة، عن عمرو بن مرة: حدثني عبد اللہ بن أبي أوفى رضي اللہ عنهما: كان أصحاب الشجرة ألفا وثلاثمائة، وكانت أسلم ثمن المهاجرين.

تابعه محمد بن بشار: حدثنا أبو داود: حدثنا شعبة.

ترجمہ: عمرو بن مرہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بیعت رضوان میں لوگوں کی تعداد ۱۳ سوتھی اور قبیلہ اسلم کے لوگ مہاجرین کے آٹھویں حصہ کے برابر تھے۔ اس حدیث کو محمد بن بشار نے بھی روایت کیا ہے ان سے ابوداؤد نے اور ان سے شعبہ نے بیان کیا۔

اصحاب حدیبیہ کی تعداد میں تعارض

بظاہر اصحاب حدیبیہ کی تعداد میں روایتوں میں تعارض ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں ہیں دونوں میں تعارض ہے۔

ایک حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کی حضرت جابر ﷺ سے روایت ہے کہ اصحاب حدیبیہ کی تعداد پندرہ سوتھی۔ دوسری روایت حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی ہے کہ حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیبیہ کی تعداد چودہ سوتھی۔

اسی طرح حضرت براء بن عازب ﷺ کی روایت میں چودہ سے کچھ اوپر تعداد ذکر کی گئی ہے۔

جبکہ مذکورہ حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما کی روایت میں تیرہ سو تعداد بیان کی گئی ہے۔

تعارض کا جواب

اصل میں اصحاب حدیبیہ کی تعداد چودہ سو سے زیادہ تھی جیسا کہ حضرت براء بن عازب ﷺ کی روایت میں "الفا او بعمائة" کے بعد "او اكثر" کا لفظ آیا ہے، تو جس نے کسر کو پورا شمار کیا اس نے پندرہ سو کہا اور جس نے کسر کا اعتبار نہیں کیا اس کو چھوڑ دیا تو اس نے چودہ سو کہا، یہ جمع بین الروایات کی صورت ہے۔ [۳۸]

اور یہی تعداد زیادہ راجح ہے۔ [۳۹]

---

[۳۸] فتح الباری، ج: ۴، ص: ۴۴۴۔ ۴۴۲

[۳۹] دلائل النبوة، تكملة أبواب جماع الغزوات، باب عدد من كان مع النبي ﷺ بالحديبية، ج: ۴، ص: ۹۸ ۔ ۹۳

جہاں حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہما کی مذکورہ روایت کا تعلق ہے جس میں انہوں نے تیرہ سو تعداد ذکر کی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق کہا ہو، جن کو زیادہ تعداد کا علم تھا انہوں نے اپنے علم کے مطابق زیادہ تعداد بیان کی اور اصول وقاعدہ یہ ہے کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

یہ جواب بھی دیا جا سکتا ہے کہ مدینہ سے نکلتے وقت تعداد تیرہ سو تھی، پھر بعد میں مزید لوگ شامل ہوتے گئے اور تعداد چودہ سو سے بھی بڑھ گئی۔

تیرہ سو والی روایت کا ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اصل مجاہدین کی تعداد تیرہ سو تھی اور جن روایات میں زیادہ کا ذکر ہے ان میں خدام، خواتین اور بچوں کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ [۴۰]

۴۱۵۶ ۔ حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا عيسى، عن إسماعيل، عن قيس: أنه سمع مرداسا الأسلمي يقول، وكان من أصحاب الشجرة: ((يقبض الصالحون الأول، فالأول، وتبقى حفالة كحفالة التمر والشعير لا يعبأ الله بهم شيئا)). [انظر: ۶۴۳۴] [۴۱]

ترجمہ: قیس نے حضرت مرداس الاسلمی ﷺ سے جو اصحاب شجرہ میں داخل ہیں سنا ہے کہ قیامت کے قریب نیک لوگ ایک کر کے اٹھائے جائیں گے اور ان کے بعد وہ لوگ رہ جائیں گے، جو بے کار ہیں جیسے خراب کھجور یا جو کا بھوسا اور اللہ کو ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

منشاء بخاری

اس روایت کو یہاں بیان کرنے کے مقصد یہ ہے کہ حضرت مرداس الاسلمی ﷺ صلح حدیبیہ کے وقت آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اور انہوں نے درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی یعنی اصحاب شجرہ میں سے تھے۔

---

[۴۰] ويقال ألف وأربعمائة ويقال خمسمائة وخمس وعشرون رجلاً ومعه أم سلمة قال الحاكم والقلب أميل الى من روى ألفاً وخمسمائة لاشتهاره ولمتابعة المسيب بن حزن له فيه قال ورواية موسى بن عقبة كانوا ألفاً وستمائة ولم يتابع عليها. قلت: قاله أبو معشر وأبو سعيد النيسابوري قال ورقى عن رعبدالله بن ابى اوفى انهم كانوا الفاً وثلاثمائة وسيأتي في رواية البراء انهم كانوا الفاً وأربعمائة. فان قلت: ما وجه التوفيق بين هذه الروايات؟ قلت: الوجه فيه أن بعضهم ضم اليهم النساء والأتباع و بعضهم حذف، وقال ابن دحية اختلاف الروايات لأن ذلك من باب الحرز والتخمين لا من باب التحديد. عمدة القارى، ج:۱۷، ص:۳۰۴

قربِ قیامت میں نیک لوگوں کو اٹھالیا جائے گا

حضرت مرداس اسلمی ﷛ فرماتے ہیں کہ قربِ قیامت کے وقت نیک لوگ **"الأول فالأول"** کے قاعدے کے مطابق دنیا سے رخصت ہوتے رہیں گے اور ان کے بعد وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو بے کار اور فضول ہیں یعنی کفار و مشرکین اور فساق و فجار اس دنیا میں باقی رہ جائیں گے۔

اس کی مثال انہوں نے یوں بیان فرمائی کہ جیسے خراب کھجور یا جو کا بھوسا اور ردی آخری میں باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح آدمی بھی ایسے ہی فضول اور ردی قسم کے رہ جائیں گے، اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت روئے زمین میں ایسا کوئی شخص باقی نہیں ہوگا جو خدا کا نام لیوا اور اس کی پرستش کرنے والا ہو بلکہ سب کے سب کافر اور بت پرست ہوں گے؛ اس سے معلوم ہوا کہ اس کائنات کا وجود و بقاء درحقیقت باعمل علما، ذاکرین وصالحین اور نیکوکاروں کے وجود کی برکت سے ہے۔ جب ان کو اس دنیا سے اٹھالیا جائے گا تو دنیا بھی باقی نہیں رہے گی۔

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ قیامت صرف بدتر لوگوں پر قائم ہوگی۔ [۲۲]

حاصل یہ ہے کہ حکمت باری تعالیٰ کے تحت قیامت کے قریب ایمان و اسلام بالکل اٹھالیا جائے گا اور تمام روئے زمین پر صرف کفر و شرک اور بدکاری کا چلن رہ جائے گا تا کہ قیامت جو اللہ تعالیٰ کے قہر اور جلال کا مظہر ہوگی، صرف بدکاروں پر قائم ہو نہ کہ نیکوکاروں پر۔

۴۱۵۷، ۴۱۵۸ - حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفيان، عن الزهري، عن عروة، عن مروان والمسور بن مخرمة قالا: خرج النبي ﷺ عام الحديبية في بضع عشرة مائة من أصحابه، فلما كان بذي الحليفة قلد الهدي وأشعره وأحرم منها، لا أحصي كم سمعته من سفيان حتى سمعته يقول: لا أحفظ من الزهري الإشعار والتقليد فلا أدري يعني موضع الإشعار والتقليد أو الحديث كله. [راجع: ۱۶۹۴، ۱۶۹۵]

---

[۲۱] وفي مسند احمد، مسند الشاميين، حديث مرداس الاسلمي، رقم: ۱۷۷۲۸، ۱۷۷۲۹، ۱۷۷۳۰، وسنن الدارمي، كتاب الرقاق، باب في ذهاب الصالحين، رقم: ۲۷۶۱

[۲۲] عن عبدالله عن رسول الله ﷺ قال: ((لاتقوم الساعة، الا على شرار الناس)). صحيح مسلم، كتاب الفتن واشراط الساعة، باب قرب الساعة، رقم: ۲۹۴۹

ترجمہ: عروہ روایت کرتے ہیں کہ مروان اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ حدیبیہ کے سال تقریباً ۱۴ یا ۱۳ سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوکر ذوالحلیفہ پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ نے قربانی کے جانور کو ہار پہنایا، کوہان سے خون بہایا اور وہیں سے عمرے کا احرام باندھا، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے اس حدیث کو کتنی مرتبہ سفیان سے سنا ہے، آخر وہ کہنے لگے کہ زہری سے ہار ڈالنا اور کوہان چیرنا یاد نہیں رہا، اب مجھے معلوم نہیں کہ ان کا مطلب کیا تھا، یعنی اشعار اور تقلید کا مقام یاد نہیں رہا یا تمام حدیث یاد نہیں رہی۔

تقلید

تقلید کہتے ہیں قربانی کے جانور کے گلے میں جوتیوں وغیرہ کا ہار (قلادہ) ڈالنا، قلادہ ڈالنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ ہدی حرم ہے۔ اور یہ تقلید بالاتفاق سنت ہے۔ [۳۳]

اشعار

اونٹ کا کوہان داہنی طرف سے ذرا سا چیر دینا اور خون بہا دینا **"فیکون ذلک علامة علی کونها هدیا"** کہ اسی علامت کا دوسرا طریقہ "اشعار" ہے۔ [۳۴]

۴۱۵۹ ۔ حدثنا الحسن بن خلف: حدثنا إسحاق بن یوسف، عن أبی بشر ورقاء عن ابن أبی نجیح، عن مجاهد قال: حدثنی عبدالرحمن بن أبی لیلی، عن کعب بن عجرة أن رسول اللہ ﷺ رآه وقمله یسقط علی وجهه فقال: ((أیؤذیک هو امک؟)) قال: نعم، فامره رسول اللہ ﷺ أن یحلق وهو بالحدیبیة، ولم یبین لهم أنهم یحلون بها وهم علی طمع أن یدخلوا مکة، فانزل اللہ الفدیة فامره رسول اللہ ﷺ أن یطعم فرقا بین ستة

---

[۳۳] وهو سنة بالاجماع، وهو تعلیق نعل أو جلد لیکون علامة الهدی. وقال أصحابنا: لو قلد بعروة مزادة أو لحی شجرة أو شبه ذلک جاز لحصول العلامة، وذهب الشافعی و الثوری الی أنها تقلد بنعلین، وهو قول ابن عمر، وقال الزهری ومالک: یجزئ واحدة، وعن الثوری: یجزئ فم القربة، ونعلان أفضل لمن وجدهما، کذا ذکره العلامة بدرالدین العینی فی العمدة، ج: ۷، ص: ۳۰۲

[۳۴] عمدة القاری، ج: ۷، ص: ۳۰۱، مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمایئے: انعام الباری، کتاب الحج، باب من اشعر وقلد بذی الحلیفة ثم أحرم، رقم: ۱۶۹۴، ج: ۵، ص: ۳۲۴

مساكين، أو يهدي شاة، أو يصوم ثلاثة أيام. [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: کعب بن عجرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ انکے سر سے جوئیں انکے چہرے پر گر رہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کیڑوں سے تکلیف ہے؟ جواب دیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا پھر بال منڈ والو، اس وقت آپ حدیبیہ میں تھے اور آپ ﷺ نے یہ نہیں بتایا تھا کبھی لوگوں کو کہ بعد میں حلال ہونا ہوگا (یعنی احرام کھولنا پڑے گا)، بلکہ امید یہ تھی کہ مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ پورا کریں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے فدیہ کی آیت نازل فرمائی اور رسول اللہ نے انہیں حکم دیا کہ چھ مسکینوں کو کھانا دو یا ایک بکری کی قربانی کرو یا تین دن روزہ رکھو۔

فدیہ کا حکم

مشہور واقعہ ہے کہ کعب بن عجرہ ﷺ کو حضور اکرم ﷺ نے اس حال میں دیکھا کہ جوویں ان کے چہرے پر گر رہی تھی، حالت احرام میں تھے اور بال منڈ انہیں سکتے تھے تو آپ ﷺ نے پوچھا یہ جو تمہارے کیڑے ہیں، کیا یہ تمہیں تکلیف نہیں دے رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جی ہاں، تکلیف دے رہے ہیں۔

"فامر رسول الله الخ" تو آپ ﷺ نے حلق کرنے کی اجازت دی کہ ایسی حالت میں حلق کرا سکتے ہو اور جو کچھ فدیہ دے سکتے ہو دے دو یعنی اگر کسی عذر کی وجہ سے عمرہ یا حج کا کوئی رکن رہ جائے تو اس کو چھوڑ سکتے ہیں اور اس کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔

"لم يبين الخ" اور اس وقت آپ نے یہ نہیں بتایا تھا لوگوں کو کہ بعد میں سبھی کو حلال ہونا ہوگا یہاں یہ بات مراد ہے کہ کفار کی طرف سے روکے جانے کی وجہ سے جب مسلمان مکہ میں داخل نہیں ہو سکے تو انہوں حدیبیہ میں ہی اپنے احرام کھولنے پڑے، حالانکہ ان سب کو تو یہ امید تھی کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں گے۔

"فانزل الخ" پھر یہیں حدیبیہ کے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فدیہ کی آیت نازل فرمائی یعنی اگر حالت احرام میں کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں درد یا سر میں زخم ہو تو اس کو بضرورت حالت احرام میں سر کی حجامت کروانا جائز ہے مگر بدلہ دینا ہوگا۔

تین روزے یا چھ فقیروں کو کھانا کھلانا یا ایک دنبہ ربکرے کی قربانی کرنا۔ یہ دم جنایت ہے کہ حالت احرام میں بضرورت مرض لاچار ہو کر امور مخالفِ احرام کرنے پڑے۔ [۴۵]

---

[۴۵] تفسیر عثمانی [سورة البقرة: ۱۹۶، فائدہ: ۱] وكذا ذكره العلامة بدر الدين العينى في العمدة القارى: كتاب المحصر وجزاء الصيد، باب من قال ليس على المحصر بدل، ج: ۱۰، ص: ۲۲۸-۲۲۳

۴۱۶۰، ۴۱۶۱، ۴۱۶۲ ـ حدثنا إسماعيل بن عبدالله قال: حدثني مالک، عن زيد بن أسلم، عن أبيه قال: خرجت مع عمر بن الخطاب ﷺ إلى السوق فلحقت عمر امرأة شابة، فقالت: يا أمير المؤمنين، هلک زوجي وترک صبية صغارا، والله ما ينضجون كراعا ولا لهم زرع ولا ضرع وخشيت أن تأكلهم الضبع، وأنا بنت خفاف ابن إيماء الغفاري، وقد شهد أبي الحديبية مع رسول الله ﷺ فوقف معها عمر ولم يمض ثم قال: مرحبا بنسب قريب، ثم انصرف إلى بعير ظهير كان مربوطا في الدار فحمل عليه غرارتين ملأهما طعاما وحمل بينهما نفقة وثيابا ثم ناولها بخطامه ثم قال: اقتاديه فلن يفنى حتى يأتيكم الله بخير. فقال رجل: يا أمير المؤمنين أكثرت لها. قال عمر: ثكلتک أمک، والله إني لأرى أبا هذه وأخاها قد حاصرا حصنا زمانا فافتتحاه ثم أصبحنا نستفيء سهمهما فيه. [۴۶]

ترجمہ: زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر ﷺ کے ہمراہ بازار گیا، وہاں ایک جوان عورت ان کو ملی اور کہنے لگی، اے امیر المؤمنین! میرا شوہر مر چکا ہے اور چھوٹے بچوں کو چھوڑ گیا ہے، اللہ کی قسم اتنا بھی نہیں ہے کہ میں بچوں کے لئے کھانا پکا سکوں، نہ کوئی کھیتی اور دودھ والا جانور ہے، مجھے ڈر ہے کہ کہیں قحط کی وجہ سے وہ مر نہ جائیں، اور میں خفاف بن ایما غفاری ﷺ کی بیٹی ہوں، اور میرے والد حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ موجود تھے، حضرت عمر ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: مرحبا! تمہارا خاندان تو میرے خاندان سے ملتا ہوا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ گھر میں بندھے ہوئے ایک ایسے اونٹ کی طرف گئے جو مضبوط کمر والا تھا اور اس پر اناج کی دو بوریاں اور ان کے درمیان کپڑے اور خرچہ رکھ کر اونٹ کی رسی عورت کے ہاتھ میں دیدی اور فرمایا یہ لے جاؤ، مجھے امید ہے کہ اس کے ختم ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تم کو عطا کر دے گا۔ ایک شخص نے اس کیفیت کو دیکھ کر کہا، آپ نے اسے بہت زیادہ دیدیا، آپ نے فرمایا اے! تیری ماں تجھے روئے، خدا گواہ ہے کہ میں نے اس عورت کے باپ اور اس کے بھائی کو دیکھا ہے، انہوں نے کافروں کے ایک قلعہ کو اس وقت تک گھیرے رکھا جب تک وہ فتح نہیں ہوا، پھر صبح مال غنیمت سے ان دونوں کا حصہ وصول کیا گیا۔

اصحابِ شجرہ کی فوقیت اور امیر المؤمنین کی دستگیری

زید بن اسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطاب ﷺ کے ساتھ بازار کی طرف گیا۔

---

[۴۶] انفرد به البخاری

"فلحقت عمر امرأة شابة الخ" تو بازار میں حضرت عمر ﷺ کو ایک نوجوان خاتون ملی، "فقالت: یا امیر المؤمنین الخ" تو اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر گیا ہے۔

"واللہ ماینضجون کراعاً" اور اللہ کی قسم اتنا بھی نہیں کہ کوئی دستی پکا سکیں۔

"کراعا" چھوٹی بکری کی دستی پائے کو کہتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے پاس اتنا بھی نہیں ہے کہ وہ پائے بھی پکا کے کھالیں۔

"ولا لهم زرع ولا ضرع" نہ ان کے پاس کھیتی ہے کہ اس کو بیچ کر کچھ نان نفقہ کے بندوبست ہوسکے اور نہ ان کے پاس کوئی دودھ دینے والا جانور ہے، "وخشیت أن تأکلهم الضبع" اور مجھے اندیشہ ہے کہ ان بچوں کو بجو کھا جائیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل لاوارث ہیں کوئی کھانا اور کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں ہے، تو لفظی معنی تو بجو کے ہوتے ہیں اور بعض نے کہا کہ لفظ تو بجو کا ہے لیکن اس کو کبھی کبھی قحط سالی کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوئے کہ ان کو قحط سالی کھا جائے گی۔ [۳۷]

منشاء بخاری

"وانا بنت خفاف الخ" اور پھر اپنا تعارف کرایا کہ خفاف ابن ایماء غفاری ﷺ کی بیٹی ہوں، "وقد شهد أبی الخ" اور میرے والد نبی کریم ﷺ کے ساتھ حدیبیہ میں موجود تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ حدیث یہاں لانے کا منشأ صرف یہ ہے کہ خفاف بن ایماء غفاری ﷺ حدیبیہ میں موجود تھے۔

"فوقف معها الخ" اور حضرت عمر ﷺ ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور آگے نہیں بڑھے، "ثم قال: مرحبا الخ" پھر آپ نے فرمایا کہ تمہارا اور میرا نسب قریب کا ہے۔

"ثم انصرف الی بعیر الخ" پھر آپ ایسے اونٹ کے پاس تشریف لے گئے جو مضبوط پشت والا تھا اور وہ گھر میں بندھا ہوا تھا۔

---

[۳۷] ((أن تأکلهم الضبع))، بفتح الضاد المعجمة وضم الباء الموحدة وبالعین المهملة: السنة المجدبة الشدیدة، وأیضاً الحیوان المشهور. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۱۱

"فحمل علیه غرارتین الخ" اس پر آپ نے دو بوریاں لاد دی جو غلہ سے بھری ہوئی تھی،
"وحمل بینھما نفقة الخ" اوران کے درمیان کچھ خرچہ رکھا۔ خرچہ سے مراد ہوسکتا ہے کہ نقد پیسے ہوں یا اور کوئی دوسری خرید کردہ اشیاء ہوں اوراس کے علاوہ کچھ کپڑے بھی رکھ دیئے۔

"ثم ناولھا بخطامه" پھراس عورت کوحضرت عمرؓ نے اس اونٹ کی مہار پکڑ کر دے دیا، **"ثم قال: اقتادیه فلن یفنی الخ"** اور پھر فرمایا کہ اس کولے جاؤ، یہ انشاء اللہ ختم نہیں ہوگا جو کچھ میں نے تم کو دیا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے پاس کوئی خیر لے آئے گا یعنی تمہارے حالات بہتر ہو جائیں گے اس وقت تک یہ تمہارا ہوگیا۔

"فقال الرجل: یاأمیر المؤمنین الخ" توایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ نے تواس کو بہت دے دیا، دوبوری اناج، کپڑے، اونٹ اور باقی اتنا سب کچھ بھی۔

"قال عمر: ثکلتک امک" تمہاری ماں تمہیں کھوئے۔ بظاہر یہ لفظ بددعا کے لئے سمجھا جاتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ تو مرجائے لیکن محاورہ میں مقصود بددعا نہیں ہوتی، یہ محض بے تکلفی کا ایک جملہ ہوتا ہے۔

"واللہ انی لأری أبا الخ" میں ان کے والداوران کے بھائی کو جانتا ہوں، ان دونوں نے ایک قلعہ کا ایک زمانہ تک محاصرہ کیا تھا اوردونوں نے مل کراس قلعہ کو فتح کیا تھا۔

والد تو وہی ہوئے خفاف بن ایماء غفاریؓ اور بھائی کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔

"ثم أصبحنا الخ" پھرہم اپنا حصہ اس مال غنیمت میں لگانے لگے، یعنی ان دونوں نے اپنی محنت، کوشش اورقربانیوں سے فتح تو کیا تھا لیکن جب فتح ہوا تو مال غنیمت تقسیم ہوا اور ہمیں بھی اس کا حصہ ملا۔

مطلب یہ ہے کہ اس کے والد اوران کے بھائی کی اسلام کے لئے بڑی خدمات ہیں اوراتنی خدمات ہیں کہ انہوں نے ایک قلعہ فتح کیا تھا اورفتح کرنے کے بعد اس کا مال غنیمت یہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان تک محدود رہا ہو بلکہ مسلمانوں کے درمیان بھی تقسیم ہوا اور ہمیں بھی ملا۔ جب انہوں نے مسلمانوں کو اتنا کچھ فائدہ پہنچایا ہے تو اگر اس کی بیٹی کو کچھ زیادہ دے دیا ہے تو کوئی ایسی بری بات نہیں ہے۔

۴۱۶۲ ۔ حدثنی محمد بن رافع: حدثنا شبابة بن سوار أبو عمرو الفزاری: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن سعید بن المسیب، عن أبیه، قال: لقد رأیت الشجرة ثم أتیتھا بعد فلم أعرفھا، قال محمود: ثم أنسیتھا بعد. [انظر: ۴۱۶۳، ۴۱۶۴، ۴۱۶۵] ۲۸

---

۲۸ وفی صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب استحباب مبایعة الامام الجیش عند إرادة القتال، رقم: ۳۴۵۹، ومسند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث المسیب بن حزن، رقم: ۲۲۵۶۳

ترجمہ: سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے اس درخت کو دیکھا تھا جس کے نیچے بیعت لی گئی تھی، مگر جب میں نے اسے دوبارہ دیکھا تو پہچان نہ سکا۔ محمود بن غیلان کہتے ہیں کہ ابن مسیب نے کہا کہ میں اس کو بھول گیا۔

تشریح

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت مسیب ﷺ سے روایت کرتے ہیں **"لقد رأیت الخ"** میں نے وہ درخت دیکھا تھا، جس کے نیچے نبی کریم ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی، پھر دوبارہ بعد میں اس درخت کے پاس آیا۔

"فلم اعرف" تو میں پہچان نہ سکا کہ کونسا درخت تھا جس کے نیچے بیعت لی گئی۔

"قال محمود الخ" محمود بن غیلان نے اپنی روایت میں یہ اضافہ کیا کہ پھر مجھے وہ شجرہ بھلا دیا گیا، پتہ نہیں چل سکا کہ کون سا ہے۔

اگلی روایت بھی اسی سے ملتی جلتی ہے۔

۴۱۶۳ ـ حدثنا محمود: حدثنا عبيد الله، عن إسرائيل، عن طارق بن عبد الرحمٰن قال: انطلقت حاجا فمررت بقوم يصلون، قلت: ما هذا المسجد؟ قالوا: هذه الشجرة حيث بايع رسول الله ﷺ بيعة الرضوان فأتيت سعيد بن المسيب فأخبرته فقال سعيد: حدثني أبي أنه كان فيمن بايع رسول الله ﷺ تحت الشجرة، قال: فلما خرجنا من العام المقبل نسيناها فلم نقدر عليها. فقال سعيد: إن أصحاب محمد ﷺ لم يعلموها وعلمتموها أنتم فأنتم أعلم. [راجع: ۴۱۶۲]

ترجمہ: طارق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں حج کی غرض سے مکہ جا رہا تھا، راستہ میں دیکھا کہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے پوچھا یہاں کون سی مسجد ہے؟ جواب دیا یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام ﷺ سے بیعت لی تھی، پھر جب میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے یہ بات بیان کی، انہوں نے کہا کہ میرے والد مسیب بن حزن ﷺ ان لوگوں میں ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں دوسرے سال آیا تو اس جگہ درخت کو بھول گیا، سعید کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے اصحاب تو اس درخت کو پہچان نہ سکے، تم نے کیسے پہچان لیا؟ کیا تم ان سے زیادہ علم والے ہو؟

تبرک بالمشاہد والآثار کی تشریح

طارق بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "انطلقت حاجا فمررت بقوم یصلون" میں حج کیلئے گیا تو ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا جو ایک جگہ پر نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا "قلت: ما هذا المسجد؟" کہ یہ کیسی مسجد ہے کہ لوگ یہاں پر نماز پڑھ رہے ہیں؟ قالوا هذه الشجرة الخ انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے بیعت رضوان لی تھی۔

"فأتيت سعيد بن المسيب فأخبرته" میں حضرت سعید بن المسیب ؓ کے پاس آیا اور ان کو آکر میں نے بتایا کہ لوگ اس طرح کہہ رہے ہیں اور لوگ وہاں پر نمازیں پڑھ رہے ہیں۔

"فقال سعيد: حدثني أبي أنه الخ" اس موقع پر سعید ابن المسیب نے کہا کہ میرے والد مسیب ؓ نے فرمایا تھا کہ وہ بیعت رضوان میں خود شامل تھے، "قال فلما خرجنا من الخ" اگلے سال جب ہم نکلے تو ہمیں وہ بھلا دیا گیا کہ وہ درخت کہاں ہے اس کی دریافت کرنے پر ہم قادر نہ ہوئے۔

"فقال سعيد: إن أصحاب الخ" تو سعید ابن مسیب نے کہا کہ صحابۂ کرام ؓ کو تو پتہ نہیں چلا کہ کونسا درخت تھا، "وعلمتموها الخ" اور تمہیں پتہ لگ گیا، تو کیا تم زیادہ بہتر جانتے ہو کہ کون سا درخت ہے؟

اب اس روایت سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت مسیب ؓ کو بھی اگلے سال اور ان کے ساتھیوں کو پتہ نہیں لگا کہ وہ درخت کون سا ہے، پہچان نہیں سکے۔

طبقات ابن سعد اور بعض دوسری جگہ میں یہ روایت آتی ہے کہ لوگ بیعت رضوان والے درخت کے نیچے جا کر نمازیں پڑھا کرتے تھے، تو حضرت عمر ؓ نے یہ درخت کٹوا دیا تھا تا کہ لوگ فتنہ میں مبتلاء نہ ہوں۔ [۴۹]

یادگار مٹاؤ تحریک

ہمارے نجدی دوست اس بات کے اوپر استدلال کرتے ہیں کہ تبرک بالمشاہد والآثار یہ جائز نہیں اور

---

[۴۹] وفي رواية الاسماعيلي من طريق أبي زرعة عن قبيصة شيخ البخاري: أنهم أتوها من العام المقبل فانسوها، وذلك لأجل الحكمة التي ذكرناها في خفائها، وفي رواية ابن سعد باسناد صحيح عن نافع: أن عمر رضي الله تعالى عنه بلغه أن قوما يأتون الشجرة فيصلون عندها، فتوعدهم ثم أمر بقطعها فقطعت. عمدة القاري، ج: ۱۷، ص: ۳۱۳، وفتح الباري، ج:۷، ص:۴۴۸

حضرت عمرؓ نے اسی واسطے درخت کو کٹوا کر یادگار مٹادی تھی۔

آپ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ درخت کو کٹوانا اس وقت صحیح ہوتا جب کہ متعین طور سے پتہ ہوتا کہ یہ فلاں درخت ہے اور لوگ اسکے نیچے نمازیں پڑھ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ اس کو کٹواتے، اس صورت میں استدلال درست ہوتا۔

یہ روایتیں صاف صاف بتارہی ہیں کہ ان حضرات کو اس کی تعیین کا پتہ ہی نہیں چلا جو خود بیعت رضوان میں شامل تھے تو وہ بھی پتہ نہیں لگا سکے کہ کونسا شجرہ تھا تو بعد کے لوگوں کو کیسے پتہ لگتا؟

لہٰذا حضرت عمرؓ نے اس بنیاد پر اگر کٹوایا ہو کہ کسی کو پتہ ہی نہیں کہ کون سا درخت ہے اور ایسے ہی کسی درخت کو شجرۂ بیعت رضوان سمجھ کر وہاں پر جو عبادتیں کر رہے ہیں تو یہ بے اصل بات کی تائید ہورہی ہے، لہٰذا اگر انہوں اس بناء پر کٹوادیا تو یہ بالکل الگ بات تھی۔

اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ کسی بھی یادگار کو باقی رکھنا جائز نہیں۔

یہاں بھی آپ دیکھئے کہ سعید بن مسیب رحمہ اللہ کے علم میں آیا کہ لوگ نمازیں پڑھ رہے ہیں، تو یہ تو کہا کہ میرے والد تک کو پتہ نہیں چلا کہ کون سا درخت ہے، تم کو کیسے پتہ چل گیا؟

لیکن یہ نہیں کہا کہ بالفرض یہ بیعت رضوان والا درخت ہو بھی تو تمہارا یہ نماز پڑھنا شرک ہے، تم مشرک ہو اور واجب القتل ہو، یہ کہیں نہیں کہا، البتہ یہ ضرور کہا کہ جس درخت کو تم وہ درخت سمجھ رہے ہو وہ درخت یہ نہیں ہے میرے والد تک کو پتہ نہیں چلا تمہیں کہاں سے پتہ لگ گیا، لیکن یہ اعتراض نہیں کیا کہ نماز کیوں پڑھ رہے ہو۔

التزام کی حدود وقیود

لہٰذا اس واقعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کے مشاہد ہیں، جہاں نبی کریم ﷺ کا کوئی عمل کرنا ثابت ہے اس جگہ کو بطور یادگار محفوظ رکھنا اور اپنا ایمان تازہ کرنے کے لئے وہاں پر جانا اور نفلیں بھی پڑھ لینا اس میں کوئی شرک اور کفر نہیں، اور قرآن وسنت کی کون سی دلیل ہے ن کو ناجائز قرار دے۔

ہر جگہ نفلیں پڑھ سکتا ہے، اس جگہ بھی جا کے نماز پڑھ لیں جہاں نبی کریم ﷺ کا آنا ثابت ہے، آپ کے قدم مبارک یہاں پر آئے ہیں تو جس جگہ پر سرکار دو عالم ﷺ کے قدم مبارک آئے اور وہاں پر آپ ﷺ کا موجود ہونا ثابت ہوا، تو یہاں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوئی ہونگی، تو آدمی اس خیال سے دو رکعتیں وہاں پر نفل پڑھ لیتا ہے تو وہ عبادت اللہ کی کر رہا ہے۔

البتہ اس کو سنت سمجھنا اور یہ سمجھنا کہ یہ سنت یا دین کا ایسا حصہ ہے جس کا اہتمام کرنا ضروری ہے تو کوئی

شخص التزام مالا یلزم کرلے، غیر سنت کو سنت سمجھے تو یہ سب برا ہے اور بے شک یہ اس کو بدعت بنا دیتا ہے، یا اس درخت کے اندر نافع اور ضار ہونے کا عقیدہ رکھے۔ **العیاذ باللہ**۔ تو بے شک یہ شرک ہے، تو ان چیزوں سے منع کیا جائے گا۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بالکل ہی اس کے اوپر ہاتھ پھیر دو، اور نبی کریم ﷺ کی یادگاروں کو ختم کردیا جائے۔

۴۱۶۴ ـ حدثنا موسی: حدثنا أبو عوانة: حدثنا طارق، عن سعید بن المسیب، عن أبیه: أنه كان فیمن بایع تحت الشجرة فرجعنا إلیها العام المقبل فعمیت علینا. [راجع: ۴۱۶۲]

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد سے اور وہ ان حضرات میں سے تھے، جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی، کہتے ہیں کہ ہم جب دوسرے برس وہاں گئے تو پہچان نہ سکے کہ کون سا درخت ہے۔

۴۱۶۵ ـ حدثنا قبیصة: حدثنا سفیان، عن طارق قال: ذكرت عند سعید بن المسیب الشجرة فضحک فقال: أخبرني أبي وكان شهدها. [راجع: ۴۱۶۲]

ترجمہ: طارق روایت کرتے ہیں کہ سعید بن مسیب کے سامنے جب اس درخت کا ذکر آیا تو آپ نے ہنستے ہوئے کہا کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا (جو پیچھے گزر چکا) اور میرے والد اس بیعت میں شریک تھے۔

۴۱۶۶ ـ حدثنا آدم بن أبي إیاس: حدثنا شعبة، عن عمرو بن مرة قال: سمعت عبداللہ بن أبی أوفی وكان من أصحاب الشجرة قال: كان النبی ﷺ إذا أتاه قوم بصدقة قال: ((اللّٰهم صل علیهم)). فأتاه أبی بصدقته فقال: ((اللّٰهم صل علی آل أبی أوفی)). [راجع: ۱۴۹۷]

ترجمہ: عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما سے سنا جو کہ بیعت رضوان میں شامل تھے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی قوم آپ ﷺ کے پاس صدقہ لے کر آتی، تو آپ ﷺ فرماتے اے اللہ! ان پر اپنا رحم فرما، چنانچہ میرے والد بھی صدقہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! تو عبداللہ بن ابی اوفی کی اولاد پر اپنا رحم فرما۔

۴۱۶۷ ـ حدثنا إسماعیل، عن أخیه عن سلیمان، عن عمرو بن یحیی، عن عباد بن تمیم قال: لما كان یوم الحرة والناس یبایعون لعبداللہ بن حنظلة فقال ابن زید: علی ما یبایع ابن حنظلة الناس؟ قیل له: علی الموت، قال: لا أبایع علی ذلک أحدا بعد رسول اللہ ﷺ، وكان شهد معه الحدیبیة. [راجع: ۲۹۵۹]

ترجمہ: عمرو بن یحییٰ روایت کرتے ہیں کہ عباد بن تمیم رحمہ اللہ نے کہا کہ جنگ حرہ کے دن لوگ حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما سے بیعت کر رہے تھے۔ حضرت ابن زید ﷺ نے پوچھا کہ ابن حنظلہ لوگوں سے کس چیز کی بیعت لے رہے ہیں؟ کسی نے کہا کہ یہ موت پر بیعت لے رہے ہیں، تو حضرت ابن زید ﷺ نے کہا کہ میں آنحضرت ﷺ کے بعد اس معاملہ میں کسی سے بیعت نہ کروں گا، اور ابن زید ﷺ حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ حدیبیہ کی بیعت میں حاضر تھے۔

تشریح

عباد بن تمیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب حرہ کا دن آیا تو لوگ یزید کے خلاف حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، **"فقال ابن زید: علی مایبایع الخ"** صحابی رسول حضرت ابن زید ﷺ نے پوچھا کہ ابن حنظلہ کس چیز پر بیعت لے رہے ہیں، **"قیل له: علی الموت"** تو ان کو بتایا گیا کہ موت پر بیعت لے رہے ہیں۔

" قال: لا أبایع علی ذلک الخ" یہ بات سن کر ابن زید ﷺ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بعد موت پر کسی سے بیعت نہیں کروں گا یعنی وہاں پر تو موت پر بیعت کر لی تھی اس کے بعد میں کسی اور کے ساتھ موت پر بیعت نہیں کرونگا۔

"وکان شهد معه الحدیبیة" ابن زید ﷺ حدیبیہ میں حاضر تھے اور بیعتِ رضوان میں شریک تھے، اس حدیث کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہی جملہ ہے۔

واقعۂ حرہ

یزید بن معاویہ کے دور حکومت ۶۳ھ میں اہلِ کوفہ و مدینہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا اور انکے ہاتھ پر بیعت کر لی، تمام اموی عمال اور انکے خاندانوں کو مدینہ سے نکال دیا۔

اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کو اپنا امیر بنایا اور مدینہ میں جو بنی امیہ مقیم تھے ان سب کو نکال دیا، جب شام میں یزید کو یہ خبر پہنچی تو اس نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج دے کر بھیجا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہلِ مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا، جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اُٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کو لوٹنا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ دس ہزار گھڑ سوار لشکر تھا، ایک تیسرا قول یہ ہے کہ ستائیس ہزار کا لشکر مسلم بن عقبہ کے

ماتحت تھا جس میں بارہ ہزار گھڑ سوار اور پندرہ ہزار پیدل لشکر تھا۔

اہل مدینہ نے اپنے لشکر کی چار جماعتیں کر دیں اور سب سے بڑی جماعت کا امیر حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما کو مقرر کر دیا، چنانچہ تین روز یہ خوں ریز معرکہ جاری رہا، اہلِ مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن حکومت کی کثیر افواج کا مقابلہ دشوار تھا اس لئے بالآخر بُری طرح شکست کھائی۔

اس جنگ میں مہاجرین وانصار کے تقریباً سات سو اکابر واشراف کام آئے جس میں حضرت عبداللہ بن حنظلہ، حضرت فضل بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مطیع ﷺ وغیرہ بھی شہید ہوئے اس کے علاوہ موالی اور عوام دس ہزار کے قریب شہید ہوئے۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی اور قتلِ عام کرتی رہیں اور عورتوں کی آبرو ریزی کی گئی۔

مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلے کیلئے مکہ روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کو موت نے آلیا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے دورِ خلافت میں حضرت حسین ﷺ کے قاتلوں کو چن چن کر قتل کروایا بالخصوص شمر ذی الجوشن اور عبیداللہ بن زیاد وغیرہ۔

بالآخر عبدالمالک بن مروان کے دورِ حکومت میں حجاج بن یوسف ثقفی کے ہاتھوں جمادی الثانی ۷۳ھ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ [۵۰]

۴۱۶۸ ـ حدثنا يحي بن يعلى المحاربي: حدثني أبي: حدثنا إياس بن سلمة بن الأكوع قال: حدثني أبي قال: وكان من أصحاب الشجرة قال: كنا نصلي مع النبي ﷺ الجمعة ثم ننصرف وليس للحيطان ظل نستظل فيه. [۵۱]

ترجمہ: ایاس بن سلمہ بن اکوع نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد نے، جو اصحاب شجرہ میں سے تھے، کہا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھ کر واپس آتے تھے تو دیواروں کا سایہ نہ ہوتا تھا کہ ہم اس میں بیٹھتے۔

---

[۵۰] عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۱۵

[۵۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، رقم: ۱۴۲۴، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب وقت الجمعة، رقم: ۱۳۷۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في وقت الجمعة، رقم: ۹۱۷، وسنن ابن ماجة، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في وقت الجمعة، رقم: ۱۰۹۰، ومسند أحمد، اول مسند المدنيين أجمعين، باب حديث سلمة بن الأكوع، رقم: ۱۵۸۹۹، ۱۵۹۴۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في وقت الجمعة، رقم: ۱۵۰۲

تشریح

ایاس جو حضرت سلمہ بن اکوع ﷺ کے صاحبزادے ہیں وہ روایت کررہے ہیں کہ **"حدثني أبي قال: وكان من أصحاب الشجرة"** میرے والد نے مجھے یہ حدیث سنائی اور میرے والد اصحاب الشجرہ یعنی بیعت رضوان میں سے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہی بیان کرنے کیلئے یہ حدیث یہاں پر لائے ہیں۔

حدیث یہ سنائی کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھا کرتے تھے اور پھر واپس اس حالت میں جاتے تھے کہ دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا کہ جس میں آدمی بیٹھ کر سایہ حاصل کر سکے۔

یعنی جمعہ آپ بہت جلدی پڑھا کرتے تھے، زوال کے متصل بعد کہ جب ہم واپس جاتے تو اس وقت دیواروں کا اتنا سایہ نہیں ہوتا تھا کہ کوئی آدمی اس میں بیٹھ کر سایہ لے لے۔

جمعہ کی نماز میں تعجیل

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز زوال سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے۔

جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ اجمعین کہتے ہیں کہ اس روایت کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ جمعہ کی نماز میں تعجیل کیا کرتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ اسکو زوال سے پڑھ لیا کرتے تھے۔ [۶۲]

۴۱۶۹ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا حاتم، عن يزيد بن أبي عبيد قال: قلت لسلمة بن الأكوع: على أي شيء بايعتم رسول الله ﷺ يوم الحديبية؟ قال: على الموت. [راجع: ۲۹۶۰]

ترجمہ: یزید بن ابی عبید کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اُکوع ﷺ سے پوچھا کہ یوم حدیبیہ کو آپ لوگوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر کس بات کی بیعت کی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم نے موت پر بیعت کی۔

---

[۶۲] استدل به لمن يقول بأن صلاة الجمعة تجزىء قبل الزوال، لأن الشمس اذا زالت ظهر الظلال. وأجيب بأن النفي انما تسلط على وجود ظل يستظل به لا على وجود الظل مطلقا، والظل الذى يستظل به لا يتهيأ الا بعد الزوال بمقدار يختلف في الشتاء والصيف. فتح الباري، ج:۷، ص:۴۵۰

۴۱۷۰ ۔ حدثني أحمد بن إشكاب: حدثنا محمد بن فضيل، عن العلاء بن المسيب، عن أبيه قال: لقيت البراء بن عازب رضي الله عنهما فقلت: طوبى لك، صحبت النبي ﷺ وبايعته تحت الشجرة، فقال: يا ابن أخي إنك لا تدري ما أحدثنا بعده.

ترجمہ: علاء بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے براء بن عازب ﷺ سے کہا کہ آپ سعادت مند ہیں کہ آپ کو آنحضرت ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا اور آپ نے درخت کے نیچے آپ ﷺ سے بیعت کی سعادت حاصل کی، انہوں نے فرمایا کہ اے بھتیجے! تم کو معلوم نہیں کہ آپ ﷺ کے بعد ہم سے کیا کیا ہوا۔

صحابۂ کرام ﷺ کی تواضع اور انکساری

علاء بن مسیب رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضرت براء بن عازب ﷺ سے ہوئی، "**فقلت طوبی الخ**" میں نے کہا کہ آپ کیلئے بڑی خوشخبری کی بات ہے کہ آپ کو نبی کریم ﷺ کی صحبت بھی حاصل ہوئی اور آپ نے حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ پر بیعت بھی کی جو بڑی عظیم سعادت ہے۔

تو اس پر حضرت براء بن عازب ﷺ نے فرمایا "**یا ابن أخي الخ**" کہ ارے بھتیجے! تمہیں پتہ نہیں کہ آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہم نے کیا کیا حرکتیں کی۔

یہ تواضعاً فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہم کو بڑی عظیم سعادت سے نوازا کہ رسول کریم ﷺ کی صحبت نصیب فرمائی اور بیعت رضوان میں شرکت ہمیں حاصل ہوئی لیکن اسکے باوجود بعد میں اس مقام کا جو مرتبہ وتقاضا تھا اس کو پورا نہیں کیا۔ یا اس لئے فرمائی کہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد جو آپس میں جو فتنے بپاء ہوئے ان کی طرف اشارہ ہے۔ [۵۳]

۴۱۷۱ ۔ حدثني إسحاق: حدثنا يحيى بن صالح: حدثنا معاوية، هو ابن سلام، عن يحيى، عن أبي قلابة: أن ثابت بن الضحاك أخبره أنه بايع النبي ﷺ تحت الشجرة.

[راجع: ۱۳۶۳]

ترجمہ: ابی قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ثابت بن ضحاک ﷺ نے خبر دی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کی۔

---

[۵۳] قوله: ((انک لاتدری ما أحدثناه بعده))، أی: بعد النبی ﷺ، قال ذلک اما هضما لنفسه وتواضعاً، واما نظرا الی ماوقع من الفتن بینهم. عمدة القاری، ج: ۱۷، ص: ۲۱۷

۴۱۷۲ـ حدثنی أحمد بن إسحاق: حدثنا عثمان بن عمر: أخبرنا شعبة، عن قتادة، عن أنس بن مالک ﷺ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْناً﴾ قال: الحدیبیة. قال أصحابه: هنیئا مریئا فمالنا؟

فأنزل الله ﴿لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾.

قال شعبة: فقدمت الکوفة فحدثت بهذا کله عن قتادة. ثم رجعت فذکرت له فقال: أما ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ﴾ فعن أنس؟ وأما هنیئا مریئا، فعن عکرمة. [انظر: ۴۸۳۴] ۵۴

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْناً﴾ سے مراد صلح حدیبیہ ہے، اس وقت آپ ﷺ کے اصحاب ﷺ نے عرض کیا، آپ کے واسطے تو یہ امر باعث تبرک ومسرت ہے، مگر ہمارے لئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ﴿لِیُدْخِلَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾۔

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے کوفہ آکر قتادہ سے اس حدیث کو بیان کیا تو انہوں نے فرمایا ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ﴾ کی تفسیر حضرت انس ﷺ نے بیان کی ہے اور ھنیئا مریئا عکرمہ سے منقول ہے۔

صلح حدیبیہ؛ فتح مبین اور بشارتیں

قتادہ رحمہ اللہ حضرت انس بن مالک ﷺ سے روایت کررہے ہیں، فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِیْناً﴾ ۵۵

ترجمہ: (اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطاء کردی۔

"قال الحدیبیة" یعنی قرآن کریم میں جو فتح مبین کا ذکر آیا ہے اس کو بعض حضرات نے تو فتح مکہ پر محمول کیا، لیکن حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صلح حدیبیہ ہی ہے کیونکہ بظاہر تو اگرچہ اس میں دبی ہوئی شرائط پر صلح ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اسی کو بالآخر مسلمانوں کے غلبہ اور استعلاء کا ذریعہ بنایا۔

---

۵۴ وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیة فی الحدیبیة، رقم: ۳۳۴۱، وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة الفتح، رقم: ۳۱۸۲، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۷۷۹، ۱۱۹۲۶، ۱۲۳۱۷، ۱۲۵۶۲، ۱۲۶۷۹، ۱۳۱۴۷

اس واسطے حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خود صلح حدیبیہ ہی ہے، نہ کہ فتح مکہ۔ جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

"قال أصحابه: هنيئا مريئا الخ" یعنی جب رسول کریم ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابۂ کرام ؓ نے نبی کریم ﷺ کو مبارکباد دی، کہ آپ کے لئے اس آیت کریمہ کا نزول مبارک ہو چونکہ ایک طرف تو فتح مبین کی بشارت ہے اور دوسری طرف مغفرت کا وعدہ ہے کہ:

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ [۵۶]

ترجمہ: تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے، اور تا کہ اپنی نعمت تم پر مکمل کردے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے۔

اللہ تعالیٰ نے اتنے سارے وعدے نبی کریم ﷺ کے ساتھ فرمائے، تو صحابہ کرام ؓ نے عرض کی **"هنيئا مريئا"** آپ کے لئے یہ بڑی مبارک بات ہے۔

"فمالنا؟ فانزل الله" صحابۂ کرام ؓ نے پوچھا آپ کیلئے تو اللہ تعالیٰ نے اتنے زبردست وعدے فرمادیئے۔ ہمارے لئے کیا ہے؟ تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ [۵۷]

ترجمہ: تا کہ وہ مومن مرد اور عورتیں ایسے باغات (جنت) میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

"قال شعبة: فقدمت الكوفة الخ" شعبہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعد میں کوفہ آیا اور میں پوری حدیث حضرت قتادہ کے حوالہ سے سناتا رہا کہ قتادہ یوں ہی حضرت انس ؓ سے روایت کرتے تھے، **"ثم رجعت فذكرت له الخ"** پھر دوبارہ میں حضرت قتادہ کے پاس لوٹ کر گیا اور ان سے دوبارہ یہ حدیث ذکر کی کہ آپ نے مجھے اس طرح سنائی تھی۔

۵۵، ۵۶ [الفتح: ۲-۱]

۵۷ [الفتح: ۵]

"اما انا فتحنا الخ" تو قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ جو حدیث تم سنا رہے ہو اس کا جو پہلا حصہ ہے کہ "انا فتحنا لک فتحا مبینا ۔ قال الحدیبیة" یہ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور "اما هنیئا مریئا" کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یوں کہا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی تو یہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہیں پہنچا بلکہ صرف عکرمہ سے پہنچا ہے۔

۴۱۷۳ ۔ حدثنا عبد الله بن محمد: حدثنا أبو عامر: حدثنا إسرائيل، عن مجزأة ابن زاهر الأسلمي، عن أبيه وكان ممن شهد الشجرة قال: إني لأوقد تحت القدور بلحوم الحمر إذ نادى منادي رسول الله ﷺ: إن رسول الله ﷺ ينهاكم عن لحوم الحمر.

۴۱۷۴ ۔ وعن مجزأة، عن رجل منهم من أصحاب الشجرة اسمه أهبان بن أوس وكان اشتكى ركبته وكان إذا سجد جعل تحت ركبته وسادة. [۵۸]

ترجمہ: مجزاۃ بن زاہر اسلمی اپنے والد رضی اللہ عنہ سے جو شریک حدیبیہ تھے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے ایک منادی نے آواز لگائی کہ آنحضرت ﷺ تم کو منع کرتے ہیں، گدھے کا گوشت کھانے سے۔

یہی مجزاۃ ایک شخص سے روایت کرتے ہیں جن کا نام اہبان بن اوس رضی اللہ عنہ تھا، اور وہ بھی درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے تھا، اس کے گھٹنے میں داد کی بیماری تھی، وہ جب سجدہ کرتا تھا تو اس گھٹنے کے نیچے تکیے رکھ لیا کرتا تھا، تاکہ اس میں تکلیف نہ ہو۔

تشریح

مجزأۃ ابن زاہر اسلمی اپنے والد زاہر اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان حضرات میں سے ہے جو شجرہ کے وقت میں موجود تھے یعنی بیعت رضوان کے وقت۔ صرف یہ جملہ ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث یہاں پر لائے ہیں ورنہ اگلے واقعہ کا تعلق حدیبیہ سے نہیں ہے بلکہ خیبر کے واقعہ سے ہے۔

"قال: انی لأوقد الخ" وہ فرماتے ہیں کہ میں گدھوں کا گوشت پکانے کیلئے دیگوں کے نیچے آگ لگا رہا تھا، "اذ نادی منادی الخ" آنحضرت ﷺ کے ایک منادی نے آواز لگائی کہ آنحضرت ﷺ تم کو گدھے کا گوشت کھانے سے منع کرتے ہیں۔

یہاں بظاہر ایسا لگتا ہے کہ شاید یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے، لیکن یہ واقعہ خیبر کا ہے۔

---

[۵۸] انفرد به البخاری

یہاں صرف اس جملہ کی وجہ سے لائے ہیں جو درمیان میں ہے **"وكان ممن شهد الشجرة"**۔

جبکہ دوسری روایت میں مجزاۃ بن سلمی بنو اسلم کے ایک صاحب سے روایت کرتے تھے **"من أصحاب الشجرة، اسمه أهبان بن أوس"** جو اصحاب الشجرہ میں سے تھے اوران کا نام اہبان بن اوس تھا۔

"وكان اشتكى ركبته وكان إذا سجد الخ" اوران کے گھٹنے میں تکلیف ہوگئی تھی وہ سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے کے نیچے ایک تکیہ رکھ دیا کرتے تھے۔

اس میں صرف اتنا حصہ یہاں پر مقصود ہے کہ حضرت اہبان بن اوس ﷺ اصحاب شجرہ میں سے تھے۔

۴۱۷۵ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا ابن أبي عدي، عن شعبة، عن يحيى بن سعيد، عن بشير بن يسار، عن سويد بن النعمان وكان من أصحاب الشجرة قال: كان رسول الله ﷺ وأصحابه أتوا بسويق فلاكوه. تابعه معاذ عن شعبة. [راجع: ۲۰۹]

ترجمہ: بشیر بن یسار حضرت سوید بن نعمان ﷺ سے، جو اصحاب شجرہ میں سے تھے، روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اوران کے اصحاب ﷺ ستو پی کرگزر کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کو معاذ نے بھی شعبہ سے روایت کیا ہے۔

منشأ حدیث

رسول اللہ ﷺ کے پاس ستو لایا گیا تو آپ ﷺ نے وہ چبایا۔ یہاں یہ حدیث لانے کا منشأ صرف اتنا حصہ ہے کہ بشیر بن یسار، حضرت سوید بن نعمان ﷺ سے روایت کررہے ہیں اور وہ اصحاب شجرہ میں سے تھے۔

۴۱۷۶ - حدثنا محمد بن حاتم بن بزيع: حدثنا شاذان، عن شعبة، عن أبي جمرة قال: سألت عائذ بن عمرو وكان من أصحاب النبي ﷺ، من أصحاب الشجرة: هل ينقض الوتر؟ قال: إذا أوترت من أوله فلا توتر من آخره. ۵۹

ترجمہ: ابی جمرہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائذ بن عمرو ﷺ سے جو اصحاب شجرہ میں شامل تھے، دریافت کیا کہ کیا وتر کو ہم دوبارہ پڑھا کریں؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اگر اول شب میں پڑھ لئے تو پھر آخر شب میں نہیں پڑھنا چاہئے۔

منشأ حدیث

یہاں بیان کرنے یہ مقصد ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو ﷺ یہ بیعت رضوان میں حاضر تھے۔

نقضِ وتر کا مسئلہ

حضرت عائذ بن عمرو ﷺ سے ابی جمرہ نے مسئلہ پوچھا کہ کیا نقض وتر جائز ہے؟

نقض وتر کا معنی یہ ہے کہ ایک آدمی نے اول رات میں عشاء کے ساتھ وتر کی نماز پڑھ لی، اب آخری شب میں بھی تہجد کیلئے بیدار ہوگیا تو ایسی صورت میں اس نے جو رات کو وتر پڑھا تھا اس کو "**منتقض**" کردے اور دوبارہ سے وتر پڑھے۔

اس کو منسوخ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ایک رکعت تہجد سے پہلے وتر کی پڑھ لے وہ ایک رکعت اول شب میں پڑھے ہوئے وتر کے ساتھ مل کر جفت بن جائے گی۔

مثلاً ایک رکعت وہاں پڑھی تھی وتر کی اور ایک رکعت یہاں پڑھ لی تو دونوں مل کے دو جفت ہوگئی، تو وہ وتر منسوخ اور منقوض ہوگیا۔ اب تہجد کی نماز پڑھے اور تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد آخر میں جا کر پھر وتر پڑھے۔

نقضِ وتر پر مذاہب

امام اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس نے جو رات کو وتر پڑھا تھا اس کو "**منتقض**" کردے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے عمل پر مبنی ہے کیونکہ وہ ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس پر نکیر بھی ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں فرمایا "**رحمہ اللہ ابا عبدالرحمن انہ یوتر فی لیلۃ ثلاثۃ مرات**" اللہ ابن عمر پر رحم فرمائے وہ ایک رات میں تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں یعنی ایک اول شب میں پڑھ لیا پھر ایک رکعت پڑھی نقض وتر کیلئے آخر میں تہجد کے بعد پھر وتر پڑھ لیا تو اس کی کوئی حاجت نہیں۔

اس عمل کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث کو دلیل بناتے تھے، نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ "**اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا**" یعنی اپنی رات کی آخری نماز وتر کو بناؤ۔ [۶۰]

احناف و جمہور علماء رحمہم اللہ اجمعین کا مذہب حضرت عائذ بن عمرو ﷺ کی اس روایت کے مطابق ہے

---

[۵۹] انفرد بہ البخاری

[۶۰] صحیح البخاری، کتاب الوتر، باب: لیجعل آخر صلاتہ وتراً، رقم: ۹۹۸

جس نے اول رات میں وتر ادا کر لئے اس کو تہجد میں دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ [۱۱]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہی ثابت ہے کہ اول رات کو اگر پڑھ لی وتر کی نماز تو پھر دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی نقضِ وتر کے متعلق عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ وتر کو منتقض کیا جائے؟

تو انہوں نے فرمایا "إذا أوترت من أوله فلا توتر من آخره" جب اول شب میں وتر پڑھ لیا تو آخر شب میں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

۴۱۷۷ ـ حدثني عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن زيد بن أسلم، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ كان يسير في بعض أسفاره وكان عمر بن الخطاب يسير معه ليلا فسأله عمر بن الخطاب عن شيء فلم يجبه رسول الله ﷺ، ثم سأله فلم يجبه ثم سأله فلم يجبه. وقال عمر بن الخطاب: ثكلتك أمك يا عمر، نزرت رسول الله ﷺ ثلاث مرات كل ذلك لا يجيبك، قال عمر: فحركت بعيري ثم تقدمت أمام المسلمين وخشيت أن ينزل في قرآن، فما نشبت أن سمعت صارخا يصرخ بي، قال: فقلت: لقد خشيت أن يكون نزل في قرآن وجئت رسول الله ﷺ فسلمت، فقال: ((لقد أنزلت علي الليلة سورة لهي أحب الي مما طلعت عليه الشمس))، ثم قرأ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾. [انظر: ۴۸۳۳، ۵۰۱۲] [۱۲]

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہے کہ بعض سفروں میں نبی اکرم ﷺ رات کو چلا کرتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کوئی بات پوچھی تو آنحضرت ﷺ نے جواب نہیں دیا، پھر پوچھی پھر جواب نہیں دیا، پھر پوچھی اور پھر جواب نہیں دیا، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل میں کہنے لگے، اے عمر! تیری ماں تجھ کو روئے، تو نے تین دفعہ بات پوچھی، اور تجھے آنحضرت ﷺ نے جواب نہیں دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ کو ایڑ لگائی اور مسلمانوں سے

---

[۱۱] وقد اختلف في هذه المسئلة، فكان ابوعمر ممن يرى نقض الوتر، والصحيح عندالشافعية أنه لاينقض وهوقول مالك أيضا. قلت: وهوقول اصحابنا أيضا، وعليه الجمهور. والله اعلم، عمدة القاري، ج:۱۷، ص: ۳۲۰

[۱۲] وفي سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة الفتح، رقم: ۳۱۸۵، ومسند احمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب اوّل مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۲۰۳، ومؤطا مالك، كتاب النداء للصلاة، باب ما جاء في القرآن، رقم: ۴۲۷

آگے نکل گیا، اس خوف سے کہ کہیں میرے متعلق کوئی آیت نہ اترے، تھوڑی دیر بعد کوئی مجھے پکار رہا تھا، میں اور خوف زدہ ہوا کہ شاید میرے بارے میں قرآن اترا ہے، تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو میرے اوپر ایک سورت اتری ہے، اور وہ مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج نے طلوع کیا ہے، پھر آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ تلاوت فرمائی۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا سوءِ ادب کا خوف

حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ **"أن رسول الله ﷺ كان يسير الخ"** رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تشریف لے جارہے تھے، اس سفر سے مراد غزوۂ حدیبیہ کے بعد واپسی کا سفر ہے۔

"وكان عمر بن الخطاب يسير الخ" عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رات کے وقت میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کوئی بات پوچھی، **"فلم يجبه رسول الله ﷺ الخ"** تین مرتبہ پوچھا، تینوں مرتبہ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

"ثكلتك أمك يا عمر الخ" جب تینوں دفعہ آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنے دل میں کہا کہ اے عمر! تمہاری ماں تمہیں گم کرے، تم نے نبی کریم ﷺ پر بہت اصرار کیا کہ بار بار ایک بات پوچھتے رہے۔

"ثكلتك أمك" یہ محاورۃً بولتے ہیں بددعا مقصود نہیں ہوتی ورنہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ موت کی بددعا ہوئی کہ تمہاری ماں تمہیں گم کرے یعنی اپنے آپ سے کہہ رہا ہے کہ موت آجائے تو موت کی دعا کرنا ناجائز ہے جیسا حدیث مبارکہ میں آیا ہے، اس لئے مقصود یہ ہے کہ یہ بددعا نہیں ہے یہ ایسے ہی محاورہ میں ہی بول دیا جاتا ہے۔ [۲۳]

"ثلاث مرات" تین مرتبہ اصرار کیا اور ہر مرتبہ آپ جواب نہیں دے رہے تھے، **"قال عمر: فحركت بعيري"** تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں نے مناسب یہ سمجھا کہ اس وقت کوئی اور ہی راستہ اختیار کرنا چاہیے تو فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اونٹ کو حرکت دی۔

---

[۲۳] عن أنس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا يتمنين أحدكم الموت لضر أصابه، فإن كان لابد فاعلاً، فليقل: اللهم أحيني ما كانت الحياة خيراً لي، وتوفني إذا كانت الوفاة خيراً لي)) صحيح البخاري، كتاب المرضى، باب تمنى المريض الموت، رقم: ۵۶۷۱

"ثم تقدمت الخ" اور مسلمانوں سے آگے نکل گیا، "وخشیت أن ینزل الخ" اور مجھے اندیشہ ہوا کہ میری اس بے ادبی اور بدتہذیبی پر کوئی قرآن کی آیت نہ نازل ہوجائے۔

خطرہ اس لئے تھا کہ واقعہ حدیبیہ سے واپسی کا ہے تو آپ پڑھ کر آئے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمر ﷺ سے کچھ جذباتی باتیں صادر ہوگئی تھی کہ ہم حق پر ہیں تو کیوں اپنے دین پر ہم کمزوری اختیار کریں تو اب رفتہ رفتہ جوش تو ٹھنڈا ہوگیا تھا تو اب یہ ہورہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ان جذباتی باتوں کی وجہ سے مجھ سے نبی کریم ﷺ ناراض اور ناخوش ہوں اور اس کے نتیجہ میں قرآن کریم کی کوئی آیت نازل نہ ہوجائے۔

"فما نشبت أن سمعت الخ" یعنی میں زیادہ دیر نہیں ٹھہرا کہ اچانک ایک چیخنے والا چیخ رہا تھا اور مجھے پکار رہا تھا یعنی ابھی اس واقعہ کو دیر نہیں گزری تھی کہ اتنے میں میں نے دیکھا کہ ایک چیخنے والا میرے پیچھے چیخ رہا ہے بلا رہا ہے، "فقلت لقد خشیت الخ" حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے خوف محسوس کیا کہ شائد میرے متعلق قرآن کی کوئی آیت نازل ہوگئی ہے کہ جس کی وجہ سے مجھے زور زور سے بلایا جارہا ہے۔

"وجئت رسول اللہ ﷺ فسلمت الخ" تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور سلام کیا، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو میرے اوپر ایک سورت اتری ہے، اور وہ مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج نے طلوع کیا ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْنًا﴾ تلاوت فرمائی۔

۴۱۷۸، ۴۱۷۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن محمد: حدثنا سفیان قال: سمعت الزهری حین حدث هذا الحدیث حفظت بعضه، وثبتنی معمر، عن عروة بن الزبیر، عن المسور بن مخرمة ومروان بن الحکم یزید أحدهما علی صاحبه، قالا: خرج النبی ﷺ عام الحدیبیة فی بضع عشرة مائة من أصحابه، فلما أتی ذا الحلیفة قلد الهدی وأشعره وأحرم منها بعمرة وبعث عینا له من خزاعة وسار النبی ﷺ حتی کان بغدیر الأشطاط أتاه عینه قال: إن قریشا جمعوا لک جموعا وقد جمعوا لک الأحابیش وهم مقاتلوک وصادوک عن البیت ومانعوک، فقال: ((أشیروا أیها الناس علی، أترون أن أمیل إلی عیالهم وذراری هؤلاء الذین یریدون أن یصدونا عن البیت؟ فإن یأتونا کان اللہ عزوجل قد قطع عینا من المشرکین وإلا ترکناهم محروبین)). قال أبو بکر: یا رسول اللہ، خرجت عامدا لهذا البیت لا ترید قتل أحد ولا حرب أحد، فتوجه له فمن صدنا عنه قاتلناه، قال: ((امضوا علی اسم اللہ)). [راجع: ۱۶۹۴، ۱۶۹۵]

ترجمہ: سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے سنا جبکہ وہ اوپر والی حدیث بیان کررہے تھے، چنانچہ کچھ میں نے یاد رکھی اور کچھ معمر نے مجھے یاد دلادی، وہ عروہ بن زبیر ﷺ سے اور وہ مسور اور

مروان سے روایت کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے زیادہ بیان کرتا ہے، انہوں نے کہا کہ حدیبیہ کے سال جب رسول اکرم ﷺ ایک ہزار سے زیادہ صحابۂ کرام ؓ کے ہمراہ ذی الحلیفہ میں پہنچے تو قربانی کے جانور کے گلے میں ہار پہنایا، اور اس کا کوہان چیرا، اور پھر اسی جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا، اور پھر بنی خزاعہ کے ایک جاسوس کو آپ ﷺ کے آگے روانہ کیا، آنحضرت ﷺ بھی ساتھ ساتھ چلتے رہے، یہاں تک کہ جب غدیر الاشطاط میں پہنچے، تو جاسوس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ قریش نے بہت سے قبائل اور جماعتوں کو آپ ﷺ سے لڑنے کے لئے اکٹھا کیا ہے، وہ آپ ﷺ کو بیت اللہ نہیں جانے دیں گے، آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ لوگو! مجھے اس معاملہ میں بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں کافروں کے اہل وعیال پر جھک پڑوں اور ان کو تباہ کردوں جو ہم کو کعبہ سے روکنے کی تدبیریں کر رہے ہیں؟ اور اگر وہ مقابلہ کے لئے آئے تو اللہ تعالیٰ مددگار ہے، اسی نے ہمارے جاسوس کو ان کے ہاتھ سے بچایا ہے، اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کو سوئے ہوئے یا مفرور کی طرح چھوڑیں گے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو صرف اللہ تعالیٰ کے گھر کا ارادہ کرکے حاضر ہوئے ہیں، کسی سے لڑنا اور مارنا یا اسے لوٹنا ہماری غرض نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ تشریف لے چلیں، اگر کوئی ہم کو روکے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا اٹھو خدا کا نام لے کر چلو۔

حدیث کی تشریح

امام زہری رحمہ اللہ کی روایت ہے اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ زہری نے یہ حدیث سنائی تھی تو میں نے اس کے بعض حصہ کو یاد رکھا اور معمر نے بھی اس پر میری تصدیق کی اور وہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے تھے اور وہ مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رضی اللہ عنہما سے، دونوں نے یہ بات سنائی اور ایک دوسرے کی باتوں پر کچھ اضافہ بھی کرتے تھے یعنی کچھ باتیں مشترک تھیں اور کچھ ایک دوسرے کے اوپر اضافہ کیا۔

دونوں کہتے ہیں **"خرج النبی ﷺ فلما الخ"** صلح حدیبیہ کے سال ذوالحلیفہ پہنچ کر آپ ﷺ نے ہدی کی تقلید کی اور اشعار فرمایا اور عمرہ کا احرام باندھا یعنی قربانی کے جانور کے گلے میں ہار ڈالا اور کوہان چیر کر احرام باندھا۔ یہ حدیبیہ کا واقعہ ہے، حجۃ الوداع کا واقعہ نہیں ہے اس لئے یہاں تمتع اور قران کا سوال نہیں ہے، یہاں پر صرف عمرہ کا احرام باندھا۔

"وبعث عینا من خزاعة" آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کا ایک جاسوس مشرکین کے حالات دیکھنے کے لئے بھیج دیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ ہمارے مقابلہ پر آجائیں اور ہمیں عمرہ نہ کرنے دیں، **"وسار النبی ﷺ الخ"** آپ ﷺ چلتے رہے یہاں تک کہ آپ غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کا جاسوس خبر لے کر آیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ عسفان پہنچے تو خبر لے کر آیا۔ تعارض دونوں میں اسلئے نہیں ہے کہ دونوں جگہیں اصفان اور غدیر الاشطاط قریب قریب ہیں۔ ۶۴

"وقد جمعوا لک الأحابیش الخ" جاسوس خبر لے کر آیا کہ قریش کے لوگوں نے ایک بڑا لشکر تیار کرلیا ہے۔

"احابیش" جمع ہے، **"احبوش"** کی، **"احبوش"** بڑی جماعت کو کہتے ہیں تو انہوں نے بڑی بڑی جماعتیں اکٹھی کرلی ہیں۔ ۶۵

"اشطاط" لفظ بعض نسخوں میں موجود ہے اور بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ جن میں ہے ان کے بارے میں کہا ہے کہ لغت میں اس کے معنی ذرا مشکل سے ملتا ہے لیکن بعض لوگوں نے اس کے معنی بیان کئے ہیں متفرق، یعنی متفرق قسم کی جماعتیں مختلف قبائل سے جمع کرلی ہیں۔

"وهم مقاتلوک وصادوک الخ" اور وہ قبائل اور جماعتیں آپ ﷺ سے لڑنے کی غرض سے جمع کی ہیں، وہ آپ ﷺ کو بیت اللہ نہیں جانے دیں گے۔ اب جبکہ آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملی، **"فقال اشیروا أیها الناس الخ"** تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ سے فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔

"أترون أن أمیل الخ" یعنی آپ ﷺ نے مشورہ یہ کیا کہ اب جب کہ قریش کے لوگ مختلف قبائل کے ساتھ مل کر انہوں نے ہم سے مقابلہ کرنے کیلئے لمبا چوڑا لشکر اکٹھا کرلیا ہے اور اس غرض سے مکہ سے نکل آئے ہیں تو اب ایک راستہ یہ ہے کہ وہ تو مکہ سے نکلے ہوئے ہیں اور دوسرے قبائل بھی انہوں نے جمع کررکھے ہیں تو ہم دوسرا راستہ اختیار کرکے مکہ مکرمہ میں ان کے جو اہل وعیال ہیں ان پر حملہ کردیں اور ان کو گرفتار کرلیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے اہل وعیال کو بچانے کیلئے بھاگیں گے واپس آئیں گے اور جب وہ مکہ میں اپنے اہل وعیال کو بچانے کیلئے داخل ہوں گے تو وہ صرف قریشی ہوں گے اور دوسرے قبائل اپنی اپنی جگہ واپس چلے جائیں گے، کیونکہ عیال کو بچانا یہ قریش کا کام ہے دوسرے قبائل کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہٰذا وہ چلے جائیں گے اور صرف قریشی آجائیں گے۔

اب اگر وہ اس طرح آجائیں تو کم ازکم اس طرح ان سے مقابلہ آسان ہوجائے گا، اور اتنی بڑی جماعت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا، اور اگر نہیں آئے تب بھی ہم ان کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کرلیں گے پھر بھی

---

۶۴ عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۲۲

۶۵ ((الأحابیش)) بالحاء المهملة وبالباء الموحدة والشین المعجمة۔ علی وزن المصابیح۔ الجماعة من الناس لیسوا من قبیلة واحدة. عمدة القاری، ج:۱۷، ص:۳۲۲

آئیں گے تو مجھ سے بات چیت بھی ہو سکے گی اور اگر آگئے تو ہم ان کو آسانی سے شکست دے سکیں گے، ایک طریقہ یہ ہے۔ تو اس پر فرمایا کہ کیا آپ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ میں ان کے عیال کی طرف مائل ہو جاؤں اور ان کی ذریت کی طرف جو یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں بیت اللہ سے روکیں۔

"فان یأتونا کان اللہ الخ" اور وہ دفاع کیلئے آگئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین میں سے ایک جماعت کو کاٹ چکا ہوگا۔

معنی یہ ہے کہ وہ قبائل جو آج اکٹھے ہو گئے ہیں وہ قبائل اپنی اپنی جگہوں پر بھاگ جائیں گے اور یہ اپنے اہل وعیال کو بچانے کیلئے تنہا آئیں گے تو صرف ان کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور مشرکین کی ایک جماعت قطع ہو چکی ہوگی لہٰذا ان سے مقابلہ کی ہمیں ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس جملہ کی یہ ایک تفسیر ہے۔

یہ تفسیر اس بنیاد پر ہے کہ **"عینا"** کو یہاں جماعت کے معنی میں لیا جائے اور بہت سے شراح نے یہی معنی لیا ہے۔ عین کا ایک دوسرے معنی جاسوس کا آتا ہے تو اس صورت میں اس جملہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر ہم نے ان کی عورتوں اور بچوں پر حملہ کر دیا اور ان کو گرفتار کر لیا تو اب ان کے دفاع کے لئے آئے تو ہمیں پھر ان کے احوال اور ان کی تعداد جاننے کے لئے اپنے جاسوس بھیجنے کی ضرورت نہیں رہے گی، کیونکہ اس صورت میں دوسرے قبائل اپنی اپنی جگہ چلے جائیں گے اور تنہا قریش آئیں گے اور قریش کی تعداد کا ہمیں پتہ ہے، لہٰذا ہمیں جاسوس بھیجنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تو اگر یہ آبھی گئے تو اللہ تعالیٰ مشرکین کی طرف سے ہمارے ایک جاسوس کی ضرورت کو کاٹ چکا ہوگا یعنی جاسوس کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ [۷۲]

ایک تیسرا معنی حاشیہ میں لکھا ہوا ہے جو اس جملہ کے لئے صحیح نہیں بنتا، لہٰذا اس کے دھوکہ میں مت آنا بس جو معنی میں نے بیان کئے یہی راجح ہیں۔

"والا ترکناھم الخ" ورنہ اگر وہ نہ آئے تو ہم ان کو مغلوب کر کے چھوڑیں گے اور اپنا عمرہ کریں گے اور چلے جائیں گے۔

"قال ابو بکر: یارسول اللہ! خرجت الخ" تو صدیق اکبر ﷺ نے عرض کیا آپ بیت اللہ کا قصد کر کے نکلے ہیں، آپ کسی سے جنگ کرنے یا کسی کو قتل کرنے نہیں آئے تو آپ اپنے راستہ پر بیت اللہ کے لئے چلتے رہیں، **"فمن صدنا عنہ قاتلناہ الخ"** ہاں کوئی آگے جا کے ہمیں روکے گا تو اس سے ہم قتال کریں گے۔ تو اس لئے وہاں جا کر ان کے بچوں کے ساتھ قتال کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کو یہ رائے پسند آئی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نام پر چلتے رہو۔

---

[۷۲] عمدۃ القاری، ج:۱۷، ص:۳۲۳، ۳۲۲

۴۱۸۰، ۴۱۸۱ ۔ حدثني إسحاق: أخبرنا يعقوب: حدثني ابن أخي ابن شهاب، عن عمه: أخبرني عروة بن الزبير: أنه سمع مروان بن الحكم والمسور بن مخرمة يخبران خبرا من خبر رسول الله ﷺ في عمرة الحديبية، فكان فيما أخبرني عروة عنهما: أنه لما كاتب رسول الله ﷺ سهيل أن يقاضي رسول الله ﷺ إلا على ذلک، فكره المؤمنون ذلک وامعضوا فتكلموا فيه، فلما أبى سهيل أن يقاضي رسول الله ﷺ إلا على ذلک كاتبه رسول الله ﷺ، فرد رسول الله ﷺ أبا جندل بن سهيل يومئذ إلى أبيه سهيل بن عمرو، ولم يأت رسول الله ﷺ أحد من الرجال إلا رده في تلک المدة وإن كان مسلما. وجاء ت المؤمنات مهاجرات فكانت أم كلثوم بنت عقبة بن أبي معيط ممن خرج إلى رسول الله ﷺ وهي عاتق، فجاء أهلها يسألون رسول الله ﷺ أن يرجعها إليهم حتى أنزل الله تعالى في المؤمنات ما أنزل. [راجع: ۱۶۹۴، ۱۶۹۵]

۴۱۸۲ ۔ قال ابن شهاب: وأخبرني عروة بن الزبير: أن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: إن رسول الله ﷺ كان يمتحن من هاجر من المؤمنات بهذه الآية ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ وعن عمه قال: بلغنا حين أمر الله رسوله ﷺ أن يرد إلى المشركين ما أنفقوا على من هاجر من أزواجهم وبلغنا أن أبا بصير، فذكره بطوله. [راجع: ۲۷۱۳]

ترجمہ: ابن شہاب سے روایت ہے کہ عروہ بن زبیر ﷺ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ دونوں سے سنا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے عمرۂ حدیبیہ کے متعلق بیان کررہے تھے، ابن شہاب کہتے ہیں کہ جب عروہ بن زبیر ﷺ نے مجھے یہ حدیث سنائی تو اس میں یہ بات بھی بتائی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو سے ایک معینہ مدت کے لئے معاہدہ تحریر کیا تو اس میں سہیل نے یہ شرط رکھی کہ آپ کے پاس اگر ہمارا کوئی آدمی آجائے اگر چہ وہ مسلمان ہو تو اس کو ہماری طرف لوٹا دیں گے اور آپ اس کے درمیان میں رکاوٹ نہیں بنیں گے اور سہیل بن عمرو اس شرط پر اڑا ہوا تھا اور مسلمان اس شرط کو نامنظور کر رہے تھے اور غصہ میں آگئے تھے چنانچہ انہوں نے اس میں کلام کیا، پھر جب سہیل نے اس شرط کے بغیر معاہدہ کرنے سے انکار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شرط کو معاہدہ میں تحریر کرلیا، چنانچہ اس کے بعد ابو جندل بن سہیل کو اس روز اس کے باپ سہیل بن عمرو کے حوالے کیا گیا، ابو جندل رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ سے بھاگ کر آئے تھے، اس معاہدہ کے دوران جو کوئی بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ سے بھاگ کر آتا تھا تو آپ اس کو واپس بھجوا دیا کرتے تھے اگر چہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، اس دوران کچھ مومنات مہاجرات بھی آنے لگیں جن میں سے ایک ام کلثوم بنت عقبہ

بن ابی معیط رضی اللہ عنہا بھی تھیں جو آپ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے آئیں اور وہ آزاد (عاقل بالغ) تھیں، ان کے رشتہ دار آپ ﷺ کے پاس آئے اور ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مومنات کے بارے میں وہ آیات نازل کی (جو شرط کے مناسب تھی)۔

ابن شہاب عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آپ کے پاس آیا کرتی تھیں تو آپ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ سے ان کو آزماتے تھے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾۔ اور ابن شہاب اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ ہم کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ مشرکین نے اپنی ان بیویوں پر جو ہجرت کر کے آئی ہیں، جو کچھ خرچ کیا ہے ان کو واپس کر دیا جائے اور ہم سے ابو بصیر کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا۔

۴۱۸۳ ۔ حدثنا قتيبة، عن مالك، عن نافع: أن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما خرج معتمرا في الفتنة، فقال: إن صددت عن البيت صنعنا كما صنعنا مع رسول الله ﷺ فأهل بعمرة من أجل أن رسول الله ﷺ كان أهل بعمرة عام الحديبية. [راجع: ۱۶۳۹]

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فتنہ کے دور میں عمرہ کا ارادہ کر کے نکلے اور فرمانے لگے کہ اگر ہمیں بیت اللہ سے روکا گیا تو ہم وہی عمل کریں گے جو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، چنانچہ آپ نے صرف عمرہ کا احرام باندھا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے بھی صلح حدیبیہ کے سال صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا۔

تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت میں اور آگے آنے والی اس مضمون کی کئی روایتوں میں اصل میں کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس زمانے کی بات ہے جب مکہ مکرمہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی خلافت قائم ہوگئی تھی اور حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف لڑائی کیلئے لشکر بھیجے تھے یہ سب فتنہ چل رہا تھا۔

اسی دوران حج کا موسم آگیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حج کا ارادہ کیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بعض ساتھیوں نے یہ کہا کہ آپ کو ایسے موقع پر نہیں جانا چاہئے کیونکہ اندیشہ ہے کہ پتہ نہیں کیا ہو جائے لڑائی جھگڑا اور فتنہ کا زمانہ ہے، تو اس سال آپ نہ جائیں۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما جب عمرہ کیلئے نکلے تو یہ فرمایا "ان صدت عن البیت الخ" میں تو عمرہ کیلئے جا رہا ہوں، اگر مجھے روک لیا گیا تو میں وہی کام کروں گا جو حضور ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال ہم نے کیا تھا۔

۴۱۸۴ ـ حدثنا مسدد: حدثنا یحیی، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر أنه أهل وقال: إن حيل بيني وبينه لفعلت كما فعل النبي ﷺ حين حالت كفار قريش بينه، وتلا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. [راجع: ۱۶۳۹]

ترجمہ: نافع کہتے ہیں کہ جب ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عمرہ کا ارادہ کر کے احرام باندھا تو فرمانے لگے کہ اگر مجھے بیت اللہ سے روکا گیا تو میں وہی کروں گا رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا جب کہ قریش کے کافروں نے آپ ﷺ کو روکا تھا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [۶۷]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

۴۱۸۵ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد بن أسماء: حدثنا جويرية، عن نافع: أن عبيد الله بن عبداللہ وسالم بن عبداللہ أخبراه أنهما كلما عبداللہ بن عمر ح.

وحدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا جويرية، عن نافع: ((أن بعض بني عبداللہ قال له: لو أقمت العام فإني أخاف أن لا تصل إلى البيت، قال: خرجنا مع النبي ﷺ فحال كفار قريش دون البيت فنحر النبي ﷺ هدياه وحلق وقصر أصحابه، وقال: أشهدكم أني أوجبت عمرة، فإن خلي بيني وبين البيت طفت، وإن حيل بيني وبين البيت صنعت كما صنع رسول الله ﷺ. فسار ساعة ثم قال: ما أرى شأنهما إلا واحدا، أشهدكم أني قد أوجبت حجة مع عمرتي، فطاف طوافا واحدا وسعيا واحدا حتى حل منهما جميعا. [راجع: ۱۶۳۹]

ترجمہ: نافع کو عبید اللہ بن عبد اللہ اور سالم بن عبد اللہ رحمہما اللہ نے بتایا کہ ہم دونوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے گفتگو کی۔

(دوسری سند) حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں نے ان سے کہا کہ اس سال آپ عمرہ کو نہ جائیے، کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاید آپ ﷺ بیت اللہ تک نہ پہنچ سکیں، انہوں

---

[۶۷] [الاحزاب: ۲۱]

نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے نکلے تھے، مگر قریش کے کافروں نے بیت اللہ تک نہ جانے دیا، آخر رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں قربانی کے جانور ذبح کر دیئے، سر منڈوایا اور آپ ﷺ کے اصحاب ؓ نے بھی بال اتروا دیئے، پھر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اوپر عمرہ واجب کرلیا ہے، اب اگر مجھے لوگوں نے بیت اللہ تک جانے دیا تو میں طواف کروں گا، اور عمرہ بجالاؤں گا، اور اگر مزاحمت کی گئی تو پھر وہی کروں گا جو رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، یہ کہہ کر چل دیئے، کچھ دور جا کر کہا کہ میں نے عمرہ کے ساتھ اپنے ذمہ حج بھی واجب کرلیا ہے، اس کے بعد آپ نے حج وعمرہ کا ایک ہی طواف کیا، اور ایک ہی سعی کی، اور دسویں تاریخ کو احرام اتار دیا۔

تشریح

حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں میں سے کسی ایک بیٹے نے ان سے کہا **"لو أقمت العام فانی الخ"** کاش کہ آپ اس سال رک جاتے یعنی اس سال حج کو نہ جاتے، **"فانی أخاف أن الخ"** کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ ان فتنوں کی وجہ سے آپ بیت اللہ تک نہیں پہنچ پائیں گے۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے خلاف حجاج بن یوسف کی مکہ مکرمہ پر لشکر کشی کے زمانے کا واقعہ ہے۔

"قال خرجنا مع النبی ﷺ الخ" تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ساتھ نکلے تھے تو کفار قریش بیت اللہ کے سامنے حائل ہوگئے، **"فنحر النبی ﷺ هدیاه وحلق الخ"** تو آپ ﷺ نے اپنے قربانی کے جانور نحر فرمائے اور حلق فرمایا اور آپ ﷺ کے اصحاب ؓ نے قصر کیا۔

"وقال: أشهدكم أنی أوجبت الخ" پھر ابن عمر میں آپ سب لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے ذمہ عمرہ لازم کیا ہے یعنی عمرہ کا احرام باندھا ہے اگر مجھے بیت اللہ جانے دیا گیا تو میں طواف کروں گا، **"وان حيل بينی وبين البيت الخ"** اور اگر میرے اور بیت اللہ کے درمیان لوگ حائل ہوگئے تو وہی کام کروں گا جو حضور ﷺ نے حدیبیہ میں کیا تھا۔

"فسار ساعة ثم قال: ما أرى الخ" تو تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا کہ پہلے تو میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ حج کے بجائے عمرہ کا احرام باندھتا ہوں اور عمرہ کا احرام باندھ کر اگر بالفرض مجھے روک دیا گیا تو عمرہ کر کے حلال ہوجاؤں گا اور اگر روک دیا گیا تو اسی جگہ ذبح کر کے حلال ہوجاؤں گا احتیاطاً اس وقت حج کا احرام نہیں باندھتا، لیکن کچھ دیر چلنے کے بعد کہنے لگے حج اور عمرہ دونوں کا معاملہ مجھے ایک ہی جیسا نظر آتا ہے، چاہے

احرام عمرہ کا باندھوں یا حج کا، حکم ایک سا ہی ہوگا کہ اگر جانے دیا گیا تو کرلوں گا اور اگر نہیں جانے دیا تو قربانی کر کے حلال ہو جاؤں گا تو اس لئے کیوں خواہ مخواہ میں صرف عمرہ کا احرام باندھوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ **"أشهدكم أني قد أوجبت الخ"** میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے عمرہ کے ساتھ حج کو بھی واجب کرلیا، **"فطاف طوافا واحدا وسعيا واحدا الخ"** پھر آپ نے حلال ہونے کے لئے ایک ہی طواف کیا اور ایک ہی سعی کیا یہاں تک کہ دونوں سے حلال ہو گئے۔

مسئلہ

احناف کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرہ کا طواف کیا، اسی میں طواف قدوم بھی شامل ہو گیا اور حضرات شوافع کے یہی مطلب ہے کہ حج کا طواف اور اس میں عمرے بھی شامل ہو گیا۔ [۶۸]

یہ مسئلہ کتاب الحج میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔

۴۱۸۶ ۔ حدثني شجاع بن الوليد: سمع النضر بن محمد: حدثنا صخر، عن نافع قال: إن الناس يتحدثون أن ابن عمر أسلم قبل عمر وليس كذلك، ولكن عمر يوم الحديبية أرسل عبدالله إلى فرس له عند رجل من الأنصار يأتي به ليقاتل عليه، ورسول الله ﷺ يبايع عند الشجرة وعمر لا يدري بذلك فبايعه عبد الله ثم ذهب إلى الفرس فجاء به إلى عمر وعمر يستلئم للقتال، فأخبره أن رسول الله ﷺ يبايع تحت الشجرة. قال: فانطلق فذهب معه حتى بايع رسول الله ﷺ فهي التي يتحدث الناس أن ابن عمر أسلم قبل عمر.

[راجع: ۳۹۱۶].

ترجمہ: نافع رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ لوگ کہتے ہیں ابن عمر اپنے والد حضرت عمر ؓ سے پہلے اسلام لائے، یہ درست نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ حدیبیہ کے روز حضرت عمر ؓ نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ ؓ کو ایک انصاری کے پاس اس لئے بھیجا کہ وہ ان سے ان کا گھوڑا لے کر آئیں تا کہ اس پر بیٹھ کر کافروں سے جہاد کیا جائے۔ اس وقت حضور اکرم ﷺ اصحاب ؓ سے درخت تلے بیعت لے رہے تھے، حضرت عمر ؓ کو اس کی خبر نہیں تھی، عبداللہ بن عمر رسول اکرم ﷺ سے بیعت کر کے گھوڑا لینے گئے، اور پھر حضرت عمر ؓ کے پاس گھوڑا لئے ہوئے آئے، حضرت عمر ؓ جنگ کیلئے ہتھیار لگا رہے تھے، عبداللہ نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ درخت

---

[۶۸] عمدۃ القاری، ج:۳، ص:۲۲۴

کے نیچے بیعت لے رہے ہیں، تو وہ عبداللہ کو ساتھ لیکر گئے، اور آنحضرت ﷺ سے جا کر بیعت کی، یہ ہے وہ بات جس کی وجہ سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں **"ان الناس یتحدثون الخ"** بعض نادان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے اسلام لے آئے تھے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہلے اسلام لائے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بعد میں اسلام لائے۔

یہ لوگوں کا مغالطہ اور اس مغالطہ کی وجہ حضرت نافع رحمہ اللہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں، **"ولکن عمر یوم الحدیبیة الخ"** حضرت عمر نے حدیبیہ کے دن اپنے صاحبزادہ عبداللہ بن عمر کو اپنا ایک گھوڑا لینے کے لئے بھیجا جو انصار میں سے ایک صاحب کے پاس تھا تا کہ اس پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

"ورسول اللہ ﷺ یبایع الخ" اس وقت رسول کریم ﷺ سے لوگ شجرہ کے پاس بیعت کر رہے تھے، **"وعمر لایدری الخ"** اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس بات کی خبر نہیں تھی، **"فبایعه عبد اللہ ثم ذھب الخ"** ابن عمر نے جب دیکھا کہ لوگ درخت کے نیچے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں تو پہلے جا کر بیعت کر لی، پھر جا کے گھوڑا لے کر آئے اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وہ اپنا اسلحہ زیب تن کر رہے تھے یعنی قتال کی تیاری کر رہے تھے۔

"فاخبرہ أن رسول اللہ ﷺ الخ" تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے والد کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ درخت کے نیچے بیعت لے رہے ہیں، **"قال فانطلق فذھب الخ"** فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عمر، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ گئے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی۔

"فھی التی یتحدث الناس الخ" یہ ہے وہ بات جس کی وجہ سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لائے ہیں۔

تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ بیعت رضوان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیعت پہلے کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعد میں بیعت کی۔ اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اسلام بھی پہلے لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعد میں اسلام لائے۔

۴۱۸۷ ۔ وقال هشام بن عمار: حدثنا الوليد بن مسلم : حدثنا عمر بن محمد العمري: أخبرني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن الناس كانوا مع النبي ﷺ يوم

الحديبية تفرقوا في ظلال الشجر، فإذا الناس محدقون بالنبي ﷺ فقال: يا عبد الله، انظر ما شأن الناس قد أحدقوا برسول الله ﷺ، فوجدهم يبايعون فبايع ثم رجع إلى عمر فخرج فبايع. [راجع: ۳۹۱۶]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حدیبیہ کے روز لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ الگ الگ درختوں کے سایہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، اچانک نظر آیا کہ لوگ حضرت اکرم ﷺ کے گرد جمع ہیں، حضرت عمر ؓ نے (اپنے بیٹے) عبداللہ ؓ سے کہا، ذرا جا کر دیکھو کہ یہ لوگ کیوں جمع ہیں، اور آنحضرت ﷺ کو کس لئے گھیرے ہوئے ہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما گئے اور دیکھا کہ لوگ آپ ﷺ سے بیعت کر رہے ہیں، چنانچہ عبداللہ ؓ نے بھی بیعت کر لی، پھر واپس آ کر حضرت عمر ؓ کو خبر دی تو آپ بھی گئے اور بیعت کر لی۔

۴۱۸۸ ۔ حدثنا ابن نمير: حدثنا يعلى: حدثنا إسماعيل قال: سمعت عبدالله بن أبي أوفى رضي الله عنهما قال: كنا مع النبي ﷺ حين اعتمر فطاف فطفنا معه، وصلى وصلينا معه، وسعى بين الصفا والمروة فكنا نستره من أهل مكة لا يصيبه أحد بشيء. [راجع: ۱۶۰۰]

ترجمہ: اسمٰعیل نے کہا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کو کہتے سنا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے، جب کہ آپ ﷺ نے عمرہ (عمرۃ القضاء) ادا کیا، چنانچہ آپ ﷺ نے طواف کیا تو ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ طواف کیا، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی تو ہم نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ ﷺ نے صفا مروہ کے درمیان سعی فرمائی تو ہم نے بھی سعی کی، ہم آپ ﷺ کی اہل مکہ سے حفاظت کر رہے تھے کہ کوئی آپ ﷺ کو تکلیف نہ دے سکے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"كنا مع النبي ﷺ حين الخ"** ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جب آپ ﷺ نے عمرہ کیا تو آپ ﷺ نے طواف کیا اور ہم نے بھی طواف کیا، آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور ہم نے بھی نماز پڑھی، آپ نے صفا مروہ کے درمیان سعی کی۔

یہاں عمرۃ القضاء مراد ہے، یعنی آپ ﷺ جب عمرۃ القضاء میں تشریف لے گئے تو ہم آپ کو چھپا رہے تھے کہ مشرکین آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچا ئیں۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما چونکہ اصحاب شجرہ میں سے تھے تو اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث یہاں پر لائے ہیں۔

۴۱۸۹ - حدثنا الحسن بن إسحاق: حدثنا محمد بن سابق: حدثنا مالک بن مغول قال: سمعت أبا حصین قال: قال أبو وائل: لما قدم سهل بن حنیف من صفین أتیناه نستخبره فقال: اتهموا الرأی فلقد رأیتنی یوم أبی جندل ولو أستطیع أن أرد علی رسول الله ﷺ أمره لرددت والله ورسوله أعلم. وما وضعنا أسیافنا علی عواتقنا لأمر یفظعنا إلا أسهلن بنا إلی أمر نعرفه قبل هذا الأمر، ما نسد منها خصما إلا انفجر علینا خصم ما ندری کیف نأتی له. [راجع: ۳۱۸۱]

ترجمہ: مالک بن مغول کہتے ہیں کہ میں نے ابوحصین سے سنا کہ وہ ابووائل سے روایت کرتے ہیں کہ جب سہل بن حنیف ؓ جنگ صفین سے واپس آئے تو ہم ان کی واپسی کا سبب معلوم کرنے گئے، تو انہوں نے کہا کہ اپنی رائے کو متہم سمجھو، ایک وہ بھی دن تھا کہ میں اتنا مستعد تھا کہ ابوجندل ؓ کی واپسی پر کبھی راضی نہ ہوتا، اور اگر قدرت رکھتا تو حکم رسول خدا ﷺ کو نہ مانتا اور اچھی طرح لڑتا، یہ بات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ خوب جانتے ہیں کہ ہم نے جب کبھی کسی مہم پر تلوار اٹھائی تو وہ کام آسان ہوگیا، غرض اس جنگ سے پہلے جب بھی تلوار اٹھائی، تو ہم اسے اپنے لئے اچھا جانتے تھے، مگر اس جنگ (صفین) کا عجیب حال ہے کہ ہم ایک کام کو سنبھالتے ہیں تو دوسرا بگڑ جاتا ہے، ہم حیران ہیں کہ اس کی کیا تدبیر کریں۔

تشریح

ابوحصین روایت کرتے ہیں کہ ابووائل رحمہ اللہ نے فرمایا، ابووائل تابعین میں سے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جب سہل بن حنیف ؓ جب جنگ صفین سے واپس آئے تو ہم ان کے پاس ان کی واپسی کا سبب معلوم کرنے کی غرض سے گئے، تو اس وقت انہوں نے فرمایا "اتهموا الرأی" اپنی رائے کو متہم سمجھو یعنی اپنی رائے کو درست مت سمجھو۔

"اتهموا الرأی" کہنے کا مقصد

اس فقرہ کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت سہل بن حنیف ؓ بدری صحابہ میں سے ہیں اگرچہ وہ جنگ صفین میں وہاں موجود تھے اور اس لڑائی میں شریک بھی تھے، لیکن جیسا کہ عام طور پر آدمی پورے جوش وخروش سے

لڑتا ہے اس جوش وخروش کا مظاہرہ انہوں نے جنگ صفین میں نہیں فرمایا۔

بعض لوگ ان کو نشانۂ ملامت بناتے تھے کہ آپ نے قتال میں جس ثابت قدمی اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہئے وہ آپ نے نہیں کیا، تو حضرت سہل بن حنیف ؓ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ درحقیقت میری طرف سے جو جوش وخروش نظر نہیں آیا اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بزدلی کی وجہ سے میں جنگ میں شامل ہونا نہیں چاہتا تھا۔

بلکہ وجہ یہ ہے کہ یہ جنگ ہی ایسی تھی کہ پورے شرح صدر کے ساتھ اس میں شریک ہونا سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس لئے کہ دونوں طرف مسلمان تھے، دونوں طرف صحابۂ کرام ؓ تھے۔ اس لئے شرح صدر کے ساتھ اور اس جوش وخروش کے ساتھ جیسے کافروں اور مشرکین کے ساتھ لڑا جاتا ہے ویسا اس میں ممکن تھا ہی نہیں، یہ کہنا چاہ رہے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ **"اتهموا الرأي"** اپنی رائے کو متہم سمجھو یعنی جو شخص بھی یہ سمجھ رہا ہے کہ میں یقیناً حق پر ہوں اور دوسرا یقیناً باطل پر ہے تو وہ اپنی رائے کو متہم سمجھے، اس طرح درست نہیں۔

حقیقت میں یہ اختلاف، اجتہادی اختلاف تھا اور اجتہادی اختلاف میں قطع اور یقین کسی ایک جانب نہیں کیا جاسکتا۔

"فلقد رأيتني يوم أبي جندل" حضرت سہل بن حنیف ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوجندل ؓ کو صلح حدیبیہ والے دن اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

"ولو أستطيع أن أرد على رسول الله ﷺ أمره لرددت" اگر میں حضور اقدس ﷺ کی بات کو رد کرسکتا تو اس روز رد کردیتا۔

"والله ورسوله أعلم" لیکن کیونکہ اللہ اور اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں اس واسطے ہم نے آپ ﷺ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا، اپنی شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ نہیں کیا۔

اب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بعض اوقات شجاعت اور بہادری اور جذبات کا تقاضہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی خوب جی کھول کر لڑے لیکن کسی مصلحت کی بنا پر یا کسی حکم شرعی کی بناء پر اسے اپنے جذبات کو قابو کرنا پڑتا ہے روکنا پڑتا ہے۔

اس کیلئے حضرت ابوجندل ؓ کے واقعہ سے اشارہ کیا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابوجندل ؓ اس حال میں آئے تھے کہ پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھی اور یہ فریاد بھی کررہے تھے کہ اے مسلمانو! مجھے تم دوبارہ ان بھیڑوں کے حوالہ کررہے ہو جو مجھے ظلم وستم کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں، تو اس وقت جذبات کا تقاضہ یہ تھا کہ چاہے لڑائی کرنا بھی پڑے لیکن ابوجندل ؓ کو واپس نہ بھیجا جائے۔

سہل بن حنیف ؓ کہتے ہیں کہ اگر کبھی رسول کریم ﷺ کے کسی حکم کو رَد کرنے کا تصور ہوتا تو اس دن آپ

ﷺ کے حکم کو ہم لوگ رد کر دیتے، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اس کو واپس لوٹا دو، تو یہ واقعہ ایسا تھا کہ اگر ہمارے لئے حضور ﷺ کے کسی حکم کو رد کرنا ممکن ہوتا تو اس دن رد کر دیتے، ایسے جذبات تھے۔ لیکن ہم نے رد نہیں کیا کیونکہ رسول کریم ﷺ کا امر تھا، اور اس امر کی وجہ سے اپنے جذبات کو قابو میں کیا اور شجاعت اور بہادری کا جو تقاضہ تھا اس پر عمل نہیں کیا۔

یہاں پر کہنا یہ چاہتے ہیں اس طرح جنگ صفین میں جوش وخروش کا مظاہرہ کر کے باقاعدہ پیچھا کر کے قتل کرنے کی فکر میں نے نہیں کی۔ اس واسطے کہ یہ معاملہ اجتہادی تھا، یہ جوش وخروش کا موقع تھا ہی نہیں۔ [۹۱]

اب آگے فرماتے ہیں **"وما وضعنا أسيافنا على عواتقنا"** ہم نے اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر کبھی نہیں رکھی مسلح ہو کر دشمن کے لئے کبھی نہیں گئے، **"لأمر يفظعنا"** ایک ایسے معاملہ کے لئے جو ہمارے اوپر شاق ہو اور مشکل معاملہ کو حل کرنے کے لئے اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر رکھی، **"إلا أسهلن بنا إلى أمر نعرفه"** مگر وہ تلواریں ہمیں سہولت کے ساتھ لے گئی ایسے معاملہ کی طرف جس کو ہم پہچانتے ہوں۔

یہاں کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بھی جہاد کئے ہیں، لڑائیاں لڑی ہیں لیکن دونوں لڑائیوں کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے تو ہم اپنی تلواروں کو اپنے کندھوں پر رکھتے، دیکھنے میں مشکل معاملہ نظر آتا اور بہت گھبرانے والی صورت سامنے آتی تو فوراً اللہ تبارک وتعالیٰ کی مدد آجاتی اور ان تلواروں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے سہولت کا راستہ فرما دیتے اور ایسی حالت کی طرف لے جاتے جو ہمارے لئے بہتر اور خیر کی ہوتی یعنی انجام اچھا ہوتا، بظاہر دیکھنے میں بڑی مشکل نظر آرہی ہے لیکن مشکل ہو کر بھی اللہ تعالیٰ ہمارے لئے آسانیاں عطا فرما دیتے اور ہم کسی اچھے انجام تک پہنچ جاتے، ہمیشہ دستور یہی رہا۔

"قبل هذا الأمر" اس صفین کے واقعہ سے پہلے یہ ہوتا تھا، **"ما نسد منها خصما إلا الخ"** ایک راستہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے۔

"ما ندري كيف الخ" جس کا ہمیں پتہ نہیں ہوتا کہ اس کی کیا تدبیر کریں۔

یہاں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صفین سے پہلے کی جنگوں کا ذکر کیا کہ اس وقت ہم لوگوں کی کیا کیفیت ہوتی تھی اور کس جوش وجذبہ سے ہم ان جنگوں میں شریک ہوتے لیکن صفین ایسی جنگ ہے کہ جس میں

---

[۹۱] أي: اتهموا رأيكم وذلك أن سهلاً كان يتهم بالتقصير في القتال، فقال: اتهموا رأيكم، فاني لا أقصر وما كنت مقصراً وقت الحاجة، كما في يوم الحديبية فاني رأيت نفسي يومئذ بحيث لو قدرت على مخالفة حكم رسول الله ﷺ، لقاتلت قتالا لامزيد عليه، لكن أتوقف عنه اليوم لمصلحة المسلمين. عمدة القاري، ج:۱۷، ص:۳۲۸

مسلمان ہی ایک دوسرے کے مقابل ہیں اس واسطے ایسی جنگ کے اندر کیسے جوش وخروش پیدا ہو، جس میں مسلمانوں کے درمیان تلوار چل رہی ہے۔

صفین کا معاملہ بالکل الٹا معاملہ ہے کہ ایک سوراخ بند کرتے تو دوسرا سوراخ کھل جاتا، بجائے اس کے معاملہ آسانی کی طرف جاتا، جتنا بھی آگے بڑھتے ہیں اس میں کوئی نہ کوئی الجھن پیدا ہو جاتی، "السع الأمر علی" کا سا معاملہ ہے کہ جتنا پیوند لگانا چاہو اتنا ہی پھٹ جاتی۔

جیسے کہتے ہیں کہ ایک مشکیزہ ہوتا ہے اس مشکیزہ کے اندر ایک سوراخ ہے آپ نے اس کو زبردستی کرکے بند کیا تا کہ پانی نہ نکلے تو جب اس کو دبایا تو معلوم ہوا دوسرا کھل گیا، اب اس کو دبایا تو کہیں اور جگہ سے کھل گیا۔

حضرت سہل بن حنیف ﷺ کہتے ہیں کہ ہماری صورتحال صفین میں ایسی ہی پیدا ہو رہی تھی کہ ایک راستہ بند کرتے ہیں تو دوسرا کھل جاتا ہے تو اس واسطے ایسی جنگ میں کیا جوش وخروش دکھائیں دل میں تردد تھا کہ پتا نہیں یہ جنگ ٹھیک بھی ہے یا نہیں، ایسے موقع پر کیسے بہادری سے اور دل جمعی سے لڑائی کی جاسکتی ہے۔

۴۱۹۰ - حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب، عن مجاهد، عن ابن أبي ليلى، عن كعب بن عجرة ﷺ قال: أتى علي النبي ﷺ زمن الحديبية والقمل يتناثر على وجهي فقال: ((أيؤذيك هوام رأسك؟)) قلت: نعم، قال: ((فاحلق وصم ثلاثة أيام، أو أطعم ستة مساكين، أو انسك نسيكة)). قال أيوب: لا أدري بأي هذا بدأ. [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس حالت میں کہ میرے سر سے جوئیں میرے چہرے پر گر رہی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمہارے سر کے کیڑے تمہیں تکلیف دیتے ہیں؟ میں نے جواب دیا جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا پھر سر منڈالو اور تین دن روزہ رکھ لو یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ یا ایک جانور ذبح کرو۔ ایوب کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ ان تینوں سے کون سی چیز پہلے ارشاد فرمائی۔

۴۱۹۱ - حدثني محمد بن هشام أبو عبد الله: حدثنا هشيم، عن أبي بشر، عن مجاهد، عن عبد الرحمن بن أبي ليلى، عن كعب بن عجرة قال: كنا مع رسول الله ﷺ بالحديبية ونحن محرمون وقد حصرنا المشركون، قال: وكانت لي وفرة فجعلت الهوام تساقط على وجهي فمر بي النبي ﷺ فقال: ((أيؤذيك هوام رأسك؟)) قلت: نعم، قال: وأنزلت هذه الآية ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾. [راجع: ۱۸۱۴]

ترجمہ: عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن عجرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کے موقع پر ہم لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہم لوگوں نے عمرہ کے احرام باندھے ہوئے تھے اور مشرکین مکہ نے ہمیں روکا ہوا تھا۔ حضرت کعب بن عجرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے سر پر پٹھے (وفرہ) بال تھے تو میرے سر سے جوئیں میرے چہرے پر گر رہی تھیں، آپ ﷺ میرے قریب سے گزرے تو فرمایا کہ کیا تمہارے سر کے کیڑے تمہیں تکلیف دیتے ہیں؟ تو میں نے کہا جی ہاں! پھر حضرت کعب بن عجرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر (فدیہ کے متعلق) یہ سورۃ البقرۃ کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ [۲۷]

ترجمہ: اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔

اللّٰھم اختم لنا بالخیر

کمل بعون اللہ تعالیٰ الجزء التاسع من "إنعام الباري" ويليه إن شاء الله تعالیٰ الجزء العاشر: أوّله "كتاب المغازي - باب قصة عكل وعرينة"، رقم الحديث: ۴۱۹۲۔

نسأل الله الإعانة والتوفيق لإتمامه۔

والصلوٰة والسلام على خير خلقه سيدنا و مولانا محمّد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين وعلى آله و أصحابه أجمعين و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

آمین ثم آمین یا رب العالمین۔

---

[۲۷] [البقرة: ۱۹۶]

انعام الباری شرح صحیح البخاری

انعام الباری جلد۱: کتاب بدء الوحی، کتاب الإیمان

انعام الباری جلد۲: کتاب العلم، کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم.

انعام الباری جلد۳: کتاب الصلاة، کتاب مواقیت الصلاة، کتاب الأذان.

انعام الباری جلد۴: کتاب الجمعة، کتاب الخوف، کتاب العیدین، کتاب الوتر، کتاب الإستسقاء، کتاب الکسوف، کتاب سجود القرآن، کتاب تقصیر الصلاة، کتاب التهجد، کتاب فضل الصلاة في مسجد مکة والمدینة، کتاب العمل في الصلاة، کتاب السهو، کتاب الجنائز.

انعام الباری جلد۵: کتاب الزکاة، کتاب الحج، کتاب العمرة، کتاب المحصر، کتاب جزاء الصید، کتاب فضائل المدینة، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، کتاب فضل لیلة القدر، کتاب الاعتکاف.

انعام الباری جلد۶: فقه المعاملات (حصہ اول): کتاب البیوع، کتاب السلم، کتاب الشفعة، کتاب الإجارة، کتاب الحوالات، کتاب الکفالة، کتاب الوکالة کتاب الحرث والمزارعة.

انعام الباری جلد۷: فقه المعاملات (حصہ دوم): کتاب المساقاة، کتاب الإستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، کتاب الخصومات، کتاب في اللقطة، کتاب المظالم، کتاب الشرکة، کتاب الرهن، کتاب العتق، کتاب المکاتب، کتاب الهبة وفضلها والتحریض علیها، کتاب الشهادات، کتاب الصلح، کتاب الشروط، کتاب الوصایا، کتاب الجهاد والسیر، کتاب فرض الخمس، کتاب الجزیة والموادعة.

انعام الباری جلد۸: کتاب بدء الخلق، کتاب أحادیث الأنبیاء، کتاب المناقب، کتاب فضائل أصحاب النبی ﷺ، کتاب مناقب الأنصار.

انعام الباری جلد۹: کتاب المغازی (حصہ اول): غزوة العشیرة أو العسیرة — غزوة الحدیبیة.

انعام الباری جلد۱۰: کتاب المغازی (حصہ دوم): باب قصة عکل وعرینة — باب کم غزا النبی ﷺ؟

انعام الباری جلد۱۱: کتاب التفسیر (حصہ اول): سورة الفاتحة — سورة النور

انعام الباری جلد۱۲: کتاب التفسیر (حصہ دوم): سورة الفرقان — سورة الناس، کتاب فضائل القرآن

تصانیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

☆ انعام الباری شرح صحیح البخاری - ۱۲ جلد
☆ اندلس میں چند روز
☆ اسلام اور جدید معیشت و تجارت
☆ اسلام اور سیاست حاضرہ
☆ اسلام اور جدت پسندی
☆ اصلاح معاشرہ
☆ اصلاحی خطبات
☆ اصلاحی مواعظ
☆ اصلاحی مجالس
☆ احکام اعتکاف
☆ اکابر دیوبند کیا تھے؟
☆ آسان نیکیاں
☆ بائبل سے قرآن تک
☆ بائبل کیا ہے؟
☆ پُرنور دعائیں
☆ تراشے
☆ تقلید کی شرعی حیثیت
☆ جہانِ دیدہ (بیس ملکوں کا سفرنامہ)
☆ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق
☆ حجیت حدیث
☆ حضور ﷺ نے فرمایا (انتخاب حدیث)
☆ حکیم الامت کے سیاسی افکار
☆ درسِ ترمذی
☆ دنیا مرے آگے (سفرنامہ)
☆ دینی مدارس کا نصاب و نظام
☆ ذکر و فکر
☆ ضبط ولادت
☆ عیسائیت کیا ہے؟
☆ علوم القرآن

☆ عدالتی فیصلے
☆ فرد کی اصلاح
☆ فقہی مقالات
☆ تاثر حضرت عارفیؒ
☆ میرے والد میرے شیخ
☆ ملکیت زمین اور اس کی تحدید
☆ نشری تقریریں
☆ نقوش رفتگاں
☆ نفاذ شریعت اور اس کے مسائل
☆ نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے
☆ ہمارے عائلی مسائل
☆ ہمارا معاشی نظام
☆ ہمارا تعلیمی نظام
☆ تکملہ فتح الملہم (شرح صحیح مسلم)
☆ ماھی النصرانیة؟
☆ نظرة عابرة حول التعليم الاسلامي
☆ احکام الذبائح
☆ بحوث في قضايا فقهية المعاصرة

☆ An Introduction to Islamic Finance
☆ The Historic Judgement on Interest
☆ The Rules of I'tikaf
☆ The Language of the Friday Khutbah
☆ Discourses on the Islamic way of life
☆ Easy good Deeds
☆ Sayings of Muhammad ﷺ
☆ The Legal Status of following a Madhab
☆ Perform Salah Correctly
☆ Contemporary Fatawa
☆ The Authority of Sunnah

تعارف: علمی و دینی رہنمائی کی ویب سائٹ

www.deenEislam.com

☆............اغراض ومقاصد............☆

اسلامی تعلیمات: ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جدید فقہی مسائل: اس کے ساتھ عصرِ حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

دفاع توہینِ رسالت وناموسِ رسالت و: توہینِ رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

شبہات کے جوابات: اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

☆............آن لائن اصلاحی بیانات............☆

❁ صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان۔

❁ شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

❁ مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار ومنگل) کی اصلاحی مجالس آئن لائن لائیو بیان۔

❁ سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک وہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں۔

☆............آپ کے مسائل اور ان کا حل؛ آن لائن دارالافتاء............☆

❁ اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل "آن لائن دارالافتاء" سے بھی گھر بیٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

Contact / رابطہ

PH:00922135046223 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deeneislam.com

WebSite:www.deeneislam.com